انوار القرآن

جلد اوّل

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ

مکتبہ جہانگیر

Marfa

GIFT BOOK
No. 94
Office
Dtd. 26/6/07

Mar

اکیسویں صدی کے تناظر میں پہلی جامع تفسیر

انوار القرآن

قرآنِ کریم کی سورتوں کا تعارف و تلخیص
مضامینِ قرآن اور منتخب آیات کی تفسیر

جلد اول

مصنفہ
ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ
سابق اسسٹنٹ پروفیسر ثقافۃ اسلامیہ و صدر شعبۂ ترجمہ اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ
سابق وائس چانسلر اسلامک یونیورسٹی سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور

ڈاکٹر مرتضیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
16-A1 ٹاؤن شپ، لاہور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکیننگ اور کسی بھی قسم کی اشاعت
مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی

71739

ملنے کا پتہ۔
جہانگیر بک ڈپو، اردو بازار لاہور

آپ کے مشورے اور شکایات کے لئے۔
16-A1 ٹاؤن شپ، لاہور

اشاعت : اگست 2002ء
سرورق : JBD Art Section، لاہور

Research is the key to success
JBD Press
ESTD.1923

ناشر : ڈاکٹر مرتضیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
ملنے کا پتہ : جہانگیر بک ڈپو، آفس: 257 ریواز گارڈن، لاہور۔ فون: 042-7213318
فیکس: 042-7213319 ای میل: jbdsales@wol.net.pk سیلز ڈپو: اردو بازار، لاہور
فون: 042-7220879 سیلز ڈپو: اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک، راولپنڈی فون: 051-5539609
سیلز ڈپو: نزد یونیفارم سینٹر جامع مسجد صدر، رسالہ روڈ، حیدر آباد فون: 0303-6217098

نیاز جہانگیر پرنٹرز، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور نے پرنٹ کی۔ فون: 042-7314319

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

اللّٰھُمَّ
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ
بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

com

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

تا کجا در خاک می گیری وطن؟
رخت بردار و سرِ گردوں فگن

fat.com

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

com

فہرست عنوانات (حصہ اول)

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	ابتدائیہ	۲۷
	قرآن مجید فہم و تدبر سے پڑھنے کی اہمیت	۳۱
	تلاوت آیات	۳۳
	تزکیہ	۳۳
	تعلیمُ الکتاب	۳۴
	تعلیمُ الحکمہ	۳۵
	غور طلب امر	۳۵
	ایک اہم واقعہ	۳۶
	قوموں کے عروج و زوال کا معیار	۳۷
	صحابہ کرامؓ کی روحانیت	۳۹
	بغیر سمجھے تلاوت قرآن کی حیثیت	۴۱
۱	**سورہ الفاتحہ**	۴۷
	نام	۴۷
	زمانہ نزول	۴۷
	مضامین	۴۷
	تعوذ و بسملہ	۴۷
	بسملہ اخلاص	۴۸
	تفسیر	۵۰
۲	**سورہ البقرہ**	۵۵
	نام، زمانہ نزول، شان نزول	۵۵
	مضامین	۵۵
	تفسیر	۵۶
	انسانوں کے تین گروہ	۵۹
	صفات مومنین	۶۰
	متقی کون ہیں؟	۶۰
	عقیدہ ختم نبوت	۶۱
	صفات کفار	۶۲
	صفات منافقین	۶۲
	قرآن کا چیلنج	۶۳
	خلافت آدم	۶۳
	علم و سائنس کی ابتدا اور فضیلت	۶۳
	انسان اور شیطان میں بنیادی فرق	۶۵
	ہدایت ربانی	۶۶
	بنی اسرائیل کی نافرمانیاں	۶۶
	بنی اسرائیل سے امامت چھن جانے کا سبب	۶۶

fat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	امامت ابراہیمی	۶۸
	ایمان۔ شعوری عمل	۶۸
	اُمت وسط اور شہادت حق	۶۹
	چار اہم کام	۶۹
	مسلمانوں پر امامت کی ذمہ داری	۷۰
	ذکر الٰہی	۷۱
	آزمائش میں مومنانہ رویہ	۷۱
	اللہ کی محبت میں شرک	۷۲
	نیکی کا تصور	۷۲
	روزے	۷۳
	رمضان و قرآن کا باہمی تعلق	۷۴
	حقیقت حج	۷۵
	دین و دنیا کا ملاپ	۷۵
	متوازن نظام تعلیم	۷۶
	ذکر الٰہی و عبادت	۷۷
	اللہ کی راہ میں خرچ کرنا	۷۹
	مرد و زن۔ ایک دوسرے کا لباس	۷۹
	حقوق نسواں	۷۹
	طبقات پرستی	۸۱
	نافرمانی اور پست ہمتی	۸۱
	توحید کا سرچشمہ۔ آیت الکرسی	۸۲
	حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا قصہ	۸۳
	مردہ کیسے زندہ ہوگا؟	۸۳
	سود کی حرمت	۸۴
	اختتام	۸۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳	**سورہ آل عمران**	۸۷
	نام	۸۷
	زمانۂ نزول	۸۷
	شان نزول اور مضامین	۸۷
	تفسیر	۸۹
	تعارف و ربط ماقبل	۸۹
	محکمات اور متشابہات	۸۹
	اختلافات کی وجوہات	۹۲
	یہود و نصاریٰ کی سازشیں	۹۲
	صرف اسلام قبول ہے	۹۴
	اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت	۹۵
	تعلیم حکمت	۹۵
	اندھا عقیدہ	۹۶
	حج کی فرضیت	۹۶
	ایمان کی کسوٹی عمل ہے	۹۷
	تقویٰ و وحدت ملت بذریعہ تدبر قرآن	۹۷
	تفرقہ کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟	۹۸
	مسلمانوں پر خلافت کی ذمہ داری	۹۹
	تقویٰ اور وحدت	۱۰۰
	سود کی حرمت	۱۰۱
	سود کے بارے میں ایک اہم نکتہ	۱۰۲
	قومی عظمت کا راز	۱۰۴
	مومن کی اصل ذمہ داری	۱۰۵
	مبلغ میں عالی ظرفی	۱۰۵
	شورائیت	۱۰۶

Mar

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	توکل کی حقیقت	۱۰۷
	عظمت نبوت	۱۰۷
	مقام شہید	۱۰۷
	تدبر کی دعوت زمین و آسمان	
	اور مخلوقات میں غور وفکر	۱۰۹
	ذکر الٰہی پہ توجہ مرتکز کرنے کا طریقہ	۱۰۹
	ایک فریاد	۱۱۰
	دنیا کی ظاہری شان وشوکت ایک دھوکہ ہے	۱۱۱
	صبر، ربط اور تقویٰ	۱۱۲
	رباط و مرابطت	۱۱۲
	اللہ کا تقویٰ اختیار کرو	۱۱۳
۴	**سورہ النساء**	۱۱۵
	نام	۱۱۵
	زمانۂ نزول	۱۱۵
	شان نزول اور مضامین	۱۱۵
	تفسیر	۱۱۷
	یتیموں کے حقوق	۱۱۷
	بیوی کے ساتھ حُسنِ سلوک	۱۱۸
	تعدد ازواج کی مصلحت اور حکمت	۱۱۸
	مال یتیم کی واپسی	۱۱۹
	یتیموں کا مال کھانے کا وبال	۱۲۰
	احکام الٰہی کی پابندی	۱۲۰
	توبہ اور شرائط توبہ	۱۲۱
	نکاح کا مقصد	۱۲۱
	باطل اموال اور خون خرابہ	۱۲۱
	دنیا۔امتحان گاہ	۱۲۲
	حقوق نسواں	۱۲۳
	مردوں کی بڑائی کی وجہ	۱۲۳
	خاتون کی اصل ذمہ داری تربیت اولاد ہے	۱۲۴
	اسلام کا معجزہ۔ ولی الامر کا تصور	۱۲۵
	نماز بحالت شعور وفہم ادا کریں	۱۲۶
	شرک۔ انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے	۱۲۷
	قرآن کا ایک سائنسی اعجاز	۱۲۷
	مقام رسالت	۱۲۸
	قیام عدل۔نزول قرآن کا مقصد	۱۲۸
	مخالفت رسول کا ہولناک انجام	۱۲۹
	توفیق الٰہی کی حقیقت	۱۲۹
	منافقین کا ہولناک انجام اور اہل ایمان	
	کے لیے تنبیہ	۱۳۰
	غیرت دینی کا تقاضا	۱۳۱
	منافقوں کے لیے غلبہ اور اقتدار نہیں	۱۳۲
	اہل صحافت کی ذمہ داری	۱۳۳
	اختتام	۱۳۴
۵	**سورہ المائدہ**	۱۳۵
	نام	۱۳۵
	زمانۂ نزول	۱۳۵
	شان نزول	۱۳۵
	مضامین	۱۳۶
	تفسیر	۱۳۷
	ایفائے عہد	۱۳۷

fat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	کفار کی مایوسی	۱۳۸
	نعمت عظمیٰ	۱۳۸
	آفاقیت	۱۳۸
	ابدیت	۱۳۹
	ختم نبوت	۱۴۰
	صرف اسلام بحیثیت نظام موجود ہے	۱۴۱
	احکام شریعت نعمت الٰہی ہیں نہ کہ سبب پریشانی	۱۴۱
	مقاصد شریعت	۱۴۲
	بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور سزا	۱۴۲
	پاکستانی مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ	۱۴۳
	یہود کا ایک اور عبرت انگیز واقعہ	۱۴۴
	تعزیرات کا فائدہ	۱۴۵
	چوری کی حد	۱۴۶
	جین کے کام پر اترانے کی بجائے شکر کرنا چاہئے	۱۴۷
	مومنین کے اوصاف	۱۴۷
	کرنے کا اصل کام ۔ نفاذ شریعت	۱۴۸
	حرمت شراب اور جواء	۱۴۹
	انسانی نفسیات ۔ گمراہی کے اسباب	۱۴۹
	پہلا سبب: جمہوریت	۱۵۰
	دوسرا سبب: رسوم و رواج	۱۵۱
	تیسرا سبب: عیب چینی	۱۵۱
	ایک معجزہ ۔ آسمانی دسترخوان	۱۵۲
	معجزے کی حقیقت	۱۵۲
	نجات کی راہ ۔ سچائی	۱۵۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۶	**سورہ الانعام**	۱۵۳
	نام	۱۵۳
	مکی اور مدنی سورتیں	۱۵۳
	زمانہ نزول	۱۵۴
	شان نزول	۱۵۴
	مضامین	۱۵۴
	تفسیر	۱۵۶
	ایک روح پرور منظر	۱۵۶
	دلائل توحید	۱۵۷
	قدرت کاملہ کا ذکر	۱۵۸
	نقصان اٹھانے والے لوگ	۱۵۸
	دنیا کیا ہے؟	۱۵۸
	حقیقی زندگی اور حضورؐ کا ترانہ	۱۶۰
	تصور نبوت اور دور جاہلیت	۱۶۱
	حشر کا ایک منظر اور انداز تبلیغ	۱۶۲
	علم غیب ۔ خاصہ خداوندی	۱۶۳
	انسانی فطرت	۱۶۴
	ابراہیم علیہ السلام اور عقیدۂ توحید	۱۶۴
	شرک کا وبال	۱۶۵
	نبوت ۔ بشریت کا خلاصہ	۱۶۶
	دعوت توحید کا نرالا انداز	۱۶۷
	بصائر قرآنی کا ذکر	۱۶۸
	مدار نجات	۱۶۸
	اوصاف مبلغ	۱۶۹

com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	بدترین شخص کون؟	۱۶۹
	مناظرہ بازی	۱۶۹
	تکمیل شریعت	۱۷۰
	صدق، امانت اور عدل	۱۷۰
	جمہوریت کے بارے میں قرآن کا فیصلہ	۱۷۱
	گناہ سے بیزاری	۱۷۲
	سلامتی کی راہ	۱۷۳
	حشر کا ایک المناک منظر	۱۷۴
	توریت میں احکام ربانی	۱۷۶
	فرقہ واریت کی مذمت	۱۷۷
	حقیقی ہدایت	۱۷۸
۷	**سورہ الاعراف**	۱۸۱
	نام	۱۸۱
	زمانۂ نزول اور مباحث	۱۸۱
	تفسیر	۱۸۲
	نزول قرآن کا مقصد۔ اتباع	۱۸۲
	منکرین قرآن اور آخرت کی رسوائی	۱۸۳
	تکبر۔ رسوائی کا سبب	۱۸۳
	پہلا امتحان۔ پہلی شریعت	۱۸۴
	لباس بمقابلہ برہنگی	۱۸۴
	جنت کی ایک بڑی نعمت	۱۸۶
	دوزخ میں داخلہ کا سبب	۱۸۶
	دعا و مناجات قرب الٰہی کا ذریعہ	۱۸۶
	آداب دعا و ذکر	۱۸۷
	مختلف اقوام کے واقعات سے عبرت	۱۸۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	ایمان و تقویٰ سے دنیا کی دولت حاصل ہونا	۱۸۸
	قوم موسیٰ کے لیے تسلی	۱۸۹
	حکومت و اقتدار۔ ایک آزمائش	۱۸۹
	شان نبوت	۱۸۹
	نبی کا مشن۔ غلامی سے نجات	۱۹۰
	آفاقی رسالت	۱۹۱
	حرام کی طرف بڑھنے سے حلال کا راستہ بند ہوجاتا ہے	۱۹۲
	حرام خوروں پر عذاب الٰہی	۱۹۳
	مقصد دعوت و تبلیغ	۱۹۳
	عہد فطرت	۱۹۴
	یہ عہد و میثاق کیسے بھلادیا گیا؟۔ ایک مثال	۱۹۵
	اللہ تعالیٰ کی آیات سے بغاوت۔ ایک مثال	۱۹۶
	توحید الٰہی	۱۹۸
	شان رسالت کے بارے میں درست رویہ	۱۹۸
	علم غیب اور نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ	۱۹۸
	مشرکین کی گوشمالی	۲۰۰
	نصرت الٰہی قرآن سے تعلق پر موقوف ہے	۲۰۱
	مبلغ کی شان	۲۰۱
	خلاصۂ کلام	۲۰۱
۸	**سورہ الانفال**	۲۰۳
	نام	۲۰۳
	زمانۂ نزول	۲۰۳
	مباحث	۲۰۳
	تفسیر	۲۰۸

fat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	غنیمت اور فئے	۲۰۸
	مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ	۲۰۸
	کامل مومن کی نشانیاں	۲۰۹
	توکل کی حقیقت	۲۱۰
	ہاتھ ہے اللہ کا، مومن کا ہاتھ	۲۱۱
	فاعل حقیقی اللہ ہے	۲۱۱
	اسباب نہیں مسبب پر بھروسہ	۲۱۱
	عذاب الٰہی کے مستحق لوگ	۲۱۲
	خصوصی انعامات اور ان کے حصول کا طریقہ	۲۱۲
	نزول عذاب کا ایک سبب	۲۱۴
	آداب جہاد	۲۱۵
	جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول	۲۱۷
	دین و دنیا اکٹھے رکھنا	۲۱۷
۹	**سورہ التوبہ**	۲۱۹
	نام	۲۱۹
	زمانۂ نزول	۲۱۹
	مضامین	۲۱۹
	پس منظر	۲۲۰
	غزوۂ موتہ	۲۲۰
	تفسیر	۲۲۲
	قبول اسلام کی علامات	۲۲۲
	اسلامی برادری میں شمولیت کیلئے تین شرائط	۲۲۳
	خدمت مسجد کے لیے شرائط	۲۲۳
	ایک شبہ کا ازالہ	۲۲۴
	اہل ایمان کو تنبیہ	۲۲۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	رحمت الٰہی کا نزول۔ جنگِ حنین	۲۲۵
	مشرک ناپاک ہے	۲۲۶
	یہود کی بدخصلت اور زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر ڈانٹ	۲۲۶
	حرمت والے مہینے اور مشرکین مکہ کی حیلہ سازی	۲۲۸
	سلسلۂ جہاد میں ایک ہدایت	۲۲۹
	یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظمت	۲۳۰
	منافقوں کو تنبیہ	۲۳۱
	صدقات کی تقسیم	۲۳۲
	مصارفِ زکوٰۃ	۲۳۲
	منافقوں کا انجام بد	۲۳۲
	مجاہدین کی عظمت	۲۳۴
	اہل ایمان کے طبقات	۲۳۵
	مسجدِ ضرار۔ ایک نیا حربہ	۲۳۵
	مسجد بنانے والوں کی عظمت	۲۳۵
	علامات ایمان	۲۳۶
	مشرک کے لیے استغفار نہ کریں	۲۳۷
	تین صحابیوں کی توبہ	۲۳۸
	تعلیم دین۔ فرض کفایہ	۲۳۹
۱۰	**سورہ یونس**	۲۴۱
	نام	۲۴۱
	زمانۂ نزول	۲۴۱
	مضامین	۲۴۱
	تفسیر	۲۴۳
	ہماری منزل ذات الٰہی ہے	۲۴۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	نبوت محمدی پہ دلیل قاطع	۲۴۵
	توحید فطرتِ انسانی ہے	۲۴۵
	ظن وتخمین بمقابلہ ایمان و یقین	۲۴۷
	حُبِ الٰہی حصولِ یقین کا ذریعہ ہے	۲۴۹
	ولی اللہ کون؟	۲۵۰
	دن رات کا آنا نظام رحمت ہے	۲۵۱
	بعض انبیاء کے حالات	۲۵۱
	فرعون کی لاش۔ ایک عظیم معجزہ	۲۵۳
۱۱	**سورہ هود**	۲۵۵
	نام	۲۵۵
	زمانہ نزول	۲۵۵
	مضامین	۲۵۵
	تفسیر	۲۵۶
	رزق رسانی	۲۵۶
	بندے کی اصل ذمہ داری اور ایک غلط فہمی	۲۵۶
	انسانی نفسیات	۲۵۷
	دینوی نعمت کی حقیقت	۲۵۸
	صفات باری تعالیٰ اور انسان	۲۵۹
	ایک غلط نظریئے کا ازالہ	۲۵۹
	چند واقعات	۲۵۹
	نوح علیہ السلام کا واقعہ اور شفاعت کی حقیقت	۲۶۰
	دین ایک شعوری عمل ہے	۲۶۱
	دین و دنیا کی جدائی	۲۶۲
	فرائض امامت سے غفلت کا انجام	۲۶۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	دین ذاتی معاملہ نہیں	۲۶۵
	حقیقی نماز	۲۶۶
۱۲	**سورہ یوسف**	۲۶۹
	نام	۲۶۹
	زمانہ نزول	۲۶۹
	شانِ نزول اور مضامین	۲۶۹
	قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کے رموز	۲۷۱
	تفسیر	۲۷۳
	عربی زبان میں قرآن سمجھ کر پڑھنے کیلئے ہے	۲۷۳
	اولاد سے مقاطعہ کی بجائے صبر وتحمل	۲۷۳
	نفس کی اقسام	۲۷۵
	نفس امارہ	۲۷۵
	نفس لوامہ	۲۷۵
	نفس مطمئنہ	۲۷۵
	علم غیب کا منبع ذات الٰہی ہے	۲۷۶
۱۳	**سورہ الرعد**	۲۷۹
	نام	۲۷۹
	زمانہ نزول	۲۷۹
	مضامین	۲۷۹
	تفسیر	۲۸۰
	توحید کی دو بنیادیں	۲۸۰
	غیر اللہ سے دعا کی عمدہ مثال	۲۸۰
	اللہ کی طرف رجوع اصل ایمان ہے	۲۸۱
	سب سے لذیذ عمل۔ یادِ الٰہی	۲۸۱
	معجزات صرف اللہ کے اختیار میں ہیں	۲۸۲

Marfat

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۴	**سورہ ابراھیم**	۲۸۳
	نام	۲۸۳
	زمانۂ نزول	۲۸۳
	مضامین	۲۸۳
	تفسیر	۲۸۴
	فہم قرآن اندھیرے سے روشنی تک لے جاتا ہے	۲۸۴
	مقصد کتاب	۲۸۴
	مشرکین کے شکوک	۲۸۵
	تمام انبیاء نوع بشر سے ہیں	۲۸۶
	مشرکین کا حسرت کرنا	۲۸۶
	ایمان کی مثال	۲۸۷
	اہل ایمان پر رحمت	۲۸۷
۱۵	**سورہ الحجر**	۲۸۹
	نام	۲۸۹
	زمانۂ نزول	۲۸۹
	مضامین	۲۸۹
	تفسیر	۲۹۰
	انسانی تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ	۲۹۰
	الذکر سے مراد قرآن وسنت دونوں ہیں	۲۹۱
	ابلیس کا اولادِ آدم کو کھلا چیلنج	۲۹۲
۱۶	**سورہ النحل**	۲۹۷
	نام	۲۹۷
	زمانۂ نزول	۲۹۷

نمبر شمار	مضامین	[illegible]
	مضامین	۷
	تفسیر	۸
	ایک شک کا ازالہ اور دلائل توحید	۸
	معبودان باطلہ کی حقیقت	۸
	ایمان کا تیسرا رکن قیامت	۹
	مشرکین مکہ کی بری خصلت	۹
	رحمت الٰہی	۰
	دودھ پر غور کی دعوت	۰
	ایک سائنسی اعجاز۔ شہد کی مکھی	۰۱
	ایک اور قدرت الٰہی کا اظہار	۰۱
	صرف مادہ مکھی شہد تیار کرتی ہے۔ قرآنی اعجاز	۲
	حشر کی منظر کشی اور ایک مثال	۲
	ایفائے عہد کا حکم اور آخرت کا اجر	۳
	شیطان کا طریقۂ واردات اور اس کا علاج	۳
	اللہ کی شان مغفرت اور ایک غلط فہمی کا ازالہ	۵
	رزق حلال	۰۶
	احکام حلال وحرام میں من پسندی کی سزا	۷
	حکمت و دعوت میٹھے انداز میں	۷
	دعوت وحکمت کی کچھ حسین مثالیں	۰۸
۱۷	**سورہ بنی اسرائیل**	۱۱
	نام	۱۱
	زمانۂ نزول	۱۱
	مضامین	۱۱
	تفسیر	۱۲
	عظمت نبویؐ اور مقامِ عبد	۱۲

com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	اہل مکہ کو تنبیہ کی ایک مثال	۳۱۳
	قیامت اور نامۂ اعمال	۳۱۴
	دنیا میں عذاب	۳۱۴
	قرآن مجید اور ہمہ پہلو ہدایت	۳۱۵
	پہلا حکم۔ توحید باری تعالیٰ	۳۱۵
	عقیدہ	۳۱۵
	عبادت	۳۱۶
	اخلاق	۳۱۶
	معاملات	۳۱۶
	دوسرا حکم۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک	۳۱۶
	تیسرا حکم۔ اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی	۳۱۷
	چوتھا حکم۔ فضول خرچی سے بچو	۳۱۷
	پانچواں حکم۔ میانہ روی	۳۱۸
	چھٹا حکم۔ مفلسی کے باعث اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم	۳۱۸
	ساتواں حکم۔ زنا سے بچو	۳۱۹
	آٹھواں حکم۔ قتل و غارت سے بچو	۳۱۹
	نواں حکم۔ یتیم کے مال کی حفاظت	۳۱۹
	دسواں حکم۔ ایفائے عہد	۳۱۹
	کائنات کی تسبیح و تمہید	۳۲۱
	سائنسی تحقیق کی مشکلات	۳۲۲
	حیات بعد الموت	۳۲۲
	قرآن کا ایک اور سائنسی اعجاز	۳۲۳
	دعوت توحید	۳۲۳
	ابلیس کا چیلنج	۳۲۴

نمبر شمار	مضامین	نمبر شمار
	ابلیسی چیلنج کا مقابلہ کیسے ہو؟	۳۲۴
	بنی آدم کی تکریم	۳۲۵
	بدقسمت انسان کون؟	۳۲۶
	اوقات صلوٰۃ کا ذکر	۳۲۶
	ایک دعا اور اس کا پس منظر	۳۲۸
	قرآن۔ رحمت و شفا	۳۲۸
	مشرکین مکہ کے سوالات اور جوابات	۳۲۹
	روح کی حقیقت	۳۲۹
	اعجاز قرآنی	۳۲۹
	انسانی نفسیات اور نزول قرآن میں تدریج	۳۳۰
	لفظ رحمٰن۔ ایک توضیح	۳۳۱
۱۸	**سورہ الکہف**	۳۳۳
	نام	۳۳۳
	زمانۂ نزول	۳۳۳
	شان نزول	۳۳۳
	مضامین	۳۳۴
	تفسیر	۳۳۶
	قرآن کتاب فلاح ہے	۳۳۶
	نبی ﷺ کو تسلی اور دلاسہ	۳۳۶
	اصحاب کہف	۳۳۷
	ایک اہم نصیحت	۳۴۰
	قرآن۔ کتاب ہدایت	۳۴۰
	ایک مثال	۳۴۱
	دنیوی زندگی۔ ایک تمثیل	۳۴۲
	متاع دنیا کی حقیقت	۳۴۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	بڑا ظالم کون؟	۳۴۴
	قصہ خضر	۳۴۵
	قرآنی اسلوب تاریخ	۳۴۷
	خدائی مصلحتیں	۳۴۸
	قصہ ذوالقرنین	۳۴۸
	قیامت کا منظر	۳۵۰
	ایک اختلافی مسئلے کا حل	۳۵۱
۱۹	**سورہ مریم**	۳۵۳
	نام	۳۵۳
	زمانۂ نزول	۳۵۳
	مضامین اور پس منظر	۳۵۳
	تفسیر	۳۵۶
	زکریا علیہ السلام کی دعا	۳۵۶
	کتاب الٰہی تھامنے کے لیے قوت کی ضرورت	۳۵۶
	پاک دامنی کیا ہے؟	۳۵۷
	اللہ تعالیٰ کی ایک خاص سنت	۳۵۷
	نصرت الٰہی کب اور کیسے؟ ایک اہم قاعدہ	۳۵۸
	قبولیتِ دُعا کے لیے اہم شرط	۳۵۸
	عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کی گود میں بولنا	۳۵۹
	عالمگیر حقیقت۔ ملکیت نہیں امانت!	۳۵۹
	ابراہیم علیہ السلام کا ذکر	۳۶۰
	ترکِ نماز کا نتیجہ۔ شہوات کی پیروی	۳۶۳
	نماز برائی سے روکتی ہے	۳۶۳
	قیامت یقیناً آئے گی	۳۶۳
	کافروں کو مہلت	۳۶۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	نیک لوگوں کی عظمت	۳۶۴
	مشرکوں کے لیے دوزخ کیوں؟	۳۶۵
	تین اہم باتیں	۳۶۶
۲۰	**سورہ طٰہٰ**	۳۶۷
	نام	۳۶۷
	زمانۂ نزول	۳۶۷
	مضامین	۳۶۸
	تفسیر	۳۶۹
	قرآن کس کے لیے ہے؟	۳۶۹
	مبلغ کے لیے نصیحت	۳۶۹
	معجزات موسیٰ کی رمزی حقیقت	۳۷۰
	فرعونوں کی حقیقت	۳۷۰
	تبلیغ کے ساتھ ذکر الٰہی ضروری ہے	۳۷۰
	معرکۂ حق و باطل	۳۷۱
	با ادب با نصیب	۳۷۲
	دنیا میں جادوگر کا انجام	۳۷۲
	تورات کا ملنا اور بچھڑے کی پوجا	۳۷۳
	میدانِ حشر میں ظالموں کی رسوائی	۳۷۴
	آدم علیہ السلام اور پیغام الٰہی	۳۷۴
	قرآن مجید کے ساتھ اندھا پن	۳۷۵
	اوقاتِ نماز	۳۷۵
	صلوٰۃ کے معنی	۳۷۶
۲۱	**سورہ الانبیاء**	۳۷۸
	نام	۳۷۸
	زمانۂ نزول	۳۷۸

com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	مضامین	۳۷۸
	تفسیر	۳۸۰
	عقیدہ آخرت	۳۸۰
	ایک سے زیادہ معبود فساد کا باعث!	۳۸۱
	ایک حیرت انگیز انکشاف	۳۸۲
	انبیاء کا ذکر	۳۸۳
	قیامت کا ذکر	۳۸۴
۲۲	**سورہ الحج**	۳۸۶
	نام	۳۸۶
	زمانۂ نزول	۳۸۶
	تفسیر	۳۸۸
	دعوتِ فکر کے لیے چند نکات	۳۸۸
	بدفطرت انسان کون؟	۳۸۹
	تعمیر خانہ کعبہ کا مقصد	۳۹۰
	اعلان حج	۳۹۰
	شعائر اللہ کی تعظیم	۳۹۱
	پیار بھرا خطاب	۳۹۲
	اسلامی حکومت کی ذمہ داری	۳۹۴
	ایک تمثیل	۳۹۴
۲۳	**سورہ المومنون**	۳۹۷
	نام	۳۹۷
	زمانۂ نزول	۳۹۷
	مضامین	۳۹۷
	تفسیر	۳۹۹
	قرآن اور سائنس	۳۹۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	پانی کا ذخیرہ اور راشنگ	۴۰۰
	رسالت اور بشریت	۴۰۱
	قرآن فہمی کے لیے عربی سیکھنے کی ضرورت	۴۰۳
	کسبِ حلال	۴۰۴
	انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی!	۴۰۵
	مشرکین مکہ اور ہمارے عقائد کا تقابل	۴۰۶
	قیام حشر کا منظر	۴۰۹
	ایک انتہائی مفید دعا	۴۱۱
۲۴	**سورہ النور**	۴۱۳
	نام	۴۱۳
	زمانۂ نزول اور تاریخی حالات	۴۱۳
	مضامین	۴۱۶
	تفسیر	۴۱۸
	حدود اللہ کا نفاذ اصل دین ہے	۴۱۸
	زنا شرک کے ہم پلہ ہے	۴۱۸
	تہمت کی سزا	۴۱۹
	لعان	۴۱۹
	واقعہ افک	۴۲۰
	بے نفسی و ایثار کی انتہا	۴۲۲
	پاک دامن مردوں کے لیے پاکدامن بیبیاں	۴۲۳
	پرائیویسی کا تصور	۴۲۳
	پردے کا حکم	۴۲۳
	غلامی پر دائمی پابندی	۴۲۵
	اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے	۴۲۵

Marfat

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	کفار کے نیک اعمال کی مثال	۴۲۷
	قرآن کا ایک سائنسی اعجاز۔پانی میں سے روشنی نہ گزر سکنا	۴۲۸
	پانی مصدرِ حیات۔ایک اور سائنسی اعجاز	۴۲۸
	سچے اہل ایمان کی حالت	۴۲۹
	اللہ تعالیٰ کے تین حسین وعدے	۴۲۹
	پردے کے اوقات	۴۳۰
	بارگاہ نبوی میں ادب	۴۳۱
۲۵	**سورہ الفرقان**	۴۳۳
	نام	۴۳۳
	زمانۂ نزول	۴۳۳
	مضامین	۴۳۳
	تفسیر	۴۳۴
	مقصد قرآن	۴۳۴
	اہل مکہ کے شبہات	۴۳۴
	اہل مکہ کا انکار آخرت	۴۳۵
	میدان حشر میں ایک مکالمہ	۴۳۵
	گمراہی کیا ہے؟	۴۳۶
	نبیوں کے روزمرہ معمولات	۴۳۶
	حشر کا ایک منظر	۴۳۷
	حشر میں انتہائی مایوس کن صورتحال	۴۳۸
	گمراہی کا سب سے بڑا سبب	۴۳۸
	اہل مکہ کا ایک بھونڈا اعتراض	۴۳۸
	آداب تلاوت	۴۳۹
	نفسانی خواہش	۴۳۹

نمبر شمار	مضامین	
	توحید اور اس پہ دلائل	۴۴۰
	کامل مومن کے اوصاف	۴۴۱
۲۶	**سورہ الشعراء**	۴۴۳
	نام	۴۴۳
	زمانۂ نزول	۴۴۳
	مضامین	۴۴۳
	تفسیر	۴۴۵
	عظمت کتاب	۴۴۵
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ	۴۴۵
	سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ	۴۴۶
	ہدایت کے معنی	۴۴۶
	عاجزی و بے نفسی کی انتہاء	۴۴۷
	جنت و دوزخ کی منظر کشی	۴۴۸
	اللہ تعالیٰ کے برابر کسی سے محبت کرنا	۴۴۹
	سیدنا نوح علیہ السلام کا ذکر	۴۴۹
	کفار کا ایک وہم	۴۴۹
	قوم عاد	۴۵۰
	قومِ ثمود کی ہٹ دھرمی	۴۵۰
	قوم لوط	۴۵۱
	قومِ شعیب کا ذکر	۴۵۱
	شیطانی الہام کی حقیقت	۴۵۲
	نفس انسانی کی تین حالتیں	۴۵۲
	شعراء کی حقیقت	۴۵۴
۲۷	**سورہ النمل**	۴۵۵
	نام	۴۵۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	زمانہ نزول	۴۵۵
	مضامین	۴۵۵
	تفسیر	۴۵۷
	قصہ موسیٰ علیہ السلام	۴۵۷
	سلیمان علیہ السلام کا شکر ادا کرنا	۴۵۷
	عاجزی و انکسار	۴۵۸
	ایک عبرت انگیز واقعہ	۴۵۸
	سیدنا سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کا قصہ	۴۵۹
	مومن اور کافر میں فرق	۴۶۱
	سلیمان علیہ السلام اور یہودی یاوہ گوئی	۴۶۱
	قصہ لوط علیہ السلام	۴۶۲
	توحید پر دلائل	۴۶۲
	تین اہم وظائف	۴۶۳
	مسئلۂ علم غیب	۴۶۴
	آخرت پر دلائل	۴۶۵
	عظمتِ کعبہ	۴۶۵
۲۸	**سورہ القصص**	۴۶۷
	نام	۴۶۷
	زمانۂ نزول	۴۶۷
	مضامین	۴۶۷
	تفسیر	۴۶۹
	موسیٰ علیہ السلام کی ولادت	۴۶۹
	ظلم کی حکمرانی اور اس کے خلاف جہاد	۴۷۱
	ہجرت	۴۷۱
	مدین میں قیام اور روزگار	۴۷۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	منصب نبوت	۷۲
	فرعون کی جہالت	۷۲
	موجودہ دور کی جہالت	۷۳
	فرعون کا انجام بد	۷۳
	قرآن کی تمام الہامی کتب پر برتری	۷۳
	اہل کتاب میں مومنوں کا ایک طبقہ	۷۵
	اہل ایمان کی صفات	۷۵
	قیامت کے روز نسبی تعلق کام نہ آئے گا	۷۵
	ہدایت دینا یکطرفہ کارروائی نہیں	۷۶
	ہدایت طلبی پر اہم مثال	۷۶
	دنیوی اسباب کی حقیقت	۷۷
	رہبانیت و ترک دنیا کی ممانعت	۷۷
	قارون کون تھا؟	۷۷
	موسیٰ ؑ کی طرف سے قارون کو دعوت حق	۷۸
	ایک سوال اور اس کا جواب	۷۹
	نظام کائنات۔ آفاقی ممتا	۷۹
	اللہ کی رحمت اور ماں کی ممتا۔ ایک عمدہ مثال	۸۱
	آسمانی روشنی کی قیمت	۸۱
	قارون کی مذمت	۸۱
	قارون کی سرکشی	۸۲
	مومن و کافر کے ذہنوں کا بنیادی فرق	۸۳
	دار آخرت کا وارث کون؟	۸۳
	کامیابی کی شرائط	۸۳

fat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	ہوس اقتدار فساد کا اصلی سبب	۴۸۴
۲۹	**سورہ العنکبوت**	۴۸۵
	نام	۴۸۵
	زمانۂ نزول	۴۸۵
	مضامین	۴۸۵
	تفسیر	۴۸۶
	لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا	۴۸۶
	ایک مثال	۴۸۶
	ماں باپ سے حسن سلوک	۴۸۷
	دنیا میں آزمائش	۴۸۷
	اہل باطل کا ایک فریب	۴۸۸
	نوح علیہ السلام کا ذکر	۴۸۸
	ابراہیم علیہ السلام	۴۸۸
	ہجرت و استقامت	۴۸۹
	لوط علیہ السلام کا ذکر	۴۹۰
	ظالم کون ؟	۴۹۰
	نفس انسانی کا سب سے بڑا مسئلہ	۴۹۱
	استقامت کا نسخہ	۴۹۱
	تلاوت	۴۹۲
	نماز	۴۹۲
	ذکر	۴۹۲
	فکر	۴۹۳
	مراقبہ حضوری	۴۹۳
	ایک شبہے کا ازالہ	۴۹۵
	نبوت محمدیؐ کا ایک کھلا ثبوت	۴۹۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	آپؐ انٹرنیشنل لاء کے بانی ہیں	۴۹۶
	اہل ایمان کے لیے ہجرت کا حکم	۴۹۷
	دینوی زندگی کی حقیقت	۴۹۸
۳۰	**سورہ الروم**	۵۰۱
	نام	۵۰۱
	زمانۂ نزول	۵۰۱
	پس منظر	۵۰۱
	مضامین	۵۰۲
	تفسیر	۵۰۳
	دو معجزاتی پیش گوئیاں	۵۰۳
	آخرت پر دلائل	۵۰۳
	انسان کی امتیازی خصوصیت اور عقیدۂ آخرت	۵۰۴
	کائنات کے غیر دائمی ہونے پر حرکیات حرارۃ کے دوسرے قانون کی حتمی دلیل	۵۰۴
	عدل کامل صرف آخرت میں ممکن ہے	۵۰۵
	حشر کے میدان میں انسان کی رسوائی کا باعث	۵۰۵
	دلائل توحید	۵۰۵
	شرک کی تردید کے لیے ایک مثال	۵۰۶
	مشرکین کی ایک خاص صفت کہ وہ فرقہ واریت کے علمبردار ہوتے ہیں	۵۰۷
	مالی حقوق کی ادائیگی کا حکم	۵۰۸
	قومی معیشت پر اثر	۵۰۸
	زکوٰۃ اور سود کی تاثیر کا موازنہ	۵۰۹
	مجرم حشر کے میدان میں	۵۰۹
	اکثر اہل شرک، شرک کی حقیقت	

71739

Mar

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	ناواقفیت کی بنا پر شرک کرتے ہیں	۵۱۱
۳۱	**سورہ لقمان**	۵۱۳
	نام	۵۱۳
	زمانۂ نزول	۵۱۳
	مضامین	۵۱۳
	تفسیر	۵۱۴
	نیکوکار کون؟	۵۱۴
	بدکرداری کے علمبردار	۵۱۵
	اثبات توحید اور لقمان	۵۱۵
	لقمان کی نصیحتیں	۵۱۶
	توحید و روایت پرست جاہلوں کا کردار	۵۱۷
	نیکوکاروں کا انجام	۵۱۸
	صفات الٰہیہ کا لامتناہی ہونا	۵۱۸
	برائی سے بچنے کے لیے ڈھال	۵۱۸
	قیامت	۵۱۹
	حقیقی اور کامل علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے	۵۲۰
۳۲	**سورہ الم السجدہ**	۵۲۱
	نام	۵۲۱
	زمانۂ نزول	۵۲۱
	مضامین	۵۲۱
	تفسیر	۵۲۲
	متشابہ آیت	۵۲۲
	ایک شاعرانہ تخیل کی تردید	۵۲۳
	زندگی ایک ہی مرتبہ ملتی ہے	۵۲۳
	اہل دانش کی علامات	۵۲۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	سرکشن کون؟	۵۲۴
۳۳	**سورہ الاحزاب**	۵۲۷
	نام	۵۲۷
	زمانۂ نزول	۵۲۷
	تاریخی پس منظر	۵۲۷
	مضامین	۵۲۹
	تفسیر	۵۳۱
	چار اہم کام	۵۳۱
	معاشرتی رسوم کی اصلاح	۵۳۲
	مقامِ رسالت	۵۳۲
	ازواج مطہرات کا مقام	۵۳۳
	ایک اہم حکم	۵۳۳
	غزوہ الاحزاب کے موقع پر انعامات	۵۳۳
	منافقین کے احوال	۵۳۴
	مقام نبوت	۵۳۵
	اتباع کے لیے ایک مثال	۵۳۵
	چیونٹی کا شوق۔ اتباع و حب رسول کی عمدہ مثال	۵۳۶
	کرنے کے دو اہم کام	۵۳۷
	اہل ایمان کی فتح	۵۳۷
	دعا کا طریق اور اس کا اصل مقام	۵۳۸
	اللہ کے راستے میں قربانی کی ایک مثال اور معجزہ	۵۳۸
	ازواج مطہراتؓ کی ایک خواہش	۵۴۰
	ایک عظیم معجزہ۔ واقعہ تخییر	۵۴۰
	ازواج مطہراتؓ سے خصوصی خطاب	۵۴۱

fat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	مقبول اعمال	۵۴۱
	ایک قانون۔ نبی کی کامل اطاعتِ ایمان کی بنیاد ہے	۵۴۲
	نبیؐ کے فیصلہ پر دل سے راضی ہوں	۵۴۲
	سیدہ زینبؓ سے نکاح	۵۴۳
	مسئلۂ ختم نبوت	۵۴۳
	مدعی نبوت سے دلیل مانگنا کفر ہے	۵۴۳
	نبی اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت	۵۴۴
	کثرت ازواج کی مصلحتیں	۵۴۵
	ایک معاشرتی ادب	۵۴۶
	درود شریف سے متعلق ایک اہم نکتہ	۵۴۷
	پردے کا حکم	۵۴۷
	جہنم میں ایک بددعا	۵۴۸
	ایک اہم ترین بات۔ اعمال درست کرنے کا بہترین ذریعہ	۵۴۹
	انسان کا بار امانت اٹھانا	۵۴۹
	وعدہ وعید	۵۵۰
۳۴	**سورہ سبا**	۵۵۱
	نام	۵۵۱
	زمانۂ نزول	۵۵۱
	مضامین	۵۵۱
	تفسیر	۵۵۲
	کفار کا آخرت پر تعجب	۵۵۲
	حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر	۵۵۲
	حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر	۵۵۳

نمبر شمار	مضامین	نمبر ش
	اہل سبا اور اہل مکہ میں مشابہت	۵۵۴
	اللہ تعالیٰ مددگاروں سے بے نیاز ہے	۵۵۴
	شفاعت	۵۵۵
	نبوتِ محمدیؐ۔ عظیم آفاقی نعمت	۵۵۵
	آخرت میں گمراہ لیڈروں اور ان کے پیروکاروں کی ایک دوسرے پر الزام تراشی	۵۵۵
	غلط فہمی کا ازالہ	۵۵۷
	کفار کے تین مشہور اعتراضات	۵۵۷
	مرض بے یقینی	۵۵۸
۳۵	**سورہ فاطر**	۵۵۹
	نام	۵۵۹
	زمانۂ نزول	۵۵۹
	مضامین	۵۵۹
	تفسیر	۵۶۰
	فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں	۵۶۰
	قدرتِ الٰہی	۵۶۱
	عزت کی تلاش	۵۶۱
	معبودانِ باطل کی عاجزی و درماندگی	۵۶۱
	ایک جائزہ۔ ایک تقابل	۵۶۲
	اہلِ علم کی عظمت	۵۶۳
	آخرت میں اہلِ ایمان کے تین گروہ	۵۶۵

com

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ کی مشہور تصانیف

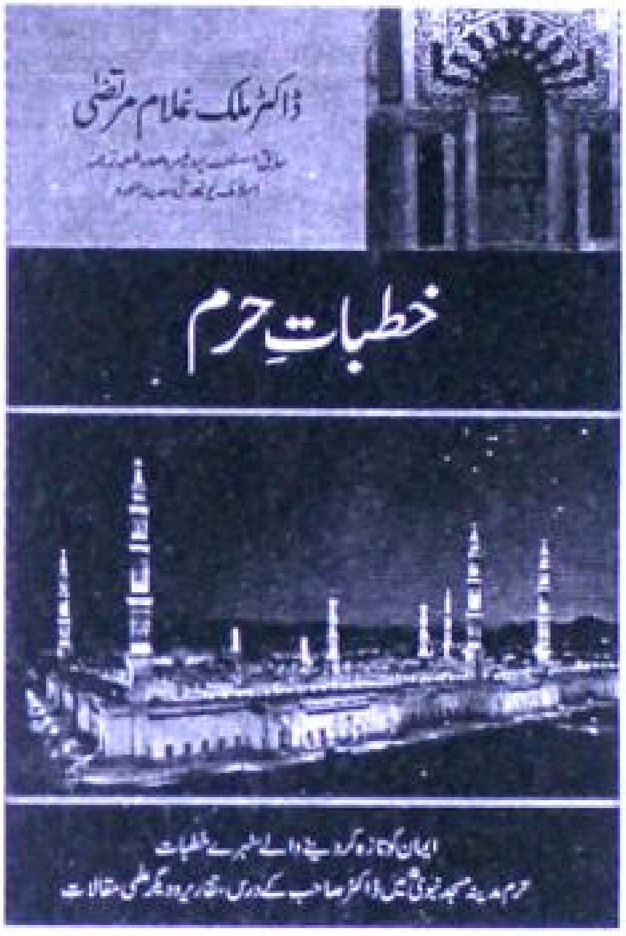

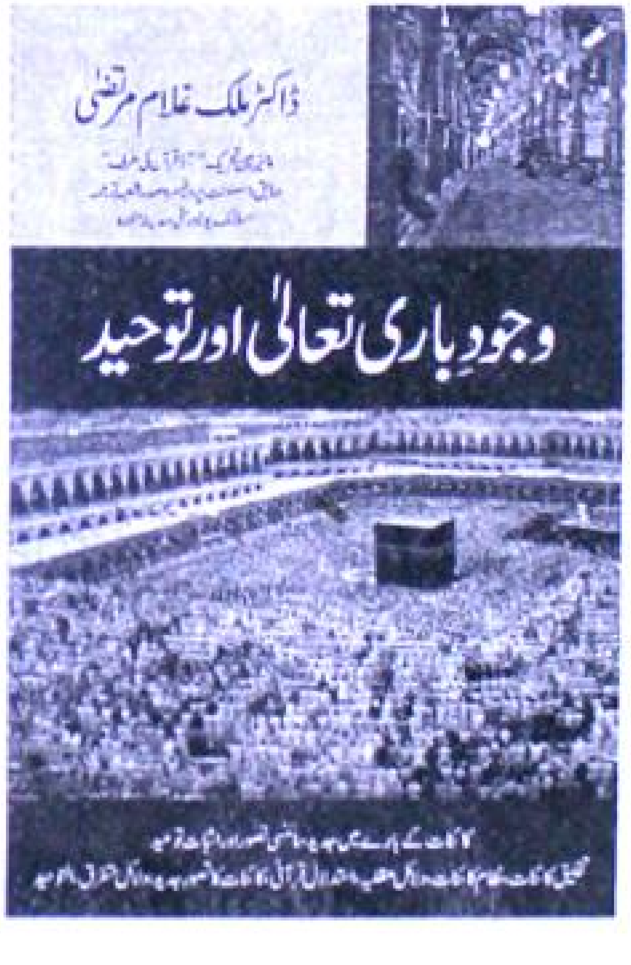

جہانگیر بک ڈپو

اردو بازار۔ لاہور فون: 042-7220879

اقبال روڈ۔ راولپنڈی۔ فون: 051-5539609

گوالی لین نمبر 3، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-7765086

com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

"انوار القرآن" معروف معنی میں مکمل اور مفصل تفسیر نہیں بلکہ یہ قرآنِ حکیم کی منتخب آیات کی تفسیر یا مختصر شرح ہے۔

قرآنِ حکیم میں ایک مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ○

"قرآنِ مجید میں سے جو کچھ بھی آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو" (مزمل:20)

میں نے قرآنِ مجید کی اس رعایت سے فائدہ اٹھا کر خاص طور پر ان آیات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے جنہوں نے تلاوت و مطالعہ کے دوران میں میرے دل میں ایک ہلچل برپا کر دی اور ان کی تلاوت سے بار بار رقت طاری ہوتی رہی۔ یہ واقعہ ہے کہ بعض آیات کی شرح لکھتے ہوئے قلم میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں بچوں کی طرح رونے لگا۔ مجھے کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کی تفسیر لکھنا میرے بس کی بات نہیں۔ میرا منہ کہاں کہ کلامِ ربانی کی شرح کا حق ادا کر سکوں۔ میں نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ میرے ناپختہ سے جذبات ہیں، کچھ آہیں ہیں اور کچھ آنسو جو صفحاتِ قرطاس پر بکھر گئے ہیں۔

ے مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں

ے کبھی آہ لب سے نکل گئی، کبھی اشک آنکھ سے ڈھل گئے
یہ تمہارے غم کے چراغ ہیں، کبھی بجھ گئے، کبھی جل گئے

یہی وہ بات ہے کہ جس کے باعث اپنی علمی و عملی بے مائیگی کے باوجود مجھے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی سے امید واثق ہو گئی ہے کہ مجھ ناچیز کی اس کوشش کو اپنے ہاں قبولیت عطا فرمائیں گے۔

ے بندے کی نہیں تاب کرے یاد خدا کی
بندے کو اگر خود نہ کرے اس کا خدا یاد

ے خوشا نسبت عشق لافانی تو
فنا گشتم و زندۂ جاودانم

میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا موجودہ دور مختلف اقسام کی مشغولیات و مصروفیات کے اعتبار سے نہایت عجیب دور ہے جس میں مبسوط و ضخیم اور کئی کئی جلدوں پر مشتمل مکمل اور مفصل تفاسیر کا مطالعہ ہر کسی کے بس میں نہیں۔ ممکن ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ نصابی ضروریات کے تحت ضخیم تفاسیر کا مطالعہ کر لیتے ہوں لیکن عام قسم کے قاری کے لئے کماحقہٗ مطالعہ ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ اس صورت حال میں قرآنِ مجید کی منتخب آیات کی تشریح و توضیح بھی ایک طبقے کی ضرورت ہو سکتی ہے اور یہی اس کتاب کی وجہ جواز بھی ہے۔

میری اس کوشش کو قرآنِ عظیم کی تلخیص یا خلاصہ ہرگز نہ سمجھا جائے کیونکہ ایسا ناممکن ہے اور نہ ہی جائز و مناسب ہے۔ کیونکہ قرآن کے بارے میں نعوذباللہ ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

ے میں کس کو ترک کروں، کس کا انتخاب کروں

میں قرآن شریف کا دیرینہ قاری اور طالب علم ہوں۔ مطالعہ قرآن کے دوران میں جن آیات نے خاص طور پر میرے دل و دماغ کو متاثر کیا ہے، یہ کتاب دراصل اسی قسم کی آیاتِ مبارکہ کی وضاحت پر مشتمل ہے۔

حدیثِ مبارک میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں ایک دیہاتی شخص آیا۔ آپؐ نے آخرت کا تصور واضح کرتے ہوئے قرآنِ پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○

"جس شخص نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔" (الزلزال: 7)

یہ سن کر وہ بدو بولا:

"بس یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے زندگی بھر کے لیے یہی کافی ہے"۔

بدو کے یہ الفاظ سن کر دانائے سبل، ختم الرسل اور مولائے کل مسکرائے اور فرمایا: "بات اس شخص کی سمجھ میں آگئی ہے۔"

یہ کتاب انہی آیات کی شرح پر مشتمل ہے جو عام طور پر بیشتر لوگوں کے دل میں اتر جاتی ہیں۔ میری یہ خواہش و کوشش ہے کہ جو لوگ اس کتاب کا مطالعہ کریں، بات ان کی بھی سمجھ میں آ جائے۔

مجموعی طور پر میں نے اس کتاب میں کوئی علمی و تحقیقی بحث نہیں کی بلکہ مطالعہ کو عام فہم بنا کر دین کا سیدھا سادہ تصور دیا ہے اور اپنے قارئین کو تلاوت اور تفاسیر کے مطالعے کی ترغیب دلائی ہے۔ ہر سورت کے آغاز میں اس کا مختصر تعارف ہے اور زیرِ وضاحت آیات کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔

Mar

اس کام کے دوران میں کئی مقامات پر اور خصوصاً" دو جگہوں پر مجھے اپنی علمی بے بضاعتی اور اظہارِ حال میں مکمل بے بسی کا شدید احساس ہوا ہے:

ایک توصفاتِ باری تعالیٰ کی شرح میں اسلوب بیان اور مناسب الفاظ کی ادائیگی میں زبان و قلم نے بالکل ساتھ نہیں دیا۔

ع دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

دوسرے مقامِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح سے اللہ جل شانہ نے اپنی کتابِ محکم میں بیان فرمایا' اس کی شرح میرے بس کی بات نہ تھی۔ ہزار کوشش کی مگر زبان گنگ اور قلم بے بضاعت ثابت ہوا۔

ع غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

ہرچند کہ میں روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے جوار میں ایک سانس لینے کا بھی حقدار نہیں تھا' لیکن اس کی رحمت کا کیا کہئے کہ مجھے وہاں سالہا سال رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مگر وہاں پر بھی مستقل طور پر یہی کیفیت رہی:

ع مجھے اپنی پستی کی شرم ہے تیری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں' اسے پھر بھی شوقِ وصال ہے

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک امتی کے کم سے کم دلی تعلق کا اظہار بھی مشکل نظر آیا۔ آپؐ سے محبت کا اظہار کیونکر اور کس پیرائے میں ہو سکتا تھا؟ میں کیا اور میری اوقات کیا!

ع نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

مجھے رمضان المبارک کے دوران میں صراطِ مستقیم کے زیرِ عنوان ٹیلیویژن پر قرآنِ پاک کے جن مضامین کی وضاحت کا موقعہ ملتا رہا ہے اور جن میں سے بیشتر اخبارات کے ذریعے سے منظرِ عام پر بھی آچکے ہیں' ان صفحات میں ان مباحث کو بھی سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کی زبان اور اسلوب بیان سادہ' آسان اور سلیس ہے۔ کہیں کہیں قاری کو ادبی چاشنی بھی ملے گی تاکہ قرآن کا ادبی معیار برقرار رہے۔ مجموعی طور پر یہ کتاب بالخصوص ان لوگوں کے مطالعے کے لئے ہے جن کو سہل

fat.com

الفہم تعارفِ قرآن کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ضخیم علمی اور تحقیقی تفاسیر سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔ اگر میری اس کتاب سے کچھ لوگ قرآن کی مزید تلاوت اور تفاسیر کے مزید مطالعے کی طرف مائل و متوجہ ہو جائیں تو میرا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

اس کتاب کی ترتیب و تکمیل میں میرے بہت سے دوستوں نے کرمفرمائی کی۔ حافظ ناصر محمود انور صاحب' مولانا ریاض الحق صاحب' سعید بدر صاحب' رضوان الرحمن رازی صاحب' پروفیسر خالد بزمی اور امجد کھوکھر صاحب سرفہرست ہیں۔ میں ان حضرات کا تہ دل سے ممنون اور تاحیات دعا گو ہوں۔ اس کتاب کی تکمیل میں میرے بچوں نے خصوصاً" حافظ محمد زید' حافظ محمد جنید اور حافظ بلال' صفیہ منور صاحبہ' میمونہ احمد صاحبہ' بشریٰ مجاہد صاحبہ اور عائشہ فاروق صاحبہ نے بھی مدد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

سخت ناشکری ہو گی اگر میں اپنی بیگم مسز زہرہ مقصود صاحبہ کا شکریہ ادا نہ کروں۔ انہوں نے اس کام میں میری ہر طرح سے مدد کی اور مجھے ایسا ماحول فراہم کیا کہ مجھے یکسوئی نصیب ہوئی۔

اس کتاب کی طباعت میں میرے ایک عزیز دوست نے خصوصی تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی و جہد قبول فرمائے اور اس نیک کام کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ

۱۷ر جنوری ۱۹۹۶ء

لاہور۔ پاکستان

com

قرآنِ مجید فہم و تدبر سے پڑھنے کی اہمیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.
(آلِ عمران : ۱۰۲)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔ (النساء : ۱)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا. (الاحزاب : ۷۱)

اما بعد!

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

"الٓر۔۔۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ تم لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آؤ۔" (ابراہیم : ۱)

Marfat

قرآنِ پاک سرچشمہ ہدایت ہے اور بارگاہِ ایزدی تک پہنچنے کا وسیلہ بھی۔ لیکن اِس کا فیض ہم تک صرف اِس صورت میں پہنچے گا اگر ہم اس میں تدبّر و تفکّر کریں اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ ہم پر قرآنِ پاک کے چند حقوق ہیں۔ ان میں سے ایک حق اس کی تلاوت کا ہے۔ یہاں تلاوت سے مُراد صرف پڑھ لینا ہی نہیں بلکہ اس میں غور و فکر کرنا اور پھر اس کی پیروی کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○

"قرآن میں یہ لوگ کیوں تدبّر نہیں کرتے، کیا ان لوگوں کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟" (محمد:24)

قرآنِ پاک وہ کتاب ہے جو تمام آسمانی صحائف اور کتابوں کا نچوڑ ہے۔ دنیا میں جتنے بھی رسول اور پیغمبر آئے، اُن پر اللہ تعالیٰ نے صحائف اور کتابیں نازل کیں جو مختلف علاقوں میں آباد مختلف قوموں پر اتاری گئیں۔ قرآنِ حکیم اِن سب کتابوں اور صحائف کا لُبِّ لباب ہے اور یہ حتمی صورت میں آچکا ہے۔

کلامِ الٰہی کی تاثیر کے بارے میں قرآن ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ

"اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کردیتے تو تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو رہا ہے۔" (الحشر:21)

لیکن انسان اسی قرآن سے صرف نظر کرتا ہے اور اس کو دِل کی گہرائیوں میں اُترنے نہیں دیتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا دِل پتھر بن جاتا ہے۔

سورۃ بقرہ میں فرمان ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

"پھر تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہوگئے۔" (البقرہ:84)

بلکہ اگر کہا جائے کہ دِل پتھر سے زیادہ سخت ہوگئے تو زیادہ درست ہوگا۔ کیونکہ پتھر تو اللہ جَلَّ شانہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں اور اُن سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، لیکن انسانوں کے دل تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوجاتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی خالق و مالک کے کلام کو نہ توجہ سے سنتے ہیں اور نہ غور سے پڑھتے اور سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے نہ تو ان کے دلوں سے کوئی چشمہ پھوٹتا ہے اور نہ ہی کسی کو فیض ملتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

Mar

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب

قرآن پاک ہمارے دستورِ حیات کی حیثیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جب زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا تو اُس وقت فرمایا:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○

"دیکھو جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی 'اُن کو نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔" (البقرہ:38)

مختلف زمانوں اور مختلف ادوار میں انسانوں پر جو ہدایات 'احکامات اور تعلیمات نازل ہوتی رہی ہیں 'اُن سب کا نچوڑ قرآنِ مجید میں موجود ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○

"وہی تو ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں اُنہی (کی قوم) میں سے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن کو پاک کرتے ہیں اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اِس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔" (الجمعہ:2)

اِن چار کاموں کی تشریح

قرآن مجید میں یہ آیت چار جگہوں پر آتی ہے۔ اس میں یہ بیان کیا گیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان چار کاموں کے لئے بھیجا گیا ہے اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چار کام لوگوں کو کر کے دکھائے:

1- تلاوتِ آیات

سب سے پہلے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اتنے مؤثر انداز میں فرمائی کہ پورے عرب کا منہ بند ہو گیا اور بڑے بڑے شاعروں کی حیثیت ماند پڑ گئی۔ زمانہ جاہلیت کا ایک شاعر جس کے شعر سننے پر لوگ سجدے میں گر جایا کرتے تھے' اُس سے پوچھا گیا کہ تم نے شعر کہنا کیوں بند کر دیئے؟

وہ کہنے لگا: اَفَبَعۡدَ الۡقُرۡاٰنِ "کیا قرآن کے بعد بھی کسی شاعری کی گنجائش رہ گئی؟"
سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی خود تلاوت کی اور لوگوں سے کروائی۔ لیکن تلاوت تدبّر اور تذکّر کے ساتھ! ویسے بھی وہ لوگ عرب تھے' اس لئے قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھا کرتے تھے۔

2- تزکیہ

دوسرا کام یہ کیا کہ تلاوتِ قرآن کے ذریعہ تزکیۂ قلوب اور تطہیرِ نفوس کا عملِ عظیم پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ سورۂ مزمّل کی ابتدائی آیات سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے تربیتی کورس میں اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ نصف شب یا اس سے کم و بیش اللہ تعالیٰ کے حضور قیام کریں اور نوافل کے دوران میں ترتیل کے ساتھ تلاوتِ قرآن کرتے رہیں۔ یہ عمل صحابہ کرامؓ پر تقریباً ڈیڑھ سال تک فرض رہا۔ پھر سنّتِ مؤکدہ کے درجے میں آگیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ عمل پوری زندگی فرض رہا۔ آپؐ تلاوت کے دوران میں رحمت کی آیات پہ رحمت کی دعائیں مانگتے' غصّہ و غضب کی آیات پر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے۔ یوں تلاوت و دُعا آپس میں مل جاتیں اور شدید گریہ کی کیفیت طاری ہوتی۔ اس کیفیت کو تزکیہ و تطہیر کا بہترین ذریعہ قرار دیا گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۝ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا ۝
اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ۝ اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۝
اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلًا ۝

"اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی سی رات (یعنی) نصف رات یا اس سے کچھ کم یا نصف سے کچھ زیادہ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے (مراد قرآن پاک ہے) کچھ شک نہیں کہ رات کا اُٹھنا (نفسِ حیوانی کو) سخت پامال کرتا ہے اور اِس وقت ذکر بھی درست ہوتا ہے۔" (المزمّل-1 تا 6)

قرآن کے متعلق فرمایا گیا:

شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ

"دلوں میں جو بیماریاں ہیں' اُن کے لئے شفا ہے" (یونس:57)

تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تزکیہ کا اصل ذریعہ قرآن ہی ہے۔

3- تعلیمُ الکتاب

تیسرا کام یہ کیا کہ اُن کو اللہ کی کتاب کی تفصیل کے ساتھ تعلیم دی اور اس سے متعلقہ احکام بتادیئے کہ یہ

com

تمہارے کرنے کے کام ہیں اور یہ نہ کرنے کے کام ہیں' یہ ضروری و جائز ہیں اور یہ حرام ہیں۔

تیسرا کام یعنی "تعلیمُ الکتاب" پندرہ سال بعد اپنے جوبن پہ آیا۔ تیرہ سال مکہ میں اور پھر دو سال مدینے میں گزار دیئے۔ اِس کے بعد قرآن کے احکامات نازل ہونا شروع ہوئے کہ حلال اور حرام کیا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے: "اپنی ساری عبادتیں اور مناسک مجھ سے لے لو۔" (مسلم)

مناسک اور احکامِ شریعت کی تفصیلی تعلیم اِسی زمانے میں دی گئی۔ کیونکہ اُن پر صحیح طور پر عمل اسی صورت میں ممکن تھا جب ایک اسلامی معاشرہ اپنے ارتقا کی منازل طے کرنے کے بعد تشکیل پاچکا ہو۔

4- تعلیمُ الحکمۃ

چوتھا کام یہ کیا کہ لوگوں کو اللہ جَلّ شانہٗ کی اس کتاب کے مطابق زندگی گزار کے دکھا دی کہ زندگی گزارنے کا حکیمانہ اور دانشمندانہ طریقہ یہ ہے اِسے سُنّت کہتے ہیں۔ سُنّت سے مراد تین چیزیں ہیں۔

1- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول
2- آپؐ کا عمل
3- کسی معاملہ میں آپؐ کی خاموشی۔ یعنی آپؐ نے کوئی بات یا کوئی عمل ہوتے ہوئے دیکھا یا سنا اور اُس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اُسے برقرار رکھا۔ اِسے "تقریر" کہتے ہیں۔

غور طلب امر

ایک غور طلب امر یہ ہے کہ یہی اولُ الذکر دو کام ہیں جو ہم نے چھوڑ دیئے ہیں۔ ثانی الذکر دو کام یعنی تعلیمُ الکتاب اور تعلیمُ الحکمت جو کہ پہلے دو کاموں کے بغیر نہیں ہو سکتے' اُن پر ہم زور دے رہے ہیں اور وہ بھی ناقص طریقے سے۔ مزید بر آں دینی مدرسوں میں فنون تو پڑھائے جاتے ہیں یعنی منطق' فلسفہ' ہیئت' ریاضی وغیرہ لیکن قرآن و سُنّت کی تدریس میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ دوسری جانب یونیورسٹی میں بی اے کی سطح تک "اسلامیات" موجود ہے لیکن قرآن نصاب سے خارج ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آٹھ دس سال کی محنتِ شاقہ کے بعد جو شخص تعلیم سے فارغ ہو کر نکلتا ہے' اُسے سب کچھ آتا ہے مگر وہ قرآن سے نابلد ہوتا ہے' قرآن پڑھنے پڑھانے کا ذوق اُس میں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا' چونکہ تلاوت اور تزکیہ کا کام بالکل صفر ہے۔ اس لئے اس میں یہ ذوق فراواں نہیں ہوتا کہ وہ قرآن مجید کو شروع سے آخر تک پڑھے تو اُس کی روح پھڑک اٹھے' یا وہ قرآن کو صبح' شام اور سونے سے پہلے پڑھے' اُس کی آیات پر غور و فکر کرکے آنسو بہائے یا پھر ایسا ذوق و شوق ہو کہ قرآن کی آیات اُس سے باتیں کریں' وہ اللہ سے ہمکلام ہونے لگے۔ قرآن تو اللہ کا کلام ہے' آپ اگر اُسے سمجھ کر پڑھیں گے تو ایک ایک آیتِ مبارکہ سمجھ میں

Marfat

آتی چلی جائے گی۔ جب انسان اللہ سے ہم کلام ہو گا تو اس سے اس کی شخصیت پاک ہوتی چلی جائے گی۔

یہ کام ہم سے چھوٹ گیا ہے اور ہم سے کیا' پورے عالمِ اسلام میں یہ کام نہیں ہو رہا۔ لوگ تلاوت کرتے ہیں مگر بغیر سوچے سمجھے' بغیر فکر و تدبّر کے اور جنہوں نے کچھ عربی زبان پڑھ لی ہے اور قرآن کو سمجھنے لگے ہیں تو انہوں نے چند آیات مناظرے کے لئے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں۔ باقی قرآن اُن کے نصاب ہی سے خارج ہے حالانکہ قرآن کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ○

"جو شخص دِل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجّہ ہو کر سنتا ہے' اُس کے لئے اِس میں نصیحت ہے۔"

(سورہ ق:37)

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ○

"رجوع کرنے والے بندے کے لئے یہ ہدایت اور نصیحت (کا پیغام) ہے۔" (سورہ ق:8)

یعنی قرآن ہر رجوع کرنے والے بندے کی آنکھیں کھول دینے والا اور دل میں اللہ کی یاد بٹھا دینے والا کلام ہے۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ایک دفعہ قرآن کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے اور پھر اُسے حرزِ جاں بنا لیا جائے۔

ایک اہم واقعہ

راقم جب سعودی عرب میں پڑھاتا تھا تو اُس دوران میں ایک بی اے کا عرب طالب علم آیا' اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کہنے لگا کہ میں اتنی شدید پریشانیوں میں مبتلا ہوں کہ زندگی سے بیزار ہو چکا ہوں۔ آپ سے اللہ کے نام پر محبت ہے اور جو کچھ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کسی اور کو نہیں بتا سکتا۔ آپ میرے لئے کچھ تجویز کریں' کوئی وظیفہ یا دُعا فرمائیں۔ میں نے جب اس کی محبت اور لجاجت بھری کیفیت دیکھی تو میں نے کہا کہ ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے میرے دِل میں ایک بات ڈالی ہے' میری بات کو غور سے سُننا اور اُس پر عمل کرنے کی سعی کرنا۔ تمہیں جو بھی پریشانی ہے اور جس عذاب سے بھی تم گزر رہے ہو' تمہیں اُس میں نجات کا راستہ مل جائے گا۔ میں نے اُسے بتایا کہ تم عرب ہونے کے ناطے عربی سے تو واقف ہو' ایسا کرو کہ قرآن کو ابتداء سے سمجھ کے پڑھنا شروع کردو' لیکن آنکھیں کھول کر' بقائمی ہوش و حواس اور دِل کے دروازے کھول کر پڑھنا۔ یونہی پڑھتے پڑھتے تمہارے سامنے ایک آیت آ جائے گی اور یہ آیت تمہیں خود بتائے گی کہ میں تمہارا علاج ہوں۔ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہنا۔ جب طبیعت سیر ہو جائے تو پھر آگے چلنا' تلاوت کرتے چلے جانا۔ پھر ایک آیت آئے گی جو تم کو خود سے ہمکلام ہوتی ہوئی محسوس ہو گی' خود تمہیں پکارے گی کہ مجھے پڑھو' میں تمہارا علاج ہوں۔ اس آیت کو بار بار پڑھنا۔ تمہیں کسی سے پوچھنے کی قطعاً حاجت نہیں ہو گی' خود وہ آیت تمہیں کہے گی کہ مجھے بار بار پڑھو۔ تم وہاں رُک کر کثرت سے اُس کی تلاوت کرنا'

com

بار بار دل کی گہرائی سے' محبت اور تڑپ سے پڑھنا اور جب طبیعت میں ٹھنڈک اور سیری محسوس ہونے لگے تو آگے چل دینا اور یونہی چلتے چلتے قرآن مجید ختم کرلینا' پھر آ کے مجھے ملنا۔

وہ طالب علم یہ عمل کرنے کے بعد میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ آپ مجھے تھپڑ ماریں گے تو میں آپ کے پاؤں چوم لیتا۔ میرے گھر کے اندر علاج موجود تھا اور مجھے علم ہی نہیں تھا۔" کہنے لگا کہ تمام مسائل حل ہو گئے ہیں اور اب میں انشاء اللہ قرآن کو یونہی پڑھتا رہوں گا۔ ایک بات یہ ہے کہ اُس کو ملکہ حاصل تھا کہ وہ قرآن مجید کی زبان جانتا تھا۔ مفہوم جاننے کے بعد اس نے قرآن کو آنکھیں کھول کر پڑھا' ایک ایک آیت کو ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھا' تو اس کے سارے مسائل حل ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی یہ آیات اللہ تبارک تعالیٰ کے پیغامات ہیں۔ یہ اللہ کی ٹیلی گرامز ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو کبھی پڑھ کر نہ دیکھیں۔ تلاوت اور تزکیہ کا عمل کرنے کی بجائے ہم تعلیمُ الکتاب اور تعلیمُ الحکمت کی طرف سے ابتدا کرتے ہیں۔ اگرچہ اِس عمل کو بہت کم لوگوں نے کیا ہے لیکن جتنے لوگوں نے بھی کیا' میں اُن کی خدمت میں عرض کروں گا کہ ٹھیک ترتیب سے آیئے۔ پہلا کام قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کا ہے۔ اپنے شاگردوں کو اتنی عربی پڑھایئے کہ وہ قرآن مجید کو سمجھ کر اُس کی تلاوت کر سکیں۔ جب قرآن مجید پڑھیں تو اس فرقانِ حمید کی آیات اُن سے ہم کلام ہوں' وہ کچھ سمجھ کے پیغام وصول کر رہے ہوں' بات اُن کے دلوں میں اُتر رہی ہو۔ اِس عمل کے بغیر شاید تلاوت کا ثواب حاصل ہو جاتا ہو لیکن مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کا معیار

اب ایک دوسرا غور طلب قاعدہ بیان کرتا چلوں جسے میرے آقا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

عُمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ

"بے شک اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ذریعے سے بعض قوموں کو رفعت و بلندی عطا فرما دیتے ہیں اور اِسی کتاب کو چھوڑ دینے کی وجہ سے بعض قوموں کو نیچے گرا دیتے ہیں۔" (مسلم)

یعنی پیمانہ اس کتاب کو بنایا گیا ہے۔ جو بھی اِس کتاب کے جتنا قریب ہو گا' اتنا ہی بلند ہوتا چلا جائے گا اور جو اُس کتاب سے جتنا دور ہو گا اتنا ہی نیچے گرتا چلا جائے گا۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ایک سُنّت اور ہمارے لئے ایک مستقل راستہ بتا دیا ہے۔ اب پورے عالمِ اسلام پر نظر ڈالئے' قرآنِ پاک کو سمجھ کر پڑھنے والے کتنے لوگ ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی پورا قرآن سمجھ کر پڑھ لیا ہو۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ سے ایک دفعہ بات ہوئی۔ عرض کیا: قرآن مجید کو کتنا پڑھنا چاہیے؟ کہنے لگے: "بھئی

Marfat

احادیث کا مطالعہ کر کے دیکھو، کوئی صحابی تمہیں ایسا نظر آتا ہے جو قرآن مجید کو ختم کرنے میں سات دن سے زیادہ صرف کرتا ہو؟ اِسی لئے قرآن مجید کی سات منزلیں بنائی گئی ہیں تاکہ قرآن مجید سات دنوں میں ختم ہو جائے۔"

تلاوتِ قرآن کے بارے میں ایک بہت عظیمُ الشّان اور مشہور حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

"جس نے اللہ کی کتاب سے ایک لفظ پڑھا، اُس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایسی نیکی کہ جس کا درجہ دس کے برابر ہے۔ یعنی ایک حرف پر دس نیکیاں اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام دوسرا حرف جبکہ میم تیسرا حرف ہے۔" (ترمذی)

یہ لفظ ادا کیا تو تیس نیکیاں مل گئیں۔ اب اِسی حدیث کا مطالعہ دیگر احادیث سے ملا کر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اگر یہی تلاوت وضو کر کے کی جائے تو دس کی بجائے پچیس نیکیاں ملیں گی۔ اگر یہی تلاوت نماز کے اندر کی گئی تو ہر حرف پر پچیس کی بجائے پچاس نیکیاں ملیں گی۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ لَئِنْ تَغْدُوَا تَتَعَلَّمُ اٰیَۃً مِّنَ الْقُرْاٰنِ خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ تُصَلِّیَ مِائَۃَ رَکْعَۃٍ (ابوداؤد)

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو فرماتے سنا کہ "اے ابو ذر! تو اگر صبح اُٹھتے ہی قرآنِ مجید کی ایک آیت سیکھ لے (اسے با ترجمہ پڑھ کر اس کا مفہوم جان لے تو وہ تیرے لئے سو رکعت نوافل پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔" (ابوداؤد)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک مجلس میں انہیں بہت سی نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ

"کسی حال میں بھی قرآن کی تلاوت نہ چھوڑنا"

یہاں ایک اہم بات عرض کرتا چلوں کہ میں یہاں تلاوت و قرأت کی بات کر رہا ہوں، تفسیر کی بات نہیں کر رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تلاوتِ قرآن کا کام کثرت سے کیا ہے۔ جبکہ تفسیر کا کام تو بہت کم صحابہ کرامؓ نے کیا ہے۔ ایک صحابی بھی ایسا نہیں جو روزانہ قرآنِ مجید کو سمجھ کے نہ پڑھتا ہو اور ہفتے میں ایک مرتبہ قرآنِ مجید ختم نہ کر لیتا ہو اور تلاوت ہمارے یہاں کے حُفّاظ کی طرح جلدی جلدی نہیں کی جاتی تھی بلکہ ترتیل سے ہوتی تھی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Mar

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؀

"قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو (اس طرح کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو)" (مزمل-4)

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اگر اس سے بڑا کوئی اور عمل ہوتا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ضرور اُسے اختیار فرماتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی اُسی پر مامور فرماتے۔ لیکن آپؐ نے زندگی بھر یہی کام کیا۔ آپ نے زیادہ سے زیادہ تلاوتِ قرآن کا عمل اختیار کیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ؀ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ؀ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ؀
وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؀

"اے اوڑھنے والے! رات کو قیام کیجئے۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ اور اس قیام کے دوران میں قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کے پیار اور محبت سے اور فکر و تدبّر سے پڑھیے۔"

حضورؐ نے زندگی بھر صرف یہی کام کیا۔ آپؐ کے مختلف مواقع پر کئے جانے والے وظائف اپنی جگہ لیکن مستقل اور ہمیشہ کا وظیفہ قرآن مجید تھا۔ اُس کو ٹھہر ٹھہر کے آرام اور توجہ سے دل لگا کر پڑھنا' ایک ایک حرف' ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ کو اپنے دل کے اندر اتار کے پڑھنا' محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زندگی بھر یہی معمول رہا اور یہی معمول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا تھا۔

صحابہ کرامؓ کی روحانیت

صحابہ کرام کی روحانیت تین کاموں پر مبنی تھی۔ نماز' تلاوت اور جہاد۔ باقی سب کام بھی ساتھ ساتھ چلتے لیکن ان کا درجہ ثانوی ہو جاتا۔ فرض نماز کو باجماعت ادا کرنے پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جس قدر زور دیا ہے' اس سے زیادہ کسی بات پر زور نہیں دیا۔ اس کے بعد کثرتِ تلاوت میں تمام صحابہ ایک دوسرے سے سبقت فرماتے۔ اُن کی تلاوت یہ تھی کہ تدبّر اور تذکّر کے ساتھ پڑھتے تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ؀

"یہ کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں (اس کے مطابق زندگی گزاریں)" (ص:29)

جہاد کی ابتداء یہ ہے کہ آدمی دین سیکھنا اور سکھانا شروع کر دے اور انتہا یہ ہے کہ اس کام میں جان قربان کر

دے۔ باقی درمیان کے سب درجے جہاد شمار ہوتے ہیں۔ مگر ہم نے ان تینوں کاموں کا یہ حشر کیا کہ اُن کو چھوڑ دیا۔
نماز کے بارے میں حدیث شریف ہے:

"تمہاری نماز میں تمہارا حصّہ وہی ہے جو تم نے سمجھ کے پڑھا۔"

یہ کوئی جنتر منتر تو ہے نہیں کہ اُسے بغیر سوچے سمجھے پڑھ لیا۔ اِس مرحلے سے ذرا اور آگے بڑھے تو یہ حال ہو گیا کہ فرض نماز آئی اور گزر گئی۔ آج کل بڑے بڑے بزرگ بھی یہی عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نماز چھُوٹ گئی۔ یہاں تک کہ اب ان میں سے بعض کو (نعوذُ باللہ) نماز کی حاجت نہیں۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو زندگی کے آخری لمحے تک نماز کی حاجت رہی۔ مرضُ الموت تک مسجد میں اس طرح تشریف لاتے کہ دو صحابہ کرامؓ نے دائیں اور بائیں سے سہارا دے کر تقریباً اٹھایا ہوا ہوتا اور آپؐ کا پاؤں زمین پر گھسٹتا ہوا چلتا اور گھر سے لے کر مسجد کی صف تک پاؤں کے انگوٹھے سے ایک لکیر سی کھنچ جاتی۔ غرضکہ آخری لمحہ تک نماز نہ چھوٹی۔

صحابہ کرام رضوانُ اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تلاوت کرتے ہوئے گھنٹوں تک روتے رہتے تھے اور انہیں تلاوت کرتے ہوئے وجد آجایا کرتا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ رحمتہ اللہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ پوری رات ایک آیت کی تلاوت کرتے رہے اور روتے رہے۔ یہ سورۃ یٰسین کی آیت تھی۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○

"اے مجرمو! آج تم علیحدہ ہو جاؤ۔" (یٰسین:59)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ انہیں وجد بھی قرآن مجید کی آیات پر آتا اور اُن کے آنسو قرآن کی آیات کی وجہ سے بہتے تھے ایک صحابیؓ سے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن مجید سناؤ۔ اُنہوں نے تلاوت کی تو حضورِ اکرمؐ رونے لگے۔

حکیمُ الاُمّت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب بات کہی:

ے صوفی پشمینہ پوش و حال مست
از شرابِ نغمۂ قوال مست

ترجمہ: ہمارے ہاں کا صوفی جس نے پشمینہ پہن رکھا ہے' عجب حال میں مست ہو گیا ہے۔ اسے قرآن پر وجد نہیں آتا لیکن جب قوال کو سنتا ہے تو اُسے وجد آنے لگتا ہے۔

ے آتش از شعرِ عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

ترجمہ: "عراقی کے شعر سے تو اُس کے سینے میں آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اُس کی محفل میں اگر کوئی چیز جگہ نہیں پاتی تو

com

وہ قرآن ہے۔"

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین اُو آساں بمیری

ترجمہ: قرآن کی آیات سے تمہیں بس اتنا کام رہ گیا ہے کہ سورۃ یٰسین پڑھو اور تمہیں مرنے میں آسانی ہو جائے۔

بغیر سمجھے تلاوتِ قرآن کی حیثیت

تلاوتِ قرآن کے نتیجہ میں ثواب سے متعلق جتنی احادیث ہیں، یہ اُس دور کی ہیں جب غیر عرب لوگ بھی دین اسلام کے دائرے میں داخل ہو رہے تھے۔ مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ عربی نہیں جانتے تھے۔ اُن سے کہا گیا کہ تلاوت نہ چھوڑو۔ ہاں، جب عربی زبان سیکھ جاؤ تو سمجھ کے پڑھ لینا۔ کچھ ایرانیوں نے اسلام قبول کیا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اُن کے لئے نماز کا ترجمہ فارسی میں کردو۔ یہ اِس لئے کہا گیا کہ وہ لوگ نماز کو پورے فہم کے ساتھ ادا کریں۔ اس دوران میں انہیں اتنی عربی آگئی کہ وہ نماز کو سمجھ کے ادا کرنے لگے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ نے انہیں فارسی میں نماز پڑھنے کی اجازت صرف قلیل مدت کے لئے مرحمت فرمائی تاکہ اتنے عرصہ میں یہ لوگ عربی میں شدبد حاصل کر کے عربی میں نماز پڑھنا سیکھ لیں۔ ایسے ہی وہ ساری احادیث ہیں جن میں فرمایا گیا کہ قرآنِ مجید کی تلاوت بغیر ترجمہ کے جائز ہے۔

سیدھی سی بات ہے قرآنِ مجید دنیا میں اس لئے نازل کیا گیا کہ اِس کی تلاوت کی جائے۔ اِس کو سمجھا جائے اور اِس پر عمل کیا جائے، اگر عربی سے ناواقفیت خدانخواستہ سرے سے ترکِ قرآن کا سبب بننے لگے تو ایسی صورت میں اجازت دے دی جاتی ہے کہ جب تک عربی زبان نہیں آتی اس وقت تک کے لئے قرآن کو بالکل نہ چھوڑو، بلکہ جیسے بَن پڑتا ہے، بلا ترجمہ تلاوت کرتے جاؤ، پھر بھی اَجر ملے گا۔ اگر عربی زبان کے اَبجد سے بھی آگاہ نہیں تو فرمایا کہ عربی زبان اور اُس کی ابجد کو جلد از جلد سیکھ لو لیکن اِس دوران میں بھی قرآنِ مجید فرقانِ حمید سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرنا۔ قُرآن کو اُٹھا کے حسرت کی نگاہوں سے صفحہ بہ صفحہ الٹ پلٹ کے دیکھتے رہنا۔

ارشادِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"قرآن پر نظر ڈالنا بھی عبادت ہے۔"

لوگوں نے زندگی بھر کا یہ وطیرہ بنا لیا کہ صبح اٹھے، قُرآن کھولا اور ہر سطر پر انگلی پھیرتے گئے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے گئے۔ قرآنِ مجید کو صرف حسرت بھری نظر سے دیکھتے رہنے یا بغیر سمجھے بھی تلاوت کرتے رہنے کی اجازت صرف قلیل مدت کے لئے تھی۔ بعینہٖ اِس طرح جیسے حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھیوں کو تھوڑے عرصے کے لئے فارسی میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی۔ ورنہ فارسی یا کسی دیگر زبان میں نماز ادا کرنا جائز

Marfat

نہیں۔ نماز صرف عربی زبان میں ہوتی ہے۔ سورۂ فاتحہ اور قُرآن سب اِسی (عربی) زبان میں پڑھا جائے گا۔ ہم نے زندگی بھر کا یہ وطیرہ بنالیا ہے کہ یا تو سطروں پر انگلیاں پھیرتے رہیں گے اور اگر تلاوت کریں گے بھی تو بغیر سمجھے۔ ذرا غور کیجئے یہ سلوک جو ہم نے قُرآنِ مجید فرقانِ حمید کے ساتھ رَوا رکھا ہے اگر یہی سلوک ہم اپنے کسی محبوب کے خط کے ساتھ کریں۔ مثلاً آپ کے والد صاحب آپ کو تار دیں کہ بھئی مجھے اس ماہ کی فلاں تاریخ کو فلاں وقت لاہور ایئرپورٹ سے لے لینا۔ اب آپ اس کاغذ پر خوشبو لگائیں' اسے سبز غلاف میں لپیٹ کے رکھیں اور لے جا کر کسی انگریز کو دکھائیں کہ اِس کی تلاوت کر کے مجھے سناتے جاؤ' ترجمہ بتانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ایسی صورت میں والد صاحب بے چارے پہلے تو ایئرپورٹ پر انتظار کریں گے اور جب گھر پہنچیں گے تو خوب خبرلیں گے۔

ہمارے زوال کا سب سے بڑا سبب قرآنِ مجید سے لاتعلقی ہے اور قرآن سے لاتعلقی کو آخرت اور اس دنیا کے اندر ذِلّت کا باعث فرمایا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝

"رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) (قیامت کے دن) یوں کہیں گے' اے میرے پروردگار! میری قوم نے قرآن پاک کو چھوڑ دیا تھا۔" (الفرقان:30)

قرآن کو چھوڑ دینا یہ ہے کہ کبھی اِس کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے اور قرآن کو چھوڑ دینا یہ بھی ہے کہ کبھی اِس کے مفہوم پر غور ہی نہ کیا جائے۔ اِس لئے راقم یہ فتویٰ دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا کہ جس شخص کی زندگی بھر کے پروگرام میں قرآنِ پاک باترجمہ پڑھنا شامل نہیں' وہ حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں اور وہ انہی لوگوں کی صف میں ہوگا جن کے متعلق قیامت کے روز یہ استغاثہ دائر ہوگا کہ

"یہی وہ میری قوم کے لوگ ہیں جنھوں نے قرآن پاک چھوڑ دیا تھا۔"

آپ اللہ کے ہاں اپنا جواب سوچ رکھئے حکیمُ الاُمّت حضرت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال" صحابہ کرام رضوانُ اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں فرماتے ہیں:

ؔ وہ زمانے میں معزّز تھے مُسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

تمہاری خواری اور ذِلّت کا سبب قرآن کو چھوڑ دینا ہے۔ علامہ" فرماتے ہیں:

ؔ خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

"تو گردشِ دوراں کا شکوہ کرتا ہے اور مختلف اسباب کو اپنے زوال کا سبب بتاتا ہے۔ تو نادان ہے۔

دراصل صرف قرآن کو چھوڑنے کی وجہ سے تو خوار ہوا ہے۔"

پھر فرماتے ہیں:

سبب کچھ اور ہے جس کو تو خود سمجھتا ہے
زوالِ بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

یہی شکوہ قرآنِ مجید کے اندر ان لوگوں کے بارے میں موجود ہے جو اِس دنیا میں ذلّت کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہود کے بارے میں اور پھر مسلمانوں کے بارے میں بھی آگے چل کر یہی فرمایا کہ اِن اہلِ کتاب کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا

"جن لوگوں پہ تورات (قبول کرنے، سمجھنے اور اِس پر عمل کرنے کی ذمّہ داری) کا بوجھ ڈالا گیا پھر انہوں نے اِس (کے بارِ تعمیل) کو نہ اٹھایا، اُن کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں"

(الجمعہ:5)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ

"وہ لوگ جو اِن حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے اُن لوگوں کے (سمجھانے کے لئے) اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔" (البقرہ:159)

دیکھئے! یہ وہ کتاب ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ نے واضح کر کے ہماری طرف نازل کیا۔ اگر ہم اس کو زمانے کے سامنے پیش نہ کریں اور خزانے کے سانپ بن کر اِس کے اوپر بیٹھ جائیں تو اس کے بارے میں یہ وعید آئی کہ اللہ ایسے لوگوں کے اُوپر لعنت بھیجتا ہے۔

امام مالکؒ نے ایک قاعدہ بیان کر دیا:

"اِس اُمّت کے آخری حصّے کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی طرح ہوگی جس طرح پہلے لوگوں کی ہوئی تھی۔" جس چیز سے صحابہ کرام رضوانُ اللہ اجمعین کی اصلاح ہوئی، اسی چیز سے بعد والوں کی بھی اصلاح ہوگی۔ اگر

fat.com

پہلے والوں کی اصلاح قرآن سے ہوئی ہے تو آخر والوں کی اصلاح بھی قرآنِ مجید فرقانِ حمید ہی سے ہو گی۔ راقم جس چیز کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید سمجھنے کے لئے تھوڑی سی عربی زبان سیکھ لیں تاکہ آپ قرآنِ مجید کی تلاوت سمجھ کے کر سکیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچے۔ جب تک پیغام نہیں پہنچے گا تب تک اس پر عمل کی کوئی صورت ممکن نہیں اور پیغام اُسی وقت پہنچے گا جب وہ سمجھ میں آئے گا۔

اسی لئے فرمایا:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ○

("فجر کی نماز پر پکے رہنا) بے شک صبح کے وقت قُرآن کا پڑھنا (ہمارے) مشاہدہ (اور نظرِ کرم) کا باعث ہے۔" (بنی اسرائیل:78)

یہ قرآن ہی تو ہماری تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ یہ اپنے بارے میں کہتا ہے: "سینوں میں جو کچھ بھی ہے 'سب کا علاج یہی ہے۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

"اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے"

(بنی اسرائیل:82)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○

"قرآن میں یہ لوگ تدبّر کیوں نہیں کرتے 'کیا ان لوگوں کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔"

(محمد:24)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس بات کے مخاطب ہم ہیں 'جنہوں نے قرآن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ رکھا ہے کہ اسے تو صرف چہلم 'سوئم یا پھر کسی کی موت کے وقت پڑھنا ہے۔ یعنی کوئی جان بہ لب ہے تو سورہ یٰسین پڑھ ڈالو۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

انسان کے دل پر بھی زنگ لگ جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح لوہے پہ پانی پڑنے سے زنگ لگتا ہے۔ عرض کیا: یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر یہ زنگ کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو چیزوں سے: ایک موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو اور دوسرے قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے رہو۔

قرآنِ مجید اپنے بارے میں ایک دعویٰ کرتا ہے اِس کے بارے میں ذرا غور کیجئے۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

com

"(یہ) ایک (پرنُور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر اِس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ۔" (ابراہیم:1)

اور آج اگر آپ اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آنا چاہتے ہیں تو پھر اتنی عربی تو سیکھ لیں کہ قرآن سمجھ میں آنے لگے اور پھر کثرت سے اِس کی تلاوت شروع کر دیں تو ظلمت کے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔

ہماری مثال تو ایسے لوگوں کی سی ہے جو کسی دور دراز سرحدی چوکی پر محافظ کے طور پر متعیّن ہوں اور اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہو جائیں۔ چند چور ڈاکو بہروپیئے پولیس کی وردی میں وہاں پر چارج سنبھال لیں اور ملی بھگت سے وہاں چوری اور ڈاکے کی کھلی اجازت دے دیں اور ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ شریف آدمی کا جینا ہی دوبھر ہو جائے۔ غور کیجئے کہ اس لاقانونیت کا ذمہ دار کون ہو گا؟ آپ چوکی سے غیر حاضر ہونے والے عملہ ہی کو اس ساری صورت حال کا ذمہ دار قرار دیں گے۔

دوستو! یہ آپ کی اور ہم سب کی ذِمّہ داری تھی کہ اتنی عربی پڑھ لیتے کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے۔ یہ منبر و محراب ہی تو ہماری چوکیاں ہیں۔ ہم لوگ اپنی جگہ سے غیر حاضر ہیں۔ اِس کی جواب طلبی ہم سے ہو گی۔ ہم نے قرآن نہیں پڑھا، ہم کلامِ پاک کے ترجمے سے دور ہیں حالانکہ اِس امر کے لئے یہ شرط قطعاً ضروری نہیں کہ پہلے پورا قرآن پڑھیں، عالمِ دین بنیں اور پھر تبلیغِ دین کے کام کا آغاز کریں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ پاک ہے:

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

"اگر صرف ایک آیت تمہیں آتی ہے تو اُسے بھی آگے پہنچاؤ۔" (ترمذی)

آپ قرآنِ مجید فرقانِ حمید کو سیکھنے کے لئے وقت نکالئے ورنہ اپنے اندر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا درج ذیل استغاثہ پڑھنے کا حوصلہ پیدا کیجئے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○

"اے پروردگار! یہ ہے میری قوم جس نے قرآن پڑھنا ترک کر دیا تھا۔"

مجھے یقین ہے کہ دینِ اسلام کسی سیاسی رستے سے نہیں آئے گا۔ مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ کسی مارشل لاء یا کسی ڈکٹیٹرشپ یا کسی اور ذریعے سے دین کا نفاذ ناممکن ہو گا۔ دین سے حکومت آیا کرتی ہے، حکومت کے ذریعے دین کبھی نافذ ہوتے نہیں دیکھا گیا اور دین قرآن کے علاوہ کسی اور رَستے سے نہیں آئے گا۔ ہم صرف اور صرف قرآن ہی کے ذریعے سے مسلمان بنیں گے اور اللہ سے جو قرب کا ذریعہ قرآن ہے اور کوئی نہیں۔

تاریخ کے اوراق میں شہزادی زیبُ النّساء کا ذکر ملتا ہے جو اورنگزیب عالمگیر کی عزیزہ تھی۔ اچھی شاعرہ تھی۔ شاعر اور ناقدین ایک دن اس بات پر بضد ہو گئے کہ ملکہ کی زیارت کریں گے۔ ملکہ چونکہ پردہ دار خاتون تھیں انہوں

fat.com

نے اس خواہش کے جواب میں ایک شعر لکھ کر بھیج دیا۔

؎ در سخن مخفی منم چوں بوئے گُل در برگِ گُل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یعنی میں اپنے کلام میں یوں چھپی ہوئی ہوں جیسے پھول کی پتیوں میں خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ جو مجھ سے ملنا چاہتا ہے وہ میرے کلام کا مطالعہ کرلے۔ یہ شعر جب طالبانِ دید نے پڑھا تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ ملکہ نے آج ہمیں اہم نکتہ سمجھا دیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ بھی تو پردہ نشین ہیں، وہ بھی تو یہی فرماتے ہیں: "میرے قریب آنا چاہتے ہو تو مجھے میرے کلام میں ڈھونڈ لو۔"

حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے ہوئے بار بار یہی کہا ہے کہ "اگر میرا ایک شعر بھی کلامُ اللہ سے ہٹا ہوا ہو تو مجھے قیامت کے روز ذلیل و رسوا کر دیجئے گا اور مجھے اپنے پاؤں کے بوسوں سے محروم کر دیجئے گا۔

نیز فرمایا:

؎ گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اگر تمہاری خواہش ہے کہ قرآن کے بغیر زندہ رہو تو یہ بالکل ناممکن امر ہے۔

؎ فاش گویم آنچہ در دل مضمر ست
ایں کتابے نیست، چیزے دیگر است

یعنی میرے سینے میں ایک راز ہے جو آج فاش کر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ قرآن فقط ایک کتاب ہی نہیں بلکہ کوئی اور چیز بھی ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ

؎ چوں بجاں در اوست جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد، جہاں دیگر شود

یہ کتاب جب جان کے اندر چلی جاتی ہے تو پھر جان کوئی اور چیز بن جاتی ہے اور جب جان بدل کر اس کتاب کے رنگ میں ڈھل جاتی ہے تو پھر اس کی پوری دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

سورہ الفاتحہ (۱)

نام

جس چیز سے کسی مضمون، کتاب یا کسی بھی چیز کا آغاز کیا جائے اسے فاتحہ کہتے ہیں۔ چونکہ قرآنِ مجید کا آغاز اِسی سورہ سے ہوا ہے لہٰذا اسے الفاتحہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس سورۃ کے چند مشہور اسماء درج ذیل ہیں:
اُمُّ الکتاب۔ اُمُّ القرآن۔ السَّبْعُ الْمَثَانِی۔ الحمد۔ سورۃُ الصّلوٰۃ۔ الدُّعاء۔ الشِّفاء۔ الرُّقیہ۔ اَساسُ القرآن۔ الکافیہ۔ اس سورۃ کا نام "تعلیم المسئلہ" بھی ہے۔

زمانۂ نزول

یہ نبوت کے ابتدائی دور میں ایک ہی مرتبہ مکمل طور پر نازل ہوئی۔ اس سے قبل متفرق آیات کا نزول ہو تا رہا تھا، کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی تھی۔

مضامین

قرآن کریم کی یہ پہلی سورۃ دراصل دعائیہ کلمات پر مشتمل ہے۔ یہ کلمات اللہ تعالیٰ نے ہر اس انسان کو تلقین فرمائے جو اس کتاب سے ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ابتدائے قرآن میں ان کلمات کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ قاری اس کتاب کو تلاشِ حق کے ارادے اور راہِ راست کی جستجو کی نیت سے پڑھے۔ اس مقصد کیلئے جس علم و عرفان کی ضرورت ہے، اس کا منبع اور سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہی ہے۔ سو اس عقیدہ کے ساتھ کہ میرا مطلوب اسی ذاتِ حق کے اختیار میں ہے، اُس سے دُعا کرکے اس کتابِ ہدایت سے رہنمائی حاصل کرنے کیلئے مطالعہ شروع کرے۔

سورہ فاتحہ میں دعائیہ کلمات اور اس کے بعد پورے قرآن مجید سے اس کا تعلق اس کے بعد از خود واضح ہو جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کلامِ الٰہی کا ابتدائیہ اور دُعا ہے جبکہ باقی کلامِ الٰہی اس بندے کی دُعا کا جواب اور رب تعالیٰ کی طرف سے قبولیتِ دُعا کے طور پر انعام ہے۔

تعوّذ و بسملہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

"میں شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔"

ہم قرآن پاک کی تلاوت کا آغاز تعوذ پڑھ کر کرتے ہیں۔ ہمیشہ تلاوت کے آغاز میں تعوذ پڑھنے کا مقصد اس شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آنا ہے جو ہمیں قرآن پڑھنے سے روکتا ہے۔ قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ تعوذ پڑھنے کا عمل زکوٰۃ' روزہ اور حج سے پہلے نہیں کیا جاتا' صرف قرآن پاک پڑھنے سے پہلے لازم ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعوذ قرآن پڑھنے سے پہلے ہی کیوں؟ دراصل شیطان کی سب سے بڑی چال یہ ہے کہ اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک نہ پہنچ پائے اور انسانوں کو قرآن نہ پڑھنے دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے شیطان نے ایسے حیلے اور بہانے اختیار کئے کہ اوّل تو مسلمان قرآن ہی نہ پڑھے اور اگر پڑھے بھی تو کسی غور و فکر اور تدبّر کے بغیر۔ کیونکہ اگر انسان غور و فکر سے کام لے کر تلاوت کرے گا تو لازماً روشنی اور ہدایت پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝
إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝

"جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو کہ جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں' اُن پر اُس کا کچھ زور نہیں چلتا۔" (نحل:99,98)

بَسْمَلَہ اور اخلاص

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

"اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے"

تعوذ کے بعد ہم تسمیہ یعنی بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ یعنی اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ اللہ کے نام سے کوئی کام شروع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام جو ہم کرنے لگے ہیں یہ صرف اور صرف اللہ کی خاطر کر رہے ہیں اور اس عمل کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔

جونہی ہم کسی کام سے قبل تسمیہ یعنی بسم اللہ پڑھتے ہیں تو دراصل اپنی نیت اور خلوص کا اظہار کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ اس تمام کام کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ وہی ہمارا محبوبِ حقیقی ہے' وہی ہمارا مقصودِ حیات ہے اور وہی ہماری منزلِ وحید بھی ہے۔ گویا اس کا قُرب حاصل کرنے اور اس کے دیدارِ سعید کی منزل تک پہنچنے کے سوا ہمارا اور کوئی ارادہ یا مقصد نہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ہر عمل کے پیچھے صرف ایک ہی مقصد کارفرما ہے کہ

اِلٰهِیْ اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَرِضَاكَ مَطْلُوْبِیْ

"اے اللہ! تو ہی میرا مقصود ہے اور تیری رضا ہی مجھے مطلوب ہے۔"

یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جو کام اللہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے' اُسے سرانجام دیتے ہوئے اللہ کے نام کا لحاظ اور اس کی ذاتِ گرامی سے حیا بھی آنی چاہئے۔

ہمارا ہر کام اُسی کے نام سے شروع ہوتا ہے جو رحمٰن یعنی رحمت کا سراپا' منبع اور مصدر ہے۔ وہ رحیم ہے اور ہردم اپنی رحمتیں لُٹانے والا ہے۔ اکثر لوگ رحمٰن اور رحیم کا ایک ہی مطلب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دو الگ الگ معانی رکھنے والے الفاظ ہیں۔ ایک کا معنی ہے رحمت کا منبع اور خزانہ' جبکہ دوسرے کا معنی ہے ہردم رحمت لُٹانے والا۔ ہم ایک مثال سے اس فرق کو واضح کرتے ہیں۔ کسی شخص کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ کروڑ پتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ وہ سخی بھی ہے کیونکہ ہر وقت اپنی دولت غریبوں میں لُٹا تا رہتا ہے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ اگر وہ امیر ہے اور سخی نہیں یا سخی ہے اور امیر نہیں تو ہر دو صورتوں میں بات نہیں بنتی۔

Marfat

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ فاتحہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے۔ احادیث میں اس کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس کے فضائل و برکات ہی کی بناء پر اس سورۃ کو اُمّ القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ اس سورۃ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

"تعریف (اور شکر) اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے' رحمان ہے اور رحیم ہے۔"

یعنی اس نے جہانوں کو پیدا کر کے پھینک نہیں دیا بلکہ جب تک ان جہانوں کا وجود ہے' ان کے پالنے کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے قبول کی ہے۔

آپ جب کسی فن پارے کو دیکھتے ہیں تو آپ کی توجہ فوراً فنکار کی طرف جاتی ہے۔ اسی طرح جب ہم کسی فن پارے کی تعریف کرتے ہیں تو یہ اصل میں فنکار کی تعریف و توصیف ہوتی ہے۔ جب کسی اچھے شاعر کے شعر پر سر دھن رہے ہوتے ہیں تو وہ دراصل شاعر کی تعریف کی جا رہی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح اس کائنات میں جتنی خوبصورتی' جمال و کمال اور اچھائی ہے' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ ہر جمال و کمال کی تعریف صرف اللہ کے لئے درست ہے۔ کیونکہ ہر نعمت اور ہر شے کا پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا وہی ہے' خواہ بلاواسطہ عطا فرمائے یا بالواسطہ۔ یہاں ایک اور بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر فن پارے کو سمجھنا ہے تو فن کار کو دیکھنا پڑے گا اور فن کار کو جاننا ہو تو فن پارے کو دیکھنا پڑے گا۔ شعر کی خوبی کو سمجھنا ہے تو شاعر کے حوالے سے اور اگر شاعر کو سمجھنا ہے تو شعر کے حوالے سے۔ حمد اس عظیم فن کار کی تعریف ہے جس نے اس قدر حسین و جمیل دنیا تخلیق فرما دی ہے۔

اک عکس ناتمام پہ عالم کو وجد ہے\
کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا

جس خالق نے اس قدر حسین کائنات تخلیق فرما دی ہے جو دراصل اس کی ذات کا ناتمام سا عکس ہے تو وہ خود کتنا حسین ہو گا! اس کے فنِ خلاقی کا کیا کہنا! یہی وجہ ہے کہ اس کائنات کا حسن و جمال دیکھ کر منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلتے ہیں کہ

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

"پس وہ اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے' بڑا بابرکت ہے۔" (المومنون:14)

خدائے بزرگ و برتر کی حمد کے بعد ہم کہتے ہیں:

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

"مالک ہے روزِ جزا کا" (الفاتحہ:3)

اللہ تعالیٰ اُس دن کا مالک ہے۔ جس دن اُس ذاتِ پاک کے علاوہ کسی کو ملک و حکومت نصیب نہ ہوگی اور اس دن ہر انسان کو پورے انصاف کے ساتھ اپنے تمام اعمال کی جزا ملے گی۔ اس نے یہ دنیا جزا و سزا کے لئے نہیں بنائی بلکہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ اس میں ہمیں اپنے اعمال کی مناسبت سے تھوڑی بہت جزا و سزا تو مل سکتی ہے لیکن صحیح اجر روزِ جزا کو ملے گا۔ اس دنیا میں نہ کسی کو پوری سزا مل سکتی ہے اور نہ مکمل جزا۔ مثلاً اگر ایک شخص بم مار کر سو آدمیوں کو قتل کر دیتا ہے تو پھر اس دنیا میں اس کو کیسے پوری سزا دی جائے گی؟ ظاہر ہے اسے صرف ایک مرتبہ سزائے موت مل سکے گی۔ لیکن یہ تو صرف ایک قتل کی سزا ہوئی' باقی ننانوے قتلوں کی سزا کیا ہوگی؟ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس نے سو قتل کئے ہیں' اس کو سزائے موت دیں' پھر زندہ کریں' پھر ماریں اور موت کا مزہ اسے سو دفعہ چکھائیں۔ لیکن اس دنیا میں یہ ممکن ہی نہیں ہے' کیونکہ یہ اجر کی جگہ نہیں بلکہ عمل اور امتحان کی جگہ ہے اور ہمارے ہر ایک عمل کا اجر ہمیں یوم جزا کو ہی ملے گا جو کہ انصاف کا دن ہے۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کسی برائی سے درگزر کر لے تو یہ اس کا اختیار ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ وہ عادل بھی ہے جو اپنے بندوں کے حقوق پورے ادا کروائے گا۔ خواہ وہ اپنے حقوق معاف کر دے لیکن بندوں کے حقوق کے سلسلہ میں پورا پورا انصاف کرے گا۔

اس کے بعد اسی سورۃ میں توحید کا قول و قرار اور شرک کی نفی ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

"ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں" (الفاتحہ:4)

یعنی خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی ذات اس قابل نہیں ہے کہ اس کی عبادت کی جائے یا اس سے مدد مانگی جائے اور نہ ہی کسی میں اتنی طاقت و استطاعت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر کسی کی مدد کر سکے۔ اس آیت میں ہر قسم کے شرک کی نفی کر دی گئی ہے۔ اس لئے ہر انسان کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اگر وہ خدا کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد مانگتا ہے تو کوئی بڑے سے بڑا افسر یا کوئی سپر پاور بھی اس کی مدد نہیں کر سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو۔ علاوہ ازیں نہ صرف دنیا میں بلکہ یوم الدین میں بھی اس ذات کے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی ہماری مدد نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے پتا چلا کہ توحید کی دو بنیادیں ہیں:

1- صرف اللہ کی عبادت کرنا۔

2- صرف اللہ ہی سے مدد و دعا مانگنا۔

اسی طرح شرک کی بھی دو بنیادیں ہیں:

1- اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کرنا۔

2- اللہ کے علاوہ کسی اور سے بھی مدد یا دعا مانگنا۔

اس کے بعد ہم دعا مانگتے ہیں:

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝

"ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔" (الفاتحہ:5)

پہلی مرتبہ جب ہم صراط کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہاں اس سے مراد ہدایتِ نظری ہے۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں:

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ

"ان لوگوں کے رستے پر جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔" (الفاتحہ:6)

یہاں دوسری مرتبہ "صِراط" سے مراد ہدایتِ عملی ہے یعنی ہدایت کے راستہ کی وہ عملی صورت جسے انبیاء' صِدّیقین' شہداء اور صالحین نے عملاً اختیار فرمایا:

غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝

"نہ ان کے (راستے پر) جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے (راستے پر ہمیں چلا)۔ (الفاتحہ:6)

یہاں اَلۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ سے مراد یہود اور اَلضَّآلِّيۡنَ سے مراد نصاریٰ لئے جاتے ہیں' لیکن ان دونوں اصطلاحات کو ان مذکورہ اقوام سے منسوب کر کے غافل نہیں رہا جا سکتا۔ ہر مومن جب دن میں پانچ بار اپنی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے کہ ہمیں ایسے لوگوں کی راہ پر چلنے سے بچا جو تیری بارگاہ میں اَلۡمَغۡضُوۡب اور اَلضَّآلِّيۡن ہوئے تو دراصل مقصد یہ ہے کہ وہ تمام برائیاں اور خصلتیں جو ان دونوں اقوام کو بارگاہِ ایزدی میں معتوب و مغضوب بنانے کا سبب بنیں' ان سے اللہ جَلَّ شَانُہٗ ہر مومن کو محفوظ رکھے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مومن اپنا محاسبہ کرے اور دیکھے کہ کہیں خدانخواستہ یہود و نصاریٰ والی برائیاں ہمارے اندر پیدا تو نہیں ہو چکیں۔

ہم جب صراطِ مستقیم کے طلب گار ہوتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ سورۂ بقرہ میں جواباً یوں ارشاد فرماتے ہیں:

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝

"ال م- یہ مقدس الہامی کتاب ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔" (البقرہ:1)

com

یعنی تم ہدایت مانگ رہے تھے نا! تو لو یہ پوری کتاب قرآن مجید بطورِ ہدایت کے تمہارے سامنے ہے۔ مگر ہدایت صرف انہیں ملے گی جو دل و جان سے ہدایت حاصل کرنا چاہیں۔ قرآن مجید ایسے لوگوں کو مُتقی قرار دیتا ہے۔

مُتقی لوگ وہی ہیں جو ہدایتِ نظری و ہدایتِ عملی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو دنیا میں انسان کی دو ضرورتیں ہیں۔ ایک ہدایتِ نظری اور دوسرے ہدایتِ عملی۔ اوّل الذکر تو قرآن کی شکل میں آگئی جبکہ ہدایتِ عملی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن

"آپ کا اخلاق قرآن تھا"

ہدایتِ عملی سیرتِ طیبہ اور سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو احادیثِ نبویہ میں محفوظ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہی تو تھی۔

fat.com

سورہ البقرہ (۲)

نام

"بقرہ" کا معنی ہے "گائے۔" قرآن مجید کی سورتوں کے نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی یا حکم کے بعد تجویز فرمائے تاکہ یہ نام عنوان یا علامت کا کام دے سکیں۔ اس سورۃ میں چونکہ بنی اسرائیل کے واقعات کے سلسلے میں "گائے" کا ذکر آیا ہے تو اس کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام البقرہ رکھا گیا۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ مدنی ہے جس میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جو ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں مگر مضمون کی مناسبت سے ان آیات کو بھی اس سورۃ میں شامل کر دیا گیا۔ اس سورۃ کا بیشتر حصہ مدنی زندگی کے اوائل میں نازل ہوا۔ مگر سود کی حرمت کا حکم آخر زمانہ میں نازل ہوا۔ وہ حکم بھی اس سورۃ کا حصہ قرار دیا گیا۔

شانِ نزول

قرآنِ مجید بلاشبہ ایک مستقل اور آفاقی کتاب ہدایت ہے مگر اس کی آیات کا نزول بظاہر ایک خاص موقع یا وقت پہ ہوتا تھا جس میں اس بات کی رعایت ہوتی تھی کہ نزول وحی کے وقت حالات اور تقاضے کیا ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب منصبِ نبوّت پر فائز ہوئے' اس وقت خطّہ عرب میں مختلف مذاہب کے پیروکار آباد تھے:

(الف) سرزمینِ مکہ میں بت پرست جو بیت اللہ میں رکھے ہوئے لاتعداد بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے' اُن سے حاجت روائی کیلئے دُعا و مناجات کرتے۔

(ب) مدینہ اور اس کے گردو نواح میں رہنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے قائل تھے۔ مگر صدیوں کی مُدّت گزر جانے کی وجہ سے ان یہودیوں نے آسمانی تعلیمات اور حقیقی دین کی روح کو مسخ کر ڈالا تھا اور مذہب کے نام پر واہی تباہی اور بے سروپا روایات فروغ پا چکی تھیں۔

(ج) ان دو بڑے اور معروف مذاہب کے علاوہ نصاریٰ اور دیگر مذاہب سے وابستہ افراد بھی اقلیت میں موجود تھے۔

مضامین

اس تفصیل کے بعد اب سورۂ بقرہ کے مضامین پر ایک اجمالی نظر ڈالیں۔ ابتدا میں تین بڑی جماعتوں کے

fat.com

متعلق اعتقادات اور نظریات کے اعتبار سے گفتگو کی گئی ہے:

1- مومنین کے اوصاف۔

2- کُفار کے اعتقادات۔

3- منافقین اور نفاق کی علامات۔

یہ تیسرا طبقہ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد نمایاں ہوا اور اس کی چند وجوہ تھیں:

(الف) بعض لوگ اسلام کو دینِ حق مانتے تھے مگر اپنے مفادات کی قربانی دینے کی ہمت ان میں نہ تھی اور نہ ہی یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کی رسوم جاہلیت ترک کرنے کی جرأت و جسارت کر سکتے تھے۔

(ب) کچھ لوگ خاندان کے اکثر افراد کے مسلمان ہو جانے کے باعث مسلمانوں کے ساتھ میل جول پر مجبور تھے کیونکہ ان کے دل اب اسلام اور جاہلیت کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے عاری تھے۔

(ج) بعض لوگ جو اول و آخر کافر ہی تھے مگر فتنہ و فساد پیدا کرنے کیلئے وہ لوگ اپنا شمار جماعتِ مسلمین میں کرانا چاہتے تھے۔

مذکورہ بالا تین جماعتوں کے ابتدائی تذکرہ و تعارف کے بعد ابتدائی تیرہ چودہ رکوع یہود کو دعوتِ اسلام پر مشتمل ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اس بات کا اعلان کرتے تھے کہ ہم سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا اور تورات کے ماننے والے ہیں۔ حالانکہ ان کے عقائد و نظریات اور عبادات و اعمال میں وہ رسوم و روایات داخل ہو چکی تھیں جو سراسر غیر اسلامی اور بے سند تھیں۔ خود تورات کی حالت یہ تھی کہ وہ بظاہر آسمانی کتاب تھی مگر اس میں تحریف اور عامیانہ کلام اس قدر خلط ملط ہو چکا تھا کہ دونوں میں امتیاز ممکن نہ رہا۔

قرآن مجید نے سورۃِ بقرہ میں ان کی اس زبوں حالی' روایات پرستی اور باطل نظریات کے ذکر اور ان پر تنقید کے ساتھ ساتھ انہیں دینِ فطرت اپنانے کی دعوت بھی دی ہے اور حقیقی دین کی اصل نوعیت و کیفیت کو بھی ان پر واضح فرمایا۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے ساتھ اہلِ مکّہ کی جو کیفیت تھی' اس جھنجلاہٹ کا اظہار وہ دینِ متین کے ابتدائی ادوار میں مسلمانوں کو اذیتیں دے کر کیا کرتے تھے۔ مگر ہجرت کے بعد صورتِ حال یکسر بدل گئی تو انہوں نے مسلمانوں کو زچ کرنے کیلئے مدینہ میں بسنے والے یہودیوں اور منافقوں کے ساتھ ساز باز کی اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کیلئے جنگی تیاریوں کے بعد حملہ بھی کیا۔ سورۃِ بقرہ میں اس سلسلے کی ہدایات' قتال کی فرضیت اور قتال کیلئے تیاری اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ دورانِ جہاد میں پیش آنے والے مصائب و آلام کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنے کا حکم دیا تاکہ عددی طاقت' سامانِ حرب کی کمی بلکہ عدم دستیابی کے باعث مسلمان خوف و ہراس کا شکار نہ ہوں نیز یہ بات واضح کر دی گئی کہ مسلمان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں

جس فطری دین اور اس کے انقلابی نظام کو لے کر میدانِ عمل میں اُترے ہیں' وہ خطۂ عرب ہی میں نہیں بلکہ پوری کائنات میں پھیلاتا ہوگا اور اس کا مقابلہ کرنے والا فاسد نظام ختم کرتا ہوگا۔

مسلمانوں نے جب مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد اپنا مرکز قائم کیا تو اب یہ بات ہر شخص کے علم میں آچکی تھی کہ فطری نظام کی انقلابی سلطنت کا مرکز یہ مبارک خطہ قرار پائے گا۔ تو اس مرکز کے تحت بسنے والے لوگوں کو اعتقادی' عملی' معاشرتی اور معاشی میدان میں جس لائحہ عمل کی ضرورت ہوگی' اس کے لئے بھی قوانین و ضوابط کے نفاذ کا آغاز کردیا گیا۔ سورۂ بقرہ میں اس کیلئے بے شمار عنوانات کے تحت قوانین کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورت کا اختتام اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور مومن کی دُعاو مناجات پر ہے۔

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

"الٓمّٓ۔ یہ (آسمانی مقدس) کتاب ہے' اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔" (البقرہ: 1)

عظیم ترین معجزہ

سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت اپنی جگہ ایک معجزے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ دعویٰ کہ یہ کتاب آسمانی ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں انسانی تاریخ کا عظیم ترین معجزہ ہے۔ اُس وقت بھی اِس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی' جب یہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں تھی اور صحابہؓ کے پاس تھی اور اب بھی اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یعنی ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اِس سے پہلے انسانوں نے اپنے اغراض ومطالب کی خاطر آسمانی کتب بدل ڈالیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ ہے اور آخری اور کامل کتاب ہونے کے ناطے چونکہ یہ کتاب پوری انسانیت کے لئے ہے' اس لئے اس میں تبدیلی ناممکن ہی نہیں امرِ محال ہے۔ اس کتابِ ہدایت کا پہلا دعویٰ ہی یہ ہے کہ یہ محفوظ ہے۔ یہ دعویٰ قرآن پاک میں اتنی جگہوں پر آیا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

"ہم ہی ہیں جنہوں نے اس نصیحت (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اِس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" (الحجر:9)

اور پھر ارشاد ہوا:

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ

وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝

"یہ ایک عالی مرتبہ کتاب ہے۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) یہ دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔" (حم السجدہ: 41-42)

com

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

"تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اُس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں۔"

(الانعام:115)

دراصل یہ دعویٰ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ کوئی انسان آج بھی اپنی کسی تصنیف کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ محفوظ رہے گی اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔ اگر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے تو لوگ اُسے پاگل اور دیوانہ سمجھیں گے۔ اکیلے آدمی کا دعویٰ تو ایک طرف' کوئی ایک حکومت بلکہ دنیا بھر کی تمام حکومتیں مل کر بھی ایک دستاویز کے بارے میں فیصلہ کر لیں کہ وہ محفوظ رہے گی اور اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں تو یہ بات ناقابلِ قبول ہے۔ اس لئے کہ چند نسلوں کے بعد یا چند صدیوں کے بعد وہ کتاب ناپید ہوتی چلی جائے گی۔ یا پھر اس کے کئی نسخے مختلف جگہوں پر ہوں گے اور بہت ممکن ہے کہ وہ آپس میں مل ہی نہ رہے ہوں۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ وہ زبان جس میں یہ دستاویز لکھی گئی ہو گی' بدل جائے گی بلکہ وہ زبان ہی اس طرح ناپید ہو جائے گی جیسے عبرانی وغیرہ ناپید ہو گئیں۔ لیکن قرآن مجید نے یہ بات دعویٰ کے طور پر کہہ دی کہ اس میں تاقیامت کوئی تبدیلی نہ آئے گی اور آج نہ صرف مُسلم بلکہ غیر مُسلم محققین بھی یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی لاتعداد سازشوں کے باوجود قرآنِ کریم بالکل محفوظ ہے اور اس میں ایک لفظ تو کیا ایک حرف کی بھی تبدیلی نہیں آئی۔ یہاں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن مجید کو تحریف سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی زبان یعنی عربی کے لئے گھڑی کی سوئیوں کو ٹھہرا دیا ہے۔ عربی زبان جہاں ڈیڑھ ہزار برس پہلے تھی' آج بھی وہیں ہے۔ اس زبان میں نہ تبدیلی آئی ہے اور نہ ہی آئے گی۔ یہ دنیا کی واحد زبان ہے جو اُس جگہ قائم ہے جہاں چودہ سو برس قبل تھی۔ یوں زبان کی حفاظت بھی ہو گئی اور کتاب کی بھی۔

قرآن پاک کے تحریف اور شک و شبہ سے پاک ہونے کا دعویٰ ایک عظیم الشان معجزہ ہے جو ہمیشہ رہے گا۔ انسانیت کی تاریخ میں اس سے بڑا معجزہ اور کوئی نہیں جو ہر مُسلم گھرانے میں ہمیشہ سے موجود ہے اور ڈیڑھ ہزار برس سے اپنے دعویٰ کو دہرا رہا ہے۔ ہر شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ کتاب وہی ہے جو رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں تھی۔ یہود و نصاریٰ کو اِس مقدس کتاب کے وحیِ الٰہی ہونے میں تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کتاب میں تحریف و تبدیلی نہ ہونے پر کوئی اختلاف نہیں اور وقت نے روز بروز اس دعویٰ کی سچائی کو ثابت کیا ہے۔ یہ معجزہ اسلام اور قرآن کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

انسانوں کے تین گروہ

سورۃ فاتحہ میں مسلمانوں کی دُعا بیان کی گئی تھی کہ

Marfat

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

"ہمیں سیدھا راستہ دکھلا۔"

صراطِ مستقیم دو حصوں پر مشتمل ہے:

اول ہدایتِ نظری۔

دوم ہدایتِ عملی۔

ہدایتِ نظری عطا کرنے کے لئے اللہ جلّ شانہٗ نے انبیاء و رُسل پر آسمانی کتب اور صحائف نازل کئے۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہدایتِ نظری آسمانی کتب و صحائف کی شکل میں آگئی جبکہ ہدایتِ عملی انبیاء اور رسولوں کی پاکیزہ زندگیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعلیمات و احکامات کا عملی نمونہ ہیں۔

جب کبھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صراطِ مستقیم دکھلانے کے لئے نبی یا رسول مبعوث کئے تو لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ مومنین' کفار اور منافقین۔ ذیل میں ان کی صفات بیان کی جاتی ہیں۔

صفاتِ مومنین

مؤمنین وہ لوگ ہیں جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ قرآنِ مجید فرقانِ حمید کا ہر موضوع انسان اور اس کی فلاح ہے اور فلاح کا راستہ تقویٰ ہے۔

سورۂ بقرہ کے آغاز ہی میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

"(قرآن) متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔" (البقرہ:2)

یعنی ان لوگوں کے لئے جو مُتّقی بننا چاہیں۔

مُتّقی کون ہیں؟

سورۂ بقرہ میں مُتّقین کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں:

پہلی صفت: یہ لوگ محسوسات کو اپنے پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیتے اور محسوسات سے کچھ آگے دیکھ لیتے ہیں یعنی ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔

دوسری صفت: نماز قائم کئے رکھتے ہیں۔

تیسری صفت: اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ بخیل نہیں بلکہ سخی ہوتے ہیں۔

چوتھی صفت: اللہ کا کلام جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا' اس کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ لوگ اُس کلامِ الٰہی پر بھی ایمان لے آتے ہیں جو حضورؐ سے قبل بھی نازل ہوتا رہا۔

com

پانچویں صفت: وہ آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ دراصل یہ احتساب کا تصور ہے۔ وہ شخص کہ جسے جوابدہی کا خوف ہو اُس شخص سے بہت مختلف ہوگا جسے کسی جوابدہی کا کوئی خوف نہ ہو۔ اِن دونوں اشخاص کی زندگی کے رویّوں میں بہت فرق ہوگا۔ احتساب و جوابدہی کے تصور پر ایمان رکھنے والا شخص ہر قدم پھونک پھونک کر رکھے گا جبکہ اس کے مقابلہ میں جوابدہی سے عاری شخص بگٹٹ گھوڑے کی طرح ہوگا کہ جدھر کو منہ اٹھا چل دیا اور جہاں سے جی چاہا چر لیا۔ ممتاز پنجابی صوفی شاعر میاں محمدؒ فرماتے ہیں

ساریاں سیّاں پانی نوں گیاں کئی آون بھر بھر کے
جس نے بھریا سر تے دھریا قدم رکھن ڈر ڈر کے

ان پانچ صفات کے حامل افراد کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" (البقرہ:5)

عقیدۂ ختمِ نبوت

مومنین کی چوتھی صفت یہ تھی کہ

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ○

"وہ لوگ جو اس کتاب پر جو تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، اُن سب پر ایمان لاتے ہیں۔ (البقرہ: 4)

اس سے مراد یہ ہے کہ کلامِ الٰہی اتنا ہی تھا جو آپؐ پر نازل ہوا یا آپؐ سے قبل نازل ہو چکا۔ قرآنِ پاک میں اس موقع پر یہ نہیں فرمایا گیا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِکَ یعنی اس کلام پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کے بعد نازل کیا جائے گا بلکہ قرآن پاک میں کسی جگہ بھی یہ ارشاد نہیں ہوا جیسا کہ اس سے پہلے تمام آسمانی کتب میں صراحتاً یہ بات بیان کی گئی کہ بعد میں بھی انبیاء کا ظہور ہوگا اور کتبِ سماویہ نازل ہوں گی اور تمام اہلِ ایمان کو بعد میں آنے والی کتب پر ایمان لانے کا پابند کیا گیا۔ یوں کلامِ الٰہی صرف وہی بنتا ہے جو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یا آپؐ سے قبل رسولوں پر نازل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر کلامِ الٰہی نازل ہوا ہے تو وہ کلام یقیناً اللہ کا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے کیونکہ قرآن مجید کلامِ الٰہی کی آخری شکل ہے۔

صفاتِ کُفّار

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مفادات و اغراض کو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر ترجیح دیتے ہیں اور دنیوی مفادات کے حصول کی خاطر ایمان نہیں لاتے۔ جیسا کہ ابو لہب سود کا کاروبار کرتا تھا' اونچ نیچ کا حامی اور مساوات کا دشمن تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اسلام آگیا تو اس کی جھوٹی حیثیت' استحصالی معیشت' ظالمانہ کاروبار اور سرمایہ کاری بالکل ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اس نے ڈٹ کر اسلام کی مخالفت کی۔ یہی مسئلہ ابو جہل کا تھا۔ وہ سیاسی لیڈر تھا' اس لئے اس نے بھی آخری حد تک مخالفت کی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی ناقدری کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں سزا کے طور پر مزید دور پھینک دیتے ہیں۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ

"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اور آنکھوں پر پردے پڑے ہیں۔" (البقرہ:7)

لیکن اللہ تعالیٰ اپنی خوشی سے ایسا نہیں کرتے بلکہ انسان خود اپنے لئے تباہی کا ایسا راستہ کھول لیتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا:

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ

"اُن کے دلوں میں (خود پیدا کردہ) بیماری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کو اور بڑھا دیا ہے۔"

(البقرہ:10)

یوں دوسرا گروہ اُن لوگوں کا بنتا ہے جنہوں نے اپنے مفادات اور اغراض کی وجہ سے کُھلم کُھلا جہل اختیار کیا۔

صفاتِ منافقین

ان کی تین صفات اس موقع پر بیان کی گئیں:

پہلی یہ کہ اُن کا دعویٰ تو ایمان لانے کا ہوتا ہے لیکن دراصل اُن میں ایمان ہوتا نہیں۔

دوسرے یہ کہ ان کا دعویٰ خیر اور فلاح پھیلانے کا ہوتا ہے۔ جبکہ دراصل یہ مُفسِدین ہوتے ہیں یعنی فساد پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ اپنے آپ کو انتہائی عقل مند خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ نرے گاؤدی اور لال بجھکڑ ہوتے ہیں۔

یہ تینوں صفات ان کے اندر پائی جاتی ہیں' اس لئے انہیں منافقین کہا گیا۔ جبکہ عام معاملات زندگی میں ان کی چار نمایاں خصوصیات ہیں جو ہمیں حدیث کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں۔ ارشادِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"یہ لوگ جب بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔ کسی سے جھگڑا ہو جائے تو گالیاں دیتے ہیں۔ کوئی امانت رکھے تو خیانت کرتے ہیں۔ کسی سے عہد کرتے ہیں تو اسے پورا نہیں کرتے۔" (بخاری)

com

قرآن کا چیلنج

سورۂ بقرہ کے آغاز میں قرآن مجید کے غیر مشکوک ہونے کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ ہی میں ایک اور دعویٰ کیا گیا ہے جو قرآن مجید میں کم از کم تین جگہوں پر ملتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

"اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے، کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلالو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو، مدد لے لو۔ اگر تم سچے ہو (تو یہ کام کر کے دکھاؤ)۔" (البقرہ: 23)

ذرا غور کیجئے، قرآن پاک دعویٰ کر رہا ہے کہ تم سب خطیب، شاعر، ادیب، نقاد وغیرہ مل کر بھی اس قرآن کی ایک سورۃ جیسی سورۃ لے آؤ۔ یہ ایک بہت بڑا دعویٰ اور چیلنج ہے جو ڈیڑھ ہزار برس سے نہ صرف عرب دنیا بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے۔ اور پھر یہ کسی مخصوص دور کے لئے نہیں بلکہ تاقیامت ہے۔ دنیا کی ہر زبان اور زبان آور کے لئے ہے۔ جہاں بھی کوئی شاعر، ادیب اور نقاد موجود ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ عمدہ سے عمدہ چیز لکھ سکتا ہے تو یہ کلام پاک کا چیلنج ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی کلام لے آئے۔ اس کے ساتھ ہی ایک چیلنج اور بھی کر دیا کہ فیصلہ کے لئے بھی اپنے ہی ساتھیوں کو لاؤ۔ قابلِ غور بات ہے کہ عموماً مقابلوں میں غیر جانبدار منصفین کا مطالبہ کیا جاتا ہے، لیکن یہاں قرآن پاک چیلنج کر رہا ہے کہ اپنے ہی ساتھیوں کو فیصلہ کے لئے لے آؤ اور پھر کفار سے کہا کہ تم دیکھو گے کہ تمہارے اپنے ساتھی جو تمہاری حمایت بھی کرتے ہیں اور مدد بھی، وہی یہ فیصلہ دیں گے کہ تمہاری لائی ہوئی آیتیں کلامِ پاک جیسی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اور کلامِ پاک کے بڑے سے بڑے مخالفین بھی اس بات کا اعتراف کریں گے کہ کوئی شخص اس کلام پاک کی ایک سورۃ بھی نہ بنا سکے گا۔ پھر اس کے ساتھ ہی قرآن پاک ایک اور دعویٰ بھی کر رہا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا

"اگر تم ایسا نہ کر سکے اور ہرگز نہیں کر سکو گے۔" (البقرہ: 24)

یعنی قرآن کے مقابلے میں کوئی سورۃ نہ لا سکو گے۔ ڈیڑھ ہزار سال سے یہ چیلنج قائم ہے اور پیشینگوئی بھی

پوری ہو رہی ہے۔

خلافتِ آدم

سورۃ بقرہ میں خلافتِ آدم اور تخلیقِ آدم کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ

"اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں" (البقرہ:30)

یہ فرمان سن کر فرشتوں نے عرض کیا:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ

"اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس بیان کرتے رہتے ہیں۔" (البقرہ:30)

یعنی ہمارے ہوتے ہوئے کسی اور کو خلافت کے منصب پر فائز کرنے کی کیا ضرورت ہے اور جس طرح آپ یہ خلیفہ بنا رہے ہیں' یہ تو دنیا میں فساد برپا کردے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جواب میں فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

"میں وہ (باتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" (البقرہ:30)

علم و سائنس کی ابتدا اور فضیلت

فرشتوں کو فضیلتِ آدم کی وجہ سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں کے سامنے کائنات کے حقائق بیان کرنا شروع کردیئے۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ سائنس کی ابتداء اِسی مقام سے ہوئی۔ یعنی سائنس میں ہم پہلے کسی چیز کا نام رکھتے ہیں' پھر اس کی حقیقت اور خواص معلوم کرتے ہیں' پھر دوسری چیز پر بھی یہی عمل کرکے اس کا اوّل الذکر کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ صفت عنایت فرمادی کہ وہ چیزوں کے نام رکھے اور پھر ان کے خواص و حقائق معلوم کرے۔ چونکہ انسان کو خلیفہ بنایا جانا مطلوب تھا اس لئے اس میں صلاحیتیں بھی زیادہ جمع کردیں اور پھر جب فرشتوں سے پوچھا کہ بتاؤ ہم نے کیا بیان فرمایا ہے؟ تو اُن سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے سب کچھ بتادیا۔ جب فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی برتری ثابت ہوگئی تو ان سے کہا گیا کہ آدم علیہ السلام کے حضور سجدے میں گر جاؤ۔

یہاں ایک اور حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ اصل برتری دراصل علم و معرفت کی وجہ سے ہوا کرتی ہے' نفلی عبادات یا تسبیح و تقدیس سے نہیں۔

اس لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک فقیہ ہزاروں عابدوں کے مقابلے میں شیطان پر زیادہ بھاری ہے۔"

فرشتے تو سجدے میں گر گئے مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور اپنے افضل و برتر ہونے کا دعویٰ کیا۔

انسان و شیطان میں بنیادی فرق

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے، دونوں سے غلطی ہوئی تھی مگر ابلیس نے فلسفیانہ انداز میں اُسے درست ثابت کرنا شروع کردیا جبکہ آدم علیہ السلام ندامت کا پیکر بنے۔ اللہ کے حضور تائب ہو گئے۔ پہلے تو عرض کیا کہ غلطی ہو گئی ہے لیکن اب بتائیے کہ آپ کو منانا کیسے ہے؟ کیسے مناتے ہوئے پھر غلطی نہ ہو جائے۔ منانے کا طریقہ حتیٰ کہ وہ الفاظ بھی جن الفاظ میں معافی مانگنا تھی، اللہ تعالیٰ سے سیکھے۔ اور پھر جب معافی مانگی تو اللہ نے معاف کر دیا۔ یہی بنیادی فرق انسان اور شیطان میں ہے کہ انسان غلطی کے بعد شرمندہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور جُھک جاتا ہے، جبکہ تنگ نظر ابلیس نہ سمجھ سکا کہ اللہ کا منشاء کیا ہے۔ وہ اکڑ گیا اور راندۂ درگاہ ٹھہرا۔ وہ فلسفیانہ موشگافیوں، منطقی بحثوں اور مناظرانہ ایچ پیچ میں اُلجھ کر رہ گیا۔ اُدھر حضرت آدمؑ تھے کہ ایک ہی رندانہ جست میں کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ فوراً اپنے قصور کا اعتراف کیا، معافی مانگی اور قصہ پاک ہو گیا۔

رند فارغ بھی ہوئے جام سحر گاہی سے
اور زاہد ابھی آہنگِ طہارت میں نہیں

حضرت آدم علیہ السلام نے ندامت کے ساتھ توبہ کی تو انہیں معافی عطا ہوئی۔ بعض لوگ یہ نظریہ اختیار کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سزا کے طور پر زمین میں بھیجا گیا۔ یہ نظریہ قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن صاف طور پر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد ترقی دے کر خلیفہ بنا دیا اور پھر زمین میں تقرر کر دیا۔ ہم یعنی بنی آدم یہاں منتقل ہو کر آئے ہوئے ہیں، سزا کے طور پر نہیں۔ اس دنیا میں ہم ایک منصب پر فائز ہو کر آئے ہیں۔ وہ منصب خلافت کا ہے۔ ہم کوئی سزا بھگتنے نہیں آئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ○

"تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں) سے چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے" (البقرہ:36)

اور دوسری بات یہ کہی:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ

عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ○

"جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی' اُن کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔" (البقرہ:38)

ہدایتِ ربانی

اللہ کی طرف سے آنے والی ہدایت دراصل پیروی کے لئے ہوتی ہے۔ تلاوت کا معنی بھی پیروی ہی ہوتا ہے۔ تلاوتِ کتاب کا لفظی ترجمہ "کتاب کی پیروی کرنا ہے۔" یہاں یہ غلط فہمی بھی دور ہو جانی چاہئے کہ تلاوت کا مطلب بغیر سوچے سمجھے پڑھے چلے جانا ہے۔ تلاوت کا لفظی معنیٰ پیروی کرنا ہے۔ یوں قرآن کی تلاوت میں فہم' تدبّر اور عملی پیروی کا تصور موجود ہے۔ زمین کی خلافت عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم جو کام کرو گے' تمہارا نقطہ نظریہ ہو گا کہ تمہیں لوٹ کے ہماری طرف آنا ہے۔ اب تمہاری زندگی کا مقصد پروردگار سے ملاقات ہے۔ تم زندگی اس انداز میں گزارو کہ لوٹ کر میرے پاس آسکو اور اِس انداز میں زندگی مت گزارنا کہ شیطان کے ساتھی بن جاؤ۔ تم نے اس نظامِ فطرت کی موافقت میں زندگی گزاری تو یہ عین اسلام ہو گا اور اگر تم فطرت کے مقاصد کی نگہبانی نہ کر سکے تو یہ کُفر ٹھہرے گا۔

بنی اسرائیل کی نافرمانیاں

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کی بُری عادات اور نافرمانیوں کا ذکر بہت تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پہلے ان تمام بُرے خصائل کا ذکر کیا گیا جن کی وجہ سے ان سے امامت چھین لی گئی۔ اس کے بعد ان کی نافرمانیوں کو بیان کیا گیا کہ بنی اسرائیل وہ قوم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں نازل کیں۔ ان کو بے حساب رزق عطا کیا۔ حتیٰ کہ پکا پکایا کھانا مَنّ وَ سَلْویٰ کی شکل میں اتارا اور کہا کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو' اُس کی عبادت کرتے رہو۔ لیکن بنی اسرائیل نے ناشکری کی۔ وہ کہنے لگے کہ یا اللہ 'ہل چلانے' مسور کی دال' پیاز اور لہسن کھانے کو جی چاہتا ہے۔ اس کو اُگانے کا انتظام بھی ہم خود ہی کرلیں گے اور اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا خود ہی جا کر جہاد کرو۔ یہ ہم سے نہیں ہوتا۔ اب صورتِ حال یہ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جس کام کے لئے پیدا کیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اُس کے پیغام کو دنیا میں پھیلائیں اور اِس کام کے بدلے میں انہیں تمام سہولیات مہیا کردی گئی تھیں۔ تلاشِ رزق کے جان جوکھم کام سے انہیں فارغ کردیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے ترتیب اُلٹ دی۔ جو کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذِمّہ لیا تھا' وہ انہوں نے اپنے ذِمّہ لینے کی کوشش کی اور جو کام اللہ تعالیٰ نے ان کے ذِمّہ لگایا تھا' اس سے روگردانی کی اور کہہ دیا کہ اے اللہ! وہ کام تو اور تیرا نبی کریں' ہم سے نہیں ہوتا۔

نظیر اکبر آبادی نے بہت عُمدہ شعر کہا ہے:

Mar

؎ جس کام کو جہان میں آیا تھا تو نظیر
خانہ خراب! تجھ سے وہی کام رہ گیا

صوفی شاعر میاں محمدؒ نے بھی فرمایا ہے:

؎ آئے آیاں سیں لعل خریدنے نوں
ڈھیر ہنگ اجوائن دے لا بیٹھوں

بنی اسرائیل سے امامت چھن جانے کے اسباب

بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے خزانے کھول دیئے تھے۔ مگر یہ متعدد خرابیوں میں مبتلا ہو گئے:

1- زعمِ محبوبیت

اُن سے اللہ نے ایک عہد لیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کا سلوک کریں گے۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کریں گے۔ نماز قائم کریں گے' لیکن وہ لوگ یہ سارے عہد باندھنے کے بعد کہنے لگے کہ ہمارے دلوں پر تو پردے پڑے ہیں۔ علاوہ ازیں تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس کے باوجود یہ دعویٰ کرتے تھے:

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ط

"ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔" (المائدہ-18)

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم ہمارے محبوب ہو تو تم موت کی تمنا کرو تاکہ محبوب سے ملنے کا پتہ سامان ہو سکے' لیکن وہ اس سے بھی انکاری ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شخص ایک ہزار سال تک جینے کا متمنی ہے۔

2- نسلی تعصب

بنی اسرائیل کی دوسری خرابی یہ بیان کی کہ یہ نسلی تعصب میں گرفتار ہیں۔ انہوں نے عربی' عجمی' کالے اور گورے کی حد بندیاں کر رکھی ہیں۔ پھر یہ لوگ ایک دوسرے کو گمراہ' کافر' فاسق اور فاجر کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

3- جادو ٹونے

ایک اور خرابی ان میں یہ بتائی کہ یہ لوگ جادو اور تعویذ گنڈوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ ان کا پہنچا ہوا بزرگ اور اعلیٰ ترین عالم وہی شمار ہوتا جو سب سے بڑا جادوگر اور زیادہ سے زیادہ تعویذ گنڈے کرنے کا ماہر ہوتا۔

fat.com

جادو کے بارے میں حضورؐ نے ایک بہت سخت جملہ ارشاد فرمایا:

اَلسَّاحِرُ یُقْتَلُ وَلَا یُسْتَتَاب

"جادوگر کو قتل کر دیا جانا چاہئے اور توبہ کی مہلت نہیں دینی چاہئے۔" (بخاری)

بہرحال کلامِ الٰہی میں یہ تمام باتیں یہود کا نام لے کر کی گئی ہیں۔ اس سے بڑی بد نصیبی کی بات مسلمانوں کے لئے کیا ہو گی کہ آج کل ان واقعات کا اطلاق اُن پر بھی ہو رہا ہے۔ قرآن پاک نے یہود کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ تم پر عتاب اِسی لئے آیا کہ تم میں یہ تمام برائیاں تھیں۔

دراصل یہاں پر مسلمانوں کو بھی تنبیہہ کر دی گئی کہ بنی اسرائیل کی بُری عادات کی وجہ سے ان سے یہ امامت چھین کر مسلمانوں کو دی گئی ہے لیکن اگر انہوں نے بھی ایسے ہی کام کئے تو ان سے بھی یہ امامت چھن جائے گی۔

امامتِ ابراھیمی

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ذریعے مسلمانوں کو ایک سبق دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو امامت عطا کرنے سے قبل ارشاد فرمایا:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

"جب اُن سے اُن کے پروردگار نے فرمایا کہ اطاعت کی راہ اختیار کرو تو اُنہوں نے عرض کی کہ میں رَبُّ العَالَمین کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔" (البقرہ:133)

جواباً ارشاد ہوا:

اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا

"میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔" (البقرہ:124)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا میری اولاد اور نسل کے بارے میں بھی یہی حکم ہے تو اللہ نے فرمایا:

لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۞

"میرا عہد ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔" (البقرہ:124)

ایمان۔ شعوری عمل

اس ارشادِ خداوندی سے ایک بلیغ اور اہم نکتہ سامنے آتا ہے۔ جس طرح سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سے جو ظالم ہو گا اُس پر میرے وعدے کا اطلاق نہ ہو گا البتہ اگر کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس مسلکِ ابراہیمی پر چلے گا اور شعوری طور پر مسلمان ہو گا تو اسے امامت ضرور ملے گی۔ بالکل یہی

صورت ہم پر بھی صادر آ رہی ہے۔ ہم میں سے ننانوے فیصد سے زیادہ وہ لوگ ہیں جو محض اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اسلام شعوری طور پر اختیار نہیں کیا۔ ایسے لوگ پیدائشی مسلمان ہیں' شعوری مسلمان نہیں۔ ایسے لوگ مردم شماری میں تو شاید مسلمان درج کئے گئے ہوں لیکن اللہ کی مردم شماری میں شاید وہ مسلمان تصور نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ انسان "اِقرارٌ بِاللِّسان" کو دیکھ سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی مردم شماری "تَصدِیقٌ بِالقَلب" کو دیکھتی ہے اور قلب و دل سے ماننے کا عمل موروثی نہیں ہوتا بلکہ وہ شعوری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام غزالیؒ اپنی کتاب "احیائے علوم الدین" میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ایمان کی اُس صورت سے توبہ کرنی چاہئے جو ہم نے ماں باپ سے ورثہ میں لی ہے۔ اس لئے کہ ایمان موروثی نہیں بلکہ کسبی اور شعوری عمل ہے۔ ہمیں اپنی سوچ سمجھ' تدبّر اور فکر سے ایمان کو اختیار کرنا چاہئے۔

اُمّتِ وسط اور شہادتِ حق

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امامت شعوری عمل کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ بنی اسرائیل سے امامت چھن کر مسلمانوں کو ملی۔ اِس کی علامت تبدیلیِ قبلہ ہے۔ مسلمانوں کو اُمّتِ وسط قرار دے دیا گیا کہ وہ شہادتِ حق کا فریضہ سرانجام دیں۔ درمیانی اُمّت سے مراد وہ اُمّت ہے جو عدل و مساوات پر چلنے اور پوری انسانیت پر گواہ ٹھہرنے والی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کو اپنے اُوپر گواہ بنانے والی ہے۔

جب حضورؐ نے دین کی پوری دعوت انسانوں تک پہنچادی تو خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا تھا:

اَلاھَل بَلَّغتُ ؟

"کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا؟"

لوگوں نے عرض کیا "ہاں پہنچا دیا" اس پر آپؐ نے فرمایا "اے اللہ گواہ رہنا۔" اسی طرح سے اللہ کو گواہ بنانا اور اللہ کے پیغام کو انسانیت تک پہنچانا اس اُمّتِ وسط کی ذمہ داری ٹھہری۔

چار اہم کام

اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی شخصیت اور زندگی کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیں۔ یہ کام کیسے سرانجام دیا جائے؟ ایک مسلمان کس طریقے سے اپنی شخصیت کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ چار اہم کام بیان کئے ہیں۔

ملاحظہ ہو دعاءِ ابراہیم علیہ السلام:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ()

fat.com

"اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کریں جو ان کو آپ کی آیت پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔" (البقرہ 129)

تاریخ شاہد ہے کہ تمام انبیائے کرام کے ذِمّے یہی چار کام رہے ہیں۔ اِسی حوالے سے حضورِ اکرمؐ کے ذِمّے بھی یہی چار کام تھے۔ یعنی تلاوتِ کتاب، تزکیہ یعنی دل و دماغ کی تطہیر، کتاب کی تعلیم اور دانائی و حکمت کی تعلیم۔

1- تلاوتِ کتاب سے مراد یہاں کتاب یعنی قرآن پاک کی پیروی ہے کہ صرف اس کو بلا سوچے سمجھے نہیں پڑھنا بلکہ غور و فکر سے پڑھنا ہے۔

2- تزکیہ سے مراد دل و دماغ کی پاکیزگی ہے۔ دماغ کو غلط نظریات و رجحانات اور دل کو غلط میلانات سے اِس طرح پاک کرنا کہ پوری کی پوری زندگی پاکیزہ ہو جائے 'تزکیہ' کہلاتا ہے۔

3- تلاوت اور تزکیہ کے بعد انسان اِس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کی کتاب کا بغور مطالعہ کر سکے۔ اس کے احکامات کو مکمل طور پر سمجھ سکے اور پھر ان پر پوری طرح عمل کر سکے۔

4- قرآن مجید کی تعلیمات پر جس ذاتِ گرامی نے پورے کا پورا عمل کر کے دکھایا' وہ حضورؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ کی پوری زندگی اِسی قرآن کا عملی نمونہ ہے۔ اس اعتبار سے قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر اَلْحِکْمَتْ کا لفظ آیا ہے جس سے مراد سیرتِ طیبہ یعنی سُنّتِ نبویؐ ہے۔

حضورِ اکرمؐ کی پوری زندگی اَلْحِکْمَتْ کا سراپا ہے۔ جو شخص بھی حضورؐ کا صحیح جانشین ہو گا' اُس کی زندگی میں مندرجہ بالا چاروں کام نمایاں طور پر نظر آئیں گے۔ وہ فروعی مسائل اور اختلافات میں اُلجھنے سے پرہیز کرے گا اور صرف یہی چار بنیادی کام کرے گا اور ایسے ہی کردار کے حامل افراد منصبِ امامت کے اہل ہو سکیں گے۔

یہ چاروں کام سورۃ جمعہ وغیرہ میں تو اسی ترتیب سے آئے ہیں جو اوپر بیان کی گئی لیکن اِس موقع پر ترتیب یوں ہے: تلاوت آیات، تعلیم الکتاب، تعلیم الحکمت اور تزکیہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعثتِ نبوی کا اصل مقصد لوگوں کا تزکیہ ہے۔ تلاوتِ آیات اور تعلیمُ الکتاب والحکمت اس کے ذرائع ہیں۔ تزکیہ کے حصول کے بعد ہی کوئی فرد یا قوم امامت کے لائق ٹھہرتی ہے۔

مسلمانوں پر امامت کی ذمہ داری

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی چند بُری عادات گنوائی ہیں اور پھر اس کے بعد اِرشاد فرمایا کہ ہم نے تمہاری بُری خصلتوں کی بنا پر تم سے امامت چھین لی اور یہ سیادت و امامت ہم نے مسلمانوں کو عطا فرما دی۔ اس کی نشانی اور ثبوت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے بیتُ المُقَدِّس کو قبلہ باقی رکھنے کی بجائے بیتُ اللہ کو قبلہ بنا دیا۔ مسلمان سولہ

com

ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے لیکن اس کے بعد حکم ہوا کہ کعبۃ اللہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔

ذکرِ الٰہی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس اہمیت میں استقامت کیلئے طریق واضح فرمایا:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

"تم مجھے یاد کیا کرو' میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔ میری نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور کفرانِ نعمت نہ کرنا۔"

(البقرہ:152)

اگر ہم اللہ کو تنہا یاد کریں گے تو وہ ہمیں تنہا یاد کرے گا۔ اگر ہم اُسے کسی مجلس میں یاد کریں گے تو وہ ہمیں اس سے بھی اچھی مجلس میں یاد کرے گا۔ ہم ایک مرتبہ "یا اللہ" کہیں گے تو وہ دس مرتبہ "لبیک یا عبدی" کہے گا۔ ہم بالشت بھر اس کی طرف جائیں گے تو وہ گز بھر ہماری طرف آئے گا۔ ہم چل کر جائیں گے تو وہ دوڑ کر آئے گا۔ اگر ہم اس کی طرف جانے کا ارادہ اور تہیہ کرلیں گے تو وہ راستوں کو خود بخود آسان کرتا چلا جائے گا اور اتنی آسانیاں پیدا کردے گا کہ ہم اس کی راہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ جو اُس کی راہ میں جان دے کر شہید ہو جائے' وہ اُس کو ایسی زندگی عطا فرمائے گا کہ زندہ لوگ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔

اسی لئے فرمایا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

"جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں' ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مرے نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔" (کہ اُن کی زندگی گزارنے کے انداز کیا ہیں کیونکہ وہ اُخروی اور برزخی زندگی ہے) (البقرہ:154)

آزمائش میں مومنانہ رویّہ

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ہم تمہیں آزمائشوں سے گزاریں گے۔ کبھی بھوکا رکھ کر اور کبھی پیاسا رکھ کر' کبھی مال کی کمی سے' لیکن یہ سب کچھ ہمارا نظام تربیت ہوگا' اگر کبھی تکلیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑ جائے تو یہی بات کہتے چلے جانا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

"ہم تو صرف اللہ کے لئے ہی ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں۔" (البقرہ:156)

fat.com

انسان کی زندگی کا اصل مقصد واپس اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ دراصل اللہ کی ملاقات ہی زندگی کا سب سے بڑا حاصل ہے۔ وہ ہمارا مطلوبِ حقیقی اور مقصودِ ازلی ہے۔ اس لئے دنیا میں اگر کہیں نقصان ہو جائے یا دُکھ تکلیف آجائے یا بھوک پیاس تنگ کرے تو بس یہی کلمہ ادا کرنا چاہئے کہ ہم تو اُسی کے ہیں اور اُس ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ہر قوم راست راہے ، دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم ، برسمت کج کلاہے

بس اپنا کعبہ و قبلہ اللہ کی ذات کو بنا لیں۔ یہ بات جب دِل میں بیٹھ جائے تو پھر نقصان محسوس نہیں ہو گا۔ بلکہ ہم اللہ کے راستہ کی یہ چھوٹی سی قیمت ادا کرتے چلے جائیں گے۔

اللہ کی محبت میں شرک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

"لوگوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اُن سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے کرنی چاہئے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے 'اُن کی اللہ سے محبت شدید ترین ہوتی ہے۔"

(البقرہ:165)

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انتہائی والہانہ محبت ہو' اور جتنی محبت اُس سے ہو اُتنی کسی اور سے نہ ہو۔ اللہ ہماری چاہتوں اور محبتوں کا مرکز ہو۔ ہم کسی اور سے بھی صرف اللہ کی خاطر محبت کریں۔ اگر یہ ہے تو ایمان ہے' ورنہ نہیں۔

نیکی کا تصور

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی کا تصور عطا کرتا ہے۔ اسلام میں نیکی کا تصور یہ نہیں کہ ہم صرف مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیں۔ یعنی صرف پوجا پاٹ میں مشغول رہیں' نیکی کیا ہے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

.com

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

"نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر روزِ آخرت پر' فرشتوں پر (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں' یتیموں' محتاجوں' مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارِ زار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔" (البقرہ:177)

اس آیتِ کریمہ پر ذرا غور کریں تو صاف ظاہر ہے کہ نیکی کے تصور میں چار بنیادی باتیں آگئی ہیں۔

1- ایمان: اس کا مطلب ہے کہ زبان سے اقرار کرے' دل سے بات مانے اور خلوص دل سے عمل کرے۔

2- عبادات: یہ کہ نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے۔

3- صبر: یعنی اخلاق۔

4- معاملات: عہد کرنے پر عہد کو پورا کرنا۔

اس طرح دین کی چاروں بنیادی اور اہم باتیں (ایمان۔ عبادات۔ اخلاق۔ معاملات) اس جگہ ذکر کردی گئی ہیں اور اس کے ساتھ ہی روزے کے آداب اور فرضیت کا ذکر کردیا۔

روزے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کیے گئے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔" (البقرہ:183)

ممتاز عالم دین علامہ عبداللہ یوسف علی قرآن کے انگریزی ترجمہ میں کہتے ہیں کہ جس طرح ایک ڈاکٹر مریض کے لئے نسخہ لکھ دیتا ہے' بالکل اسی طرح یہ ایک نسخہ ہے تاکہ تم میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت پیدا ہو

fat.com

جائے۔ روزے کی حقیقت تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے مہینہ بھر یہی مشق کراتے ہیں کہ اگر ہم کہیں کہ کھانا پینا ترک کردو تو تمہیں ترک کرنا پڑے گا۔ ہم کہیں کہ کھانا پینا شروع کردو تو کرنا پڑے گا۔ ہم تمہیں حلال سے روکیں تو رک جاؤ تاکہ بعد میں جب ہم تمہیں حرام سے روکیں تو یہ بات تمہارے لئے مشکل امر نہ ہو اور رزق حرام سے باز آنا رمضان کی تربیت کا نتیجہ ثابت ہو۔

رمضان و قرآن کا باہمی تعلق

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ لوگوں کے لئے اس میں ہدایت ہے۔ کھلی نشانیاں اور حق و باطل کی تمیز ہے۔" (البقرہ:185)

قرآنِ مجید کا رمضان المبارک سے اور رمضان المبارک کا قرآن مجید سے ایک گہرا تعلق اور نسبت ہے۔ احادیثِ مبارکہ سے پتا چلتا ہے کہ اس سے پہلے آسمانی صحائف بھی رمضانُ المبارک میں نازل ہوئے۔ اس لئے رمضانُ المبارک میں اگر کوئی شخص قرآن مجید کو کان کھول کر سنے گا' آنکھیں کھول کے پڑھے گا تو اس کو زیادہ فائدہ ہوگا اور قرآن مجید کا نزول بھی آنکھیں کھول کر پڑھنے کے لئے ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○

"تمہارے پاس اللہ کی کھلی نشانیاں آگئی ہیں جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس میں اس کا اپنا ہی بھلا ہے اور جو اندھا بنا رہا اس کا وبال اُسی پر ہے۔" (الانعام-105)

یوں قرآنِ مجید رمضانُ المبارک کی خصوصی غذا ہے۔ قرآن مجید کو کثرت سے اور سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔

حضرت عباسؓ کا قول ہے "قرآن مجید تھوڑا مگر سمجھ کے پڑھو"

حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے آپؐ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا:

يَا اَبَاذَرٍّ لَاَنْ تَغْدُوَا فَتَعَلَّمَ اٰيَةً مِّنَ الْقُرْاٰنِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ

"اے ابوذر! اگر صبح اُٹھ کر تم قرآن پاک کی ایک آیت (علم و فکر کے ساتھ) سیکھ لو تو یہ تمہارے لئے سو رکعت نفل نماز سے افضل ہے۔" (ابوداؤد)

رمضانُ المبارک کی برکات میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ اِس ماہِ مبارک میں قرآنِ مجید کو سمجھنے کی توفیق بڑھ جاتی ہے۔

حقیقتِ حج

روزوں کے بعد سورۂ بقرہ میں اسلام کے پانچویں رکن یعنی حج کے متعلق ضروری احکام ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ

''حج میں نہ شہوت پرستی کریں' نہ گناہ اور نہ جھگڑا۔'' (البقرہ:197)

بالفاظ دیگر حج میں شہوت پرستی اور گناہ و فساد جیسے واقعات رونما ہوں گے تو پھر حج نہیں رہے گا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے حج کیا اور ان تمام چیزوں سے بھی اجتناب کیا تو حج کے بعد وہ یوں پاک و صاف ہو گیا جیسا کہ آج ہی بطنِ مادر سے پیدا ہوا ہو۔

دین و دنیا کا ملاپ

مناسکِ حج بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں ایک دعا سکھاتے ہیں لیکن اس سے قبل ایک دُعا پر تنقید کرتے ہیں کہ اگر اِس دنیا میں رہتے ہوئے دنیا ہی مانگتے رہو گے تو موت کے وقت یہاں سے خالی ہاتھ ہی جاؤ گے' اس لئے اللہ تعالیٰ سے دین و دنیا دونوں مانگا کرو۔ اور یوں کہا کرو:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔'' (البقرہ:201)

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر آخرت بنانا ہے تو دنیا کا ستیاناس کرنا پڑے گا اور اگر دنیا بنانا ہے تو آخرت کو فراموش کرنا پڑے گا۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ آخرت اِسی دنیا کے ذریعے بنتی ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

''اور جو (مال) تم کو اللہ نے عطا کیا ہے' اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بُھلائیے۔'' (القصص:77)

دنیا میں یہ جو مال و دولت ہے' کار اور کوٹھی ہے' بیوی اور بچے ہیں یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

fat.com

انہی کے ذریعہ سے آخرت کمانا ہے۔ آخرت دنیا کے راستے ہی سے کمائی جائے گی۔ دنیا سے ہٹ کر نہیں کمائی جا سکتی۔

یہ مفروضہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے کہ آخرت حاصل کرنے کے لئے دنیا چھوڑ دیں۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو گویا اپنے ہتھیار ہی چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ آخرت تو ہمیں دنیا کے ذریعے ہی سے کمانا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ دُنیا دُنیا نہیں جس میں دین نہیں اور اسی طرح وہ دین دین نہیں جو دُنیا سے کٹا ہوا ہو' وہ رہبانیت ہو گا۔ جب دین و دنیا کا ایک متوازن قسم کا امتزاج بنتا ہے تو کامل زندگی کا ظہور ہوتا ہے۔ مثلاً ہم زندہ ہیں کیونکہ ہمارا جسم ہے اور اس کے اندر جان ہے۔ جسم اور جان جب تک اکٹھے ہیں' تب تک ہم زندہ ہیں۔ اس جسم سے اگر رُوح جدا ہو جائے تو یہ موت ہو گی۔ بالکل اسی طرح دین ہماری رُوح اور دُنیا ہمارا جسم ہے۔ ان دونوں کو اکٹھا کریں گے تو زندگی ہو گی ورنہ کچھ بھی نہیں ہو گا۔

متوازن نظامِ تعلیم

اِسی بات کو اگر ہم اپنے نظامِ تعلیم کے حوالے سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نظامِ تعلیم جس میں دین کو دنیا سے جُدا کر دیا جائے یا دینی تعلیم کو سائنسی علوم سے بالکل علیحدہ کر دیا جائے تو وہ دینی و دُنیوی تعلیم دونوں ناکافی ہوں گی۔ اِس لئے دینی تعلیم میں اگر جدید علوم کے مسائل شامل نہ ہوئے تو اجتہاد ممکن نہ رہے گا اور دُنیوی تعلیم میں اگر دین نہ ہو گا تو انسان اچھا انسان نہ بن سکے گا۔ آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد ڈاکٹر' انجینئر' ٹیکنو کریٹ' بیورو کریٹ اور پارلیمنٹیرین بنے' آپ کی تمام خواہشات اپنی جگہ قابلِ احترام سہی لیکن اس سے قبل اُسے ایک اچھا انسان اور صحیح مسلمان بننا چاہیے۔ اِس مقصد کے لئے آپ کو دین و دُنیا کی تعلیم دونوں اکٹھے دینا پڑے گی۔ اس معاملے میں جہاں بھی تفریق کریں گے تو بات نہیں بنے گی۔ سکول اور کالج میں پڑھنے والا بچّہ ایک اچھا مسلمان نہیں بن سکے گا۔ اِسی طرح دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والا ایک عالمِ دین دُنیا میں اپنے دین کو نافذ نہیں کر سکے گا۔ ایک شخص جو سکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرتا ہے اُسے اُن مسائل کا بخوبی علم ہو جاتا ہے جس سے اِس وقت پوری انسانیت دوچار ہے لیکن اس کے پاس ان کا کوئی حل نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں جو شخص دینی مدارس میں پڑھتا ہے اس کے پاس ان مسائل کا حل موجود ہے لیکن اسے عصرِ حاضر کے پیدا شدہ مسائل کا اِدراک نہیں کیونکہ اسے جدید معیشت' بینکنگ اور دوسرے مسائل سے آگاہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ جدید تعلیم سے فارغ التحصیل طالب علم کے پاس مرض کی تشخیص تو ہے مگر علاج نہیں۔ ادھر ہمارے دینی مدرسے کے طالب علم کے پاس علاج موجود ہے لیکن مرض کی تشخیص کا ڈھنگ نہیں' سوائے ان چند لوگوں کے جو محقق' سکالر یا عالم ہیں۔ جب تک دین و دُنیا کو یکجا و یکجان نہیں کیا جائے گا' مرض کا علاج ممکن نہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پہلے دنیا کی بات کرتا ہے اور پھر آخرت کی۔

ملاحظہ فرمائیں:

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً

"اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔"

(البقرہ:203)

ذکرِ الٰہی و عبادت

قرآن پاک میں ذکرِ الٰہی کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

"جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کے ذکر میں کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے لگے رہو (ہر حال اور ہر آن اللہ کو یاد کرتے رہو۔" (النساء:103)

ہمیں ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہنا چاہئے تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے سلسلہ جُنبانی جاری و قائم رہے۔ بقول علامہ اقبال:

ذکر اُو سرمایہ ذوق و سرور
لذّت سوز و سرور از لَا اِلٰہ
در شب اندیشہ نور از لَا اِلٰہ

جب اللہ اور اُس کے رسولِ مقبولؐ سے محبت ہو جائے اور اُن کے عشق کی چنگاری دل میں سُلگ اُٹھے تو پھر یہ دلِ دیوانہ اُنہی کا ہو جاتا ہے اور پھر ماسوا اللہ کے کسی اور کی یاد بھی نہیں آتی۔

گفتگو کسی سے ہو، تیرا دھیان رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلّم کا

گاؤں میں عورتیں کنوئیں یا پنگھٹ سے پانی لے کر سر پر رکھے دور دور تک جاتی ہیں۔ بلندی چڑھتے اور اترائی اُترتے ہوئے وہ اٹکھیلیاں کرتی جاتی ہیں۔ باہمی باتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، قہقہے بھی لگتے ہیں لیکن ان کا ہر قہقہہ بھی ناپا تلا ہوتا ہے اور ہر قدم بھی۔ اس لئے کہ دل میں یہ دھیان ہوتا ہے کہ سر پر گھڑا ہے، کہیں گر نہ جائے۔ ایک لمحہ کو بھی دل سے یہ دھیان محو نہیں ہوتا۔ اِسی دھیان کو ہم "فکر" کہتے ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

دل بہ یار، دست بہ کار

اہلِ دل اور اللہ والے اِسے مراقبہ کہتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

fat.com

؎ درمیان کار زار کفر و دین
با دل خود یک نفس خلوت گزیں

یہی وہ خلوت گزینی ہے جو دھیان کو پختہ کرتی ہے اور دل میں یادِ الٰہی کی جوت جگاتی ہے۔ اس کا تعلق فقط سوچ سے نہیں بلکہ دل کی دنیا سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا جذبہ پیدا کریں۔ بلکہ اصل میں تو محبت وہی کرتا ہے، محبت کا سراپا تو وہی ہے، اس نے اپنی محبت کو سو حصوں میں بانٹا، ننانوے آخرت کے لئے رکھ چھوڑے اور ایک حصّے کو پوری کائنات میں تقسیم کر دیا۔ یہ ایک حصّہ دنیا بھر کی ماؤں کی محبت، باپوں کی شفقت، حیوانوں کی محبت اور چرند پرند کی باہمی اُلفت بن گیا۔ یہ سب محبت اُسی جلّ جلالہ کی دی ہوئی ہے۔ وہ تو رحمٰن و رحیم اور محبت کا سراپا ہے۔ ہمیں تو سوئچ آن کرنا پڑے گا۔ پھر اُس کی محبت کے دم بہ دم پیہم چھانے کے منظر نظر آئیں گے۔ بالکل اِسی طرح جیسے فضا میں ریڈیائی لہریں موجود ہیں۔ آپ جونہی ریڈیو کا سوئچ آن کرتے ہیں، آواز آنے لگتی ہے اور اگر آپ سوئچ آف کرتے ہیں تو آواز آنا بند ہو جاتی ہے۔ اللہ کی محبت کا سوئچ آن کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ سے اُس کی ذات کو مانگنے کی ضرورت ہے:

؎ تجھ سے مانگوں میں تُجھی کو، کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے بڑا ایک سوال اچھا ہے

اور

؎ کچھ اور مانگنا مرے مذہب میں کُفر ہے
لا اپنا ہاتھ دے مرے دستِ سوال میں

صرف اس جلّ جلالہ، سے مانگنا پڑے گا۔ اس کے بعد صورتِ حال بالکل برعکس ہو جائے گی۔ پھر آپ کو کوشش کر کے دھیان اِدھر اُدھر لانا پڑے گا۔ یعنی دنیا کی طرف توجّہ کے لئے بھی کوشش کرنا پڑے گی اور یہ کیفیت ذکرِ الٰہی کی کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○

"میں نے جنّات اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے رزق کا طالب نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔" (الذاریات:56-58)

یہاں رزق کمانے سے نہیں روکا جا رہا، لیکن یہ اصل ذِمّہ داری نہیں۔ اصل ذِمّہ داری تو اللہ کی معرفت، محبّت اور اُس کے دین کو نافذ کرنا ہے اور یہی خلیفۃُ الارض کا کام ہے کیونکہ جب وہ اللہ کا تفویض کردہ کام کرے گا تو

اُسے رزق ضرور ملے گا۔

اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں:

رزق نا محتاج بل ہی جائے گا
خواہشوں میں مختصر ہو جائیے
فقر سے شیطاں ڈراتا ہے اگر
حَسْبُنَا اللہ سے نڈر ہو جائیے

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

پھر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ

"لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔" (البقرہ:219)

یہاں پر بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ گھر کے دال دلیہ سے جو زائد بچتا ہو' وہ سب کا سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ اگر یہ درست ہے تو پھر زکوۃ کا کیا جواز ہو گا؟ کیونکہ اگر ہم گھر میں کچھ بچا کر نہیں رکھ سکتے تو پھر زکوۃ کے تمام احکامات کا نفاذ کہاں ہو گا؟ دراصل صحابہ کرامؓ میں سخاوت کا ایک جوش و جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ تنگی کی حالت میں ہوتے اور اپنی ضرورت سے زیادہ دوسرے کی ضرورت کا خیال رکھتے۔ اپنے بیوی بچوں کو بھوکا رکھتے اور ان کی ضروریات کو مؤخر کر دیتے لیکن ہمسائے' اقارب اور دوستوں کی ضرورت کا خیال اولاً کرتے۔ قرآن مجید نے کہا ہے کہ خاندان ایک وحدت ہے۔ خاندانوں کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اولین درجہ پر ہے اس لئے پہلے اُسے پورا کرنا چاہئے اور اُس میں سے جو بچ جائے وہ دوسروں پر خرچ کرنا چاہئے۔ جب تک کہ یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ والدین کو صحیح کھانا مل رہا ہے' اُس وقت تک خود لقمہ کھانا جائز نہیں۔ کیونکہ والدین کا حق اپنی ذات اور اپنے بیوی بچوں سے زیادہ ہے۔ بالکل اِسی طرح اپنے اہل و عیال کے حقوق جب تک پورے نہ ہوں' مال کو صدقات و خیرات میں دینا جائز نہ ہو گا۔

مرد و زن۔ایک دوسرے کا لباس

حقوقِ نسواں

سورۂ بقرہ میں دوسرے احکام کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حقوق کے متعلق بھی واضح احکام آ گئے۔

Marfat.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ

"جو مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں' وہی عورتوں کے مردوں پر ہیں۔" (البقرہ:228)

یعنی نہ تو مردوں کے کوئی خصوصی حقوق ہیں نہ عورتوں کے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کے ہاں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ اس فن پارے میں عورتوں کے حقوق اس خُوب صورتی سے بیان کئے گئے ہیں کہ اگر انہیں انسان ساری زندگی بیٹھ کر سوچتا رہے تو وہ اس ایک آیت سے بہتر بات نہیں لکھ سکتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط

"تمہاری عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا لباس ہو۔" (البقرہ:187)

اِس سے بہتر اور عُمدہ مثال ممکن ہی نہیں۔ میرے خیال کے مطابق یہ آیت قرآنی معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں کوئی ادیب یا محقّق عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے اس سے اچھا جملہ شاید ہی لکھ سکے بلکہ وہ یقیناً نہیں لکھ سکے گا۔ اس لئے کہ قرآن نے بلاوجہ تو چیلنج نہیں دیا کہ تم قرآن کے مقابلے میں ایک سطر ہی لکھ کر دکھادو۔ قرآن پاک نے مرد و زن دونوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ جس طرح لباس انسان کا دفاع کر کے اسے گرمی اور سردی سے بچاتا ہے۔ لباس انسانی جسم سے قریب ترین چیز ہوتا ہے اور انتہائی قُرب کی علامت ہوتا ہے۔ لباس انسان کی عزّت کی علامت بھی ہوتا ہے۔ کسی شخص کے گریبان پہ ہاتھ ڈالنا اُس کی عزّت پر ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ لباس انسان کی زینت بھی ہوتا ہے۔ لباس انسان کے عیوب اور ستر کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں لباس اُس کی پہچان کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ یہی تمام کام میاں بیوی بھی ایک دوسرے کے لئے سرانجام دیتے ہیں۔ مرد و زن مُشکلات میں ایک دوسرے کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی برائیوں اور خامیوں کی پردہ پوشی بھی کرتے ہیں ہیں اور ایک دوسرے کی پہچان اور زینت کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے انتہائی قرب' محبت اور عزت کی علامت اور اُن کا محکم ذریعہ ہوتے ہیں۔ اِسی لئے قرآن پاک نے مرد و زن میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں رکھا۔ اور کہا کہ جو حقوق مرد کے عورت پر ہیں' وہی عورت کے مرد پر ہیں۔ ہاں مرد کو عورت پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے اور وہ اِس وجہ سے کہ یہ مرد کے ذِمّہ ہے کہ وہ بحیثیت ولی الامر تمام زندگی کمائی کھلاتا رہے۔

دنیائے فلسفہ میں طویل عرصہ یہ بحث چلتی رہی کہ عورت انسان بھی ہے کہ نہیں؟ اور اس بات پر دلائل کے انبار لگا دیئے گئے کہ عورت انسان ہی نہیں' یہ رُوح سے خالی محض جسم ہے۔ یہ قابلِ خرید و فروخت ہے۔ اہلِ ایران عورت کو "زَن" کہتے ہیں یعنی "مار" "مرزن" نہیں کہتے کہ "نہ مار" اور انگریزی میں اسے Woman یعنی

.com

Wo for man مرد کے لئے غم و مصیبت۔ فرانس میں پہلی مرتبہ 586ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ عورت انسان ہے' لیکن اسے مرد کی خدمت کے لئے بنایا گیا ہے۔ اسلام اس لغو نظریئے کا حامی نہیں۔ اگر عورت مرد کی خدمت کے لئے ہے تو مرد عورت کی خدمت کے لئے کیوں نہیں؟ میرے خیال میں دونوں کو ایک دوسرے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں عبادت و معاشرت اور زندگی کے ہر کام کیلئے ایک ترتیب اور ضابطہ ذکر کر دیا گیا ہے۔ جب تک انسانی معاشرہ اس ترتیب کے مطابق چلتا رہا' عظمت و اقبال نے اِس کے قدم چومے۔ قرآن مجید میں اِس مقام پر بنی اسرائیل کی ذِلّت و رسوائی کی داستان کو ہماری رَہنمائی کیلئے ذکر فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے احکامِ الٰہی کی ترتیب کو اُلٹ دیا تو ذِلّت اُنکا مقدّر ہوئی۔ مالی برتری اُن کے ہاں عظمت کا سبب سمجھی جاتی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان و اعمال صالح کو فوقیت دی ہے۔

طبقات پرستی

ترتیب کو اُلٹنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے طالوت کو اُن کا حکمران بنا دیا۔ اِس پر وہ کہنے لگے کہ اِس غریب آدمی ہی کو ہمارا حکمران اور رہنما بنانا تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ طبقات پرستی کی بیماری آج کی نہیں بلکہ بہت پُرانی ہے۔ یعنی یہ لیڈر شپ کا تصور کہ لیڈر جب بھی بنے گا' وہ وڈیرا ہو گا' سرمایہ دار ہو گا یا جاگیردار ہو گا اور طالوت جیسی شخصیتِ کُبریٰ بھی لیڈر بننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اُسے دو نعمتوں سے نوازا ہے: صحیح جسم و دماغ اور صحیح علم! یعنی اُسے صحت مند جسم اور علم عطا کیا ہے' اِس لئے ہم نے اُس کو حکمران بنا دیا ہے۔ اصل فضیلت اُس کے علم کی ہے۔ اُس کو اپنا حکمران تسلیم کرو اور اُس کیساتھ مل کر جہاد کرو۔

نافرمانی اور پست ہمّتی

اُنہیں حکم ہوا کہ جہاد کے دوران میں تم اِس دریا کے کنارے اِس کا پانی پینے سے پرہیز کرو۔ چند گھونٹ پی لو تو کوئی حرج نہیں لیکن سیر ہو کے نہیں پینا۔ بہت کم لوگ ایسے تھے جنہوں نے پانی نہیں پیا یا بہت کم پانی پیا۔ اکثر نے اللہ کی نافرمانی کر دی جس کے نتیجے میں دشمن یعنی جالوت سے لڑنے کی طاقت نہ رہی۔ اُس سے یہ ظاہر ہوا کہ انسان اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو اُس کی تمام قوت و طاقت زائل اور ہمت پست ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ پانی قوتِ حیات کا سرچشمہ ہے مگر اِس دریا کا پانی اُن کے لئے نقصان دہ اِس لئے ہو گیا کہ پانی پینے کے دوران میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی تھی اور قوت کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ یہ قوت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

توحید کا سرچشمہ۔ آیتُ الکرسی

قرآن مجید کی سب سے اہم آیت یعنی آیت الکرسی سورۂ بقرہ میں ہے۔ اس کا ترجمہ غور سے پڑھنے اور اس وِرد بار بار کرنے کی ضرورت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○

"اللہ تعالیٰ وہ زندہ و جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ نہ سوتا ہے نہ اُسے اُونگھ آتی ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے' اُسی کا ہے۔ کون ہے جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اور جو کچھ اُوجھل ہے' اُس سے بھی واقف ہے اور اُس کی معلومات میں سے کوئی چیز اُن کی گرفت اور اِدراک میں نہیں آسکتی۔ سوائے اس کے کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی اُن کو دینا چاہے۔ اُس کی حکومت آسمانوں اور زمینوں پر چھائی ہوئی ہے اور اُن کی نگہبانی اُس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔" (البقرہ:255)

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو اہم صفات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صفت تو ذاتی ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور دوسری اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم۔ جس کے معنی کچھ یوں ہیں کہ وہ ذات نہ صرف خود زندہ و جاوید ہے بلکہ زندگی کا منبع و مصدر بھی ہے۔ وہ اپنے طور پر بغیر کسی امداد کے قائم ہے۔ اِس کے لئے اُسے کوئی سہارا درکار نہیں۔ البتہ وہ سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ دنیا میں ہر قائم اِس لئے قائم ہے کہ اَلْقَیُّوْم نے اُسے قائم کیا ہوا ہے۔ یوں ذرا غور کریں تو خلق اور اَمر کی صفات بروئے کار آرہی ہیں کہ پیدا بھی اُسی نے کیا ہے اور زندہ رکھنے کی تدبیرِ مسلسل بھی وہی کر رہا ہے۔ یہ دونوں صفات اپنی جگہ انتہائی جامع ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے اِن دونوں صفات کے مجموعے (یَا حَیُّ یَا قَیُّوْم) کو اسمِ اعظم کہا ہے۔ اِس کے بعد کہا گیا ہے کہ نہ اُس کو نیند آتی ہے اور نہ اُونگھ۔ یعنی وہ ہم سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ ہم ہی خطاوار ہیں جو اُس کو بھولے ہوئے ہیں۔ ہمارے بارے میں تو اُس جلّ جلالہٗ نے یہ کہا کہ جب بھول جاؤ تو پھر اپنے رب کو یاد کر لیا کرو لیکن وہ اپنی مخلوق سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ اور پھر کہا کہ اُس کی حکومت آسمانوں اور زمینوں پر پھیلی ہوئی ہے اور یہ جُملہ تو بہت سخت ہے کہ

"کون ہے جو اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور کسی کی سفارش کر سکے؟"

پھر فرمایا کہ علم تو اُسی کا ہے اور اُس کا علم کسی انسان کی گرفت میں نہیں آسکتا مگر اتنا جتنا کہ وہ خود دے دے۔ پوری کائنات کو سنبھالے رکھنا اور اُس کی نگہبانی اُس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں۔

اِس آیت کا ورد کرتے رہیں تو توحید راسخ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم اور نمرود کا قصہ

آیتُ الکرسی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بابل کے حکمران نمرود کا قصہ آجاتا ہے۔ نمرود خدائی کا دعوے دار تھا اور اُس نے موت اور زندگی دینے کا دعویٰ کیا اور بطورِ دلیل یہ کہا کہ جسے چاہوں زندہ رکھوں اور جسے چاہوں سزائے موت دے کر موت کے گھاٹ اتار دوں۔ اگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کوئی مناظرہ باز مقرر ہوتے تو یہاں مورچہ لگایا جا سکتا تھا۔ لیکن اُنہوں نے فوراً محاذ بدل لیا اور کہا:

"اگر تم خدائی کے دعوے دار ہو تو میرا خدا سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تم اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھاؤ۔"

یہ سُن کر نمرود میدان ہار گیا۔

مُردہ کیسے زندہ ہو گا؟

نمرود کے واقعہ کے بعد ایک اور واقعہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ایک سوال کیا:

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی

"اے اللہ! مجھے دکھایئے کہ آپ مردوں کو زندہ کیسے کریں گے؟" (البقرہ:260)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ

"(تم رسول ہو) کیا ایمان نہیں رکھتے؟" (البقرہ:260)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ایمان تو رکھتا ہوں لیکن دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۠

"تم ایسا کرو کہ چار پرندوں کو خوب سدھا کر اپنے آپ سے مانوس کر لو۔ پھر اُن کو ذبح کر کے اُن کے ٹکڑے کر کے مختلف مقامات پر بکھیر دو۔ پھر اُن پرندوں کو پکارو تو دیکھو کہ وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آتے ہیں۔" (البقرہ:260)

اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ وہ طریقہ ہے جس سے ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں اور نہ ہی اسباب کے راستے پر چلنے کا پابند ہے۔ دنیوی اسباب میں تاثیر بھی اُسی نے رکھی ہے۔ وہ اِس تاثیر کو جتنا چاہے گھٹا دے' اور جتنا چاہے بڑھا دے۔

سود کی حرمت

سورۂ بقرہ میں سود کے متعلق بھی واضح حکم آگیا ہے۔ سود کے بارے میں قرآن پاک کی درج ذیل تین چار آیتیں اس موضوع پر دیے گئے کئی لیکچروں پر بھاری ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ

"جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں' اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لئے کسی خوف یا رنج کا مقام نہیں۔ اِس کے برعکس جو لوگ سود کھاتے ہیں' اُن کا حال اُس شخص جیسا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اِس حالت میں اُن کے مبتلا ہونے کی وجہ اُن کا یہ کہنا ہے کہ تجارت بھی تو سود ہی جیسی کوئی چیز ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔" (البقرہ:284-285)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں سود اور تجارت کا فرق بیان نہیں کیا بلکہ بہت شاہانہ اور حاکمانہ انداز میں سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اگر یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سود اور تجارت ایک جیسے ہیں تو شیطان اُن کو اس گمراہی میں گھسیٹ لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر تجارت کو حلال جبکہ سود کو حرام قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اُس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لئے وہ سود خوری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ اس سے قبل کھا چکا' سو کھا چکا' اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ لیکن جو اِس حکم کے بعد بھی اِس حرکت کا اعادہ کرے تو وہ جہنمی ہے۔ اللہ سود کو

.com

مسترد کر دیتا ہے اور صدقات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اللہ کسی ناشکرے اور بد عمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو لوگ ایمان لائیں، نیک اعمال کریں، نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں، اُن کا اجر بے شک اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لئے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ○

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ رہو کہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے اب بھی توبہ کرلو اور سود چھوڑ دو تو اپنا سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

(البقرہ:278-279)

سود کی تفصیل ہم انشاء اللہ سورہ آلِ عمران میں ذکر کریں گے۔ سود کی حرمت کے ذکر کے ساتھ ہی قرض لینے کے آداب، احکام، مالی معاملات میں گواہی اور رہن (گروی) کے بارے میں وضاحت کی گئی۔

اختتام

سورۃ کا خاتمہ بہت ہی اہم بات پر کیا گیا۔

(الف) ہر شخص اپنی ذات اور انفرادیت کے ساتھ اللہ کے ہاں جوابدہ ہے اور یہ جوابدہی ایسی ہستی کے روبرو ہو گی جو ظاہر و پوشیدہ کا جاننے والا، قادرِ مطلق، مالک و مختار اور سزا و جزاء کے سارے اختیارات کا مالک ہے۔

(ب) اسلامی عقائد (اللہ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت پر ایمان) کا خلاصہ

(ج) اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عملی کوتاہیوں پر استغفار کے مقابلے میں نصرت کے حصول کی عاجزانہ دُعا۔

.com

سورہ آلِ عمران (۳)

نام

اِس سورۃ میں سیدہ مریم علیہا السلام کے آباء و اجداد کا ذکر ہے جو آلِ عمران کے لقب سے مُلقّب تھے۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ مدنی ہے، جنگِ احد کے بعد کے دور میں نازل ہوئی۔

شانِ نزول اور مضامین

اس سورۃ کے مضامین میں بھی تنوّع ہے۔ آغاز میں روئے سخن نصاریٰ کی جانب ہے۔ ہجرت بلکہ جنگِ بدر کے بعد پیش آمدہ حالات اور یہودیوں کی سازشوں کے باعث مسلمان بطور آخری اُمّت خطۂ عرب کے علاوہ بھی متعارف ہونے لگے۔ تو نجران کے عیسائی حکمران کو تشویش ہوئی۔ اس نے عیسائی مبلّغین اور مناظرے کے ماہرین کی ایک جماعت نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناظرہ کرنے کیلئے مدینہ کی جانب روانہ کردی۔ اس لئے آغاز سورۃ میں راسخُ العقیدہ مسلمانوں کی علامات اور اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر نصاریٰ کے مذہب میں پیدا ہونے والی اعتقادی اور عملی کمزوریوں کا ذکر کرنے کے بعد ان کی اصلاح کیلئے اقدامات کا بیان ہے۔ لیکن جب اُنہوں نے اس دعوت کو بھی تسلیم نہ کیا تو مباہلہ کیلئے اُن کو دعوت دی گئی۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تشریف آوری کے بعد یہود کی سازشی طبیعت کو پہچان کر اُن سے جنگی اور معاشرتی معاہدات کئے مگر یہود اِن معاہدات کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ جس سے مسلمانوں کو اُن کی طرف سے خدشہ رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس سرشت و جبلّت کا ذکر کیا ہے کیونکہ جنگِ بدر کے دوران میں بھی ان یہود کی ہمدردیاں عقیدۂ توحید و آخرت کے علمبردار کہلانے کے باوجود مشرکینِ مکّہ کے ساتھ تھیں۔ اُن کی شرارتوں کے باعث نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن شریر یہودی قبائل کو مدینہ منورہ اور اُس کے نواحی علاقوں سے بھی نکال دیا۔ اب یہود کی آتشِ انتقام بھڑک اٹھی۔ یہی وہ دور ہے جس میں مسلمان اپنے آپ کو غیر محفوظ تصوّر کرتے تھے۔ اِس لئے ہتھیار بند رہنا اور راتوں کو پہرہ دینا مسلمانوں کا معمول بن گیا تھا۔ خصوصاً اگر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند ثانیئے مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے یا مدینہ منورہ کے نواحی علاقوں میں تشریف لے جاتے تو صحابہ کرامؓ آپ کی تلاش میں نکل پڑتے اور اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک آپ کی زیارت سے مشرّف نہ ہو جاتے۔ اِسی دور میں یہودیوں نے ایک نئی سازش تیار کی جس کے نتیجے میں یہودیوں کی ایک جماعت صبح کے وقت میں مسجد نبوی میں آکر ایمان کی قبولیت کا اعلان کرتی۔ دن بھر گزرنے کے بعد یہ کہتے ہوئے مجلس سے نکل جاتے کہ یہ وہ نبی

fat.com

نہیں جس کا ذکر تورات اور صحیفوں میں ہے۔

جنگِ اُحد اس سورۃ کے نازل ہونے سے قبل ہو چکی تھی اور یہ جنگ دراصل مکہ کے شکست خوردہ عناصر
یہود کی آتشِ انتقام میں جھلسے ہوئے لوگوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھی۔ اِس جنگ کے لئے ایک ہزار مجاہد نبیِ اکرم ص
اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے مگر تین صد منافق راستے ہی سے واپس آگئے۔ اب باقی سات
مجاہدین رہ گئے۔ ان میں بھی کچھ منافق ایجنٹ فتنہ پھیلانے کیلئے موجود رہے تا کہ آستین کے سانپ بن کر دشمن
امداد کر سکیں۔

جنگِ اُحد کے بعد جب اِس سورۃ کا نزول ہوا تو اس میں اُن تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی گئی
دورانِ جنگ میں مسلمانوں سے سرزد ہوئی تھیں اور اِس کے ساتھ ساتھ اُن کے لئے عام معافی کا اعلان اور
خامیوں کے ازالے کیلئے ہدایت کا بھی ذکر ہے۔ یہ جنگ وہ پہلا معرکہ ہے جو مسلمانوں نے اس قدر بڑی تعداد
مدینہ منورہ سے باہر نکل کر لڑی جبکہ مسلمانوں کی جنگی تربیت کا پہلو ابھی زیرِ تکمیل تھا۔

اس سورت میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو بہترین اُمت قرار دیا گیا اور اِس کی عظمت کی بق
اصول بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○

"اور تم ہمت نہ ہارنا اور غم نہ کرنا، اگر تم مکمل مومن رہے تو تم ہی غالب رہو گے۔" (آلِ عمران:139)

سورۃ کا اختتام بھی باریِ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے اظہار اور دُعا و مناجات پر مشتمل ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف و ربط ما قبل

سورۂ آلِ عمران قرآن پاک کی تیسری سورۃ ہے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران میں بہت گہری نسبت ہے۔ نبی اکرمؐ نے ان دونوں کو شمس و قمر سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ یہ دونوں حشر کے دن دو بدلیوں کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔

سورۂ آلِ عمران اُس زمانے میں نازل ہوئی جب اسلام کا غلبہ شروع ہو چکا تھا اور ایسے حالات میں اہلِ کتاب کے لئے اسلام اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلانیہ مخالفت کرنا ممکن نہ رہا تھا لیکن درپردہ وہ اب بھی مسلمانوں کے شدید مخالف تھے۔ اِس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو اہلِ کتاب کی ان سازشوں اور گمراہ کُن باتوں سے خبردار کیا گیا ہے جو وہ مسلمانوں کو دینِ اسلام سے ہٹانے کے لئے کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کی سازشوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلمانوں کو متحد اور مطیع رہنے کا بھی حکم دیا ہے۔

محکمات اور متشابہات

سورۂ آلِ عمران کے آغاز میں محکمات و متشابہات کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ قرآن پاک کی چند آیات ایسی ہیں جو محکمات شمار ہوتی ہیں اور چند ایسی ہیں جو متشابہات کے زمرے میں آتی ہیں۔ اوّل الذکر آیات ایسی ہیں جن میں صاف اور سیدھا حکم دیا گیا ہے۔ کسی کام کے کرنے یا پھر کسی کام سے رُک جانے کا حکم ہے جبکہ ثانی الذکر وہ آیات ہیں جن میں اگر جستجو کریں تو عقل عاجز آجائے گی مثلاً یہ کہا کہ

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی○

"رحمٰن اپنے تخت پر براجمان ہوا۔" (طٰہٰ:5)

یہاں تک بات بالکل واضح ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ پوچھتا ہے کہ نعوذُ باللہ رحمٰن کی صورت کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کا تخت کتنا بڑا اور کس دھات کا بنا ہوا ہے؟ اور کہاں ہے؟ اس سوال کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ یہ باتیں اگر جاننا ضروری ہوتیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو خود بیان کر دیا ہوتا یا اُن کی وضاحت کر دی ہوتی۔ اگر کوئی بات اللہ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کرنے سے احتراز کیا ہے تو یہ اس لئے نہیں کہ وہ خدا نخواستہ بھول گئے بلکہ وہ بات اس لئے نظر انداز کر دی گئی کیونکہ وہ اِسی قابل تھی کہ چھوڑ ہی دی جاتی۔ جب اللہ تبارک و

تعالیٰ نے ایک چیز بیان ہی نہیں فرمائی تو پھر ہم اور آپ اس کے پیچھے کیوں پڑیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک چیز کو بیان کرنے کے دوران میں کچھ حصّے کو واضح کیا اور کچھ کو غیر واضح چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ ہماری خیر اسی میں پنہاں ہے کہ اس حصے کو غیر واضح ہی رہنے دیں کیونکہ متشابہات کی جستجو کا عمل ہی دراصل فرقہ واریت کی بنیاد بنتا ہے۔

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بہت دُور سے ایک مسافر حاضر ہوا۔ اس نے وہ آیات اکٹھی کر رکھی تھیں جو متشابہات کا درجہ رکھتی ہیں۔ اُس نے ان آیات کے بارے میں سوالات کی فہرست بھی ترتیب دے رکھی تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اِس مسافر نے وہ آیات پڑھیں اور اِن متشابہات کے بارے میں اُس نے تمام سوالات پیش کر دیئے۔ اِس پر حضرت عمرؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ شخص تو ان امور کی طرف جھکا ہوا ہے جن میں دخیل ہونا اللہ اور اس کے رسولؐ نے مناسب خیال نہیں کیا' ایک چھڑی سے اس شخص کی خوب پٹائی کی اور فرمایا کہ "اب بات سمجھ میں آئی؟" وہ شخص کہنے لگا "جی ہاں۔"

حضورِ اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اپنی دُعاؤں میں علمِ نافع یعنی نفع دینے والا علم مانگا ہے۔ وہ علم جس کا ہماری عملی زندگی سے رابطہ اور تعلق ہو اور جس کو ہم لاگو کر سکیں۔ ایسا علم نافع علم ہے جبکہ غیر نافع علم وہ علم ہوتا ہے جو نفع کم اور نقصان زیادہ دے۔ جیسے کہ متشابہات کا علم ہے۔

علمِ ذہنی عیاشی کے لئے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ادب برائے ادب اور علم برائے علم کے دشمن ہیں کیونکہ اگر ہم علم برائے علم کے حامی ہو جائیں تو ہمیں علمِ نافع کے ساتھ علم غیر نافع بھی جاننا ہو گا۔ نجوم' پامسٹری' جفر اور رَمل ایسے علوم ہیں جن میں تھوڑا بہت انکل پچو قسم کا سچ ضرور موجود ہے لیکن یہ سارے علوم غیر نافع ہیں۔ حضورِ اکرمؐ نے اِن کی تحصیل سے منع فرمایا ہے کیونکہ اِن کے حصول میں نقصان کا پہلو زیادہ ہے۔ بعینہٖ قرآن پاک کے متشابہات ہیں۔ ہمارے تمام اختلافی جھگڑوں کی بنیاد ہی یہ متشابہات بنتے ہیں۔ اِسی لئے اِن کے چکروں میں پڑنے سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ زندگی اتنی مختصر اور فرصت عمل اتنی کم ہے کہ محکمات ہی کے لئے وقت نہیں ملتا جبکہ وقت کا دھارا تیزی سے بہتا چلا جا رہا ہے' لیکن ہم ہیں کہ مناظرہ بازی اور متشابہات کے چکروں میں اُلجھے ہوئے ہیں اور اِسی کی بنیاد پر فرقہ بندی اور گروہ سازی کے جھگڑے اٹھاتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

Marf

"جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے' وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کردیں اور اصل مُراد کا پتا لگائیں۔ حالانکہ اصل مُراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں کامل دسترس رکھتے ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔" (آلِ عمران:8)

حضورِ اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں ایک صحابی حاضر ہوئے اور آپؐ نے سورۂ زلزال کی یہ آیت تلاوت کی:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

"جس نے ذرّہ بھر نیکی کی ہوگی' وہ اُس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ بھر برائی کی ہوگی' وہ اُس کو دیکھ لے گا۔" (الزلزال:7-8)

اس آیت کو ہم میں سے بہت سے لوگوں نے پڑھا ہے لیکن بغیر سوچے سمجھے گزر گئے' لیکن یہ آیت اس صحابی کے دِل میں اُتر گئی۔ اس نے عرض کیا:

"یا رسولَ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بس پوری زندگی کے لئے مجھے یہ بات کافی ہے۔"

یہ ہے محکم آیت اور اس پہ عمل کا محکم ارادہ یعنی عزم بالجزم۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

"جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مُبہم رکھا' اسے تم بھی مُبہم رہنے دو۔"

ہمیں متشابہات کی کرید میں نہیں پڑنا چاہئے کیونکہ ان کا جاننا اگر ہمارے لئے ضروری ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا علم ضرور عطا کردیتے۔ اس کا بتایا جانا چونکہ ضروری نہیں تھا' اِس لئے اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا۔

اِس کی مثال یوں ہے کہ اگر کوئی نجومی کسی شخص کے بارے میں یہ پیش گوئی کرے کہ اُس کی موت کار کے حادثے کی صورت میں ہوگی۔ موت تو دس بیس یا چالیس سال بعد جانے کب آئے لیکن کار میں سفر کرنا وہ آج ہی سے ترک کردے تو اُس کا کتنا بڑا نقصان ہوگا؟ اِسی لئے غیر نافع علم کے حصول سے اللہ اور اس کے رسولِ مقبولؐ نے روک دیا۔ محکم باتوں پر محکم طریقے سے عمل کیجئے' فرقہ واریّت خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اے کاش! آج سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی جانشین ہوتا اور متشابہات میں پڑنے والوں کی ویسے ہی پٹائی کرتا جیسا کہ انہوں نے کی تھی۔ اس کے نتیجے میں فرقہ واریّت کی ساری لعنتیں ختم ہو جاتیں۔ پھر سب مسجدیں صرف اللہ کی ہوتیں اور ہمیں جمع کرنے کا ذریعہ ہوتیں۔ ہمارے دلوں اور ہماری صفوں کو الگ تھلگ کرنے کا باعث نہ بنتیں۔ ان مسجدوں سے ہمیں سکون و اطمینان اور روحانیت کے علاوہ انسانیت کا درس ملتا۔ لیکن جب ہم محکمات کو چھوڑ کر متشابہات میں پڑ گئے تو وہی نماز اور مسجد جو ہماری جمعیت کا موجب تھی' شکست و ریخت اور تقسیم کا سبب بن گئی۔ حضورِ اکرمؐ نے نماز کے

بارے میں فرمایا تھا" "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" نماز جمع کرنے والی ہے۔

اختلافات کی وجوہات

اختلافات بنیادی طور پر دو وجوہات سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بے علمی اور جہالت اور دوسرے موقع پرست
لوگوں کی سرکشی جو دوسروں کی بے علمی و جہالت سے فائدہ اٹھا کر ان میں اختلافات پیدا کرتے ہیں۔

پہلی وجہ

ہمارے ہاں ہزار افراد میں سے ایک آدمی مشکل ہی سے ملتا ہے جس نے قرآنِ مجید کو اوّل سے آخر تک سمجھ
کر پڑھ رکھا ہو۔ اس بے خبری اور بے علمی کی صورت میں ایک لال بجھکڑ کھڑا ہو جاتا ہے اور اُلٹی سیدھی باتیں ک
کے چند افراد کو اپنے پیچھے لگا لیتا ہے۔ اِدھر اسی نوع کا ایک دوسرا آدمی بھی چند افراد کو پیچھے لگا کر لے ڈوبتا ہے۔ یو
فرقے پیدا ہوتے ہیں اور فرقہ واریت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اگر ہمیں قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ کا تھوڑا سا بنیاد
علم ہوتا تو اس لال بجھکڑ سے اثر قبول نہ کرتے اور اُسے اپنی من مانی کرنے سے روک دیتے لیکن موجودہ حالات میں
ہم اُسے منع کرنے کی حالت میں نہیں کیونکہ ہم نے قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔

دوسری وجہ

دوسرا سبب قرآن خود بتاتا ہے کہ یہ وہ موقع پرست لوگ ہیں جو قرآنِ پاک کے متعلق ہماری اِس بے علمی او
جہالت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اُن کے ہاں علم تو ہوتا ہے لیکن وہ اخلاص اور نیک نیتی سے خالی ہوتے ہیں۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَٰتُ
بَغْيًا بَيْنَهُمْ

"اس میں اختلاف بھی اُن لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ اُن کے پاس کُھلے ہوئے احکام
آچکے تھے (اور یہ اختلاف اُنہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا)" (البقرہ:213)

علم کے متعلق مولانا جلالُ الدّین رومیؒ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے:

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

اس کا علاج سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے۔ اُنہی کی تعلیمات
اور ارشادات کو مقصودِ حیات بنایا جائے اور اُن کے فرمودات اور اعمالِ صالحہ کو نصبُ العین ٹھہرایا جائے۔

یہود و نصاریٰ کی سازشیں

سورۂ آلِ عمران میں ان شرارتوں اور سازشوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو یہود و نصاریٰ مسلمانوں اور اسلام کی

دشمنی اور عداوت میں کیا کرتے تھے۔ لیکن قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قرآنِ پاک ان مخالفینِ اسلام کی برائیوں اور سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ اگر یہ سازشیں اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی طرف سے کی جا رہی ہیں تو اِن کا الزام اہلِ کتاب پر نہیں دیا گیا بلکہ جگہ جگہ اِس بات کی وضاحت بھی کر دی گئی کہ اہلِ کتاب کا ایک گروہ اِن سازشوں میں ملوث ہے۔ اِن سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ پاک میں ارشاد ہوا:

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝
وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ

"اہلِ کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو چیز نازل کی گئی ہے اُس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اُس کا انکار کر دیا کرو تاکہ وہ بھی اِس سے برگشتہ ہوں اور تم اپنے دین کی پیروی کرنے والے کے سوا اور کسی کی بات کا اعتبار نہ کیا کرو۔" (آل عمران:73-72)

اس سازش کا مقصدِ اول تو مسلمانوں کے اعتماد کو متزلزل کرنا تھا۔ دوسرے اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف راغب ہونے سے بچانا تھا۔ چونکہ پہلے اسلام قبول کرنے اور بعد ازاں اس سے انکار کرنے سے دوسرے لوگوں کا اعتماد و ایمان متزلزل ہو سکتا تھا اور اُن کے دل میں اسلام کے خلاف وسوسے پیدا ہو سکتے تھے' اسی لئے یہ سازش تیار کی گئی۔ اِس کا ایک اور مقصد مسلمانوں کے اندر گھُس کر اسلام کی اصل شکل کو مسخ کرنا تھا۔ یہ کام آج بھی اسلام دشمن قوتیں پوری تندہی سے انجام دینے میں مصروف ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی اِس اسلام دشمنی نے ان کو اس بات پر بھی مائل کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف غلط شرعی فتوے جاری کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝

"اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر اُن کے پاس امانت کا ڈھیر بھی رکھو تو مانگنے پر لوٹا دیں گے اور اُن میں وہ بھی ہیں کہ اگر تم اُن کی امانت میں ایک دینار بھی رکھو تو وہ اس وقت تک اُس کو لوٹانے والے نہیں ہیں جب تک تم اُن کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ۔ یہ اِس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ اِن ناخواندہ لوگوں

کے معاملے میں ہمارے اوپر کوئی الزام نہیں ہے اور یہ جانتے بوجھتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(آلِ عمران:75)

یہاں پر اس دلیل کے ذریعے سے کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے ایک دینار کی خیانت کرنا بھی عین ثو
سمجھتے ہیں' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بات کی تنبیہہ کر رہے ہیں کہ جب ان یہود و نصاریٰ کی دشمنی اور حسد اس
تک بڑھا ہوا ہے تو اُن سے کس طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں اپنی زبان سے کوئی سچی
نکالیں گے یا پھر اُن کی خیر خواہی کے لئے کوئی مشورہ دیں گے۔ اگر کبھی اُن کے مشوروں میں کوئی خیر خواہی نکل
تو در اصل اُن کے اندر مسلمانوں کے لئے کوئی نقصان ضرور پوشیدہ ہو گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یہود و نصاریٰ کبھی بھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔"

صرف اسلام قابلِ قبول ہے

قرآن پاک اہلِ کتاب کو تنبیہہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○
كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

"جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اُس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں
نامرادوں میں سے ہو گا۔ اللہ اُن لوگوں کو کس طرح بامراد کرے گا' جنہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا۔"

(آلِ عمران:85-87)

وہ لوگ جو عقل و شعور رکھتے ہوئے بھی اسلام قبول نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہو
اللہ کی بتائی ہوئی راہ اختیار کرتے ہیں' اُن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○

"ان لوگوں کا بدلہ یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی' اُس کے فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہو گی۔ وہ اس
(جہنم کی آگ) میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ اُن کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ اُن کو مہلت ہی دی جائے گی۔"

(آلِ عمران:87-88)

پھر فرمایا کہ تمام انبیاء کا ایک ہی راستہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

.com

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ

"اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی (اور) رسول آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہو گا اور اُس کی مدد کرنی ہو گی۔" (آلِ عمران:81)

یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا: کیا تم اِس کا اقرار کرتے ہو؟ اور اِس عہد کی بھاری ذمہ داری قبول کرتے ہو؟ اُنہوں نے کہا "ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔"

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

یہ مضمون سورہ کے آغاز میں مذکور ہے لیکن واقعاتی مناسبت 'انبیاء کی شہادت اور عظمت کے باعث اس کے تسلسل کی مناسبت یوں بنتی ہے کیونکہ تمام ادیان کی اصل روح 'اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ہے۔ جتنے بھی انبیاء اور رُسُل مبعوث ہوئے 'وہ سب ایک ہی مقصدِ حیات لے کر آئے کہ اللہ کے ساتھ محبت کا تعلق جوڑ دُاُس سے اللہ جَلّ شانہٗ کے ساتھ محبت کا شدید تعلق پیدا ہو گا۔ جب تعلق پیدا ہو گیا تو دِل میں سب سے پہلے اللہ کی محبوب ترین مخلوق کی محبت پیدا ہو گی۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ رکھنے والوں کے لئے ایک ہی راستہ ہے۔ جس کی منزل اتباعِ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہے۔ یہی منزل راہِ نجات ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

"اے نبیؐ! اُن کو بتا دیجئے کہ اگر تم (سچ مچ) اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔" (آلِ عمران۔30)

یعنی میری زندگی کو اپنا لو' میرے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لو۔ میری اَداؤں کو اپنا لو پھر اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔ گویا اللہ سے محبت کرنی ہے تو ایک ہی شاہراہ کھلی ہوئی ہے اور وہ شاہراہ اتباعِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اسی لئے انبیاء کرام سے عہد لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اِس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے' وہی فاسق ہے۔"

تعلیم حکمت

معلوم ہوا کہ تمام انبیائے کرام کا راستہ ایک ہی راستہ ہے۔ سب کے عقائد ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ سب

fat.com

عقائد کا مصدر و منبع ایک اللہ کی ذات ہے۔ اُس نے سب کو ایک جیسی تعلیمات دی ہیں۔ بعد میں لوگوں نے اُن کو بدل ڈالا اور اُن میں تحریف کر ڈالی۔ یہاں ایک اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تعلیم کے ساتھ حکمت کی تعلیم کا اہتمام بھی فرمایا:

کتاب کی عملی تشریح کو حکمت کہتے ہیں۔ یہی سیرت اور سُنت ہے۔ یہاں ایک بات یہ بھی جان لیجئے کہ قرآنِ مجید اور حدیث میں حکمت کا بار بار ذکر آیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ

''جس کو حکمت دی گئی اس کو خیرِ کثیر دے دی گئی۔'' (البقرہ:269)

یہ کتاب وہ ہے جو ہمیں حکمت اور فکر و تدبر کی طرف بلاتی ہے اور بار بار یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم اِس کائنات کو غور سے دیکھیں اور پھر اپنے اوپر بھی غور کریں کیونکہ یہ کتاب اندھی تقلید کا مطالبہ نہیں کرتی۔

اندھا عقیدہ

یہ کتابِ فرقان اندھا ہو جانے والوں کو کہتی ہے کہ تمہیں اَندھا ہی اٹھائیں گے۔ قرآنِ مجید اندھا بن کے نہیں رہنے دیتا۔ جانے یہ بات کہاں سے دَر آئی کہ مذہب اندھے عقیدے کا نام ہے۔ ہمارے ہاں بھی لوگ یہ کہتے پائے جاتے ہیں جبکہ اندھی تقلید کا تقاضا صرف وہی مذہب کر سکتا ہے جو سائنس اور حقائق کا سامنا نہ کر سکے۔ ہم جانتے ہیں کہ کلیسا اور سائنس میں صدیوں تک باہم جنگ رہی' اس لئے کہ وہ یورپ میں ظلمات کا دور تھا۔ آخر کار مذہب کو شکست ہوئی تو اس مذہب کو اندھے عقیدے کا سہارا لینا پڑا' کیونکہ اس کے پاس کوئی اور طریقِ کار موجود نہیں تھا۔ اسلام میں ایسی کوئی صورت حال نہیں۔ اسلامی عقائد حقائق پر مبنی ہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے' سائنس مطالعہ فطرت ہے' دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ علم اور سائنس کی تاریخ ہے۔

حج کی فرضیت

سورۂ آلِ عمران میں اسلام کے پانچویں بنیادی رُکن حج کی فرضیت بیان ہوئی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَ
مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اللہ کے گھر کا حج کریں جو وہاں جانے کی استطاعت

رکھتے ہوں اور جس نے کُفر اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔" (آلِ عمران:97)

ایمان کی کسوٹی عمل ہے

اس آیتِ مبارکہ میں حج کی فرضیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں ایمان یعنی توحید اور آخرت کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی عقائد بیان کئے جا رہے ہیں بلکہ صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ جس شخص نے کُفر کیا یعنی جو حج پہ جانے کی استطاعت رکھنے کے باوجود نہ گیا' اُس کے لئے یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے کہ وہ کافر ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ شخص جو حج کا فریضہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اور اس کے باوجود اِس فرض سے عہدہ برآ نہ ہو تو وہ شخص اللہ کے نزدیک کُفر کا ارتکاب کر رہا ہے۔ یہاں ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان کا عملی تقاضا اور عملی شہادت اعمالِ صالحہ ہیں۔ وہ شخص جو ایمان کا دعویٰ کرے لیکن جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی دعوت حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ' حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ پکاری جائے مگر وہ اللہ کی دعوت کے باوجود نماز کے لئے مسجد کی طرف جانا مناسب خیال نہ کرے تو عملاً وہ شخص کُفر کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ یہی بات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی:

"جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی' اس نے کُفر کا راستہ اختیار کیا۔"

اور یہی بات زکوٰۃ کے بارے میں بھی کہی گئی۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا' ان کو سیدنا ابو بکرؓ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے متفقہ طور پر کافر اور مرتد قرار دیا۔ وہ لوگ نہ صرف نماز پڑھتے' حج کرتے اور روزے رکھتے تھے بلکہ بقیہ تمام نیک اعمال بھی کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے فقط زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو اُن کو کافر قرار دیا گیا۔ بالکل یہی صورتِ حال حج کی بھی ہے۔ ایک شخص عملاً روگردانی کرتا ہے تو عملی طور پر وہ شخص کُفر میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم قرآن مجید میں 35 مختلف مقامات پر دیکھتے ہیں کہ ایمان اور عملِ صالح کا ذکر اکٹھا آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان موجود ہو تو اعمالِ صالحہ اِس کا فطری اور لازمی نتیجہ ہوں گے اور اگر اعمالِ صالحہ ہی نہیں تو یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ ایمان یا تو ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو برائے نام ہے۔ ایمان وراثتی چیز نہیں۔ ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہم میں سے ننانوے فیصد لوگ پیدائشی طور پر مسلمان ہیں۔ وہ صرف اس لئے مسلمان کہلاتے ہیں کہ وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے اور اپنی مرضی سے مسلمان نہیں ہوئے۔ کسی شعوری عمل کے نتیجے میں ان کے ایمان قبول کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر عملِ صالح ایمان کی شہادت نہیں دیتا تو ایمان کا وجود مشکوک ہے۔

تقویٰ و وحدتِ ملّت بذریعہ تدبّرِ قرآن

ایمان کا لازم نتیجہ اعمالِ صالحہ ہیں۔ جب کسی کے دل میں ایمان پیدا ہوتا ہے تو ساتھ ہی اعمالِ صالحہ بھی پیدا

ہونے لگتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ کا نتیجہ تقویٰ کی صورت میں نکلتا ہے۔ اسی لئے سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اللہ سے ڈرو' تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اِس حال میں کہ تم مسلم اور اطاعت شعار ہو۔" (آلِ عمران:102)

اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری زندگی اطاعت میں گزارو کہ جب چاہے' موت آ جائے' تقویٰ صرف اِسی صورت میں حاصل ہو گا جب ہم اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت یعنی قرآن مجید پر پوری طرح عمل کریں گے۔ اِس لئے ارشاد فرمایا گیا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص

"کہ تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو۔" (آلِ عمران۔103)

اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کسی بچّے سے کہا جائے کہ دیکھو بیٹا محنت کرو اور کامیاب ہو جاؤ۔ یہ دو الگ الگ حکم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ محنت کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔ یہاں بھی وہی صُورتحال ہے۔ معلوم ہوا کہ تفرقہ بازی میں پڑنے کا سب سے بڑا اور بُنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کی اس رسّی یعنی قرآن مجید کو مضبوطی سے نہیں تھاما۔ ہم نے اس کو پڑھا ہی کب؟ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ قرآن پڑھنے سے قبل اَعُوذُ بِاللہ پڑھ کر شیطان سے اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ شیطان کی سب سے بڑی چال یہ ہے کہ ہم پڑھیں ہی نہیں اور اگر پڑھیں تو بلا سوچے سمجھے پڑھیں اور اس پر کبھی غور و فکر نہ کریں۔

اللہ ربُّ العزت فرماتے ہیں:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○

"یہ لوگ قُرآن پر تدبّر کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر قُفل پڑے ہوئے ہیں؟"

تفرقہ کا خاتمہ کیونکر ہو؟

اگر ہم اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیں گے تو ہمیں متحد ہونے کی ٹھوس بنیاد مل جائے گی اور اگر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے نہ تھاما اور اُس کے کلام کو نہ سمجھا' نہ جانا اور نہ مانا تو ہم بکھر کر' منتشر ہو کر فرقہ فرقہ ہو جائیں گے۔

یہاں دو چیزوں کا حکم ہے ایک تقویٰ اور دوسرا اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لینا جس کا نتیجہ وحدتِ ملّت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ہماری انفرادی اور ملّی ترقی کے یہی دو اصول ہیں اور جب ہم اِن پر عمل کریں گے تو اختلافات اور فسادات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اگر ہم متّقی ہوں گے' اللہ سے اخلاص ہو گا اور اس کی رسّی کو

مضبوطی سے تھامیں گے تو پھر اتحاد ہو جائے گا اور یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

"اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل موڑ دیئے اور اُس کے فضل سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے' اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ تمہیں ان علامتوں سے سیدھا راستہ نظر آ جائے۔" (آلِ عمران:103)

اتحاد اور بھائی چارے کا حکم دینے کے بعد اللہ جَلّ شانہٗ نے مسلمانوں کو تنبیہہ بھی کر دی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا اور فرقہ فرقہ ہو گئے تو نتیجہ برا ہو گا۔

ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۗ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

"کہیں تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی ہدایات کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہو گئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اُس روز سخت سزا پائیں گے۔" (آلِ عمران:105)

مسلمانوں پر خلافت کی ذمہ داری

تقویٰ و اتحاد کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ

"(اب دنیا میں وہ) بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے (میدان میں) لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" (آلِ عمران:110)

یعنی اگر تم نے تقویٰ اختیار کیا' اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور تفرقے میں نہ پڑے تو پھر تم ہی وہ بہترین گروہ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کے لئے چن لیا ہے۔ چونکہ آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد انبیائے کرام کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو اُمّتِ محمدیہؐ ہی تمام انبیاء کی جانشین ہے۔ وہ کام جو کبھی ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے

fat.com

بعد تیسرا نبی آکر کیا کرتا تھا، وہ سلسلہ ختم ہوا۔ اب کارِ نبوت یعنی بھلائی کا حکم اور بُرائی سے روکنے کا کام اُمتِ محمدیہ ہی کو کرنا ہے جو خلافت کے لئے چُن لی گئی ہے۔ یہ اہلیت اس وقت آئے گی جب ہم میں تین صلاحیتیں پیدا ہوں گی۔

1- ایمان شعوری طور پر خود کمانا ہے۔

2- اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا ہے اور

3- محبتِ الٰہی کے نشہ میں خود کو رنگ کر میدانِ کار میں اترنا ہے۔

اسی لئے ارشاد ہوتا ہے:

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط

"اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے (اور تمہاری دعوت پر لبیک کہتے) تو اُنہی کے حق میں یہ بہتر تھا۔"

(آلِ عمران:110)

تقویٰ اور وحدت

اس کے بعد جو بات کہی جا رہی ہے، وہ بہت معنی خیز ہے یعنی یہ کہ ہم تمہیں میدان میں لے آئے اور تمہارے ذمے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فرض سونپ دیا گیا تو یہ مت سوچنا کہ تمہاری تبلیغ اور دعوت صدا بصحراء ثابت ہوگی۔ دعوت و تبلیغ سے پہلے تقویٰ کا حکم دیا کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اتحاد اور وحدت کی راہ اختیار کرو۔ اپنی اصلاح کرلو۔ اپنی صفیں درست کرلو۔ تقویٰ اور قرآن کے ذریعے ذاتی اصلاح کے بعد دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے پوری انسانیت کی اصلاح میں لگ جاؤ۔ اور اگر تم ایسا کرلو گے تو اللہ کی طرف سے بشارت ہے کہ تم سربلند اور سُرخرو ہو جاؤ گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہونا چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں اور جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔" (آلِ عمران:104)

اگرچہ اس فرض کی ادائیگی میں مشکلات آئیں گی لیکن اُن کا سامنا کرنا ہوگا اور کامیابی اور سربلندی تمہارے قدم چومے گی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

"اور بے ہمت نہ ہو اور غم نہ کرو (اگر) تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے۔" (آلِ عمران:139)

Marf

سُود کی حرمت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہ بڑھتا ہوا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو۔ شاید کہ تم فلاح پا جاؤ۔"

(آلِ عمران:130)

یہاں میں سود کے بارے میں چند باتیں عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں اکثر لوگ سود کا متبادل دریافت کرتے ہیں۔ اُن کے جواب کے لئے عرض ہے کہ سودی نظام تو جُمعہ جُمعہ آٹھ دِن کی پیداوار ہے۔ اِسے شروع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نظام کے نفاذ سے قبل پوری دنیا میں سود بحیثیت نظام کے موجود نہیں تھا۔ انفرادی طور پر سود لیا بھی جاتا تھا اور دیا بھی جاتا تھا۔ یہ سلسلہ ضرور چلتا رہا لیکن بطور نظام کے اس کا وجود نہ تھا۔ مسلمانوں کی حکومت ہی کو لیجئے۔ انہوں نے ایک ہزار سال تک دنیا بھر پر حکمرانی کی ہے۔ اُن کے اَدوارِ حکومت میں قومی سطح پر بھی تجارت ہوتی تھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی تجارتی کاروبار ہوا کرتا تھا' جنکنگ کا سلسلہ بھی موجود تھا اور سٹیٹ انشورنس بھی مروج تھی لیکن سود کہیں نہ تھا۔ سود کے بغیر نہ کاروبارِ حیات رُکا اور نہ کاروبارِ مملکت متاثر ہوا۔ بہرحال اسلامی عہد میں غیر سودی سلسلہ ایک مکمل نظام کے طور پر موجود تھا۔ صرف ہمیں اسلامی تاریخ کے اوراق کو کھنگالنا پڑے گا۔ جو تحقیق سے کام لینا پڑے گا۔ تب جا کر بات بنے گی۔

یہ دعویٰ عہدِ حاضر کا سب سے بڑا جھوٹ ہو گا کہ سود کا متبادل نظام اہلِ علم و دانش نے پیش ہی نہیں کیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ علمائے کرام متبادل نظام پیش کر چکے ہیں۔ 1980ء میں حکومتِ پاکستان کی متعین کردہ اسلامی نظریاتی کونسل نے سود کے متبادل نظام پر انتہائی عُمدہ رپورٹ شائع کی ہے۔ مگر

؎ تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

یہ رپورٹ میرے پاس تو موجود ہے لیکن اسے عامۃُ النّاس سے مخفی رکھا گیا ہے۔ دنیا بھر کے علماء اور اسلامی نظریاتی کونسل مبارک کی مستحق ہے کہ اُس نے دنیا میں سود کا متبادل نظام پیش کر دیا ہے۔ ہمارے بیوروکریٹ' اقتصادی ماہرین اور قانون سازوں کو اس رپورٹ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور قانون ساز اداروں کو اس معاملے میں زیادہ سنجیدگی اختیار کرنا چاہئے۔

بقول علامہ اقبالؒ

؎ آدمی اندر جہانِ خیر و شر
کم شناسد نفع خود را از ضرر

fat.com

کس نداند زشت و خوب کار چیست
جادۂ ہموار و ناہموار چیست
گر جہاں داند حرامش را حرام
تاقیامت پختہ ماند ایں نظام

سود کے بارے میں ایک اہم نکتہ

سود کے بارے میں دلچسپ نکتہ پیش خدمت ہے۔ ذرا غور فرمایئے۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان دنیا کی امیر ترین قوم ہیں۔ دنیا کا امیر ترین شخص بھی مسلمان ہی ہے۔ اسی طرح امیر ترین ملک بھی مسلمانوں ہی کا ہے۔ معدنی وسائل اور ذرائع جو مسلمانوں کی ملکیت ہیں' وہ کسی دوسرے ملک یا قوم کے پاس نہیں۔ اسلامی ممالک کی دولت اور سرمایہ جو سود پر دیا گیا ہے' وہ اربوں' کھربوں بلکہ پدموں کی حد تک یورپی اور امریکی بینکوں میں جمع ہے۔ اگر یہ مسلم سرمایہ سود پر نہ دیا جاتا اور اس سے صحیح طریقے سے سرمایہ کاری کی جاتی تو آج کوئی مسلمان ملک غریب نہ ہوتا۔ ہماری غربت کا واحد سبب سود کی لعنت ہے۔ تیل کی تمام تر دولت کا دھارا مغربی بینکوں میں چلا جاتا ہے' جہاں سے سود ملتا ہے اور ہماری مسلم اقوام عالمی اداروں کی امداد کی طرف دیکھتی ہے اس دولت پر وہ ہمیں صرف 15 فیصد سود دیتی ہیں مگر ہماری رقم اور سرمائے سے جو مشینری اور سامان تیار کر کے ہمیں بیچتے ہیں' اُس پر ہزاروں گنا نفع وصول کرتے ہیں۔ یہ معمولی سا حساب کتاب اگر ہماری سمجھ سے باہر ہے تو ہم سے بڑا دنیا میں نادان اور کون ہو گا؟

بقول علامہ اقبالؒ ؎

اے ز کارِ عصرِ حاضر بے خبر
چرب دستی ہائے یورپ را نگر
قالیں. از ابریشم تُو ساختند
باز اُو را پیش تُو انداختند

اس سے قبل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو خیر اُمت قرار دینے کے بارے میں ذکر ہو رہا تھا۔ اس میں پہلے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ اللہ کی مضبوط رسّی یعنی قرآنِ مجید کو مضبوطی سے تھام لو' تاکہ تم تفرقے بازی کا شکار نہ ہو جاؤ اور اتحاد و وحدت تمہارا نصیب ٹھہرے۔ یہاں تک تو ذاتی اصلاح کی بات تھی' اس کے بعد فرمایا کہ "تم وہ بہترین اُمت ہو' جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" انفرادی اصلاح کے بعد اجتماعی اصلاح کیلئے تبلیغِ دین کا حکم ہے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ تم تبلیغِ دین کا جو بھی کام کرو گے وہ صدا بصحرا ثابت نہیں ہو گا۔ اس کے نتائج یقیناً بہتر ہوں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ
وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ
الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ
الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ
الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا
عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝
اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۭ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝
ھٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ
نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو' اُمید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔ اِس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لو۔ توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ دوڑ کے چلو اس راہ کی طرف جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس راہ کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمان جیسی ہے اور وہ اِن خدا ترس لوگوں کیلئے مہیا کی گئی ہے' جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ خواہ بدحال ہوں یا خوشحال۔ جو غصے کو پی جاتے

Marfat.

ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی فحش کلام اُن سے سرزد ہو جاتا ہے یا وہ کسی گناہ کا ارتکاب کر کے اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو معاً اللہ تعالیٰ انہیں یاد آجاتے ہیں اور وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہنے لگ جاتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو۔ وہ دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزاء اُن کے رب ہی کے پاس ہے کہ وہ اُن کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کر لے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کیلئے۔ تم سے پہلے بہت سے اَدوار گزر چکے ہیں۔ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے اللہ کے احکام و ہدایت کو جھٹلایا۔ یہ لوگوں کیلئے صاف اور صریح تنبیہہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہوں، اُن کیلئے ہدایت اور نصیحت ہے، دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو ایسی ہی چوٹ اس سے قبل تمہارے مخالفین کو بھی لگ چکی ہے، یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں؟ اور اُن لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا، جو واقعی راستی کے گواہ ہوں، کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں۔" (آلِ عمران: 130-140)

قومی عظمت کا راز

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا کہ اگر تم ذاتی اصلاح کے بعد قرآنِ مجید پر عمل کرتے ہوئے اپنی صفوں کو درست رکھتے ہوئے اتحاد و یگانگت کا ثبوت دیتے ہوئے اصلاح و تبلیغ کا آغاز کرو گے تو پھر نہ دل شکستہ ہونا اور نہ غم کھانا کہ تم ہی سربلند رہو گے، اور اس میں شرط یہ ہے کہ اگر تم عملی طور پر سچے مومن بن جاؤ۔ معلوم ہوا کہ غلبہ، حکومت، سربلندی اور عزت اس دنیا میں اور آخرت میں مومنین کے لئے لکھ دی گئی بشرطیکہ وہ مومنین ہوں۔ اُن کی حیثیت کاغذی شیر کی سی نہ ہو۔ فی الوقت کیفیت یہ ہے کہ ہم بُھس بھرے شیر کی طرح کے ہیں۔ بُھس بھرے شیر کی کھال کی ہیبت اور دہشت تو وہی ہو گی، بچے کو اُس کے سامنے لائیں تو وہ ڈر جائے گا۔ اور یہی بچہ شیر کے اندر جب کوئی جان محسوس نہیں کرے گا، تو آہستہ آہستہ شیر کے قریب آئے گا۔ اُس سے کھیلنے لگے گا اور اُسے پھاڑ کے رکھ دے گا۔ اب کہنے کو ایک بچے نے شیر کو پچھاڑ دیا لیکن دراصل وہ شیر تھا ہی نہیں۔ وہ شیر کی محض صورت یا شبیہ تھی۔ دیکھنے میں بچہ ایک کمزور تھا لیکن بہرحال وہ ایک چلتی پھرتی حقیقت تھی، ہم لوگ اسلام اور مسلمانوں کی محض ایک شبیہ ہیں۔ ہم میں اسلام کی حقیقی روح موجود نہیں، اس لئے کہ اسلام کی اصل روح اللہ تعالیٰ کا پیغام قرآنِ مجید ہے جو ہم میں سے ایک ہزار میں سے ایک نے بھی سمجھ نہیں پڑھا۔ اس اعتبار سے ہماری حیثیت بُھس بھرے شیر کی سی نہیں تو اور کیا ہے؟ اب اگر کوئی ہم سے یہ پوچھے کہ مسلمان دنیا بھر میں مغلوب کیوں ہیں؟ اس کا

.com

جواب نہایت آسان ہے کہ اگر وہ مسلمان ہو کر بھی مغلوب ہیں تو یقیناً وہ اچھے مسلمان نہیں 'جنہیں قرآن کی زبان میں مومنین کہا جا سکتا ہو۔

مومن کی اصل ذِمّہ داری

آگے چل کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ارشاد ہوتا ہے اور یہ عہد سامنے آتا ہے کہ دعوت و تبلیغ اور اس پر استقامت کا کام ہر حال میں جاری رہنا چاہئے۔ حتیٰ کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جاری و ساری رہے گا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں 'اُن سے قبل اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو اُلٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا۔ البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کے رہیں گے 'انہیں وہ اُس کی ضرور جزا دے گا۔" (آلِ عمران:166)

مُبلّغ میں عالی ظرفی

یہ بات بیان کرنے کے بعد فوراً ایک اور موضوع کا بیان ہے اور وہ ایسا کام ہے جس کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر راحت کو تج دیا 'اپنے ہر آرام کو قربان کر دیا اور ہر شخص کی غلط ترین اور سخت ترین بات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ انتہائی بے نفسی کے عالم میں انہوں نے دین سکھانے اور اسے پھیلانے کیلئے کیا قربانی دی اور کس طرح اپنے آپ کی نفی کر دی۔ اِس کی شہادت قرآنِ مجید دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَھُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمْ وَشَاوِرْھُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اُن لوگوں کیلئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے

fat.com

ہو، ورنہ اگر تم تند خُو ہوتے تو یہ سب تمہارے اِرد گرد سے چھٹ جاتے۔ اُن کے قصور معاف کردو اور اُن کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں اُن کو بھی شریک مشورہ رکھو پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو پھر اللہ پر بھروسا رکھو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے۔ پس جو سچے مومن ہیں اُن کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔"

(آلِ عمران:160)

یہ دیکھئے کہ یہ کہ کون رہا ہے اور کس سے کہ رہا ہے؟ اللہ کا شکر ہے کہ اُس کے فضل و کرم سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت نرم خُو ہیں، پھر اس بات کو پسند فرما کر اللہ تعالیٰ مزید ہدایت فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو معاف کرتے رہا کرو۔ اُن کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا کرو اور اُن میں سے جو لوگ غلط کام کریں، اُن کیلئے بخشش کی دُعا مانگتے رہا کرو۔

شورائیت

پھر آگے چل کے یہ بھی فرمادیا کہ ہر کام مشورے سے کرتا ہے، حالانکہ انبیاء کو مشورے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ نبی کو تو براہِ راست اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے۔ اُن کو مخلوق سے مشورے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن چونکہ ہماری تربیت مقصود ہے، اس لئے فرمایا کہ وہ لوگ جو دین کا کام کر رہے ہیں، اُن کو شریکِ مشورہ رکھا کریں، تاکہ معلوم ہو کہ مسلمان جب بھی کوئی کام کرتے ہیں تو مشورے اور شورائیت سے کام لیتے ہیں۔ البتہ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہم لوگ سادہ اکثریت کے غلام نہیں اور سادہ اکثریت سے ہم بھٹکنے والے نہیں۔ جیساکہ آگے چل کے یہ موضوع زیرِ بحث آئے گا کہ اکثریت ہمارے نزدیک کوئی معیارِ حق نہیں۔ پھر فرمایا کہ جب مشورہ کرلو اور کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تو پھر اللہ پر بھروسا رکھو اور کام کو شروع کردو۔ بھروسا اور توکّل سے مراد یہ ہے کہ انسان جتنے طریقے اختیار کر سکتا ہے جتنے اسباب مہیا کر سکتا ہے، کرلے۔ اس کے بعد اللہ پر چھوڑ دے۔ مثلاً ایک کسان زمین میں ہل چلاتا ہے، اُسے نرم کرتا ہے، اس میں بیج بکھیرتا ہے پھر اُسے پانی دیتا ہے پھر اُس بیج کی حفاظت کرتا ہے اور پھر اللہ پر بھروسا کرتا ہے۔ اس لئے کہ کسان یہی کچھ کر سکتا تھا، اس نے کردیا۔ اب بیج میں سے کونپل اُگانا اُس کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کرے گا۔ کسان جو کچھ بھی کر سکتا ہے، وہ کر گزرتا ہے اور جہاں اس کے اسباب کی حد ختم ہو جاتی ہے، وہاں وہ خدا کے حضور ہاتھ اٹھالیتا ہے۔ اِسے بھروسا کہتے ہیں۔

صوفی شاعر میاں محمد فرماتے ہیں:

ے مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

توکّل کی حقیقت

عزم بالجزم کرکے اور تمام اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کا نام لے کر اُس کی طرف بڑھتے چلے جاؤ۔ اللہ پر بھروسا رکھو اور اگر اللہ پر بھروسا کرو گے تو یقیناً اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر وہ مدد کرے تو پھر کسی اور کی مدد کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اصل سپرپاور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ اگر اللہ کی ذات سے تعلق قائم ہو جائے تو پھر ہر طاقت خواہ وہ کوئی سپرپاور ہی کیوں نہ ہو' چلتا پھرتا سایہ یا بُھس بھرا شیر بن جاتی ہے اور اگر اللہ کی ذات سے تعلق کمزور پڑ جائے تو ہر تنکا بھی سُپرپاور نظر آتا ہے۔

عظمتِ نبوّت

آگے چل کے اِرشاد ہوتا ہے کہ درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک ایسا پیغمبر بھیجا جو اُس کی آیات اُنہیں سناتا ہے' اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اِس سے قبل یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

ویسے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں کہ اگر ہم اُنہیں شمار کرنا چاہیں گے تو نہیں کر سکیں گے۔ لیکن بہت کم ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی احسان جتلایا ہو۔ یہاں کہا جا رہا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر بہت بڑا احسان کیا اور وہ احسان یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں میں اُنہی بندوں میں سے ایک رسول بھیجا۔

رسول کے چار بنیادی کام ہیں۔ وہ اُنہیں اللہ کی آیات پڑھ کے سناتا ہے۔ باطن کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ چار کام کرنے کے بعد فرمایا کہ تم سب دائے' دِرمے' سُخنے اور قدمے اس کام میں لگ جاؤ۔

جان بدہ' جان بدہ' جان بدہ
فائدہ در گُفتن بسیار چیست؟

زیادہ بڑکیں ہانکنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اُس کے راستے میں اپنی جان نچھاور کر دو کہ بقول غالب

جاں دی' دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مقامِ شہید

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے' اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کو رزق مل رہا ہے۔" (آلِ عمران: 169)

ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جو چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ اُس چیز کو کئی گنا کرنے کے بعد واپس کر دیتے ہیں۔ کوئی شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے کئی گنا کر کے لوٹا دیتے ہیں۔ اِسی طرح کوئی شخص اللہ کی راہ میں وقت دینے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے وقت میں اِس قدر برکت ڈال دیتے ہیں کہ اکیلا شخص کئی کئی یونیورسٹیوں کے برابر کام کر جاتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا کام ہمارے سامنے ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

یوں اکیلا آدمی پورے لشکر پہ بھاری ہو جاتا ہے۔ اِس لئے کہ اللہ اُس کی صلاحیتوں میں برکت دے دیتے ہیں۔ ایسے ہی جو شخص اللہ کی راہ میں جان لُٹا دے' اُسے ایسی زندگی عطا ہوتی ہے جس کا نقشہ یہاں کھینچا گیا۔ ذرا غور کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اُس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جو اہلِ ایمان دنیا میں اُن کے پیچھے رہ گئے ہیں' ابھی وہاں نہیں پہنچے' اُن کے لئے بھی کسی خوف و رنج کا موقع نہیں۔ وہ اللہ کے انعام اور اُس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور اُن کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اَجر کو ضائع نہیں کرتا۔" (آلِ عمران: 170-171)

؎ کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اور اُن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں باور کرایا جاتا ہے کہ اُن سے دو گُنا یا تین گُنا لشکر آ رہا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے تو اللہ کافی ہے یعنی "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" یہ وہ کلمہ ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آگ کی طرف جاتے ہوئے پڑھا۔ یہ وہ کلمہ ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ نے میدانِ

.com

بدر کی طرف جاتے ہوئے پڑھا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝

"اور وہ جن لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی افواج جمع ہوئی ہیں، تم اُن سے ڈرو، تو یہ سُن کے اُن کا ایمان اور بڑھ گیا اور اُنہوں نے جواب دیا ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے اور اُن کو کسی چیز کا ذرّہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا ثواب بھی حاصل ہو گیا اور اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔" (آلِ عمران:173-174)

تدبّر کی دعوت زمین و آسمان اور مخلوقات میں غور و فکر

سورۃ آلِ عمران کے آخری حصّہ کے مضامین بالکل واضح ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

"زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور دن رات کے باری باری آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لئے واضح نشانیاں ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے جاگتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ وہ بے اختیار بول اُٹھتے ہیں، پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے اِس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اُسے دراصل بڑی ذلّت اور رُسوائی میں ڈال دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔" (آلِ عمران:190-192)

ذکرِ الٰہی پہ توجہ مرتکز کرنے کا طریقہ

پہلی بات یہ ہے کہ ذکر جب راسخ ہو جاتا ہے تو فکر میں ڈھل جاتا ہے۔ اُسی کی فکر لگ جاتی ہے اور دھیان اُسی

fat.com

کی جانب بندھ جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ذکر پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے کلمات بار با
ہمارے منہ سے کہلوائے جاتے ہیں۔ ہم اذان بار بار سنتے ہیں اللہ اکبر' سبحانَ اللہ اور سورۂ فاتحہ کی نماز میں تکرار' با
بار کے یہ قول و قرار بے معنی نہیں۔ یہ الفاظ' یہ تکرار اور یہ اصرار انسان کی شخصیت میں آہستہ آہستہ اثر اندا
ہوتے ہیں۔ اِسی طرح ذکر کا مطلب زبان سے تسبیح و تمجید کی شکل میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہے۔ ذکر کی جتنی بھی صورتی
ہیں' ان سے ایک فکر جنم لیتی ہے اور سوچ اور دھیان کا ایک سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کے ہوش من
بندے وہ ہیں جو آسمان اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔ سوچتے ہیں کہ یہ سب چیزیں کیسے وجود میں آگئیں؟ او
ہر ایک چیز کو مشاہدے کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جب غور و فکر کرتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں۔

"اے ہمارے پروردگار تو نے اِن چیزوں کو بیکار پیدا نہیں کیا" یہ بہت بڑے مدبّر اور کارساز کا نظام ہے جس
میں کوئی چیز بے کار نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ہمیں بار بار غور و فکر اور مشاہدے کی دعوت دیتا ہے
قرآن اور اسلام ہمیں اندھے عقیدے کی طرف نہیں بلاتے۔ ہمارے ہاں اس کی کوئی گنجائش نہیں' اس لئے کہ
وہ کتاب نہیں جو سائنس کے حقائق سے ٹکرا جائے۔ سائنس مطالعۂ فطرت کا نام ہے اور اسلام دینِ فطرت ہے
ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں جڑواں بہنیں ہیں یا پھر باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے اسلام اور سائنس کے درمیا
کہیں بھی تصادم کی کیفیت موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بار بار غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

ایک فریاد

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝
رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ
لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

"مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سُنا (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان کی طرف بُلاتے تھے اور کہتے
تھے کہ "اپنے رب کو مانو! ہم نے اُن کی دعوت قبول کرلی۔ پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے
ہیں' اُن سے درگزر فرما اور جو برائیاں اور خطائیں ہم میں موجود ہیں' اُنہیں معاف کردے اور ہمارا خاتمہ
نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوند! تو نے جو وعدے اپنے رسولوں کے ذریعے سے کئے ہیں' اُن کو ہمارے
ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں ذِلّت اور رُسوائی میں نہ ڈال۔ بے شک تو اپنے وعدے کی خلاف
ورزی نہیں کرتا" (آلِ عمران: 193-194)

اِس کے جواب میں اُن کے ربِّ کریم کا ارشاد ہوتا ہے:

.com

اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○

"میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے' میرے لئے لڑے اور مارے گئے' اُن سب کے قصور میں معاف کر دوں گا اور انہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ اُن کے لئے اللہ کی جزا ہے اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔" (آلِ عمران:195)

یہاں ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کا اور عورت کو مرد کا ہم جنس قرار دیا ہے۔ ہمارے پاس فرانس جیسی صورتحال درپیش نہیں جہاں یہ بحث چل نکلی ہو کہ آیا عورت انسان بھی ہے یا نہیں؟ ایسی صورت حال ہرگز نہیں۔ قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا کہ دونوں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔

دنیا کی ظاہری شان و شوکت ایک دھوکہ ہے

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یوں فرمایا:

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ○
مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ○
لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ○

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا کے دوسرے ممالک میں خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت اور (شان و شوکت) تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے اس کے بعد یہ سب لوگ جہنم میں جائیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنے ربّ کریم سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں' اُن کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے (شیریں) نہریں بہتی ہیں۔ اُن باغوں میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور (اُن لوگوں کے لئے) اللہ کی طرف سے یہ سامانِ ضیافت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے' وہ نیک لوگوں کے لئے سب سے بہتر ہے۔"

(آلِ عمران:196-198)

fat.com

اس آیت سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ دنیا کی ظاہری شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹھ ہی سب کچھ نہیں اور نہ ہی یہ معیارِ حق ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ آخر کار غلبہ اسلام ہی کو حاصل ہو گا۔ اسلام حکومت بھی دیتا ہے۔ دولت و ثروت بھی اور امن و امان بھی۔ اسلام کی بدولت یہ تینوں چیزیں ملتی ہیں لیکن اگر عارضی طور پر ایک سمگلر' چور' اچکا' ڈاکو یا دہشت گرد غالب آجاتا ہے اور داد عیش دے لیتا ہے تو یہ مستقل شے نہیں۔ کوئی سادہ لوح شخص اگر کسی سمگلر یا ڈاکو کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر یہ سمجھ بیٹھے کہ زندگی گزارنے کا یہی طریقہ ہے یا پھر کسی ہیروئن فروش کے خوبصورت محل کو دیکھ کر یہ تصوّر کرلے کہ یہی آدمی خوش نصیب ہے تو یہ احساس یا یہ تصوّر یقیناً احمقانہ ہے اور گمراہ کُن ہے۔ اس لئے کہ ایسے شخص کا نصیب یا خوش قسمتی اُسی وقت تک قائم ہے جب تک کہ قانون کے ہاتھ اُس کی گردن تک نہیں پہنچتے۔ جونہی پولیس کا شکنجہ اُس کی گردن تک پہنچے گا' اُس کی خوش نصیبی اور شان و شوکت سب کی سب دھری رہ جائے گی۔ یہاں "مُجرمین" سے مُراد افراد بھی ہیں اور مُعاشرے بھی۔ ان کی چلت پھرت اور شان و شوکت محض چند روزہ ہے۔

صبر' ربط اور تقویٰ

آگے چل کر سورۂ آلِ عمران کا اختتام جس آیتِ کریمہ پر ہوتا ہے' وہ بہت ہی عظیم الشّان آیت ہے۔ الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! (باطل پرستوں کے مقابلے میں) صبر سے کام لو اور پامردی دکھاؤ۔ (حق کی خدمت کے لئے) کمربستہ رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اُمید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔" (آلِ عمران:200)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو تین باتوں کا حکم دیتے ہیں۔(1) صبر اور مصابرت کرو (2) رباط و مرابطت کرو (3) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

صبر اور مصابرت: اس کے لفظی معنی باندھنے کے ہیں۔ صبر تین قسم کا ہوتا ہے (الف) اللہ کی اطاعت میں صبر کرنا (ب) اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اپنے آپ کو روکے رکھنا (ج) مصیبت اور تکلیف میں صبر کرنا اور مطمئن ہو جانا اس کے بعد مصابرت کا ذکر ہے' اس کے معانی ایک دوسرے کو صبر دینا۔ دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ جانا ہے۔ دشمن پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ وہ بھی صبر کرنے کا مزہ چکھے۔

رباط و مرابطت

رباط کے دو مفہوم ہیں: ایک مفہوم تو سرحدوں کی حفاظت ہے۔ جنگ کے دوران میں تمام چوکیوں کا آپس میں

.com

رابطہ اور پھران کے باہمی رابطے سے سرحد کا ایک ایک انچ محفوظ ہو جانا' اس کو مرابطت کہتے ہیں۔ رباط کے ایک دوسرے معنی نماز باجماعت کی حفاظت کرنا ہے۔ ایک نماز ہوئی' پڑھ کر واپس آئے' آنے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن واپس آگئے۔ اِس طرح کہ ؎

داغِ وارفتہ کو ہم رات ترے کوچے سے
اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے

کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسجد سے نکلنے کو جی ہی نہیں چاہتا لیکن یہ دنیا اُسی کی بنائی ہوئی ہے۔ اسباب کی دنیا ہے' اِس لئے اِس میں واپس آنا پڑتا ہے۔ اب یہ ہوتا ہے کہ ایک نماز پڑھ لی لیکن اس کا نشہ کچھ ایسا چڑھا کہ دوسری نماز کے انتظار میں لگ گئے۔ وہ بھی پڑھ لی تو اگلی نماز کا انتظار ہے۔ نمازوں کا جو باہمی رابطہ پیدا ہوا' اس کو بھی رباط کہتے ہیں۔ اس سے بھی انسان کی شخصیت کی حفاظت یوں ہوتی ہے جیسا کہ فوجی چوکیاں سرحد کی حفاظت کرتی ہیں۔

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو

تقویٰ ڈرنے اور بچنے کے معنی میں ہوتا ہے لیکن ڈرنا اس معنی میں نہیں جیسے کوئی سانپ' بچھو' بھیڑیے یا شیر سے ڈرتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی کیفیت یوں ہوتی ہے جیسے کوئی اپنے محسن و محبوب کی ناراضگی سے ڈرے کہ کہیں اس کی نگاہِ محبّت سے گر نہ جائے۔ یہ تقویٰ ہوتا ہے اور یہ ڈر بہت کڑا ڈر ہوتا ہے کہ میں تو اس کا ہوں اور وہ میرا ہے۔ میری اس کے ساتھ ایک نسبت ہے' حاضری ہے' حضوری ہے۔ اس سے تعلق و محبّت میں کہیں کمی واقع نہ ہو جائے۔ اِسے تقویٰ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو اس صبر و مصابرت' ربط و مرابطت اور تقویٰ ایسے اخلاقِ حسنہ سے مُتّصف ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

Marfat.

.com

سورہ النساء (۴)

نام

اس سورۃ میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے خصوصی احکام ذکر کیئے گئے ہیں۔ اس وجہ سے اس کا نام "النساء" رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول

یہ مدنی سورۃ ہے۔ اگر تاریخی اعتبار سے اس سورۃ کے مضامین اور ہجرت کے بعد کے حالات کا تجزیہ کیا جائے تو اس سورۃ کے نزول کا زمانہ سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ یہ غالباً 4-5 ہجری کا زمانہ ہے۔

شانِ نزول اور مضامین

یہ سورۃ بھی اپنی ہمہ گیریت کے اعتبار سے مختلف مضامین کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ان مضامین کی ایک جھلک اور شانِ نزول درج ذیل ہے:

مدینہ منورہ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد مدینہ میں جس معاشرہ کی بنیاد رکھی گئی، اس معاشرہ کی تربیت اور اخلاقی قدروں کے تحفظ کیلئے احکام کا ایک حصہ سورۂ بقرہ میں مذکور ہے۔ اب معاشرہ عمرانی اعتبار سے مزید احکام کا متقاضی تھا۔ اس لئے اس سورۃ میں مزید احکام کا ذکر کیا گیا ہے۔

سورۃ کے آغاز میں عائلی قوانین کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ہے کیونکہ جنگِ اُحد کے دوران میں شہید ہونے والوں کے پسماندگان کیلئے نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ مثلاً بیواؤں، یتیموں اور بیویوں کے حقوق، تقسیم میراث وغیرہ۔ اسی طرح عام عائلی زندگی میں اگر زوجین کسی مسئلے پر اختلاف کا شکار ہو جائیں اور یہ اختلاف شدت اختیار کر جائیں تو اُن کے حل کیلئے ہدایات بھی اس سورۃ میں ذکر کی گئیں۔ اسی طرح سورۃ کے اختتام سے کچھ پہلے ان احکام کو بطور تتمہ ذکر کیا گیا۔ مختصراً ایک امن پسند اور صالح معاشرے کیلئے جو باتیں ضروری ہیں، وہ اس سورۃ میں مذکور ہیں۔

خانگی معاملات و مسائل کے ذکر اور ان کے حل کے بعد معاشرتی اور حکومتی مسائل کی طرف توجہ دلائی گئی۔ مثلاً شراب کی حرمت، قتل عمد اور قتل خطا کیلئے تعزیری قوانین وغیرہ۔

جنگِ اُحد میں جب مسلمانوں کی فتح کے آثار نمایاں ہو گئے تو بعض صحابہؓ نے گھاٹی کو قبل از وقت چھوڑ دیا جس کے باعث مسلمانوں کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس وجہ سے کُفارِ مکہ اور مدینہ کے گرد و پیش میں بسنے والے یہودیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ مسلمانوں کو پریشان کرنے کیلئے بلکہ مٹانے کیلئے ہر روز نئے پروگرام بناتے۔ ان

fat.com

سازشیوں کی سرکوبی کیلئے نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات بھی کئے اور صحابہ کرامؓ کی مہمات بھی روانہ کیں
اس دوران میں مجاہدوں کو بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں بھی ہدایات اس سورۃ میں مذکور ہیں مثلاً
(الف) منافقین اور ضعیفُ الاعتقاد لوگ بدحواسی پھیلانے والی خبروں کو پھیلاتے جس کے باعث مجاہدوں کے
حوصلے پست ہوتے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ جب بھی کوئی ایسی خبر علم میں آئے تو اس کو ذمّہ دار حضرات کے
نوٹس میں لاکر اس کی تحقیق و تفتیش کرائی جائے۔

(ب) اسی طرح غزوات و سرایا اور عام سفر کے دوران میں متعدد بار ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی کہ پانی کمیاب بلکہ نایاب
ہو جاتا۔ جس کے باعث وضو اور غُسل ناممکن ہوتا۔ ایسی حالت میں غُسل اور وضو کے متبادل کے طور پر تیمّم کا حکم
نازل ہوا۔ غالباً یہ حکم غزوہ بنی مصطلق 05 ہجری سے متّصل زمانے کا ہے۔ اِسی طرح جنگ کے دوران میں جب
گھمسان کا رن ہو' اس کیلئے صلوٰۃُ الخوف کا طریقہ بتایا گیا۔ عمومی سفر کے دوران میں نمازِ قصر کے احکام کا ذکر ہے اور
یہ غزوہ ذاتُ الرقاع یعنی 04 ہجری کے دور کا واقعہ ہے۔

(ج) اس سورۃ میں دارالحرب میں بسنے والے مسلمانوں کو ہجرت کیلئے ترغیب دلائی گئی اور ہجرت کے فضائل و
برکات بیان ہوئے۔ کمزور و ضعیف مسلمانوں کی امداد و اعانت اور اُن کو مظلومیّت کی زندگی سے نجات دلانے کیلئے
آزاد مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا۔

(د) اس سورۃ میں منافقوں کے مختلف طبقات' اُن کی شرارتوں' بدعہدیوں اور سازشوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا
گیا۔ اُن کے کردار پر سخت گرفت کی گئی۔ یہ دَور وہی ہے جس دَور میں مدینے سے یہودی قبیلے بنی نضیر کا اخراج ہوا۔
اسی طرح یہود و نصاریٰ کے باطل اور من گھڑت اعتقادات و نظریات کی بھی تردید کی گئی کہ وہ اِن گمراہیوں سے بچیں
اور اپنے پیشرووں کے حالات سے عبرت حاصل کریں۔ آخر میں دعوت و تبلیغ کے اسلوب اور طریقۂ کار کا بھی
خصوصیّت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ اس راستے کے مصائب و مشکلات کو صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کرنے کا حکم دیا
گیا۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سورۃ کی ابتداء تقویٰ کی ہدایت سے ہوتی ہے۔ کیونکہ تقویٰ احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے کیلئے پہلا زینہ ہے۔ جس پر انسانیت کی فوز و فلاح کا دار و مدار ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتے باندھتے ہو۔ رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔" (نساء: 1)

اللہ تعالیٰ کا نام جب دو نامحرموں کے درمیان آتا ہے تو وہ محرم بن جاتے ہیں اور اتنا مضبوط اور قریبی رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ اس سے زیادہ قریبی رشتہ تصور میں نہیں لایا جا سکتا۔ اب فرمایا کہ اس اللہ تعالیٰ کے نام کی لاج رکھنا' اُس کی شرم رکھنا' اگر اللہ کے نام پر رشتہ قائم کیا ہے تو اُسے نبھائے رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ ادھر اللہ کا نام لیا' اُدھر جفا کرنے لگے۔ یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ اسی طرح آگے چل کر فرمایا کہ یتیموں کے ساتھ بے انصافی سے ڈرتے رہو۔

یتیموں کے حقوق

سورۃ النساء کے آغاز میں عورتوں کے علاوہ یتیموں کے حقوق کے متعلق بھی تفصیلی طور پر احکامات آئے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ○

"یتیموں کے مال اُن کے حوالے کرو۔ نہ اپنے برے مال کو اُن کے اچھے مال سے بدلو اور نہ اُن کے مال کو اپنے مال کے ساتھ گڈمڈ کر کے اُس کو ہڑپ کرو۔ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔" (النساء: 2)

fat.com

مال و دولت کے لالچ میں لوگ یتیم بچوں اور خصوصاً یتیم رشتہ داروں کا مال ہڑپ کر جاتے یا اس میں خورد برد کرتے۔ ایسے لوگ بظاہر تو یتیموں کی ہمدردی کرتے اور اُن کے لئے کام کرتے نظر آتے ہیں لیکن دراصل کاروبار کے انتظامی امور کے بہانے سے یہ لوگ یتیموں کا مال اپنے مال میں ملا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو منع فرمایا گیا ہے کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ گڈمڈ کر کے ہڑپ کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ یتیموں کا مال اُن کے حوالہ کر دو۔ بعد ازاں اس کی تفصیل بھی آگئی کہ جب یتیم بالغ ہو جائے تو اُس کا مال اُسے دے دو اور یہ دیکھنے کے لئے کہ یتیم عقلی طور پر کس حد تک بالغ ہو چکے ہیں اُسے کچھ کاروباری ذمّہ داری میں شریک کرو۔ اور خاص طور پر یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کے بارے میں خصوصی احتیاط کا حکم دیا گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً

"اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار کے ساتھ نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو۔" (النساء:3)

بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک

سعودی عرب میں ہمارا ایک ہمسایہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا۔ ایک دفعہ مجھے مسجد میں ملا اور کہنے لگا "کیا میں دوسری شادی کر لوں۔ میرے لئے جائز ہے؟" میں نے کہا نہیں! کہنے لگا کیوں؟ قرآن میں تو اجازت ہے۔ میں نے کہا تمہارے لئے نہیں۔ قرآن کی رو سے تو تم ایک بیوی کے بھی مستحق نہیں ہو، کیونکہ تم ایک کے ساتھ بھی عدل نہیں کرتے۔

تعددِ ازواج کی مصلحت اور حکمت

دراصل یہ دو دو، تین تین اور چار چار شادیوں کا معاملہ اتنا آسان مسئلہ نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بہت سی شرائط لگا رکھی ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ جب ایک سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنے کو کہا جا رہا ہے تو یہ دراصل شادیوں کی تعداد کو محدود کیا جا رہا ہے۔ لوگوں نے غلط سمجھا کہ اسلام نے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ایک سے زائد شادیوں کی اجازت تو اسلام سے قبل بھی موجود تھی، لوگوں کے پاس تو تیس تیس، چالیس چالیس عورتیں ہوتی تھیں۔ اسلام نے تو پابندی لگا کر اس کو چار تک محدود کر دیا۔ ایک صحابی تھے غیلان بن اسلم ثقفی۔ قبولِ اسلام کے وقت ان کی دس بیویاں تھیں۔ آپ ﷺ نے کہا کہ بھئی چار سے تو زیادہ رکھنے کی گنجائش

Marf

نہیں۔ انہیں چھ بیویوں کو طلاق دینا پڑی۔ اسلام نے تو زائد تعداد کو محدود کیا اور اس محدود تعداد کے لئے بھی شرائط عائد کر دیں۔ ایسی شرائط جو نناوے فیصد لوگ پوری نہیں کر پاتے۔ اس لئے ان کے لئے ایک سے زائد کی گنجائش نہیں بنتی۔

حضورِ اکرمؐ کی شادیوں کی مصلحتیں

راقم ایک بار امریکہ گیا۔ وہاں بھی یہی سوال کیا گیا کہ حضورؐ کی اتنی زیادہ بیویاں کیوں تھیں؟ عرض کیا کہ آپ نے صرف اتنا ہی سوچا ہے، کبھی اِس سے آگے بھی غور کیا کہ یہ شادیاں کیوں اور کن حالات میں ہوئیں؟ اور ان کا کیا فائدہ ہوا؟ حضورؐ کی پہلی شادی کب ہوئی اور کب تک نبھایا؟ ان سب باتوں کا جواب اُنہیں معلوم نہیں تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 25 برس کی عمر میں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے شادی کی جب کہ اُس وقت اُن کی عمر 40 برس تھی۔ حضورِ اکرمؐ نے اُن کے ساتھ ان کی زندگی تک نباہ کی یعنی پچاس سال کی عمر تک آپ نے پینسٹھ سالہ معمر خاتون سے نباہ کیا اور دوسری شادی نہ کی۔ اُن کی وفات کے بعد آپؐ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جو عمر میں آپ سے تقریباً پانچ برس بڑی تھیں۔ چار سال اُن کے ساتھ بھی اکیلے نباہ کیا۔ چوّن سال کے بعد صرف ایک خاتون سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی خاتون ہیں جو کنواری تھیں اور آپؐ کے نکاح میں آئیں۔ بقیہ سب خواتین معمر اور زیادہ تر بیوگان تھیں۔ شادیوں کے فوائد کیا ہوئے؟ غور کیجئے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ابو سُفیان کی بیٹی رملہ بنتِ ابی سُفیان سے ہوئی۔ ابو سُفیان سپہ سالارِ قریش کی حیثیت سے جنگِ اُحد سے لے کر قبولِ اسلام تک مسلسل حملہ آور ہوتے رہے۔ اِس شادی کے بعد قریش کے سارے حملے ختم ہو گئے۔ اُدھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہود نے مسلمانوں کا عرصۂ حیات تنگ کیا ہوا تھا۔ مختلف قبیلوں نے سازشوں کے جال پھیلا رکھے تھے۔ لیکن جیسے ہی بنو قریظہ کے یہودی سردار کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے حضورؐ کی شادی ہوئی تو یہ سازشیں دم توڑ گئیں۔ حضورؐ نے ستر حفّاظ اور قرّاء نجد میں بھیجے۔ نجد کے لوگوں نے سب کو شہید کر دیا۔ آپؐ نے نجد کے سردار کی بہن سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔ اِس شادی کے بعد نجد کی طرف سے کوئی مخالفت نہیں ہوئی۔

یہ ہیں وہ معلومات جن سے ہم محروم چلے آ رہے ہیں۔ ہم واقعات کی چھان بین نہیں کرتے۔ اُن کے اسباب سے واقف نہیں ہوتے اور اُن کے نتائج و فوائد پر غور نہیں کرتے جن کا جاننا ہم پر فرض ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن تمام شادیوں کی تفصیل راقم کی کتاب "خطباتِ حرم" میں موجود ہے جو لوگ تفصیل جاننا چاہیں، وہ اِس کتاب سے استفادہ کر لیں۔

مالِ یتیم کی واپسی

اسی طرح یتیم بچوں کے بالغ ہونے اور اُن کی عقل و دانش کو پرکھنے کے بعد اُن کی دولت اُن کے حوالے

کرنے کو کہا کہ وہ اس کو ضائع نہ کردیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ

"اِن یتیموں کو جانچتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عُمر کو پہنچ جائیں تو اگر تم اُن کے اندر سوجھ بوجھ پاؤ تو اُن کا مال اُن کے حوالے کردو۔" (النساء:6)

یعنی یتیموں کو چھوٹی موٹی ذمہ داری دے کر اُن کو جانچتے رہو کہ ان میں کتنی صلاحیتیں اور سوجھ بوجھ موجود ہے اور جب وہ اِس قابل ہو جائیں کہ ذِمّہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھا سکیں تو اُن کا مال اُن کے سپرد کردو اور یاد رکھو! اگر ایسا نہ کرو گے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یتیموں کا مال کھانے کا وبال

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ؏

"جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔" (النساء:10)

احکامِ الٰہی کی پابندی

اس کے ساتھ ہی وراثت کے تفصیلی احکام کا ذکر ہے تاکہ خاندان کے سبھی افراد مرد و عورت، چھوٹے اور بڑے کے حصص متعین کیے جائیں اور جھگڑے کے امکانات ختم ہو جائیں اور اِس ساری تفصیل کے بعد شریعت کے بارے میں دونوں گروہوں (فرماں بردار اور نافرمان) کے انجام کو یوں ذکر فرمایا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؏

"یہ (تمام احکام) اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا، اللہ اُس کو جنّت میں داخل کرے گا جس میں نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ

.com

بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اُس کی حدوں سے نکل جائے گا' اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا' جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔" (النساء:13-14)

توبہ اور شرائطِ توبہ

رحیم و کریم ذات نے اپنے بندوں کی خطاؤں کو معاف کرنے کیلئے رحمت کا اعلان عام کر رکھا ہے۔ کیونکہ بندوں کا دشمن ابلیس ان کو ہمیشہ راہِ حق سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے خالق سے دور کرنے کی ہر راہ مزین کرتا ہے تاکہ آدم کی اولاد سے انتقام لے سکے لیکن رحیم خالق نے اپنے بندوں کے خلاف اس دشمن کے سارے منصوبے ایک توبہ کے ذریعے ناکام بنانے کا اعلان فرمادیا۔ توبہ کی شرائط درج ذیل آیات میں یوں ذکر کی گئیں:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ○

"اللہ تعالیٰ اُنہی لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے بُری حرکت کر بیٹھتے ہیں' پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں پر اللہ مہربانی کرتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے (اور) حکمت والا ہے اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) بُرے کام کرتے رہے یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو اُس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن کی (توبہ قبول ہوتی ہے) جو کفر کی حالت میں مریں۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (النساء:17-18)

نکاح کا مقصد

بیویوں کے حقوق کے سلسلہ میں مہر کی ادائیگی کا قطعی حکم دے کر اُن عورتوں کی تفصیل کا ذکر کیا گیا جن کے ساتھ از روئے شرع نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اِس مقام پر غور کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ شریعت کی رو سے مقصدِ نکاح کیا ہے؟ نسلِ آدم کا بقا' پاکدامنی' عفت و عصمت کی حفاظت' بدکاری و بے حیائی کا انسداد اور مرد و عورت کے خفیہ اور ناپسندیدہ تعلقات کی بیخ کنی۔

باطل اموال اور خون خرابہ

سورۃ النساء نے ایک اور اہم موضوع کا ذکر ہے جس کا تعلق باطل اموال سے ہے۔

fat.com

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۚ

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور (اس طرح) اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔" (النساء:29)

یعنی جب باہمی لین دین کیا جائے تو اس میں فریقین کی باہمی رضامندی شامل ہونی چاہئے۔ دوسرے یہ کہ اگر آپ باطل مال کھائیں گے تو باہمی اختلافات اور جھگڑے سر اٹھائیں گے۔ پھر فرمایا کہ اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرو۔ کیونکہ اگر تم دوسرے شخص کو قتل کرنا چاہو گے تو ردِ عمل کے طور پر وہ تمہیں قتل کرے گا۔ اصل میں دوسرے کو قتل کرنا اپنے آپ کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خون خرابہ اور فساد نہ کرو۔ یہ قرآن مجید کا اسلوب ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا کہ دیکھو! اپنی بے عزتی نہ کیا کرو۔ یعنی ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے یاد نہ کیا کرو۔ تم کسی دوسرے کو بُرے نام سے پکارو گے تو وہ جواباً تمہیں بُرے بُرے نام سے یاد کرے گا۔ دوسرے کو گالی دینا دراصل اپنے آپ کو گالی دینا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "بہت بُرا ہے وہ انسان جو اپنے والدین کو گالی دے۔" صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا بدبخت کون ہو گا؟" فرمایا کہ "جو شخص دوسرے شخص کے والدین کو گالی دے اور دوسرا پلٹ کر اس کے والدین کو گالی دے۔" نتیجہ تو وہی ہوا کہ اُس نے اپنی حماقت سے اپنے والدین کی بے عزتی کروا دی۔ بالکل اسی طرح یہاں کہا جا رہا ہے کہ "اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔" کیونکہ جب تم ایک شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو گے تو وہ تمہیں قتل کرنے کے درپے ہو گا اور یوں پورا معاشرہ دہشت گردی اور بے راہ روی کا شکار ہو جائے گا۔

دُنیا۔ امتحان گاہ

پھر فرمایا:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

"تم جن باتوں سے روکے جا رہے ہو، اگر اِن (بڑے گناہوں) سے تم بچتے رہو تو ہم تم سے تمہاری

(چھوٹی) برائیاں جھاڑ دیں گے اور تمہیں ایک عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔ جس (چیز) میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے' اُس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کو حصہ ملے گا اُس میں سے جو اُنہوں نے کمایا اور عورتوں کو حصہ ملے گا اُس میں سے جو اُنہوں نے کمایا اور اللہ سے اس کے فضل میں سے حصہ مانگو۔ بے شک اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔" (النساء: 31-32)

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جو چاہتا ہے' عطا کرتا ہے۔ بہت سی چیزیں اس نے آپ کو ایسی عطا کی ہیں جو اوروں کو نہیں دیں اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تم میں موجود نہیں اور اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو عطا کر رکھی ہیں۔ اس کا اپنا ایک مخصوص نظام ہے۔ دنیا ایک رکاوٹی دوڑ کا سماں پیش کر رہی ہے۔ اس میں کسی کو غربت کے ذریعے اور کسی کو دولت کے ذریعے آزمایا جا رہا ہے۔ کسی کو اقتدار کے ذریعے اور کسی کو محکومی اور غلامی کے ذریعے' کسی کو ظلم کا موقع دے کر اور کسی کو مظلومی کی کیفیت سے دوچار کر کے مسلسل آزمایا جا رہا ہے۔ یہ پوری دنیا ایک امتحان گاہ اور آزمائش گاہ ہے۔ اس لئے اس بھول میں نہ رہنا کہ جو کچھ ہمیں ملا' وہ ہمیشہ کے لئے ہے یا جو کچھ کسی دوسرے کو ملا وہ بھی ہمیشہ کے لئے ہے۔ یہ محض عارضی صورتحال ہے جو محض امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

حقوقِ نسواں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ

"جو مرد کمائیں' وہ اُن کا حصہ اور جو عورتیں کمائیں' وہ اُن کا حصہ ہے۔" (النساء: 32)

ثابت ہوا کہ ایک خاتون کو کمانے کا حق حاصل ہے۔ اسلام نے اس پر پابندی نہیں لگائی۔ خاتون کو تجارت اور کاروبار کا حق ہے۔ وہ کوئی بھی جائز ذریعہ معاش اختیار کر سکتی ہے۔ ہاں ہم آگے چل کے پڑھیں گے کہ اسلام خاتون کو اِن معاملات سے آزاد بھی کرتا ہے۔

مردوں کی بڑائی کی وجہ

اِس کے بعد فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۚ

"مرد عورتوں کے سرپرست ہیں بوجہ اس کے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور بوجہ اس کے کہ اُنہوں نے اپنے مال خرچ کئے۔" (النساء: 34)

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو خواتین پر صرف ایک درجہ کی فضیلت عطا کی ہے اور وہ فضیلت اس بات کی ہے کہ

Marfat.

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو پابند بنا دیا ہے کہ وہ خواتین پر خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے خواتین کو بھی بعض معاملات میں مردوں پر فضیلت دی ہے۔ یہ صرف اسلام ہی کا اعجاز ہے' کسی اور مذہب میں اس فضیلت کا وجود نہیں ملتا۔ وہ فضیلت یہ ہے کہ بیوی گھر میں بیٹھے گی' اس کی ذمہ داری کا دائرہ کار گھر کے اندر ہے۔ عورت کو کمانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ولی الامر جو باپ' خاوند' بھائی' بیٹا یا قریب ترین رشتہ دار' زندگی بھر اس کی تمام ضرورتوں کا کفیل ہو گا۔ بصورتِ دیگر اسلامی حکومت اس کی تمام ضرورتوں کی کفیل بن جائے گی۔ ایک عورت رزق کمانے کے لئے کبھی بھی گھر سے باہر نکلنے پر مجبور نہیں ہو گی۔

خاتون کی اصل ذِمہ داری تربیتِ اولاد ہے

ہم نے بچوں کی تربیت کو شاید بہت معمولی کام سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے ہم بچوں کو کسی آیا یا نرس کے سپرد کر کے اپنے تئیں ذِمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ وہ قوم بہت بدنصیب ہوتی ہے جس کی ماں مرجائے یا جو قوم ماں سے محروم ہو جائے۔ قومیں ماؤں کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں اور ماؤں کی گود میں پرورش پاتی ہیں۔ پوری قوم کا مستقبل ماں بناتی ہے۔ جدید نفسیات بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ انسانی شخصیت کا پچھتر فیصد حصّہ اُس کی زندگی کے ابتدائی تین سالوں میں تکمیل پا جاتا ہے۔ انسان کے اندر مخصوص شخصی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں جو اُس کی ماں کی آغوش میں نشو و نما پاتی ہیں۔ اس کے بعد مسجد' سکول' کالج' معاشرہ اور دیگر عوامل مل کر اس کی شخصیت کا پچیس فیصد تعمیر کرتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اصل مربیہ ماں ہے۔ شخصیت ماں کی گود میں ڈھلتی ہے اور پیار محبت کی آغوش میں پلتی ہے اور یہ پیار محبّت صرف ماں ہی دے سکتی ہے۔ یہ باپ کے بس کی بات نہیں۔ کبھی تجربہ کر کے دیکھئے۔ بچّہ اگر بیمار ہو جائے تو تمام رات جاگتے رہنا صرف ماں ہی کا حوصلہ ہے۔ یہ فضیلت صرف ماں کو حاصل ہے' باپ کے بس کی بات نہیں۔ ماں کے مقابلے میں (صرف اس معاملے میں) باپ کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ماں کو عطا کی ہے کہ وہ بچّے کے ساتھ وقت گزارے' اُسے پیار کرے' وہ ذرا بڑا ہو تو اُسے تمام رسولوں' پیغمبروں اور صالحین کی کہانیاں سنائے اور اُس کی شخصیت میں ایک سے ایک بڑھ کر اعلیٰ صفت پیدا کرتی چلی جائے۔ بچّہ جب اُس کی گود سے نکلے تو اس کا آئیڈیل حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی شخصیات ہوں۔ یہ صرف ماں کا کام ہے لیکن اِس کے لئے اُسے وقت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ پرورش اور تعلیم و تربیت ہمہ وقتی کام ہے۔ جن لوگوں کی سمجھ میں اتنی سادہ سی بات بھی نہیں آتی وہ اپنے بچّوں کو آیا کے سپرد کر کے چلے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں پروان چڑھنے والی نسل اپنے بچپن میں چونکہ ماں کی محبت سے محروم رہتی ہے' اِس لئے اُس نے پوری دنیا میں دہشت گردی پھیلا رکھی ہے اور وہ پوری دنیا کو ایک چراگاہ سمجھ کے اس میں دندناتی پھرتی ہے۔ جنگِ عظیم اول اور جنگِ عظیم دوم کے علاوہ دیگر جنگوں کی اصل وجہ یہی تھی کہ یہ قومیں ماں کی تربیتی آغوش کے بغیر پرورش پا رہی ہیں۔ ان

میں محبت اور انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی لئے اُنھوں نے کروڑوں انسانوں کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ حکیم الامّت علامہ ڈاکٹر اقبالؒ اِس ضمن میں فرماتے ہیں ۔

آدمیت زار نالید از فرنگ
زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ

یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد
زیرِ گردوں رسم لادینی نہاد

گُرگِ اندر پوستین اُو برہ
ہر زمان اندر کمینِ اُو برہ

مشکلاتِ حضرت انساں از اُوست
آدمیت را غم پنہاں از اوست

در نگاہش آدمی آب و گِل است
کاروانِ زندگی بے منزل است

اسلام کا معجزہ۔وَلِیُّ الْاَمر کا تصور

اسلام ماں اور عورت کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ گھر میں بیٹھی رہے اور اس کا ولی الامر اس کی تمام بنیادی ضرورتیں پوری کرے۔ ہر خاتون کا ایک ولی الامر ہوتا ہے۔ بچی پیدا ہوتی ہے تو باپ اُس کا ولی الامر قرار پاتا ہے۔ جوان ہو کر اُس کی شادی ہوتی ہے تو خاوند اُس کا ولی الامر بن جاتا ہے۔ خدانخواستہ خاوند سے علیحدگی کی صورت میں والد دوبارہ اُس کا ولی الامر ٹھہرتا ہے۔ والد وفات پا جائے تو بھائی اور اگر بھائی موجود نہیں تو بیٹا ولی الامر بن جاتا ہے' اور اگر یہ بھی موجود نہیں تو پھر قریب ترین رشتہ دار ولی الامر سمجھے جائیں گے۔ عورت عدالت میں جا کر اُس سے پورے مہینے کا نان و نفقہ طلب کر سکتی ہے اور اگر کوئی رشتہ دار بھی زندہ یا نان نفقہ دینے کے لائق نہیں تو حکومت اس کی ولی الامر ہے۔ حکومت کے ذمّہ ہے کہ وہ خاتون کو گھر بٹھا کر کھلائے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر خاتون کو گھر بٹھا کر کھلانا پڑے گا اور ہر خاتون کو اُس کا حق دینا پڑے گا۔ اس اعتبار سے اسلام ایک خاتون کو اُس کی پیدائش سے لے کر زندگی کے آخری دن تک اس بات سے آزاد کر دیتا ہے کہ وہ کہیں جا کر ملازمت یا تجارت کرے۔ یا پھر تلاشِ معاش میں ماری ماری پھرے۔ اِس کے لئے اُسے کوئی تگ و دو کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر وہ از خود کوئی کام کرنا چاہے تو یہ اُس کی مرضی اور حق ہے۔

خواتین کے حقوق کے سلسلے میں تو علامہ اقبالؒ نے یہاں تک کہہ دیا:

fat.com

؎ وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اُسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اُسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

خاتون کی قدر و منزلت اور احترام اللہ تعالیٰ نے ہم سب پر لازم ٹھہرایا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ "دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی بیوی پر کبھی ہاتھ اٹھایا ہو۔" حالانکہ ایک موقع پر شرعی اعتبار سے سختی کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ لیکن اُس کے لئے حدیث کا مفہوم یوں ہے کہ "تم میں سے جو اچھے لوگ ہوں گے، وہ کبھی اپنی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔"

اسی مقام پر عائلی زندگی کی بہتری، زوجین کے تعلقاتِ کار، معاشرے کے مختلف طبقات کے حقوق کی ادائیگی، انفاق فی سبیل اللہ اور آخرت کی جزا و سزا کی تفصیل کے بعد دربارِ الٰہی میں حاضری کے آداب مذکور ہیں۔

نماز بحالتِ شعور و فہم ادا کریں

معاشرتی احکام کے بعد اللہ تعالیٰ کے دو حقوق کا ذکر کیا گیا ہے یعنی ادائیگی نماز اور توحید کا اقرار یا شرک سے بچاؤ۔ قرآن پاک میں بار بار نماز پر زور دیا گیا ہے اور اِس بات کی تاکید بھی کی گئی ہے کہ نماز کو سمجھ کر پڑھا جائے۔

سورۃ النساء میں اِس مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

"مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (اِن الفاظ کو) جو منہ سے کہو، سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔" (النساء:43)

یہاں زیادہ زور سمجھ اور شعور پر دیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کو اس بات کا علم تو ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ سے کیا کہہ رہے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سوچے سمجھے اور غور و خوض کئے بغیر نماز پڑھ کے گھر چلے جاتے ہیں تو وہ نشے کی کیفیت سے مشابہ کیفیت کے حامل ٹھہریں گے۔ نماز کی بنیادی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ "جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ شعور کی حالت میں کہو۔" اللہ جل جلالہ کی محبت میں ڈوب کے کہو۔ ایسے ہی دوسری جگہ فرمایا:

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝

"ایسے نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نمازوں کی طرف سے غافل رہتے ہیں" (الماعون:4)

.com

شرک انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے

شرک ایک ایسا امر ہے کہ جو اللہ بزرگ و برتر کو انتہائی ناپسند ہے۔ اللہ جَلّ شانہٗ، شرک کے سوا انسانوں کے تمام گناہ معاف کر دیں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

"اللہ تعالیٰ اِس گناہ کو نہ بخشے گا کہ کسی کو اُس کا شریک بنایا جائے (النساء:48)

یہ ایک اعلان کر کے اُس نے باقاعدہ کلیہ طے کر دیا کہ ہم شرک معاف نہیں کریں گے۔ اللہ کی ذات، صفات، حقوق اور اختیارات میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا ناقابلِ معافی گناہ ہے۔

قرآن کا ایک سائنسی اعجاز

ایسے لوگ جو کفر کے مرتکب ٹھہرتے ہیں ان کی سزاؤں بیان کی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ

"جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا، انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب اُن کے بدن کی کھال جل جائے گی تو اُس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے۔ تاکہ وہ (خوب) عذاب کا مزا چکھیں۔" (النساء:56)

یعنی عذاب کا مزا چکھانے کے لئے پھر سے کھال پیدا کر دی جائے گی۔ گویا قرآن کہہ رہا ہے کہ درد صرف کھال میں ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی آیت ہے جس کا مفہوم عہدِ حاضر میں بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔

فرانس کے مشہور سائنس دان اور سرجن ڈاکٹر موریس بوکائے (Maurice Bucaille) نے بائبل، قرآن اور سائنس کے تقابلی مطالعہ پر ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "دی بائبل، دی قرآن اینڈ سائنس" اس کتاب نے پوری دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ آیت پڑھی تو میں پھڑک اٹھا کہ قرآنِ مجید نے ڈیڑھ ہزار سال قبل ہی ایک ایسی بات کہی ہے جس کا ہمیں آج پتا چل رہا ہے۔ ڈاکٹر بوکائے نے کہا کہ میں سرجن ہوں اور اِس ناطے سے یہ جانتا ہوں کہ جب جسم میں سوئی چبھوئی جاتی ہے تو درد صرف جلد تک رہتا ہے۔ جلد سے آگے نہیں جاتا۔ یعنی جسم کی کھال پورے کا پورا ایک دفاعی نظام ہے یعنی اگر ہمارے جسم میں کوئی بیرونی عنصر اجنبی چیز داخل ہونا چاہے تو جسم درد کے ذریعے ہمیں فوراً اطلاع کر دیتا ہے۔ قرآن یہ بات ڈیڑھ ہزار سال قبل کہہ چکا ہے کہ درد اور تکلیف صرف جلد میں ہوتا ہے۔

fat.com

یہ آیت قرآنِ پاک کے آسمانی کتاب ہونے کی بھی دلیل ہے۔ سائنس جو حقیقت آج ڈھونڈ رہی ہے'
پاک نے وہ حقیقت ڈیڑھ ہزار برس قبل ہی بیان کر دی تھی کیونکہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو اس کائنات کے خ
مالک کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

مقامِ رسالت

دینِ اسلام میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رُتبہ ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں
جب تک کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہر چیز سے زیادہ اُسے عزیز نہ ہو۔ یہاں بھی یہی ارشاد ہوا کہ جب تک اپ
فیصلوں میں نبیِ اکرمؐ کے احکام کو اولیت نہ دو گے تم کبھی بھی مومن نہیں ہو سکتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ
اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ
الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا تو اِسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ جبک
اُنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا' تمہاری خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول
بھی اُن کے لئے معافی چاہتا تو وہ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ پس نہیں' تیرے رب کی
قسم' یہ مومن نہیں ہیں جب تک اپنے باہمی اختلافات میں تمہارا حکم نہ مانیں اور جو کچھ تم فیصلہ کر دو
اُس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس کئے بغیر اُس کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کر دیں۔" (النساء:64-65)

اِس سے پہلے بھی یہی بات کہی گئی کہ اطاعت کرنا ہے اللہ تعالیٰ' اُس کے رسولؐ اور صاحبِ امر لوگوں کی
اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنے آپ پر اور تم پر نافذ کرنے والے ہوں۔ اِس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُ
شریعت کو اپنے اوپر نافذ نہیں کرتا' وہ صحیح معنوں میں صاحبِ امر (اولی الامر) نہیں بنتا۔

قیامِ عدل-نزولِ قرآن کا مقصد

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ

"(اے پیغمبر) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو۔" (النساء:105)

اللہ تعالیٰ نے جو راہِ حق دکھلائی ہے' اس میں سے ایک تو قرآنِ مجید ہے اور دوسری حکمت ہے جس کا قرآن پاک میں بار بار ذکر آتا ہے۔ نبی کے چار کاموں میں سے دو کام یہ ہیں کہ وہ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حکمت قرآنِ مجید کی عملی تفسیر کا نام ہے۔ ہدایت کی دو قسمیں ہیں:

ایک نظری ہدایت ہے یعنی قرآنِ مجید جبکہ دوسری عملی ہدایت ہے جو رسولؐ کی سیرتِ پاک ہے اور جو احادیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود اور محفوظ ہے۔

حضورِ اکرمؐ کی پوری زندگی کا اتباع کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ پہلی آیتوں میں آچکا ہے کہ پوری زندگی میں حضورِ اکرمؐ کو اپنا فیصل اور حکم تسلیم کرنا پڑے گا' اور اِس انداز میں کہ دل کوئی تنگی محسوس نہ کرے۔ بہت خوشدلی کے ساتھ اور سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

مخالفتِ رسول کا ہولناک انجام

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝

"جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستہ کے سوا راستہ پر چلے تو وہ جدھر چلتا ہے' ہم اُسے اُدھری چلنے دیتے ہیں اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے" (النساء:115)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ ہو جانا دراصل بد نصیبی کی انتہا ہے اور اِس انتہا کو وہ لوگ پہنچے جو حضورِ اکرمؐ کے زمانے میں منافقت سے کام لیتے رہے۔ پھر فرمایا کہ ان کی بد نصیبی کا کوئی ٹھکانا نہیں لیکن جو راستہ انہوں نے خود اختیار کرلیا ہے' اس پر ہم اُن کو آگے بڑھاتے چلے جائیں گے۔

توفیقِ الٰہی کی حقیقت

یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت ہے۔ راستے کا چناؤ ہم کریں گے' نیکی کا راستہ یا بدی کا راستہ۔ حضورِ اکرمؐ پر جاں نثاری کا راستہ یا ان کی مخالفت کا راستہ۔ لیکن جو راستہ ہم اختیار کرلیتے ہیں' اُس راستے پہ اللہ تعالیٰ ہمیں آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں' اُس کی توفیق دیتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ناک' کان' آنکھ' ہاتھ' پاؤں اور دوسرے اعضاء و جوارح عنایت فرما رکھے ہیں' اُن کو پابند

Marfat.

کیا ہوا ہے کہ خواہ ہم صحیح راستے پر چلیں یا غلط راستہ پر' یہ ہمارا ساتھ دیں گے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ مرنے کے بعد یہی ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان وغیرہ ہمارے خلاف استغاثے کے عینی گواہ ہوں گے۔ ہمارے خلاف شکایتیں کریں گے کہ اے پروردگار! تم نے ہم کو کس ظالم کے سپرد کر دیا تھا جو ہم سے نیکی کا کام لینے کی بجائے ہم سے ظلم کرواتا رہا۔ ہمارے یہی اعضاء گواہی بھی دیں گے اور شکایتیں بھی کریں گے۔ یہ اعضا در حقیقت ہمارے نہیں۔ یہ تو وہاں چل کے پتا چلے گا کہ کس کے ہیں۔ یہ تو چند روزہ امانتیں ہیں اور جب یہ امانتیں اپنے اصلی مالک کی طرف لوٹ جائیں گی تو پھر ہم سے پوچھا جائے گا کہ کہاں کہاں ہم ان کو غلط استعمال کرتے رہے۔ لیکن اس دنیا کی حد تک اللہ تعالیٰ ہمارے لئے نیکی اور برائی دونوں کے اسباب فراہم کر دیتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ

"جو لوگ ہمارے راستے میں جہاد (کوشش) کرتے ہیں' ہم اپنی راہیں اُن پر کھولتے چلے جاتے ہیں"

(العنکبوت:29)

اور جو لوگ برائی کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو اُسی راہ پر اور آگے پھینکتے چلے جاتے ہیں۔ مزید بر آں اُن کے دلوں اور کانوں پر مہریں لگا دیتے ہیں۔ اور اُن کی آنکھوں پر پردے ڈال دیتے ہیں۔ ہمارا بھی تو یہی حال ہے کہ اگر کوئی شخص ہماری مخالفت کرے' ہم اُسے اپنے ہاں بار بار مدعو کریں اور وہ نہ آئے تو ہم آئندہ کے لئے اُسے بلانا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ بالکل یہی اللہ تعالیٰ کی سُنّت ہے۔

منافقین کا ہولناک انجام اور اہلِ ایمان کیلئے تنبیہہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ
الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ
اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ
وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا
وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ
غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ
فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ
الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ

.com

نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ
وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

"جو منافق اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں، اُنہیں یہ مژدہ سنا دو کہ اُن کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں اُن کے پاس جاتے ہیں؟ اور عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کُفر بکا جا رہا ہے اور اُن کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے، وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ ورنہ تم بھی اُنہی کی طرح ہو گے۔ یقین جانو! کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنّم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔ یہ منافق تمہارے معاملہ میں اس امر کے منتظر ہیں کہ اُونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے فتح تمہاری ہوئی تو آکر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کا پلّہ بھاری رہا تو اُن سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے؟ اور پھر بھی ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا؟ بس اللہ ہی تمہارے اور اُن کے معاملے میں فیصلہ قیامت کے روز کرے گا۔ اور اِس فیصلہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔" (النساء:138-141)

غیرتِ دینی کا تقاضا

یہ دینی غیرت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ، آیاتِ الٰہی، شعائرِ دین، اور حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم، سُنّت یا عمل کے خلاف اگر کوئی شخص دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرے یا اُس کو مذاق بنانے کی کوشش کرے تو اُس کو منہ توڑ جواب دیں ورنہ اُس جگہ بیٹھنے سے پرہیز کریں اور اُس وقت تک لوٹنا نہیں چاہئے جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات یا کام میں نہ لگ جائیں گویا جب تک یہ بدتمیزی ختم نہ ہو، اُس وقت تک بیٹھنا جائز نہیں۔ اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی اُنہی کی طرح ہو۔ اگر دین کے شعائر کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور تم خاموشی سے ادھر بیٹھے ہو تو اُس پر فرمایا کہ تم بھی اُنہی میں شمار ہو گے اور اگر تم اس امر کے خلاف احتجاج نہیں کرتے ہو تو اِس ساری حرکت میں تم بھی شریک ٹھہرائے جاؤ گے۔

منافقوں کے لئے غلبہ اور اقتدار نہیں

ایمان ایسی نعمت ہے کہ جس کیلئے مغلوبیّت کا تصوّر بھی ممکن نہیں جیسا کہ اس سے قبل جنگِ اُحد کے واقعہ کے ضمن میں ذکر ہو چکا ہے۔ مگر اس میں یہ شرط ہے کہ اہلِ ایمان کے قلوب واقعی ایمان کی دولت سے معمور ہوں

تو منافقین خواہ مالدار ہوں، خواہ صاحبِ اقتدار، وہ کبھی اہلِ ایمان پر غالب نہیں آسکیں گے۔ وہ ہمیشہ تڑپتے ہی رہیں گے۔ اُن کی علامات کا ذکر کرنے سے منافق شخص کی اصلیت کھل کے سامنے آجاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ○

"یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکا بازی کر رہے ہیں۔ حالانکہ در حقیقت اللہ ہی نے اُنہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ جب یہ نماز کے لئے اُٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کی خاطر۔ (اور اگر بامرِ مجبوری اُنہیں نماز ادا کرنا ہی پڑ جائے تو بغیر وضو کے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اُٹھتے ہیں) اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔" (النساء:142)

پھر اُن کی ڈانواڈول اور مذبذب صورت حال کو اِن الفاظ میں ذکر فرمایا:

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ○

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ○

إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ○

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ○

"کفر اور ایمان کے درمیان ڈانواڈول ہیں، نہ پورے اُس طرف ہیں نہ پورے اِس طرف۔ جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو اُس کے لئے تم کوئی راستہ نہیں پاسکتے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو۔ یقین جانو! کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو اُن کا مددگار نہ پاؤ گے، البتہ جو اُن میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں اور اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر دیں، ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ آخر اُس کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے۔ اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی رَوش پر چلو تو

.com

اللہ بڑا قدر دان ہے۔ اللہ سب کے حال سے واقف ہے۔" (النساء: 143-147)

اِن آیات میں منافقین کی نفسیات بیان کر دی گئی ہے۔ ایک دوسری بات بھی اِسی سورۃ میں ایک مقام پر یوں فرمائی کہ یہ لوگ جہاں کوئی حسّاس نوعیت کی یا خوفناک خبر سن پاتے ہیں' اُسے لے کر پھیلا دیتے ہیں۔ حالانکہ اُنہیں یہ چاہئے کہ ایسی خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی جماعت کے ذمّہ دار اصحاب تک پہنچائیں جو اُن کے درمیان اِس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اِس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ اِس کے بعد مزید انعام کے طور پر فرمایا کہ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو تمہاری کمزوریاں ہی ایسی تھیں کہ معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے۔

اہلِ صحافت کی ذمّہ داری

یہاں پر ایک بات کو منافقین کی علامت قرار دیا گیا کہ جہاں بھی کوئی بات معلوم ہوئی' اس خبر کی سرخیاں شائع کر دیں' اس کو پھیلا دیا۔ قرآن اس کو منافقین کی صفت بیان کرتا ہے حالانکہ یہ پورے مغرب کا صحافتی طرزِ عمل ہے۔ مغرب کی زرد صحافت میں یہ تین باتیں بنیادی ہیں۔ ایک منافقت' دوسرے بلیک میلنگ اور تیسرے اس خبر کو کیش کروانا' یعنی جتنے زیادہ لوگ پڑھیں گے' اتنے ہی زیادہ اخبارات بکیں گے۔

اسلامی صحافت میں اس امر کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اسلامی صحافت میں اس بات کی اہمیت زیادہ ہے کہ کسی خبر کا عام لوگوں اور پھر دشمن تک پہنچ جانا ملکی سالمیت کے لئے اور معاشرے کی صحت مند پرورش کے لئے خطرناک تو ثابت نہیں ہو جائے گا۔ اگر ایسی خبر ملک اور معاشرے کی سالمیت کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی ہے تو یہ ضروری ہے کہ اس خبر کو مخفی رکھا جائے' خواہ اس کے نتیجے میں اخبار کی بکری کم ہوتی ہو۔ میں اہلِ صحافت سے گزارش کروں گا کہ قرآن کی اِس نصیحت پر ذرا غور فرمائیں۔ ہمیں صحافت کی اخلاقیات کو سمجھنا چاہئے۔

برائی کا ڈھنڈورا نہ پیٹا جائے

اِسی بات کو آگے چل کے یوں بیان کیا جا رہا ہے کہ ہر جرم کا ڈھنڈورا نہ پیٹو۔ ضروری نہیں کہ ہر واقعہ اس انداز میں پیش کیا جائے کہ وہ ہماری سوسائٹی کا جزوِ لاینفک بن جائے اور لوگوں کے لئے وہ ایک معمول کی چیز بن جائے۔ یعنی لوگ اسے معمول کی چیز خیال کرنا شروع کر دیں۔ کہیں حادثہ رونما ہو یا قتل ہو جائے تو ماتھے پر شکن بھی نہیں آتی۔ یوں ڈھنڈورا پیٹ کر' بڑھا چڑھا کر بے حسی کو اتنا عام کر دیا گیا ہے کہ روز بروز بُرائی سے نفرت کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اِس لئے اِس سلسلے میں بھی ایک ضابطۂ اخلاق کا ذکر کیا گیا تاکہ بُرائی اور بُری خبروں کے پھیلاؤ کا انسداد کیا جا سکے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ○

"اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ بُرائی کا ڈھنڈورا پیٹا جائے سوائے اس کے کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔ وہ اس ظلم کی دہائی دے سکتا ہے اور اللہ سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے۔" (النساء:148)

اس سلسلے میں ہمیں ذرا غور و فکر سے کام لینا پڑے گا۔ یہ بات میں اپنے ملکِ خداداد کے دانشور صحافیوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کروں گا کہ محض اخبارات کی بکری یا سیل بڑھانے کے لئے یا سنسنی خیزی پھیلانے کے لئے اخبارات میں فحش تصاویر شائع کرنا قرآن کے مطابق منافقین کا رویہ ہے۔ یہ رویّہ مومنین صادقین کا نہیں جو ملکی سالمیّت اور معاشرے کی بہتری کے بھی خواہ ہوں۔

اختتام

اس ذکر کے بعد اہلِ ایمان کے عقائد و افکار کی پختگی کا ذکر ہوا اور اہلِ ایمان کی ایک صفت ذکر کی گئی کہ وہ دین کے معاملہ میں غلو اور مبالغہ نہیں کرتے بلکہ اعتدال و سلامتی کی راہ اپناتے ہیں اور اُن کا رب اِس کا اجرِ عظیم اُن کو آخرت میں مرحمت فرمائے گا۔

اِس ذکر کے ساتھ سورۃ کی تکمیل ہوئی اور آخری آیت میں حقوق العباد کا ذکر فرما کر یوں تنبیہہ فرمائی:

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

"اللہ تم سے اس لئے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے" (النساء:177)

سورہ المائدہ (۵)

نام

اس سورۃ کو دوسری سورتوں سے ممتاز و ممیز کرنے کے لئے اس کا نام "المائدہ" رکھا گیا ہے۔ اور یہ نام اسی سورۃ میں مذکور ایک واقعہ کی مناسبت سے ہے۔

زمانۂ نزول و شانِ نزول

جنگِ اُحد کے پریشان کُن حالات سے نکل کر جنگِ خندق کا ایک اور معرکہ مسلمان دیکھ چکے تھے۔ جس نے اہلِ عرب کے دل دہلا دیئے اور مسلمانوں کی دھاک دور دراز علاقوں تک بیٹھ گئی۔ جنگِ خندق کے بعد نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "کُفر والے اب ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے بلکہ اب ہم کُفار کا تعاقب کریں گے۔"

اسی دور میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو بتایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم مسلمان امن و امان کی حالت میں بیتُ اللہ کا طواف کر رہے ہیں' چنانچہ مسلمانوں نے عُمرہ کے لئے تیاری شروع کر دی۔ 6 ہجری کا واقعہ ہے کہ عمرہ کے لئے جانے والے مسلمانوں کو کُفارِ قُریش نے عرب روایات کے برعکس مکّہ میں طواف اور مناسکِ عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا۔ ردّو کد اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ مسلمان آئندہ سال عُمرہ اور زیارت کے لئے کعبہ آسکیں گے۔

احکام کے ذیل میں ابھی تک حج وغیرہ کے تفصیلی احکام نازل نہ ہوئے تھے۔ اس سورۃ میں مناسکِ عُمرہ اور حج کے علاوہ سفرِ حج کے آداب بھی تلقین فرمائے گئے تاکہ مسلمان پوری شان و شوکت اور اسلامی آداب کے ساتھ عمرہ ادا کریں۔ نیز کوئی مسلمان انتقامی طور پر عرب کے دیگر مشرک قبائل کو سفرِ حج کے دوران میں کسی قسم کی اذیّت نہ پہنچائے۔ یہ اس لئے کہ بہت سے عرب قبائل کو حج کے لئے مسلمانوں کے علاقوں سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ اور اب مسلمانوں کی حدود مملکت نجد' شام' مکّہ اور ساحلی علاقہ میں بحیرۂ احمر تک پھیل گئی تھیں۔ اب مسلمان شکست خوردہ نہیں بلکہ مسلسل جدوجہد اور سرفروشی کے باعث مختصر مدّت ہی میں عرب کا نقشہ بدلنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اب یہودی سازش کا دور گزر چکا تھا اور اس کی بجائے یہود کے بیشتر قبائل مسلمانوں کے باجگزار بن چکے تھے۔ نیز غزوۂ خندق کے بعد اہلِ عرب یقین کر چکے تھے کہ اسلام محض اعتقادات اور رسومِ عبادت کا نام نہیں بلکہ اسلام کی حکمرانی دلوں اور دماغوں کے ساتھ ساتھ اپنے ماننے والوں کی زندگی کے مختلف شعبوں پر بھی محیط ہو چکی ہے اور مسلمانوں کو یہ بات پوری شدّت سے بتادی گئی تھی کہ زندگی کے ہر شعبہ میں واضح احکام و ہدایات کے بعد ان عقائد و

اعمال میں کسی دوسرے مذہب کی رسوم کو اپنانے کی اجازت ہرگز نہیں۔ اسلام کا اپنا ایک ضابطہ حیات ہے اور ایک مستقل تہذیب اس کی پہچان ہے۔ عقائد و نظریات، عبادات و معاملات، معاشرت و تمدن وغیرہ ہر چیز دوسری قوموں سے جُدا اور ممتاز ہے۔ اسی طرح مسلم علاقوں میں مساجد کی تعمیر، نماز باجماعت کے لئے ہر بستی اور قبیلے کے لئے ائمہ کا تقرر، عدالتوں کے لئے دیوانی اور فوجداری قوانین کا نفاذ، خرید و فروخت کے معاملات میں اصلاحات، عائلی قوانین کے ذیل میں نکاح، طلاق کے ساتھ عمومی زندگی میں نشست و برخاست اور رہن سہن کے طریقوں کو باقاعدہ رواج دیا جا رہا تھا۔

تمدنی و تہذیبی تکمیل اور صلحِ حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے دینِ حق کے پرچار اور تبلیغ کے لئے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اب مُسلمانوں کو یہ مہلت میسّر آچکی تھی کہ وہ گردو پیش کے علاقوں میں دعوتِ حق کو پہنچائیں۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی دور میں ایران، روم، مصر اور دیگر علاقوں کے امراء و رؤساء کو خطوط کے ذریعے دینِ حق کی دعوت دی۔

مضامین

درج بالا حالات کی روشنی میں سورۃ کے مضامین کو یوں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(الف) مسلمانوں کو ہر شعبہ زندگی کے لئے ہدایات، سفرِ حج کے آداب، شعائرِ اسلامی اور زائرینِ کعبہ کے احترام کے ساتھ ساتھ خورد و نوش کے سلسلہ میں حلال و حرام کی تمیز، دورِ جاہلیّت کے من گھڑت رسوم و رواج کے خاتمے کے لئے واضح ہدایات اس سورۃ میں بیان کی گئی ہیں۔

(ب) اسی طرح معاشرتی زندگی میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت، جوا، شراب، چوری کی سزا، قسم کے کفّارہ اور قانونِ شہادت کے سلسلے میں ایک شق کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

(ج) عبادات کے ذیل میں وضو، تیمّم، غُسل اور نشے کی حالت میں نماز کے احکام کی تصریح کی گئی ہے۔

(د) سابقہ اُمّتوں کے احوال خصوصاً اقتدار کے نشہ کے باعث گمراہی کے تباہ کُن نتائج اور اثرات کا ذکر کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ عدل پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کا جو عہد و پیمان انہوں نے کیا ہے، اُسی پر قائم رہیں، نیز زندگی کے سارے معاملات میں احکامِ الٰہی کی پابندی کریں اور منافقت سے مکمّل طور پر اجتناب کریں، بصورتِ دیگر انجام پہلی قوموں سے مختلف نہ ہوگا۔

(ہ) شمالی عرب اور یہودی بستیوں پر مسلمانوں کی عملداری کے بعد یہود و نصاریٰ کو دعوت دی گئی کہ وہ نبیِ عربیؐ پر ایمان لائیں۔ اسی طرح بُت پرست اور مجوسی اقوام کو بھی راہِ راست (اسلام) اپنانے کی تلقین کی گئی۔

Marf

تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَوْفُوا۟ بِٱلْعُقُودِ ۚ أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ ٱلْأَنْعَٰمِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى ٱلصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ○

"اے ایمان والو! اپنے وعدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لیے تمام چوپائے اونٹ، بکری اور گائے (وغیرہ) حلال کیے گئے ہیں سوائے ان کے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ احرام کی حالت میں شکار کو حلال مت سمجھنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے" (المائدہ: 1)

ایفائے عہد

سورۃ کے آغاز میں وعدے کے ایفاء کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ

"جو شخص امانت کا پاس نہیں کرتا، اس کا ایمان نہیں اور جو شخص عہد کا پاس نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔" (بخاری)

یہاں عہد و پیمان کی اہمیت کا ذکر کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص وعدہ کر لینے کے بعد اس وعدہ کو پورا نہیں کرتا تو گویا اس شخص کا کوئی دین ہی نہیں۔ کیونکہ دنیا کا کوئی مذہب اور دین ایسا نہیں جس میں عہد و پیمان پورا نہ کرنے کی رخصت دی گئی ہو۔ اس مقام پر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص وعدہ کرتے وقت اس کے ایفاء کا عزم رکھتا ہو مگر کوئی ایسا شرعی یا اخلاقی عذر پیش آ گیا کہ وہ اس وعدہ کو پورا نہ کر سکا تو وہ اللہ کے ہاں مجرم نہ ہو گا۔ ایک حدیث میں عہد شکنی کو منافقت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد جانوروں میں سے حلال و حرام جانوروں کی تفصیلات مذکور ہیں اور نیکی و خیر کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز فرمایا گیا ہے کہ گناہ اور برائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی کسی صورت بھی معاونت نہ کی جائے۔ کیونکہ اب اسلامی نظامِ حکومت تکمیل کے مراحل طے کر چکا ہے اور کفر کی دنیا یہ سمجھ چکی ہے کہ مسلمانوں کو ہڑپ کرنا اور مٹانا ممکن نہیں۔

کُفار کی مایوسی

ارشادِ ربانی ہے:

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ

''آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہیں بلکہ مجھ سے ڈرو''۔(المائدہ:3)

اس وقت دنیا میں کوئی نظریۂ حیات 'کوئی دین' اور کوئی مذہب نہیں جو بحیثیت ایک نظریہ کے گردن تان کے اسلام کے سامنے کھڑا ہو سکے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا کرم اور انعام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دینِ اسلام کی تکمیل کا اعلان خالقِ کائنات نے خود فرمایا ہے۔

نعمتِ عظمیٰ۔ تکمیلِ دین 'آفاقیت 'ابدیت 'ختمِ نبوت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

''آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تُم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔'' (المائدہ:3)

دین مکمل ہوا اور اس طرح مکمل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی پوری نعمتیں جو بندوں پر نچھاور کی جا سکتی تھیں 'ان کے لئے انتخاب دین 'اکمالِ دین 'اور اتمامِ نعمت سب مرحلے بخیر و خوبی سرانجام پا گئے۔ اس کے ساتھ بطور پسِ منظر چند باتیں پیشِ خدمت ہیں 'اِن کے بغیر بات سمجھ میں نہیں آئے گی:۔

آفاقیت

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے بھی انبیاء مبعوث ہوئے 'وہ خاص علاقے 'خاص قوم اور مخصوص وقت کے لئے تھے۔ دیکھ لیجئے کہ انجیلِ مقدس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لئے آئے اور جب کنعان کی ایک عورت اپنا مسئلہ لے کر آئی تو اُنھوں نے معذرت کر دی کہ چونکہ تو کنعان سے آئی ہے اور تمہارا بنی اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں 'اس لئے میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے برعکس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے تشریف لائے۔ تمام قوموں کے لئے اور تمام ملتوں کے لئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" (الاعراف:158)

دوسری بات یہ کہ دین کو مکمل کر دیا گیا۔ قرآن سے پہلے جتنی بھی شریعتیں آئیں، وہ محدود لوگوں اور محدود زمانوں کے لئے تھیں۔ اس لئے ان کی مصلحتیں عارضی تھیں۔ وہ علاقائی اور قومی تھیں، اس لئے وہ مکمل نہیں تھیں۔ انسان ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے اس مرحلے پر آن پہنچا کہ خوشخبری کے انداز میں اُسے کہا گیا کہ "آج اللہ نے اپنا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا۔"

حکیمُ الاُمّت علامہ اقبالؒ نے فرمایا :

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را!
او رُسل را ختم ما اقوام را
خدمتِ ساقی گری باما گذاشت
داد مارا آخری جامے کہ داشت
حفظ سر وحدتِ ملت ازوست
حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست
تا ابد اسلام را شیرازہ بست

ابدیت

تیسری بات یہ ہے کہ اب آئندہ سے دین میں کوئی تبدیلی یا تحریف نہ ہو سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذِمّے لے لی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○

"ہم ہی نے قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اُس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" (الحجر:9)

اس کتاب کی حفاظت کی گئی اور یہ قرآن آج سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل سے بلا تحریف موجود ہے۔ جب یہ تین باتیں مکمل ہو گئیں تو چوتھی بات اس کا لازمی نتیجہ تھی کہ اب نبوت کی ضرورت نہیں رہی اس لئے کہ نبی مذکورہ بالا تین کاموں میں سے کسی کام کو پورا کرنے کے لئے آتے تھے:

1- دین کے کسی نامکمل حصے کو مکمل کرنے کے لئے۔

2- نبوّت خاص علاقے اور خاص وقت کے لئے ہوتی تھی۔ چنانچہ کسی خاص قوم یا کسی خاص وقت کے تقاضے ک
پورا کرنے کے لئے نبی بھیجا جاتا تھا۔

3- دین اور کتابِ الٰہی میں تحریف کردی جاتی تھی۔ اس تحریف کو ختم کرنے کے لئے نبی کو بھیجا جاتا تھا۔

اب یہ تینوں باتیں اس طرح ختم ہوگئیں:

1- دین مکمّل کردیا گیا۔

2- دین اور نبوتِ محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام خاص علاقے یا خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہونے کی بجا
آفاقی بنادی گئی یعنی اسلام کی یہ صورت پوری انسانیت کا کا دین قرار دے دیا گیا۔

3- دین کتابِ الٰہی اور پیغامِ الٰہی کی مکمّل حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی لے لیا تاکہ آئندہ اس میں کوئ
تحریف نہ ہوسکے۔

ان تینوں باتوں کے مکمل ہوجانے کے بعد اب نبوّت کی ضرورت باقی نہ رہی۔

ختمِ نبوت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

"محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے والد نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور
تمام انبیاء پر مہر ہیں"۔(الاحزاب:40)

یہ چاروں امر قرآنِ مجید سے ثابت ہیں۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی جب تک سلسلۂ انبیاء کی تکمیل ہوگئی اور دین کامل کی شکل میں اسلام کو پسند فرمالیا تو بلاشک وشبہ یہ بات پورے دعوے کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ "دنیا میں اس وقت صرف ایک ہی دین ایسا ہے جو بحیثیت مجموعی ایک مکمّل اور جامع اجتماعی نظام ہے۔ یعنی دنیا میں اور کوئی دین ایسا موجود نہیں جو مکمل سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام پیش کرے اور اپنی جامعیت اور کاملیت کا دعویٰ بھی کرسکے۔ یہ صرف اسلام کا اعجاز ہے کہ وہ پوری زندگی کے لئے ایک ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے۔ دنیا میں آپ کسی بھی مذہب کو اختیار کریں۔ اس میں آپ کو صرف چند عقائد و عبادات اور انفرادی مذہبیت کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔ مزید برآں اجتماعی زندگی میں اس کا شائبہ تک نہیں ہوگا۔

.com

صرف اسلام بحیثیتِ نظام موجود ہے

راقم کو بارہا یورپ اور امریکہ جانے کا اتفاق ہوا۔ عیسائی دنیا صرف اس حد تک عیسائی ہے کہ وہ اتوار یعنی ہفتہ میں ایک مرتبہ چرچ چلے جاتے ہیں۔ انھیں عملی زندگی میں پورے کا پورا نظام مادی فلسفہ زندگی سے لینا پڑتا ہے۔ سیاسی نظام اُنھیں انسانوں کے گھڑے ہوئے فلسفہ مادیت سے لینا پڑتا ہے۔ معاشی نظام کے طور پر انھیں سرمایہ دارانہ نظام اپنانا پڑتا ہے۔ حد یہ ہے کہ عدالتی نظام بھی انھیں انسانوں کے مادہ پرستانہ قانون ساز اداروں سے لینا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت کی موجودہ شکل میں پوری عیسائیت کے پاس کوئی سیاسی نظام' معاشی نظام یا معاشرتی نظام موجود نہیں۔ یہ انسانیت کی بد نصیبی ہے کہ آج لوگوں کی اکثریت ایسے مذاہب کے ساتھ وابستہ ہے جن کا کوئی اجتماعی نظام نہیں کیونکہ اسلام کے علاوہ دنیا میں جتنے بھی دین موجود ہیں' وہ صرف انفرادی زندگی تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کا اجتماعی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ صرف اسلام ہے جو ہمیں ایک مکمل دین کی شکل میں ایک مکمل سیاسی' معاشی اور سماجی نظام پیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید اس ارشاد کے ذریعہ عالم انسانیت کو خبردار کر رہا ہے بلکہ خوشخبری سنا رہا ہے کہ دین و دنیا کی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کے لئے اس کائنات کے خالق نے اس نظام اور دین کو پسند کر لیا ہے اور اسلام بحیثیت مکمل شریعت کے آج ہمارے سامنے موجود ہے جس کی حفاظت کا ذمّہ بھی اس کو پسند کرنے والے نے خود ہی لے لیا ہے۔

احکامِ شریعت نعمتِ الٰہی ہیں نہ کہ سبب پریشانی

قرآنِ پاک میں اعتقادی و نظریاتی طہارت و پاکیزگی کے پہلو بہ پہلو ظاہری طہارت کے احکام بھی مذکور ہیں سورۃ مائدہ میں وضو' غسل اور تیمم کا طریقہ بتایا گیا اور اس کے بعد وضاحت کر دی کہ اللہ تعالیٰ ان احکامات کے ذریعے انسانیت کو پریشان نہیں کرنا چاہتے بلکہ یہ اَحکام انسان کی بہتری بھلائی اور عمومی سہولت کے لئے دیئے گئے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○

"اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی تنگ نہیں کرنا چاہتا مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے' اور اپنی نعمت تم پر تمام کروے' شاید کہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔" (المائدہ:6)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت تم پر تمہیں تنگ کرنے کے لئے نافذ نہیں کی جا رہی بلکہ یہ تو تمہاری زندگی کو مزید آسان اور حسین بنانے کے لئے نافذ کی جا رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ہمیں چار فوائد حاصل ہوتے ہیں:

fat.com

دل و دماغ کی پاکیزگی۔
عملی زندگی اور خصوصاً حقوق العباد میں معاملات و اخلاق کی پاکیزگی۔
حکمتِ الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ اس کے بندوں کو نفاذ شریعت کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نعمتیں میسر آسکیں۔
اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ سے زیادہ شکر گزار بندے بن سکیں۔

مقاصدِ شریعت

شریعت کے پانچ مقاصد ہیں۔ یہ انسان کی پانچ اہم ترین ضرورتوں کو پورا کرنے یا بالفاظ دیگر پانچ اُمور کی حفاظت سے متعلق ہیں:

1- انسانی جان کی حفاظت۔
2- انسانی آبرو کی حفاظت۔
3- انسانی مال کی حفاظت۔
4- انسانی عقل کی حفاظت۔
5- انسان کے دین کی حفاظت۔

جان' عزت اور مال کی حفاظت تو واضح ہے۔ عقل کی حفاظت سے مُراد یہ ہے کہ فکر اور سوچ پر کوئی پہرے نہ ہوں۔ یعنی آزادی تحریر و تقریر۔ آخر میں دین کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنا دین' اپنی اپنی سوچ کے مطابق اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کو زبردستی یا لالچ دے کر مسلمان نہیں بنا سکتا۔ ایک شخص ہندو' سکھ یا عیسائی ہے اور اسلامی معاشرے کا رکن ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دین پر قائم رہے' اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرے' اور جس طرح چاہے انفرادی زندگی گزارے۔ یہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔ اس کے دین کے اعمال میں کوئی شخص اگر رکاوٹ ڈالے گا تو اسلامی حکومت اس کا راستہ روکے گی۔ اس کا ہاتھ پکڑے گی اور اگر کوئی اس کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کرے گا یا لالچ کے ذریعے اس کا مذہب تبدیل کرے گا تو اسلامی حکومت اسے سزا دینے کی مجاز ہو گی اور اگر کچھ آوارہ منش لوگ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو گرانا چاہیں تو اسلامی حکومت اس کا سختی سے نوٹس لے گی خواہ وہ غیر مسلموں کی عبادت گاہ گرانے والے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ شریعت کے مقاصد ہیں ۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور سزا

آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا لیکن انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا وہ عہد یہ تھا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ
اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ○
فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ

"اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کئے تھے اور اُن سے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوۃ دیتے رہے' میرے رسولوں کو مان کر اُن کی مدد کی اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے زائل کردوں گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس کے بعد تم میں سے جس نے کُفر کی رَوش اختیار کی تو بلاشبہ وہ سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ یعنی اس نے راہِ اعتدال چھوڑ دی۔ پھر یہ کہ انہوں نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور اُن کے دل سخت کر دیئے۔" (المائدہ:12-13)

پاکستانی مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ

اللہ تعالیٰ دراصل ایک عہد لیتا ہے یا ہم اللہ کے سامنے ایک عہد کرتے ہیں اور وہ اس عہد کو قبول کرتا ہے اور اس عہد کے تحت نعمتیں برسا دیتا ہے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے کوئی اس عہد پر قائم نہ رہے تو پھر عذاب کی صورت سامنے آتی ہے۔ راقم یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہے کہ ہم نے ایک قوم کی حیثیت سے 1947ء میں اللہ سے ایک عہد کیا تھا اور وہ عہد یہ تھا: پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ! اس عہد کے نتیجے میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ ملک عطا کر دیا۔ ایسا ملک جس میں دنیا کی ہر نعمت موجود ہے۔ لیکن معلوم یوں ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم نے اس عہد کو فراموش کر دیا۔ جس کے دو نتائج ہمارے سامنے آئے: ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور پھینک دیئے گئے' دوسری یہ کہ ہمارے دل سخت ہو گئے۔ اب ہم خود قرآن پڑھتے ہیں تو ہمارے دلوں پر اثر نہیں ہوتا۔ قرآن پڑھ کر اوروں کو سناتے ہیں تو دل اثر قبول نہیں کرتے۔ یوں لگتا ہے کہ دل سخت ہو گئے اور یہ دلوں کا سخت ہو جانا بدعہدی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس عمومی ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بطور تمثیل بیان فرمایا ہے تاکہ سب آنے والی قومیں اس سے عبرت حاصل کریں۔

fat.com

یہود کا ایک اور عبرت انگیز واقعہ

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ أَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى إِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَإِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَإِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَإِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَإِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى إِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ أَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝

قَالَ رَبِّ إِنِّيْ لَآ أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِيْ وَأَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"(یاد کرو) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کی تھی۔ اس نے نبی پیدا کئے، تم کو فرمانروا بنایا (پوری قوم کو بادشاہ بنا دیا (یہاں پر یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی نظام میں پوری قوم بادشاہ ہوتی ہے اور بادشاہ پوری قوم کا نمائندہ ہوتا ہے۔ مزید فرمایا کہ) تم کو وہ کچھ دیا جو کسی قوم کو نہ دیا تھا۔ اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے۔ انہوں نے جواب دیا: اے موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں، ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ ہاں اگر وہ نکل گئے تو ہم داخل ہونے کو تیار ہیں۔ ان ڈرنے والوں میں سے دو شخص ایسے بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ان جبّاروں کے مقابلے کے لئے

Marf

دروازے کے اندر گھس جاؤ۔ جب تم اندر پہنچ جاؤ تو تم ہی غالب ہو گے۔ اللہ پر بھروسا رکھو' اگر تم مومن ہو۔ لیکن انہوں نے پھر یہی کہا کہ اے موسیٰ ہم وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک کہ وہ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو' ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرے رب! میرے اختیار میں سوائے اپنی ذات اور اپنے بھائی کے کوئی نہیں۔ پس تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کردے۔ اللہ نے جواب دیا کہ اچھا! تو پھر وہ ملک چالیس (40) سال تک کیلئے ان پر حرام ہے۔ یہ زمین پر مارے مارے پھریں گے مگر ان نامرادوں کی حالت پر ہرگز ترس نہ کھانا۔"
(المائدہ:20-26)

یہ بنی اسرائیل کا قصہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری داستان بھی ایسی ہی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر نعمتیں نازل فرمائیں' ان میں انبیاء مبعوث کئے' ان میں سے بادشاہ مقرر فرمائے یعنی ان کو فرمانروا بنادیا۔ لیکن وہ کام جو اللہ نے ان کے ذمہ لگایا تھا یعنی دین کو سمجھنے سمجھانے' عمل کرنے اور نافذ کرنے کا کام اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو پکا پکایا رزق عطا کیا اور ان کی تمام دیگر ضرورتیں پوری کیں' وہ کام انہوں نے نہ کیا بلکہ اس سے صاف انکار کردیا۔ ظالموں نے یہ کہا کہ رزق کمانے کا ذمہ تو ہم خود لیتے ہیں' جہاں تک یہ دین سیکھنے سکھانے اور تبلیغ دین کا معاملہ ہے تو یہ آپ کا نبی جانے۔ اُنہوں نے ترتیب الٹ دی۔ یعنی جو کام اللہ تعالیٰ نے ان کے ذِمّہ لگایا' وہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے ذمہ ڈال دیا اور جو کام اللہ نے اپنے ذمہ لیا تھا' وہ انہوں نے اپنے ذِمّہ لے لیا۔ اس ترتیب کے اُلٹ جانے کی وجہ سے اللہ کے نبی کو پریشانی ہوئی اور انہوں نے اس قوم سے اپنی برات کا اظہار کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے چالیس سال تک ان لوگوں کو اس صحرا میں یوں قید کردیا کہ وہ صحرا میں مارے مارے پھرتے۔ وہ سفر کے لئے کوئی منزل متعین کرتے' اس منزل کی جانب سفر کرتے' سارا دن گھوم پھر کر انہیں پتا چلتا کہ جہاں سے چلے تھے پھر وہیں آن کھڑے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں نے اپنی منزل کھوئی کرلی۔

پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل نے ترتیب الٹ دی تھی۔ اطاعت اور جہاد کا راستہ چھوڑ بیٹھے تھے جس کے نتیجہ میں وہ عرصہ دراز تک ذلت کا شکار رہے۔ اس واقعہ میں ہم مسلمانوں کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ اگر تم بھی اطاعت وجہاد کا رستہ چھوڑ دو گے تو تمہارا انجام ان سے مختلف نہ ہوگا۔

تعزیرات کا فائدہ

ایسے پسماندہ معاشرے میں جہاں قوم کے افراد مختلف بے ضابطگیوں' جرائم اور گناہوں کا شکار ہو جاتے ہیں مثلاً چوری' ڈکیتی اور قتل وغارت وغیرہ' ان کے لئے اس مقام پر چند حدود اور تعزیرات کا ذکر فرمایا کیونکہ حدود و تعزیرات کے نفاذ سے معاشرے میں جرائم کا انسداد کیا جاتا ہے۔ ڈاکو اور راہزن کے لئے سزا کا یوں ذکر ہوا:

إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

"جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں' ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں' یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں' یا وہ جلا وطن کر دیئے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے اس سے بھی بڑی سزا ہے"۔ (المائدہ:33)

اس مقام پر یہ سزا اور قرآن مجید میں مختلف مقامات پر جن تعزیرات و حدود کا ذکر ہے' یہ سب اجمالی ہیں۔ حالات کی مناسبت اور جرم کی نوعیت کے مطابق قاضی مجرم کو ان حدود سے زائد سزا دے سکتا ہے تاکہ جرائم کا استیصال کر کے پرامن اور صالح معاشرہ تشکیل دیا جاسکے۔ اسی لئے قرآنِ مجید نے اس کے فوری بعد تائب ہو جانے والے مجرموں کے ذکر کے بعد فرمایا کہ "اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس ساری بات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اسلامی حدود کا اصل مقصد صالح معاشرے کی تشکیل ہے۔ دورِ حاضر میں ان سزاؤں کو وحشیانہ کہنے والوں کو یہ دیکھنا چاہئے کہ معاشرے میں چند اوباش اور بدقماش لوگ کس طرح سارے نظام اور معاشرے کا سکون غارت کرتے ہیں۔

چوری کی حد

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ

"اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت' ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ ان کے فعلوں کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے۔" (المائدہ:38)

یہاں پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ دنیا میں جب کبھی اور جہاں کہیں بھی اسلامی حدود و تعزیرات کا نفاذ ہوا ہے' انسان نے سکھ کا سانس لیا ہے اور جرائم بالکل ختم ہو کر رہ گئے اور انتہائی امن و سکون کا دور دورہ ہو گیا۔ سعودی عرب کے نظام میں صرف حدود اللہ کا نفاذ ہی ایک ایسا اہم سبب ہے جس کی وجہ سے وہاں پر جرائم کی نسبت پوری دنیا کے مقابلہ میں کم سے کم ہے۔ اب بھی لوگ دکانوں کو کھلا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں' رات کے پچھلے پہر شاہراہوں کے کنارے لوگ گاڑیاں سڑک کے کنارے پارک کر کے سو جاتے ہیں اور انہیں کسی چور چکار کا ڈر نہیں ہوتا۔

.com

اس کے بعد یہودیوں اور مومنوں کی صفات کا تقابلی جائزہ بھی ہے۔ اس مقام پر اگر ہم بنظرِ غائر جائزہ لیں تو یوں محسوس ہو گا کہ یہودیت اور منافقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

دین کے کام پر اِتراتے کی بجائے شُکر کرنا چاہیے

اس مقام پر مومنین کی کچھ صفات بیان کی ہیں اور اس سے قبل یہ بھی کہ دیا ہے کہ تم میں سے جو دین چھوڑ کے جانا چاہے' تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پرواہ نہیں۔ تمہیں تو اسلام کی ضرورت ہے لیکن اسلام کو تمہاری بالکل ضرورت نہیں۔

؎ منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بہ خدمت بداشت

یعنی اگر تم مسلمان ہوئے تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا تم پہ احسان ہے لیکن مسلمان ہو کر تمہارا اللہ پر کوئی احسان نہیں۔ تم نے دیکھا کہ اُندلس میں اللہ تعالیٰ نے عربوں کو نکال باہر کیا اور وہی تاتاری جنہوں نے پورے عالم اسلام کو روند ڈالا تھا' وہ انہی دنوں ایشیا سے مشرقی یورپ میں داخل ہو گئے اور پھر ایک عرصہ دراز تک انہوں نے کعبہ کی پاسبانی بھی کی۔ یہ واقعہ اسی دور کا ہے کہ عربوں سے امامت چھین کر تاتاریوں کو دے دی گئی۔ یہی تاتاری تھے جنہوں نے ترکانِ عثمانیہ کی شکل میں پانچ سو سال تک مشرقی یورپ میں خلافت قائم کئے رکھی۔ یہی تاتاری تھے جنہوں نے مغلوں کی شکل میں ہندوستان میں اسلام کا پرچم بلند کئے رکھا۔

بقول حکیمُ الاُمّت علامہ اقبالؒ ؎

؎ ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اس بات پر اِترانا نہیں چاہئے کہ ہم دین کا کام کر رہے ہیں بلکہ اس امر پر رب جلّ شانہٗ کا شُکر بجالانا چاہئے کہ اس نے ہم کو دین کا کام کرنے کی توفیق عنایت فرمائی ہے۔

مومنین کے اوصاف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ

fat.com

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے تو پھر جائے' اللہ تعالیٰ بہت سے اور ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ ان کا محبوب ہو گا جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے' عطا کرے۔ اللہ وسیع الشان ذرائع کا مالک ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔'' (المائدہ:54)

اس آیتِ مبارکہ میں اہلِ ایمان کی چھ صفات بیان کی گئی ہیں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے نیازی کا اظہار کیا کہ تمہیں اگر دین نہیں چاہیے تو جاؤ اپنی راہ ماپو' ہمیں اس راستے میں مخلص لوگ درکار ہیں۔ پھر ہم تمہاری بجائے دین کی امامت ان لوگوں کو دیں گے جن میں یہ صفات ہوں گی کہ

اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔

آپس میں نرم خو ہوں گے۔

ہاں ان کی قوت و بہادری کا سکہ کُفّار بھی محسوس کریں گے۔

وہ کُفّار پہ سخت گیر ہوں گے۔

وہ زندگی اس جدوجہد میں گزاریں گے کہ اللہ کے دین کو سمجھنا اور سمجھانا ہے۔ اس کے دین کو نہ صرف اپنے اوپر نافذ کرنا ہے بلکہ دنیا پر بھی نافذ کرنا ہے۔

اس معاملے میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ ان کا معاملہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہو گا۔ انہیں صرف اللہ کا خوف اور لحاظ ہو گا' اس معاملے میں وہ اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

آگے چل کر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے ایک اہم بات ارشاد فرماتے ہیں۔ اے کاش! کسی طرح یہ بات ہمارے دلوں میں بھی اتر جاتی۔

کرنے کا اصل کام۔ نفاذ شریعت

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

''ان سے کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ (تم ہرگز کسی اصل پر نہیں) جب تک کہ تم تورات اور انجیل اور اس کتاب کو جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے' نافذ نہ کرو'' (المائدہ:68)

قرآنِ مجید سابقہ تمام کُتب کا نچوڑ ہے تمام سابقہ دینی اور آسمانی کتب میں جو کچھ بھی آیا ہے' وہ سب کا سب

Marf

اسی کتاب میں آگیا ہے۔ اسی لئے قرآنِ مجید کے نفاذ میں تورات و انجیل کے نفاذ کا ذکر ضمناً شامل کر دیا گیا ہے۔
معلوم ہوا کہ اصل چیز اللہ کے احکام نافذ کرنا ہے' اپنے آپ پر اور دوسروں پر۔ یہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ طریقت کی اصل بنیاد بھی نفاذِ شریعت ہے۔ تنہا طریقت کا کوئی ٹھکانا نہیں' اگر اس میں تورات' انجیل یا قرآن میں ذکر شدہ شریعت کا کوئی نفاذ نہیں۔ تورات کے احبار ہوں' انجیل کے رہبان یا پھر اسلامی دنیا کے مشائخ' نفاذِ شریعت کے بغیر کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔ جب نفاذ کی بات آئی تو ظاہر ہے کہ دنیا کی بے شمار ایسی چیزیں ہوں گی جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

حُرمتِ شراب اور جواء

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○
اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي
الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' یہ شراب' جوا اور پانسے' یہ سب شیطان کے کام ہیں' ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے اندر بغض اور دشمنی ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد یعنی نماز سے غافل کر دے۔ کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مانو اور باز آجاؤ۔ اگر تم نے نافرمانی کی تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول پر بس صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔" (المائدہ:90-92)

(یہ شراب' جوا اور یہ پانسے وغیرہ سب کام اللہ تبارک و تعالیٰ نے حرام قرار دے دیئے بلکہ حرام سے زیادہ سخت لفظ استعمال کیا کہ "یہ گندگی" ہے۔ گندگی کو حرام کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن و حدیث میں کہیں بھی نہیں لکھا گیا کہ پیشاب اور پاخانہ حرام ہے۔ اسی بات کو مدِ نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے کہ بعض دفعہ لوگ پوچھتے ہیں کہ شراب کے لئے تو حرام کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ حرام سے بھی زیادہ سخت لفظ استعمال ہوا ہے۔)

انسانی نفسیات۔ گمراہی کے اسباب

اس مقام پر قرآنِ مجید صرف حرام چیزوں کی نشاندہی کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ انسانی نفسیات کا خوبصورت

تجزیہ کرتے ہوئے گمراہی کے اسباب بھی بیان کرتا ہے۔

پہلا سبب: جمہوریت

ایک سبب یہ کہ کسی عمل کو کثیر لوگ کریں تو اسے ٹھیک سمجھ لیا جائے اور آج کے دور میں یہی راگ الاپا جاتا ہے کہ اکثریت کی رائے کو درست تسلیم کیا جائے' جبکہ یہ بات امرواقعہ اور حقیقت کے برعکس ہے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی گئی ہے۔ جس کا تذکرہ آئندہ ایک مقام پر ہو گا انشاء اللہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کثرت اور کثرت رائے کو معیار حق نہیں سمجھتا۔ اس کے ساتھ قرآنِ مجید نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اعلان بھی کروا دیا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؏

"اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہ دو! کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو' پس اے لوگو! جو عقل رکھتے ہو اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو' تقویٰ اختیار کرو' امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔" (المائدہ:100)

معلوم ہوا کہ اگر ایک طرف اکیاون لوگ ہیں اور دوسری طرف انچاس تو اکیاون ہاتھوں کا ہر حال میں درست اور صحیح ہونا ضروری نہیں۔

؎ پہلے ہر بات پہ ہم سوچتے تھے
اب فقط ہاتھ اُٹھا دیتے ہیں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

اقبال نے جمہوریت کے بارے میں مزید فرمایا ہے:

؎ جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے

نیز اقبال ہی کا کہنا ہے:

؎ دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

یہ ضروری نہیں کہ اکیاون ہاتھ جو انچاس کے مقابلے میں بظاہر بھاری ٹھہرے ہیں' ان سب لوگوں نے پوری

.com

طرح بیداری کے عالم میں کھڑے کئے ہوں۔ دیکھ لینا چاہئے کہ ان میں سے کتنے لوگ بیداری کے عالم میں ہیں اور کتنے نیم خوابی کے عالم میں۔ اس لئے مطلقاً کثرت معیارِ حق نہیں۔

دوسرا سبب: رسوم و رواج

گمراہی کا دوسرا سبب آباؤ اجداد کے رسوم و رواج ہیں۔ یعنی ہمارے باپ دادا جو کرتے چلے آرہے ہیں' ہم وہی کریں گے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ باپ دادا بھی اتنے ہی ذہین و عقلمند ہوں جتنا کہ ہم ہیں اگر خدانخواستہ وہ بھی اتنے ہی جاہل ہوں جتنا کہ ہم ہیں اور انہوں نے بھی اپنے آباؤ اجداد کی ایسی ہی اندھی تقلید کی ہو جیسا کہ ہم کر رہے ہیں' تو پھر کیا ہو گا؟ اگر ان میں بھی عقل و ہدایت نہ ہو تو پھر کیا کریں گے؟ اس لئے کسی کی بھی اندھی تقلید' خواہ وہ آباؤ اجداد ہی کیوں نہ ہوں' اسلام میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی گمراہی کا ایک سبب ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○

"اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی اور رسولُ اللہ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' وہی ہمیں کافی ہے۔ بھلا اگر ان کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں اور نہ سیدھے راستے پر ہوں (تب بھی؟)" (المائدہ: 104)

تیسرا سبب: عیب چینی

تیسری بات جسے اسلام نے گمراہی کا سبب قرار دیا ہے' وہ یہ ہے کہ انسان اپنی فکر کرنے کی بجائے دوسروں کے پیچھے پڑ جائے۔ ان کے عیب کھوجتا پھرے۔ اس کو مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ "تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو"

قرآنِ مجید نے اس بات کو کس قدر عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اپنی فکر کرو' کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہِ راست پر ہو اور اللہ کی طرف تم سب کو پلٹ کے جانا ہے پھر وہ بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو؟"

(المائدہ: 105)

یعنی راہِ حق بتا دو' بات کھول کے بیان کر دو۔ اس کے بعد تمہاری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اب کوئی شخص اُسے اپناتا ہے تو بہت اچھا ورنہ اُسے اللہ کے ہاں خود جواب دہ ہونا پڑے گا۔ تمہیں جتھے بندی کرنے یا ڈنڈا لے کر اس کے پیچھے پڑنے کا حق نہیں پہنچتا ہے۔ تم اگر اس کے خلاف فسق و فجور یا کفر کا فتویٰ دو گے تو تم قوم کو تقسیم کرنے کا موجب بنو گے اور یہی بات گمراہی کا ذریعہ بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا تینوں باتوں سے روکا ہے۔

fat.com

ایک معجزہ- آسمانی دستر خوان

اس سورۃ میں ایک معجزے کا ذکر ہے یعنی مائدہ (دستر خوان) کا نازل کیا جانا اور یہی اس سورۃ کا نام بھی ہے۔ بنی اسرائیل نے اللہ کے نبی سے یہ مطالبہ کیا کہ ایک دستر خوان (مائدہ) ان پر نازل ہو' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی دعوت عام ہو۔ تو اللہ کے نبی نے کہا کہ معجزہ تو پورا ہو جائے گا لیکن اگر معجزے کے ظہور کے بعد تم میں سے کسی نے حق سے انکار کیا تو پھر ایسی عبرتناک سزا ملے گی کہ اس سے پہلے کسی کو ایسی سزا نہیں ملی ہو گی۔ دراصل معجزے کی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

معجزے کی حقیقت

پہلی بات تو یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا دور حسّی معجزوں کا دور ہے۔ ایسے معجزے جو حواسِ خمسہ سے محسوس کئے جائیں جیسے مائدہ' لاٹھی کا سانپ بن جانا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں لوگوں کا شفایاب ہو جانا وغیرہ۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حسّی معجزات تو موجود ہیں لیکن اصل زور حسّی معجزے کی بجائے علمی، عقلی' روحانی اور معنوی معجزات پر ہے۔ آپ قرآنِ مجید کو دیکھ لیجئے۔ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ کائنات کی تاریخ کا سب سے عظیم اور دائمی معجزہ ہر شخص کے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ یوں ہم کہ سکتے ہیں کہ انسانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہ ذوق اور معیار بدلتا گیا۔

ایک سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ قوم جو معجزے طلب کرتی ہے' وہ معجزے کی بنیاد پر کبھی دین کو قبول نہیں کیا کرتی۔ تاریخ اس بات پہ شاہد ہے کہ یہ لوگ معجزے کو بعد میں جادو قرار دے دیتے ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ معجزہ قبولِ دین کا ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ معجزہ ان لوگوں کے لئے ہوتا ہے جو پہلے سے دین قبول کر چکے ہوں اور جب معجزہ ان کے پاس آتا ہے تو ان کے دین و ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نزولِ مائدہ کے باوجود بھی بنی اسرائیل نے کٹ حجتی جاری رکھی جس کے وبال کا ان کو شکار ہونا پڑا۔

نجات کی راہ-- سچائی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ

"اللہ فرمائیں گے کہ آج وہ دن ہے کہ سچے لوگوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ پہنچائے گی۔ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ تک ان میں بستے رہیں گے" (المائدہ:119)

گویا آخرت میں نجات کا ذریعہ دنیا میں راست بازی کی زندگی گزارنا ہے۔

.com

سورہ الانعام (۶)

نام

اس سورۃ میں "مویشیوں" کے حلال و حرام کا تذکرہ ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "الانعام" رکھا گیا ہے۔ "الانعام" کا معنی ہے چوپائے، مویشی۔

مکی اور مدنی سورتیں

زمانۂ نزول اور شانِ نزول کے تذکرے سے پہلے مکی سورتوں کی وجہ تسمیہ اور اُن کے خصائص پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

مکی سورتیں وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرت سے قبل نازل ہوئیں۔ جو سورتیں سفرِ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، اُنہیں مدنی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں میں مضامین کے اعتبار سے یوں فرق کیا جا سکتا ہے کہ مکی دور دراصل نبوت اور دینِ اسلام کے تعارف کا دور ہے۔ اس دور میں مبادیاتِ دین کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ مثلاً

(الف) شرک اور توحید کا اس انداز سے بیان کرنا کہ شرک کی قباحت اور اُس کا بطلان از خود واضح ہو جائے اور توحید کے فضائل و برکات کا اس انداز سے تذکرہ کرنا کہ فطرتِ انسانی اس کے قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔

(ب) موت اور مابعدُالموت زندگی کا حق ہونا اور اس باطل نظریہ کی تردید کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی نہیں۔

(ج) رسومِ جاہلیت اور توہمات کی تردید اور اسلام کے اخلاقِ حسنہ کی تبلیغ، تاکہ انہی خطوط پر آئندہ معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔

(د) نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق اور رسالت پر اعتراضات کی تردید اور متکبرین و مخالفین کو اُن کی ہٹ دھرمی پر زجر و توبیخ، نیز مسلمانوں کو دعوتِ دین کے فوری اثرات کے ظاہر نہ ہونے پر تسلی دینا۔

ایک طالبِ علم جب مکی دور میں نازل ہونے والی سورتوں اور آیات کی اس خصوصیت کو جان لیتا ہے تو قرآن مجید کے اسلوب کو سمجھنا از خود آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس مدنی دور میں نازل ہونے والی آیات اور سورتوں میں احکام اور اصولِ جہانبانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مدنی دور کی آیات اور سورتوں کے نزول کے دور کا تعین نسبتاً آسان اور مکی دور کی تعلیمات کے دور کا تعین قدرے مشکل ہوتا ہے۔ البتہ آسانی کی خاطر ہم نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مکی زندگی کو مختلف ادوار میں یوں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

(1) آغازِ نبوت کے دور میں دعوتِ توحید انفرادی اور خفیہ تھی۔

(2) اس کے بعد پیغامِ توحید کو علانیہ پہنچانے کا حکم دیا گیا اور یہ زمانہ بعثت کے بعد چوتھے سال سے شروع ہوتا ہے۔

fat.com

اسی دور میں مخالفت اور ظلم و ستم کا آغاز ہوا۔

(3) تیسرا دور سیّدہ خدیجہؓ اور ابو طالب کے انتقال کے کچھ عرصہ پہلے کا دور ہے۔ جس میں مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت مل گئی۔

اسی دور میں خاندانِ نبوی اور مسلمانوں کو شعبِ ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔

(4) اس دور کے بعد آپ نے مضافاتِ مکّہ میں پیغام حق پہنچانے کے لئے سفر کئے۔ طائف کا سفر بھی اسی دور میں ہوا۔ بایں ہمہ اب مکّہ میں رہنا مسلمانوں بلکہ خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ کفارِ مکہ آپ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے مگر

؎ تدبیر کند بندہ ، تقدیر زند خندہ

کے مصداق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے انصارِ مدینہ کے دلوں میں محبّت پیدا کر دی اور اسلام کی نشرو اشاعت کے لئے مدینہ منورہ میں ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد رکھ دی گئی۔

اس تفصیل کے بعد ہم اس سورۃ کے زمانۂ نزول، شانِ نزول اور مضامین کا ذکر یوں کر سکتے ہیں:۔

زمانۂ نزول

اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ مکّہ میں اس سورۃ کے نزول کے وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُونٹنی پر سوار تھے اور میں نکیل تھامے ہوئے تھی۔ نزولِ وحی کے بوجھ سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اونٹنی کی ہڈیاں چیخ رہی ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ مکمّل سورۃ ایک ہی وقت میں مکّہ میں نازل ہوئی اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی رات اس کو لکھوا دیا۔

شانِ نزول اور مضامین

سورۃ کے مضامین کی تفصیل سے اس سورۃ کی شانِ نزول از خود معلوم ہو جاتی ہے کہ مکّہ کے کُفّار رَدّو اِنکار کی اس انتہا کو پہنچ چکے تھے کہ اگر کوئی شخص اسلام کی طرف مائل ہوتا یا اسلام قبول کر لیتا تو کُفّارِ قریش اس کو ہر طرح کی اذیّت پہنچاتے۔ مالی و معاشرتی مقاطعہ کے ساتھ ساتھ جسمانی اذیت کا کوئی سا بھی طریقہ ایسا نہ ہوتا، جو ان بے کس اور مظلوم مسلمانوں پر آزمایا نہ جاتا ہو۔ مسلمان اِن سب اذیتوں اور تکالیف کو برداشت بھی کرتے اور اس پیغامِ حق کو دوسرے افراد تک پہنچانے کے لئے کوئی سا بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ان کوششوں اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے نتیجے ہی میں مدینہ کے لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے اور مسلمانوں کو اُمید کی شمع روشن ہونے کی ایک سبیل نظر آئی۔

ایسے میں عقیدۂ توحید اور اس پر ثابت قدم رہنا، شرک کی بے ثباتی اور اُس کے تاریک اثرات، عقیدۂ آخرت اور مابعد الموت کے احوال اور اقوامِ سابقہ کے احوال کا ذکر کر کے مسلمانوں سے آخرت کے عظیم اجرو

Marf

ثواب کا وعدہ کیا گیا۔ اسی طرح دورِ جاہلیت کی معاشرتی برائیوں، نظریاتی آلودگی اور اولاد و اقرباء کے ساتھ روا رکھے جانے والے ظلم و ستم سے روکا گیا۔

سورۃ کے آخری حصے میں مشرکانہ رسوم کو خصوصیت سے بیان کیا (مثلاً نبیوں اور اولیاء کے نام منسوب کی گئی نذر و منت، غیر اللہ کے نام پر جانوروں کی نذر، اولاد کو بتوں کے نام پر قربان کرنا، اولاد کو افلاس و فقر کے خوف سے قتل کر ڈالنا وغیرہ) اور اُن کے باطل ہونے کی وضاحت کی گئی۔ اسی طرح معاشرتی زندگی مثلاً ناپ تول پورا کرنا، عدل، ایفائے عہد، گفتگو میں عدل و انصاف اور ایمان کے اجر و ثواب کی عظمت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کا خصوصی درس اس آیتِ کریمہ کو قرار دیا جا سکتا ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

"دیکھو یہ میرا سیدھا سیدھا راستہ ہے، اس کی پیروی کرو۔ اور (ادھر ادھر کے) راستوں کی پیروی نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے (صحیح) راستے سے بھٹک کر تم کئی گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ" (الانعام:153)

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ ربُّ العزت کی حمد و ثنا کے الفاظ سے اس سورۃ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سورۃ کے مباحث تقریباً سا
ہیں:

1- شرک کا ابطال یعنی شرک کو باطل ثابت کیا گیا۔

2- عقیدۂ آخرت کی تبلیغ۔

3- جاہلیت اور اس کے توہمات کی تردید۔

4- اصولِ اخلاق کی تلقین۔

5- اسلام پر اعتراضات کے جوابات۔

6- تبلیغ اور دعوت میں بار آور نتائج کا ظہور نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو تسلی۔

7- منکرین و مخالفین کو تنبیہہ و تہدید۔

ہم مختصر طور پر ان ساتوں موضوعات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ ایک اہم چیز آغاز ہی میں فرمائی۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۚ

"وہی اللہ ہے جو آسمانوں میں بھی اور زمینوں میں بھی (معبود) ہے۔" (الانعام:3)

ایک روح پرور منظر

انسان اگر غور سے اس کائنات کو دیکھے تو اسے ذرّے ذرّے میں اس جلّ شانہ' کی قدرت کا ظہور نظر آ
گا۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے جو حج کے ایّام میں نیند اور بیداری کے دوران میں وقوع پزیر ہوا۔

میں ان ایّام میں تیسری منزل پر کھڑا بیت اللہ شریف کے طواف کا منظر دیکھ رہا تھا' بڑا حسین اور روح پرور م
تھا۔ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کعبۃ اللہ کے گرد بیضوی شکل میں گھڑی کی سوئی کی مخالف سمت میں طواف ک
رہا تھا۔ اسی حالت میں اونگھ آ گئی۔ یوں محسوس ہوا کہ پوری دنیا کا ہر ذرہ اسی رخ پر اسی انداز میں طواف کر رہا ہے۔
زمین بھی سورج کے گرد اسی انداز میں طواف کر رہی ہے اور چاند تو ہے ہی زمین کے گرد۔ اسی طرح ہر ایٹم کے اند
الیکٹران اور پروٹان بھی اسی انداز میں حرکت کر رہے ہیں۔ پوری کائنات عجیب انداز میں ایک محبوب کے گرد طواف
کرتی نظر آئی۔

ے تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

Marf

اس وقت یہ آیت میرے ذہن میں آئی کہ "وہی اللہ جو آسمانوں میں بھی اور زمینوں میں بھی (معبود) ہے" اس کی بادشاہت، اُسی کی حکومت اور کرسی اور اُسی کا اقتدار ہر جگہ ہے اور ہر جگہ ہر چیز اس کے گرد گھوم رہی ہے۔

دلائلِ توحید

اس کے بعد توحید سے متعلق مضمون ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ

"ان سے پوچھو! آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے، وہ کس کے لئے ہے؟ کہو سب کچھ اللہ کا ہے"

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا (الانعام:12)

جب ہر چیز کا مالک و مختار اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر ان سے عقل کے تقاضے کے تحت ہی دوسرا سوال یوں کریں:

"کہو کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا سرپرست بنالوں؟" (الانعام:14)

اور یہی نہیں کہ وہ مالک ہے بلکہ اس کی عظمت و جلالت تو یوں ظاہر ہو رہی ہے کہ

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

"وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور وہی کھانے کو دیتا ہے جب کہ وہ خود نہیں کھاتا۔ کہو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب جہاں سے پہلے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں۔" (الانعام:14)

قدرتِ کاملہ کا ذکر

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور انسان کے عجز و درماندگی کے اظہار کے لئے یوں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

"اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچانا چاہے تو اس (اللہ) کے سوا کوئی نہیں، جو تمہیں نقصان پہنچا سکے اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں پر کامل اختیار رکھتا ہے۔" (الانعام:17)

توحید کے ان واضح دلائل و براہین کے بعد کلام کا رخ اُن منکرین کی جانب ہے، جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر یقین نہیں رکھتے یعنی آخرت کی زندگی کے منکر ہیں۔

Marfat.

نقصان اُٹھانے والے لوگ

اس لئے کہ انسان کی سب سے بڑی غایت اور خواہش اللہ ربُّ العزت سے ملاقات ہے۔ اس بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝

"نقصان میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے اپنی ملاقات کی خبر کو جھوٹ قرار دیا۔ جب اچانک وہ گھڑی آجائے گی تو یہی لوگ کہیں گے: افسوس! ہم سے اس معاملے میں کیسی تقصیر ہوئی۔ اور اُن کا یہ حال ہو گا کہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔" (الاعراف-31)

بات یہ ہے کہ ہم تو زندہ ہی اس لئے ہیں کہ اس سے ملیں گے:

؎ دیکھ لینے کو ترے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمارِ غمِ ہجر میں کیا رکھا ہے

زندگی اسی آس پر گزار رہے ہیں کہ اس سے ملاقات ہوگی۔ اس نے ایک جگہ فرمایا کہ اے انسان! تو تکلیفیں جھیل کے، مشقتیں اُٹھا کے اپنے پروردگار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یقین رکھ کہ اس سے ملاقات ہو جائے گی لیکن اس سے بڑا بدنصیب کون ہو گا جس کی منزل ہی نہ ہو اور وہ راہ بھی گم کر چکا ہو اور جب اسے یہ بتایا جا رہا ہو کہ میاں بہت جلد اللہ سے تمہاری ملاقات ہونے والی ہے اور وہ ملاقات جو طے تھی' اب اس کا وقت آنے والا ہے اور وہ اس بات کو سنجیدگی سے سننے' اس پر یقین کرنے اور ملاقات کی تیاری کی بجائے اس کے برعکس حرکتیں کرنے لگے۔ پھر جب اچانک اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا پڑے گا تو اس کی پیٹھ پر سوائے گناہوں کے بوجھ کے اور کیا ہو گا؟

دنیا کیا ہے؟

اس حقیقت کو یوں ظاہر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

"دنیا کی زندگی تو ایک کھیل (تماشا) ہے۔ حقیقت میں آخرت ہی کا مقام اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں۔ پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لو گے؟" (الانعام:32)

دنیا کی زندگی کو کھیل اور تماشا قرار دیا گیا۔ یہ بات کائنات کے بارے میں نہیں کہی کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ کائنات کو ہم نے عبث نہیں بنایا۔ تمہاری زندگی ایک فرصت امتحان ہے 'دار العمل ہے اور اس دار العمل میں ہم نے تمہیں کچھ کھلونے دیئے ہیں۔ اگر تم نے ان کھلونوں سے کھیلنے ہی میں زندگی خراب کر لی تو کیا حاصل؟

؎ تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

یہاں اس کھیل تماشے کے لئے لہو و لعب کا لفظ استعمال کیا گیا۔ حقیقت میں دنیا ایسے ہی ہے جیسے ایک سیریل ہو' ڈرامہ ہو' تھیٹر ہو۔ دراصل یہاں کوئی بادشاہ نہیں' کوئی وزیر' کوئی امیر اور کوئی غریب نہیں۔ اس ڈرامے میں بادشاہ شاہی لباس پہنتا ہے اور اس کے وہ سارے شاہی ٹھاٹھ باٹھ اور نخرے ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے بڑا بیوقوف کون ہو گا جو اپنے آپ کو ایسی حالت میں سچ مچ کا بادشاہ سمجھنا شروع کر دے کیونکہ حقیقت پسند انسان اس کو یہی کہے گا کہ بھئی! تم تو تھیٹر میں کھڑے تھے اور غیر حقیقی کردار ادا کر رہے تھے' تم نے اس کو مستقل کیوں جان لیا۔ جب ڈرامہ ختم ہو گیا تو وہ پوشاک اور لباس چھین لیا جائے گا۔ اب تم وہی ہو کیونکہ ڈرامے والی بادشاہت کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

پوری زندگی میں ہمیں وقتی طور پر جو امانتیں سپرد کی گئی ہیں' اگر غور کریں تو ان میں مال' دولت' وزارت' صدارت' امارت یہ تمام چیزیں بالکل ایسی ہی ہیں جیسا کہ ایک ڈرامے یا تھیٹر کے غیر حقیقی کردار۔ جب یہ ڈرامہ ختم ہو گا تو اس ڈرامہ کے موچی' نائی' تیلی اور ایک صدرِ مملکت میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ جب قبر میں جائیں گے تو یکساں ہوں گے۔ ایک ہی جیسے کفن میں لپٹے ہوئے۔ میر تقی میر نے اس بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

؎ کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر!
میں بھی کبھی کسی کا سر پرغرور تھا

اس ڈرامے میں وہ شخص جو وزیر بنا اور اس نے سمجھا کہ وزارت ہی مستقل چیز ہے یا پھر کوئی شخص امیر بنا اور اس نے سمجھا کہ امارت ہی مستقل چیز ہے تو وہ اتنا بیوقوف ہے جتنا کہ وہ شخص جو تھیٹر میں کھڑے ہوئے بادشاہ کا رول ادا کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے بادشاہ جان لے۔ فرمایا کہ یہ زندگی تو عارضی سا سودا ہے' آج ہے' کل نہیں ہو گی۔ یہ تو لہو و لعب ہے۔ اس لئے کہ ہم اس کھیل کے ذریعے سے تمہاری صلاحیتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان میں سے پلٹ کر تم ہماری طرف کیسے آتے ہو۔ اور پھر فرمایا کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

حقیقی زندگی اور حضورؐ کا ترانہ

مجھے یہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترانہ یاد آیا۔ آپ مسجدِ نبوی کی تعمیر کرا رہے تھے۔ گارا اور پتھر ڈھوتے ہوئے حضور اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین یہ پڑھتے جاتے۔

«اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْآخِرَۃِ

"اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت ہی کی زندگی ہے۔"

اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں اپنی آواز ملا کر یوں فرمایا:

فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ»

"اے اللہ! انصار اور مہاجرین دونوں کو بخش دے۔"

تو جینا تو دراصل وہ جینا ہے جب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں پہنچیں گے۔ اُس کے قُرب میں رہیں گے' اُسے دیکھیں گے کیونکہ اصلی زندگی تو محبوب کے قرب میں رہنا ہے۔ زندگی تو وصال کی زندگی ہے۔ بھلا فراق اور ہجر کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے؟ یہ تو جتنی جلدی بیت جائے' اسی قدر اچھا ہے۔ اس کو سب کچھ نہیں سمجھنا چاہئے۔ اس خود فریبی سے نکالنے اور حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے سابقہ اقوام کا ذکر یوں فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰھُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ ○
فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَھُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○
فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْھِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰٓی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً فَاِذَا ھُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○
فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ

"تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے۔ اور ان قوموں کو مصائب و آلام میں جتلا کیا۔ تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جُھک جائیں۔ پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو کیوں نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی۔ مگر ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو' خوب کر رہے ہو۔ پھر جب اُنہوں نے اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے اُن پر کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جو ان کو عطا کی گئی تھیں' خوب مگن ہو گئے۔ تو اچانک ہم نے اُنہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ ہر خیر سے

مایوس تھے۔ اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کے رکھ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا۔" (الانعام:42-45)

یہاں واضح کر دیا کہ زندگی اس طرح سے گزارنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ کیونکہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ اور اس دنیا میں جو کچھ بھی دیا گیا ہے بطورِ امانت دیا گیا۔ اب ان معمولات کے دوران میں ہم تمہیں تھوڑا سا ہلائیں گے' تھوڑی سی سختی کریں گے تاکہ تم عام معمولات سے ذرا سا ہٹو اور ہماری طرف لوٹ کے آؤ۔ لیکن اگر تم لوٹ کے نہیں آتے اور عاجزی نہیں کرتے اور اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے تو پھر ہم بھی تمہاری پروا نہیں کریں گے اور تمہارے دل اور سخت بنا دیئے جائیں گے۔ جب دل اور زیادہ سخت ہو جائیں تو ہم پھر خوشحالی بھیج دیتے ہیں۔ دولت کی ریل پیل کر دیتے ہیں تاکہ تم عیش و عشرت میں مگن ہو جاؤ۔ جب اس ڈھیل میں انسان بحیثیت فرد یا قوم اللہ کو بھلا دے تو اچانک رسی کھینچ لی جاتی ہے۔ اللہ کا عذاب آجاتا ہے اور وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹا دی جاتی ہے۔ یہ اللہ کی سُنّت ہے جس سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔

تصوّرِ نبوت اور دورِ جاہلیت

زمانۂ جاہلیت میں نبوّت کے بارے میں یہ تصوّر پایا جاتا تھا کہ نبی کو اس شان و شوکت سے آنا چاہئے کہ اس کے آگے پیچھے فرشتے ہوں۔ شور و غوغا اور ہٹو بچو کی صدائیں ہوں اور لوگ نبی سے جو چاہیں' پوچھیں اور جو خواہش ظاہر کریں' وہ پوری کرتا چلا جائے۔ نیز یہ کہ نبی کا کھانے پینے سے کیا تعلق؟ نبی کو بشری حاجتوں سے کیا؟ گویا نبی انسان نہیں' فرشتہ ہونا چاہئے۔ یوں لوگوں کے ذہنوں میں نبوّت کے بارے میں یہ سارے تصورات اور توہمات تھے۔

ایک حدیث عرض کرتا چلوں تاکہ آپ کو پتا چل سکے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ کس قسم کے سوالات کرتے تھے۔ کفارِ مکہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین موقعوں پر مطالبات پیش کیے۔

اوّل یہ کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو بذریعہ معجزہ ہمارے لئے تمام دنیا کے خزانے جمع کر دیجئے۔

دوسرے یہ کہ اگر آپ واقعی سچے رسول ہیں تو ہمیں مستقبل میں پیش آمدہ تمام مفید یا مضر حالات و واقعات بتا دیجئے تاکہ ہم مفید چیزوں کو حاصل کرنے اور مضر چیزوں سے بچنے کے انتظامات پہلے ہی کر لیا کریں۔

تیسرے یہ کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری ہی قوم کا ایک جوان جو ہماری ہی طرح ماں باپ سے پیدا ہوا اور تمام بشری صفات مثلاً کھانے' پینے' چلنے پھرنے' بولنے میں ہمارا ساتھی ہے' وہ اللہ کا رسول بن جائے۔ کوئی فرشتہ ہوتا جس کی تخلیق اور اوصاف ہم سب سے ممتاز ہوتے تو ہم اس کو اللہ کا رسول اور اپنا پیشوا مان لیتے۔ ان تینوں سوالات کے جوابات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي

fat.com

اَلْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ؕ

"اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو بتا دیجئے: میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے جمع کئے ہوئے خزانے موجود ہیں۔ نیز میں غیب کا علم نہیں رکھتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔ اے نبی! ان سے پوچھو کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے ہو؟" (الانعام:50)

حشر کا ایک منظر اور اندازِ تبلیغ

اس کے بعد مزید تنبیہہ کے لئے ارشاد فرمایا:

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ○

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ

("اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس علمِ وحی کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کریں۔ جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں نہ کوئی مددگار ہو گا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہو کر) وہ خدا ترسی کی روش اختیار کر لیں اور جو لوگ اپنے رب کو دن رات پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں' انہیں اپنے سے دور نہ کیجئے۔" (الاعراف-52,52)

ان الفاظ کے ذریعے سے پہلی بات یہ کہی کہ لوگوں کو قرآن کے ذریعے سے ڈراؤ۔ معلوم ہوا کہ تبلیغ و ہدایت کے لئے بنیاد قرآنِ مجید ہے۔ جس تبلیغ میں قرآن شامل نہیں' وہ تبلیغ ناقص ہوگی۔ اور بار بار قرآن میں یہی کہا جا رہا ہے کہ اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ اس کے بعد فرمایا کہ کچھ لوگ ہیں جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہتے ہیں' اس کے مکھڑے کے طلب گار ہیں۔ ان کو اس کام سے نہ ہٹاؤ۔ ان پر توجّہ دو کیونکہ یہی لوگ ہیں جو دین کی بات سنیں گے' جانیں گے' مانیں گے اور پھر اس پر عمل کریں گے۔

نبوت کے درج بالا تصوّر کو ذہن میں رکھ کر قرآنی ہدایات پر غور کر لیجئے۔ آگے چل کر ہم تفصیل سے اس بات پر بحث کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء بھی مبعوث کیے ہیں۔ سب کے بارے میں یہی فرمایا کہ "مِنْهُمْ" اسی قوم اور انہی لوگوں میں سے۔ انسان اور تمام انبیاء بنی نوع میں سے آئے ہیں۔ ہاں! یہ الگ بات کہ بشر' بشر میں فرق ہوتا ہے ایک انسان اور دوسرے انسان کے رتبے میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ نبوّت کے بارے میں گفتگو کے دوران میں اس بات کو ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔

اس سلسلے میں ارشادِ ربانی ملاحظہ فرمائیں:

Marf

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ ط

"وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور (گلیوں اور) بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے۔"

(الفرقان:3)

گویا یہ کام فرشتوں کی ایک فوج ظفر موج کو کرنا چاہئے تھا حالانکہ یہ ان کے غلط خیالات ہیں۔ آگے چل کے یہ صراحت آئے گی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسانوں میں انسان رسول مبعوث کئے۔ اس چکر میں نہ پڑو کہ رسول تو انسانوں میں بھیجے جائیں اور رہوں وہ فرشتہ۔ اللہ تعالیٰ کی سُنّت ایسی نہیں ہے۔

علمِ غیب۔ خاصہ خداوندی

اور پھر ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط

"اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اور سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا کہ سمندر اور خشکی میں کیا ہے"

(الانعام:59)

پھر آگے چل کے فرمایا جاتا ہے:

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ج
لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○
قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○
قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ
تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط
اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ○

"(اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے پوچھئے کہ صحرا کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم مصیبت کے وقت گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ (کس سے کہتے ہو) کہ اگر اس (نصیحت) سے تم نے ہمیں بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے۔ آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے' پھر بھی تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے! وہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کردے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزا چکھا

fat.com

دے۔ آپ دیکھئے کہ ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں شاید کہ وہ (اس حقیقت کو) سمجھ جائیں۔"

(الانعام:64-65)

انسانی فطرت

یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ انسان کی فطرت کے اندر توحید چھپی ہوئی ہے۔ جب مُشکل وقت آن پڑتا ہے تو پھر انسان گڑگڑا کر اور چُپکے چُپکے اللہ کو پکارتا ہے۔ لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرانے لگتا ہے اور فرمایا ہم چاہیں تو تمہیں امن سے زندگی بسر کروادیں اور اگر عذاب میں گرفتار کرنا چاہیں تو جس طرف سے چاہیں اوپر' نیچے' دائیں' بائیں سے عذاب لے آئیں' حتیٰ کہ بھائیوں بھائیوں کو باہم لڑا دیں۔ تمہارے دل ہماری دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ ہم جس طرح چاہیں' تمہارے دل کو پلٹ سکتے ہیں۔ حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے جو کچھ مانگنا ہو' اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو۔ وہی سب کچھ جاننے' کرنے اور دینے والا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اور عقیدۂ توحید

اس عقیدے کو مزید واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کا ذکر فرماتے ہیں جو تاروں کو دیکھتے ہیں' چاند کو دیکھتے ہیں' اور پھر سورج کو ملاحظہ کرتے ہوئے ان کو باری باری اپنا معبود قرار دینے لگتے ہیں اور پھر جب سب ڈوب جاتے ہیں تو واضح اعلان فرماتے ہیں کہ میں ڈوبنے والوں کو معبود نہیں مان سکتا۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

"میں نے اپنا رخ سیدھا اس ذات گرامی کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں اس کے لئے یکسو ہوگیا ہوں اور میں اس یکسوئی میں کسی اور کو شریک نہیں ٹھہراؤں گا۔" (الاعراف:79)

اس کو اخلاص للہ کہا جاتا ہے۔ اسی موضوع پر اس سورۃ میں جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں توحید کے مضامین کو خصوصاً نمایاں اور واضح انداز سے بیان کیا گیا ہے' اس عنوان سے اللہ تعالیٰ ایک سوال کرتے ہیں کہ دیکھو دو فریق ہیں: ان میں سے ایک تو وہ ہے جو شرک کرتا ہے۔ کسی کو بارش کا خدا' کسی کو اولاد دینے والا' کسی کو دولت عطا کرنے والا سمجھتا اور مانتا ہے یعنی جس قدر اس کی حاجات ہیں' ان تمام کے لئے مختلف معبود اور دیوتا اس نے بنا لئے ہیں۔ دوسرا وہ شخص ہے جو موحّد ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف ایک ذات ہی عبادت کے لائق ہے۔ تمام اختیارات کی مالک اور تمام قوتوں کا منبع وہی ذات ہے۔

اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا

"ساری کی ساری قوت صرف اللہ کے لئے ہے۔"

الحاصل دو فریق ہیں۔ ایک فریق شرک کرتا ہے جبکہ دوسرا توحید کا قائل ہے۔ اس کے بعد ایک سوال کیا کہ "ان دونوں فریقوں میں سے کون سا ہے جو امن کا حقدار ہے" پھر خود ہی فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَہُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الْاَمْنُ وَہُمْ مُّہْتَدُوْنَ ۝

"(امن کے حقدار وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم یا شرک سے آلودہ نہیں کیا۔ امن انہی لوگوں کے لئے ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔" (الاعراف:82)

اس مقام پر قرآن مجید میں سلامتی' امن اور ہدایت و راہنمائی دو اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اسی لئے ہم جب نئے مہینے کا چاند دیکھتے ہیں تو یہ دعا کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ

"اے اللہ! اس کو ہم پر ظاہر فرما امن' ایمان' سلامتی اور اسلام کے ساتھ"

امن اور ایمان' سلامتی اور اسلام کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہاں یہ بات کی جا رہی ہے کہ دو فریقوں میں سے امن و اطمینان کی سعادت اس فریق کو ملے گی جو توحید پر قائم ہو گا اور اس نے اپنی توحید کو ظلم اور شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا ہو گا۔

شرک کا وبال

اسی توحید اور اس کی جانب راہنمائی کا ذکر کر کے شرک کی قباحت اور اس کے وبال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝
اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ۚ فَاِنْ یَّکْفُرْ بِھَا ھٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِھَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ ۝
اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰىھُمُ اقْتَدِہْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ۝

"یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے' راہنمائی کرتا ہے لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب' حکم اور نبوت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو پروا نہیں۔ ہم نے کچھ اور

fat.com

لوگوں کو یہ نعمت سونپ دی ہے (جو اسلام قبول کرنے والے ہیں) جو اس سے منکر نہیں۔ اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے (یعنی تمام انبیاء کا گروہ)۔ انہی کے راستے پر تم چلو اور کہہ دو کہ میں اس تبلیغ و ہدایت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں۔ یہ تو تمام دنیا والوں کے لئے ایک عام نصیحت ہے"

پہلی بات یہ ہے کہ تمام انبیاء کا ایک ہی دین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بھی اسی دین کی آخری اور حتمی صورت ہے پھر فرمایا کہ اس بحث یا چکر میں نہ پڑو کہ فلاں مانتا ہے اور فلاں نہیں مانتا۔ کچھ لوگ نہیں مانیں گے تو بعض دوسرے اور لوگ مان لیں گے۔ تمہارا کام صرف بات کو پہنچائے جانا ہے۔ ہاں یہ کہہ دو کہ میں کسی اجر کا طالب نہیں ہوں' اس لئے کہ مبلغ' داعی' مجاہد اپنی تقریر اور محنت کا اجر نہیں مانگا کرتے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ

"ان لوگوں نے اللہ کا اندازہ بہت غلط لگایا' جب کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ہے۔ ان سے پوچھو کہ وہ کتاب جسے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے' جو تمام انسانوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی' جسے تم پارہ پارہ کر کے رکھتے تھے' کچھ دکھاتے تھے اور کچھ چھپا جاتے تھے اور جس کے ذریعے سے تم کو وہ علم دیا گیا جو نہ تمہیں حاصل تھا اور نہ تمہارے باپ دادا کو' آخر اس کا نازل کرنے والا کون تھا؟ انہیں بس اتنا کہہ دو کہ اللہ ہی تھا۔" (الانعام:9)

نبوت۔ بشریت کا خلاصہ

ایک نظریہ جسے قرآن مجید فرقانِ حمید نے بار بار غلط کہا ہے' وہ ہے کفّار کا یہ کہنا کہ کسی بشر پہ کبھی اللہ کا کلام نازل نہیں ہوا۔ کوئی پوچھے کہ موسیٰ علیہ السلام کون تھے؟ ابراہیم علیہ السلام کون تھے؟ یہ سارے انبیاء کون تھے؟ اور ربّ العزت فرماتے ہیں کہ وہ سب انسان تھے' نوعِ بشر میں سے تھے۔ ہاں! اللہ کے قرب اور اس کی وحی کی وجہ سے ان کا مقام و مرتبہ عام انسانوں سے بہت بلند تھا۔ اسی سورۂ انعام کی آیت نمبر130 میں مزید یہ بات آ رہی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسانوں میں رسول بھیجے ہیں' وہاں جنات میں بھی رسول بھیجے اور اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ جس قوم کو ہدایت دینا مقصود ہوتا ہے اسی قوم' اسی نوع' اسی جنس کا ایک فرد اس قوم کے اندر بھیجا جاتا ہے اور قیامت کے دن ان قوموں سے یہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس خود تم ہی

.com

میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے تھے؟

دعوتِ توحید کا نرالا انداز

اس ذکر کے بعد تفصیل کے ساتھ توحید پر دلائل بیان کئے گئے ہیں اور مشرکین کو دعوت فکر دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں حشر کا ایک منظر بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز کس طرح ہر انسان خود اپنی زندگی کے سارے اعمال کا جوابدہ ہو گا۔ کوئی سفارش کسی کے کام نہیں آئے گی جب کہ اذن خداوندی نہ ہو گا اور اس روز خود ہر شخص یہ محسوس کرلے گا کہ دنیا میں میری زندگی' میرے دین اور ایمان کے ساتھ کھیلنے والے آج کل نظروں سے غائب ہو چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں کہ اس بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ کس قدر واضح اور غیر مبہم ہے اور اس حقیقت کے اس طرح آشکار ہونے کے باوجود اگر ہم غفلت کا شکار رہیں تو ہم سے زیادہ خود فریبی میں کون مبتلا ہو گا؟

فرمان الٰہی ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ○

"اور جیسا ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا' ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے ہو اور جو (مال و متاع) ہم نے تمہیں عطا کیا تھا' وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے (کیونکہ وہ ساتھ موجود نہیں) جن کی بابت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں۔ آج تمہارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے سب جاتے رہے۔" (الانعام: 94)

آخرت کی تصویر کشی کے بعد وحدانیت پر دلائل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو گٹھلی سے درخت نکالنے' مردے سے زندہ' رات کو دن سے نکالنے کا ذکر ہے۔ سورج اور چاند کی تقدیر' ستاروں سے راہنمائی کا سامان اور خشکی و تری کے فائدے' ساری انسانیت کو ایک فرد (آدم علیہ السلام) کے ذریعے سے پیدا کرنے کا ذکر' انفس و آفاق کے ان دلائل کے ساتھ ساتھ زمین سے اُگنے والی اجناس' اور پھلوں کی مختلف انواع و اقسام کو بھی مشاہداتی دلیل کے طور پر بیان فرمایا گیا۔ ان سب واضح اور بدیہی دلائل کی موجودگی میں بھی حضرت انسان کی کم عقلی کا رونا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ○

"اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ ان کو اسی (اللہ) نے پیدا کیا اور بے سمجھے لوگوں

Marfat.

نے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بنا گھڑی کیں (حالانکہ) وہ ان باتوں سے پاک ہے جو اس کی بابت وہ بیان کرتے ہیں اور (اس کی شان اس سے) بلند ہے۔" (الانعام:100)

بصائرِ قرآنی کا ذکر

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے بے حد و حساب رحیم و کریم ہے' اُس کی شانِ کریمی ہے کہ اس کے بعد بھی مزید دلائل اپنی وحدانیت پر قائم کئے۔ ان میں انسانوں کو آفاقی دلائل میں غور و تدبر کی دعوت دے کر وحدانیت کو واضح فرمایا۔

1- زمین و آسمان کی تخلیق کے ذکر کے بعد فرمایا کہ اس کی بیوی اور اولاد کوئی نہیں۔

2- وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کی مثال تو کُجا اس کو انسان کی یہ آنکھیں دیکھ بھی نہیں سکتیں۔

اس کے بعد دعوت تدبر کا ایک نیا اور اچھوتا انداز اختیار فرمایا:

قَدۡ جَآءَكُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ‌ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ‌ۚ وَمَنۡ عَمِىَ فَعَلَيۡهَا‌ؕ

"(اے محمدؐ اُن سے کہ دیجئے) تمہارے (پاس) رب کی طرف سے (روشن) دلیلیں پہنچ چکی ہیں۔ تو جس نے (ان کو آنکھ کھول کر) دیکھا اس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا بنا رہا' اس نے اپنے حق میں برا کیا۔"

(الانعام:104)

معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید کو آنکھیں کھول کر' اچھی طرح سمجھ کر' فہم و تدبّر سے پڑھنا چاہئے' بے فہم اندھوں کی طرح نہیں' ورنہ بصائر (بصیرت افروز حقائق) جو قرآن کا اصل خاصہ ہیں' آنکھوں سے اوجھل رہیں گے بلکہ بے فہم اور بے بصیرت اندھوں کی طرح فرفر پڑھتے جانا باعث وبال بن سکتا ہے۔

مدارِ نجات

اور جب یہ روشن دلیلیں آچکی ہیں تو ایک سلیمُ الفطرت انسان کا کردار کیا ہوگا' اس کے لئے ارشاد ہوا:

اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ‌ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ

"اور جو حکم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے' اس کی پیروی کرو۔ اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں۔" (الانعام:106)

اس آیتِ کریمہ میں مدارِ نجات یعنی اتباع کی اہمیت کو اُجاگر کر دیا گیا اور پھر واضح اور دو ٹوک انداز میں اعلان کر دیا کہ ہم نے اپنے رسولؐ کو تم پر نگران بنا کر نہیں بھیجا اور نہ ہی وہ لوگوں کے اعمال کے جوابدہ ہیں۔

Marf

اوصافِ مبلّغ

اس کے بعد مبلّغ کے لئے ایک اہم ترین ہدایت مذکور ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ

"اور جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں' ان کو بُرا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بے سمجھے بُرا (نہ) کہہ بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر ایک فرقے کے اعمال (ان کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے ہیں۔" (الانعام:108)

اس آیت میں داعی اور مبلّغ کو ہدایت فرمائی گئی کہ جوشِ خطابت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے دشمن کے معبودوں اور ان کے راہنماؤں کو برا بھلا کہہ بیٹھو کیونکہ اس کے لازم نتیجے کے طور پر وہ تمہارے حقیقی معبود کی شان میں گستاخی کریں گے۔

بدترین شخص کون؟

اس سلسلے میں ایک حدیث کا مضمون بھی ملاحظہ فرمائیں:

ارشادِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

بدترین شخص وہ ہے جس نے اپنے ماں باپ کو گالی دی۔ صحابہؓ نے حیرانی سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ ایسا بدبخت کون ہو گا جو اپنے ماں باپ کو گالی دے؟ آپؐ نے فرمایا: ایک شخص کسی کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ جواب میں پہلے شخص کے ماں باپ کو گالی دے گا۔ ظاہر ہے یہ پہلا شخص اپنے ماں باپ کو گالی دلوانے کا خود باعث بنا۔ (ترمذی)

اس آیتِ کریمہ ہی میں یہ ارشاد ہے کہ تمہارا دشمن لاعلمی و جہالت کے باعث اللہ تعالیٰ کو گالی دے گا کیونکہ وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان سے کماحقہٗ آگاہ نہیں۔ اگر وہ آگاہ ہوتا تو شرک کا ارتکاب نہ کرتا۔

مناظرہ بازی

اس آیت میں مناظرہ و مجادلہ سے بھی ایک گونہ اجتناب کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ مناظرے کے انجام میں ہدایت ملنا بہت ہی نادر ہے۔

اعمالِ قبیحہ کو شیطان خوبصورت بنا کر کے پیش کرتا ہے اور ہر شخص جب بھی کسی برائی کی راہ پر چلتا ہے تو اس برائی کے جواز کے لئے کوئی نہ کوئی راہ ضرور گھڑ لیتا ہے اور یہ شیطان صفت انسان اس طرح خود فریبی کا شکار ہو کر برائی میں غرق ہوتا رہتا ہے۔ اس میں ایک مزید خرابی یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ جب کوئی اللہ کا نیک بندہ ایسے لوگوں کو

fat.com

راہِ ہدایت کی جانب بلائے تو ایسے لوگ عذرِ لنگ کے طور پر معجزات طلب کرتے ہیں حالانکہ تاریخِ انسانیت اس
کی شاہد ہے کہ بے شمار اقوام ایسی گزری ہیں کہ معجزات دیکھ کر بھی راہِ ہدایت ان کے حصے میں نہ آسکی۔

کوئی مبلغ جب کسی قوم کو راہِ ہدایت کی دعوت دیتا ہے تو قوم کی جانب سے دشمنی ضرور ہوتی ہے۔ نبیِ اَ
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حقیقت ان الفاظ میں سنائی گئی:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

"اور اسی طرح ہم نے شیطان (صفت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔" (الانعام:112)

تکمیلِ شریعت

لیکن ان تمام مخالفتوں اور دشمنیوں کے باوجود وہ قدسی نفس لوگ راہِ حق پر گامزن رہے اور پیغامِ ربانی کو ا
مقام پر پہنچا دیا کہ آپ کے دور میں یہ نوید اور خوشخبری اتار دی گئی:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

"اور تمہارے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں اور ان باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں"

(الانعام:115)

اس آیت کے نزول نے گویا ختمِ وحی و عصمت پر مہر ثبت کر دی کہ جب رب کی باتیں اپنی سچائی اور انصاف
میں کامل ہو چکی ہیں تو مزید کسی نبی کی ضرورت و حاجت نہ رہی البتہ یہ فریضہ رسالت اور پیغامِ ربانی آئندہ نسلوں تک
پہنچانے کی ذمہ داری اُمتِ مسلمہ کے سبھی افراد پر ڈال دی گئی جس کی تفصیلات ہم سورۂ آلِ عمران کے سلسلے میں
بیان کر چکے ہیں۔

صدق' امانت اور عدل

یہ بات تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک جتنی بھی
شریعتیں آئیں' سب میں صدق اور عدل ساتھ ساتھ تھے لیکن یہ علاقائی' وقتی اور قومی مصلحتوں کی رعایت رکھتے
ہوئے تھا۔ اب صدق' اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ ذرا غور فرمایئے! کمالِ علم صدق ہوتا ہے اگر اسی صدق پہ مکمل طور پر
عمل کیا جائے تو اس کو امانت کہتے ہیں لیکن اگر خود اپنے شوق سے عمل نہ کرے بلکہ اس کو کوئی عدالتی یا معاشرتی
نظام ایسے کرنے پر مجبور کر دے تو اُسے عدل کہا جاتا ہے۔ یوں عدل اجتماعی طور پر صدق پر عمل کا نام ہے۔ حضورِ
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہم پر جو شریعت نافذ ہے' وہ صدق اور عدل کی معراج ہے۔ اب اس کو کوئی بدل

Marf

نہیں سکے گا اور نہ کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کر سکے گا جیسا کہ پہلی اُمتوں نے صحفِ ابراہیم، صحفِ تورات یا پھر صحفِ زبور کو اپنی مرضی سے بدل ڈالا۔ تاریخ نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اللہ کے کلام میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں آسکی ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ کے کلام سے جو چیز بھی متعلق ہو جاتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔

اِنَّ وَلِيِّ ۦَ اللّٰهُ الَّذِىْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ○

"میرا آقا اور مددگار تو وہ ہے جس نے اس کتاب کو نازل کیا اور وہ صالحین کی محافظت کرتا ہے۔"

(الانعام:196)

زبان ایک مسلسل تغیر پذیر چیز ہے لیکن عربی زبان محفوظ ہو گئی ہے۔ قرآنِ مجید کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ محفوظ ہو گئی اور حد یہ کہ جاہلیت کا عربی ادب بھی محفوظ ہو گیا اور اس سے بھی حد یہ کہ امروٗ القیس جیسے رومانوی شاعر کا کلام بھی محفوظ ہو گیا کیونکہ عربی زبان سمجھنے میں اس کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

جمہوریت کے بارے میں قرآن کا فیصلہ

جب ابلیس اس اعتبار سے لوگوں کو بہکانے کے قابل نہ رہا کیونکہ اللہ کا کلام مکمل ہو گیا اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا تو اس نے گمراہی و ضلالت کا ایک نیا باب اس عنوان سے کھول دیا کہ زمین میں بسنے والے لوگوں کی اکثریت کی رائے کیا ہے؟ اس کا احترام ہونا چاہئے' اکثریت کی اس رائے کے بارے میں حقیقتِ حال کو واضح فرماتے ہوئے اللہ ربُّ العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ درحقیقت تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور کون سیدھی راہ پر ہے۔"

(الانعام:116)

معلوم ہوا کہ حق و باطل کی پہچان فقط اللہ کا کلام ہے۔ لوگوں کی اکثریت حق کا معیار نہیں بلکہ قرآن تو یہاں بہت سخت بات کہہ رہا ہے اور یہ مغربی جمہوریت کے بھی خلاف ہے۔ یوں ہم اکثریت کو معیار نہیں بنا سکتے۔ ہاں البتہ ہم اکثریت سے رائے لے کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ایسا کرنا ممنوع نہیں۔ ایک راز کی بات پیشِ خدمت ہے کہ اسلامی جمہوریت میں بھی رائے سے مراد مشورہ اور شورائیت ہے لیکن پڑھے لکھے اور متقی کی رائے۔ یعنی اہلِ علم

اور اہلِ تقویٰ ہی صحیح رائے دے سکتے ہیں۔ اَن پڑھ' جاہل اور علم سے بے بہرہ اشخاص کی رائے اسلام میں وقعت و اہمیت نہیں رکھتی۔ یہاں پر رائے تولی جاتی ہے جبکہ مغربی جمہوریت میں رائے گنی جاتی ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے

بحیثیت مسلمان ہمیں علامہ اقبال کا یہ مشورہ ہے:

گریز از طرزِ جمہوری غُلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خَر فکرِ انسانے نمی آید

یعنی اگر دو سو گدھے بھی مل بیٹھیں تو ایک انسان کے برابر نہیں بنتے۔ قرآن یہی بات زور دے کر کہتا ہے۔ اس بات کو سمجھانے کے لئے جمہوریت کی حقیقت کو یوں واضح کیا جاسکتا ہے۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تُو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پَری

اس جمہوریت کی خوبی و خرابی بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم دنیا میں بسنے والے ہر شخص کی بابت علم رکھتے ہیں کہ ہدایت و ضلالت کن کن لوگوں کا مقدر بنی ہے:

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○

"آپ کا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔" (الانعام:117)

اس مقام پر میں ایک نکتہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام میں اجماع کی بھی ایک کیفیت ہے جس میں یہ شرط ہے کہ اُمت میں سے راہِ حق پر چلنے والے علماء اگر کسی ایک بات پر متفق ہو جائیں تو وہ ایک قانون کی شکل بن جاتی ہے مگر وہاں علماءِ ربانی کی اکثریت کی شرط ہے۔ کسی مادر پدر آزاد معاشرے کے سبھی افراد کی اکثریت مطلوب نہیں۔

گُناہ سے بیزاری

موجودہ دور میں معاشرے کی اکثریت خواہشاتِ نفسانی کی غلام اور گُناہوں میں مستغرق ہے اور گناہ اس قدر قبیح اور بدتر چیز ہے کہ اُس کی ہر صورت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝

"اور ظاہر و پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کردو۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں' وہ عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔" (الانعام:120)

گناہ انفرادی و اجتماعی ہر سطح اور ہر صورت میں قبیح اور ناپسندیدہ ہے مگر معاشرے میں کچھ لوگ گناہوں کی دلدل میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ اپنی ذات کے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی جرائم کی دنیا میں شامل کرکے خود اس مجرم پیشہ گروہ کے سردار بن بیٹھتے ہیں۔

اللہ ربُّ العزت نے ان کو تنبیہ کے لیے یوں خطاب کیا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

"اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم پیدا کیے کہ ان میں مکاریاں کرتے رہیں اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں' اس کا نقصان ان ہی کو ہے اور (اس سے) یہ بے خبر ہیں۔" (الانعام:123)

یہ مکار اور جرائم پیشہ لوگوں کے سربراہ معاشرتی گناہوں کے ساتھ ساتھ دینی معاملات میں بھی مجرمانہ ذہنیت رکھتے ہیں اور آسمانی تعلیمات کو یہ کہ کر ٹھکرا دیتے ہیں کہ یہ قدیم انبیاء و رسل کی تعلیمات سے متصادم تعلیمات ہیں۔

سلامتی کی راہ

مگر اس معاشرے میں ایک طبقہ راہ ہدایت کی جانب انابت و رجوع الی اللہ کے باعث صراطِ مستقیم پر گامزن رہتا ہے اور یہ محض فضلِ الٰہی ہے ایسے لوگوں کے لئے انعامات کی بارش برستی ہے۔ اور ان کا خالق انہیں خوشخبری سنا کر دلی سکون اور چین سے نوازتا ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝
لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"یہی تمہارے رب کا (متعین کردہ) سیدھا راستہ ہے۔ جو لوگ غور کرنے والے ہیں' ہم نے اُن کے لئے نشانیاں واضح کرکے بیان کردی ہیں۔ اُن کے لئے اُن کے اعمال کے بدلے میں (ان کے) رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا دوست ہے۔" (الانعام:126-127)

ان آیات میں دنیا اور آخرت کی ساری نعمتوں کو جمع کردیا گیا ہے کہ دنیا میں وہ راہِ ہدایت پر گامزن رہتے ہیں

fat.com

اور اس کی مزید تسلی و اطمینان کے لئے ان کے رب نے ان کے لئے واضح علامات متعین کردی ہیں تاکہ وہ بھٹکنے
بچ جائیں اور جب اسی راہِ مستقیم پر چلتے چلتے موت سے ہمکنار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو سلامتی اور چین کے گھ
میں منتقل کردیتے ہیں اور راہِ ہدایت سے اعراض کرنے والوں کو اِسی مقام پر آگ میں ڈالے جانے کی اطلاع د
دی۔

حشر کا ایک المناک منظر

اور پھر وہ منظر بیان کیا کہ جب یہ بدبخت و نامراد طبقہ جہنم میں اکٹھے ہو گا تو اللہ تعالیٰ ان سے اتمامِ حُجت
طور پر یہ سوال کریں گے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ
اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَ
غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ○
ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ○
وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

"اے گروہ جن و انسان! کیا تم میں سے تمہارے طرف رسول نہیں بھیجے گئے جو میری آیات تمہارے سامنے پڑھ کر سناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہاں ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں۔ آج دنیا کی زندگی نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے مگر اس وقت وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ یہ شہادت ان سے اس لئے لی جائے گی کہ ثابت ہو جائے کہ تمہارا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ تباہ کرنے والا نہ تھا جبکہ ان کے باشندے حقیقت سے ناواقف ہوں"

(الانعام:130-131)

اللہ تعالیٰ کسی قوم پر یا کسی بستی پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتا جب تک کہ انہیں پہلے خوب اچھی طر
سے سمجھا نہ دیا جائے' ان میں کوئی نبی نہ بھیج دیا جائے جو انہیں ڈرائے اور سمجھائے اور انہیں جنت کی بشارت د
جب حُجت تمام ہو جائے اور اللہ کا رسول ہر طرح سے ان کو ظلم و شرک' قتل و خون اور دہشت گردی سے روکنے
بھرپور کوشش کرلے اور وہ باز نہ آئیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب کا کوڑا برستا ہے لیکن اس میں ایک
اہم بات یہ ہے کہ جن ہوں تو انہی میں سے نبی ان کی طرف بھیجا جاتا رہا ہے۔ انسان ہیں تو انسانوں میں سے نبی او
رسول ان کی طرف بھیجا جاتا رہا ہے۔ یہ الگ خصوصیت ہے کہ محمد رّسولُ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور رسالت
آفاقی ہے۔ آپ جن و بشر دونوں کے لئے خاتم النّبیین ہیں۔ یہاں ایک اور دلچسپ اور اہم بات پیشِ خدمت ہے۔ جس

.com

سے پتا چلتا ہے کہ قرآنِ مجید اپنے اندر ایک ادبی انداز لئے ہوئے ہے۔ قرآنِ مجید بعض دفعہ ایسا انداز اختیار کرتا ہے کہ ادیب، شاعر اور سخن ور کے علاوہ ہر ادبی ذوق رکھنے والا شخص پھڑک اٹھتا ہے، اس سلسلے میں پہلے اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ اب ذرا صرف اس کے ترجمہ پر دوبارہ آپ بھی غور فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں سے یوں ارشاد فرمائے گا:

"لو اب تم تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا، وہ سب کچھ پیچھے چھوڑ آئے ہو اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان تمام سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارے کام بنانے میں ان کا بھی کچھ حصہ ہے۔ تمہارے آپس کے سب رشتے ٹوٹ گئے اور سب تم سے گم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے۔"

(الانعام:95)

افسوس کہ یہ ترجمہ ہے، اصل کلام نہیں۔ اگر اصل کلام پر ذرا غور و تدبر کیا جائے اور اس کی باریکی و لطافت میں ڈوب کر اس کی حقیقت تک پہنچا جائے تو انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ اس کلام میں اس قدر زور ہے کہ کیا کہنے۔ یہ بات آگے چل کر بار بار زوردار انداز میں بیان کی گئی ہے۔

ایک جگہ تو یہ فرمایا کہ دنیا لہو و لعب ہے، یہاں کی بادشاہی، وزارت و صدارت ایسے ہی ہے جیسے کہ کوئی تھیٹر میں بادشاہ بن بیٹھے، اس سے بڑا بیوقوف کون ہو گا جو ایسے میں اپنے آپ کو سچ مچ کا بادشاہ سمجھنے لگے۔ یہ عارضی تاج تو چند گھڑیوں کے لئے اس کے سر پر رکھا گیا ہے۔ قیامت میں یہ شکل ہو گی کہ بادشاہ سلامت جب اپنے انجام کو دیکھے گا تو زبان سے کہے گا:

"میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہت ختم ہو گئی" تو اوپر سے حکم ہو گا۔

"اس ظالم کو پکڑ کر جکڑ دو اور اس کو جہنم میں ڈال دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دل میں ایمان نہیں رکھتا تھا اور اس نے زندگی بیکار ضائع کر دی۔"

احتساب کا کوئی تصور اُس کے ہاں نہیں تھا۔ آج اس سے حساب کتاب لیا جائے۔

اب آگے چلیں تو ہمیں قرآنِ مجید فرقانِ حمید اپنا ایک تعارف کراتا نظر آتا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○

"دیکھو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آگئی ہیں۔ اب جو بینائی سے کام لے گا (انہیں آنکھیں کھول کر پڑھے گا) اس میں اس کا اپنا بھلا ہے اور جو اندھا بنے گا تو اس میں اس کا اپنا ہی نقصان ہو گا۔ میں تم پر کوئی نگہبان یا پاسباں بنا کے نہیں بھیجا گیا؟ (الانعام:104)

اس آیتِ کریمہ میں قرآنِ مجید کو بصائر کہا گیا۔ اس میں اہلِ بصیرت کے لئے روشنیاں ہیں اور جو لوگ قرآن

کی آیات میں غور و فکر نہیں کرتے بلکہ اس سے اعراض برتتے ہیں تو ان کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○
قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ○
قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○

''اور جس شخص نے میری نصیحت (یعنی قرآن) سے منہ موڑا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا، میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ایسا ہی کرنا چاہئے تھا' تیرے پاس جب ہماری آیات آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا' اسی طرح آج تم کو بھلایا جائے گا۔'' (طٰہٰ: 124-126)

یعنی جس شخص نے قرآنِ مجید کو آنکھیں کھول کے نہیں پڑھا اور اللہ کے نام و پیام کے ساتھ وہ اندھا بن کے رہا تو اس کو اندھا ہی اٹھایا جائے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے پیغام سے منہ موڑے گا' اس کا جینا اس دنیا میں تنگی کا جی ہو گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

اس سے قبل متعدد مقامات پر اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ لفظِ تلاوت کے معانی پیروی (Follow) کرنے کے ہوتے ہیں۔ ہمارے ایک پروفیسر صاحب کا تکیہ کلام تھا "Follow Me" اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کیا تم میری بات سمجھ رہے ہو؟ اور پیروی (Follow) انسان صرف اسی صورت میں کر سکتا ہے جب بقائمی ہوش و حواس بات کو سمجھ رہا ہو۔ قرآنِ مجید وہ کتاب ہے جس کو بقائمی ہوش و حواس سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے۔

اس کے بعد کی آیات میں مشرکانہ رسوم کی تردید میں جانوروں کی مختلف اقسام اور ان کی حِلّت و حُرمت کے احکام مذکور ہیں۔

توریت میں احکامِ ربانی

اب ہم ان تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی اُمتوں کے لئے مقرر تھیں اور یہ تعلیمات ہم پر بھی لاگو ہیں۔

توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیا احکام دیئے تھے؟ اس بارے میں اللہ ربُّ العزّت کا ارشادِ مبارک ہے:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تمہارے اوپر کیا پابندیاں عائد کی ہیں:

1- اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔
2- والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

.com

3- اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو' ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی دیں گے۔

4- اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ کھلی ہو یا چھپی ہوئی۔

5- کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے' ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ (عدالتی چارہ جوئی کے بعد) یہ باتیں ہیں جس کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔

6- اور تم یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ مگر اس طرح کہ بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ شعور کو پہنچ جائے۔

7- اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو' ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا کہ اس کے امکان میں ہے۔

8- اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو' خواہ معاملہ اپنے رشتہ داری ہی کا کیوں نہ ہو۔

9- اللہ کے عہد کو پورا کرو' اللہ نے تمہیں ان باتوں کی ہدایت کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔

10- یہی میرا سیدھا راستہ ہے' لہٰذا تم اسی پہ چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں منتشر کر دیں گے۔ یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم تقویٰ اختیار کر سکو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

"یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے ایک برکت والی! پس تم اس کی پیروی کرو' اور تقویٰ کی روش اختیار کرو' بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔" (الانعام:155)

معلوم ہوا کہ تین چیزوں کا حکم دیا جا رہا ہے:

یعنی قرآن کہتا ہے کہ میرا اتباع کرو' مجھے (Follow) کرو اور فہم' تدبّر اور غور و فکر کے ساتھ میری پیروی کرو۔ فرمایا کہ قرآن پر عمل کر کے دکھاؤ' تقویٰ اختیار کرو' ایسی شکل میں اللہ کی رحمت تم پر نازل ہو گی۔

فرقہ واریت کی مذمت

راقم نے قرآنِ پاک میں ایک بات کا بار بار مشاہدہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید جہاں اپنا ذکر کرتا ہے' اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ فرقہ واریت کی بات بھی کر دیتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے قرآن کہ رہا ہے کہ اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا تو ٹکڑوں میں بٹ جاؤ گے۔

ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اللہ کی رسّی (قرآنِ مجید) کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بازی میں مت پڑو"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

fat.com

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ
إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○

"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً اے نبی! ان سے آپ کا کچھ واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے۔ وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے؟"

(الانعام:159)

یعنی وہ لوگ جو متشابہات میں پڑتے ہیں' فروعی مسائل اٹھاتے ہیں اور اختلافات میں پڑتے ہیں، حضورِ اکر صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت سے بری ہیں۔ ان لوگوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق اور نسبت نہیں اور دوسری بات یہ فرمائی کہ جو اللہ کے ہاں نیکی لے کر آئے گا' اس کا دس گنا اجر ہے۔ نیکی کا ارادہ کریں تو ایک گنا اجر اور اگر نیکی پر عمل کریں تو دس گنا اجر! اگر غلطی کرے گا تو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے۔

حقیقی ہدایت

پھر ارشاد فرمایا:

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ
إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○
قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○
لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ○
قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ
إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو! میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ یا کجی نہیں جسے یکسو ہو کر انہوں نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ کہو میری نماز' میری تمام مراسم عبودیت' میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔ کہو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کر لوں؟ حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔ ہر شخص جو کچھ کماتا ہے' وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف

لوٹ کے جاتا ہے۔" (الانعام: 161-164)

اور وہاں ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمّہ دار ہو گا اور ہر شخص اللہ کے حضور تنہا حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جوابدہ ہو گا۔ اے اللہ! ہم سب مسلمانوں کے لئے یہ مرحلہ اپنی رحمت سے آسان فرما۔ آمین!

Marfat.

سورہ الاعراف (۷)

نام

اس سورۃ میں جنّت اور دوزخ کے درمیانی مقام "اعراف" کا تذکرہ ہے۔ اِسی مناسبت سے اس کا نام "الاعراف" رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مباحث

یہ مکّی سورت ہے، ترتیبِ نزول کے اعتبار سے یہ سورۃ اس دور کے ساتھ متعلق ہے جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کو طویل عرصے تک سمجھا چکے مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اس دعوتِ حق کو اپنانے کی بجائے نہ صرف یہ کہ اس کی مخالفت پر ڈٹے رہے بلکہ داعیٔ حق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو راستے سے ہٹانے کا پروگرام بناتے رہے۔ اس سورۃ میں روئے سخن اہلِ مکّہ سے پھرا کر عرب کے دیگر قبائل کی جانب موڑ دیا گیا اور اہلِ مکہ کو تہدیدی انداز میں فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کہہ کر یہ بات باور کرائی جا رہی ہے کہ اگر تم نے اب بھی اس دعوتِ حق کو قبول نہ کیا تو تمہارے سامنے سابقہ اقوام کا انجام بطورِ عبرت موجود ہے۔

عبرت و موعظت کے واقعات میں دیگر اقوام کے ساتھ ساتھ یہود کے معاندانہ رویّوں کا بھی ذکر ہے' اس لئے اُن کی منافقانہ روش اور وعدہ خلافی کے انجامِ بد کا بیان بھی اس سورۃ میں شامل ہے۔

اس سورۃ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی حکمتِ عملی کے طور پر صبر و استقامت اور استعانت باللہ اور مواظبتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو حرزِ جان بنانے اور اس راستے میں پیش آمدہ مشکلات پر عفو و درگزر اور جاہلوں سے اعراض کی تلقین کی گئی ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

("اے محمدؐ! یہ) کتاب (جو) تم پر نازل کی گئی ہے' اس سے تم کو تنگ دل نہیں ہونا چاہیے یہ اس لئے نازل ہوئی ہے کہ تم اس کے ذریعے سے لوگوں کو ڈراؤ اور (اس میں) ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔"

(الاعراف:1-2)

اس آیتِ کریمہ میں قرآنِ مجید کے مقصد کی توضیح کی گئی ہے۔ یہ نصیحت ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو اس کی صداقت اور اس کے آسمانی کتاب ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ پھر اس مقصد کو مزید واضح کرنے کے لئے بعد والی آیت میں تو صورت حال اس قدر واضح کردی گئی کہ کسی قسم کا اشکال ہی نہ رہے کہ نصیحت کس کو کہتے ہیں۔

نزولِ قرآن کا مقصد - اتباع

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

"(لوگو!) جو (کتاب) تم پر نازل کی گئی ہے تمہارے رب کی طرف سے' اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں کا اتباع نہ کرو (اور) تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔" (الاعراف:3)

اس سے قبل متعدد مقامات پر اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ نزولِ قرآن کا مقصد اور تلاوت سے مراد کیا ہے؟ مگر قرآنِ مجید کی یہ آیتِ کریمہ ایسی واضح ہے کہ اس میں کسی قسم کے شبہ اور شک کی گنجائش ہی نہ رہی۔ کیونکہ فرما دیا کہ یہ قرآن اس لئے نازل ہوا کہ اس کے احکام پر عمل کرو اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم اس قرآن کو سمجھیں گے کہ اس میں کن اعمال کی ادائیگی کا حکم ہے اور کن ناپسندیدہ اعمال سے منع کیا گیا ہے۔ اس آیت کے متصل بعد دنیا کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ اس دنیا میں بسنے والے انسان اگر اپنے خالق کے احکام کو کماحقہٗ نہ مانیں تو پھر ان کو ملیامیٹ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے اقوام گزشتہ کے واقعات کا اجمالی خاکہ یہاں مذکور ہے جبکہ متعدد اقوام کے حالات کو اسی سورۃ میں آئندہ چل کر تفصیلاً مذکور کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جن لوگوں پر عذاب اترا' اس عذاب کے دوران میں کی گئی ندامت و پشیمانی کا ذکر بھی ہے مگر اس وقت یہ ندامت اُن کے لئے کارگر نہ ہوئی۔

.com

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ○
فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○

"اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کر ڈالیں جن پر ہمارا عذاب (یا تو رات کو) آتا تھا جبکہ وہ سو رہے ہوتے تھے یا (دن کو) جب وہ دوپہر کو آرام کر رہے ہوتے تھے پھر جس وقت اُن پر عذاب آتا' انکے منہ سے یہی نکلتا تھا کہ (ہائے!) ہم (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے۔" (الاعراف: 4-5)

منکرینِ قرآن اور آخرت کی رسوائی

دنیا میں اس قدر ذلت کے بعد بھی نافرمانی کے وبال سے جان نہ چھوٹے گی۔ بلکہ ایسے کفّار کو میدانِ حشر میں بھی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس وقت وہ حقائق کو جھٹلا بھی نہ سکیں گے اور اس دن اپنے اعمال ہی انسان کی سفارش اور نجات کا سبب بن سکیں گے۔

تکبّر۔ رسوائی کا سبب

میدانِ حشر کی منظر کشی کے بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کی عظمت کی وجوہات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس مقام پر بطورِ عبرت ابلیس کا ذکر ہے کہ اس کے دربارِ الٰہی سے مردود ہونے کا باعث کیا بنا؟

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ

"فرمایا جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں" (الاعراف: 12)

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد سارے فرشتوں کو اور ابلیس کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو قبلہ مان کر سجدہ کرو۔ ابلیس نے سجدہ کرنے سے اعراض بلکہ انکار کیا اور اس کا فلسفہ یوں بگھارا کہ میں تو آدم سے بہتر ہوں۔ بس یہی بڑائی کا زعم اُس کے مردود ہونے کا سبب بن گیا اور قیامت تک اللہ کی رحمت سے دور کر دیا گیا۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلْكِبْرُ رِدَائِيْ

"بڑائی میری پوشاک ہے۔" (بخاری)

اور جو شخص بڑائی اور تکبّر کرتا ہے گویا وہ اللہ کی پوشاک میں داخل ہونے کی جسارت کر رہا ہے' اسی لئے احادیثِ مبارکہ میں تکبّر کی بکثرت مذمت کی گئی ہے۔

مردود قرار دیے جانے کے بعد ابلیس نے قیامت تک شر و فساد پھیلانے کی مہلت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس خواہش کو پورا کر دیا اور قیامت تک اس کو مہلت دے دی۔ مگر اس اعلان کے ساتھ:

لِمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ○

"ان (اولادِ آدم) میں سے جو لوگ تیری پیروی کریں گے' (ان کو) اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر جہنم کو پُر کر دوں گا۔" (الاعراف:18)

پہلا امتحان - پہلی شریعت

آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ سیّدہ حواء علیہا السلام کو جنّت میں سکونت دی گئی جبکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تخلیقِ آدم و اولادِ آدم کا مقصد ان کو احکامِ الٰہی دے کر امتحان لینا تھا۔ اس کے لئے پہلا امتحان یوں ہوا کہ ا دونوں میاں بیوی کو جنّت میں ٹھہرا کر ایک حکم دے دیا گیا۔

فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

"پس تم دونوں جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا۔" (الاعراف:19)

ابلیس کو یہ حکم سنتے ہی ایک موقعہ مل گیا۔ اس نے حواء سے یہ کہہ دیا کہ تم لوگوں کو اس درخت سے اس لـ روکا گیا ہے کہ جو شخص اس درخت کا پھل کھالے گا' وہ کبھی اس جنّت سے نہ نکالا جائے گا۔ اس قربِ الٰہی کو ابلیس نے ابتلاء کا سامان بنا دیا اور اپنی بات کی صداقت میں قسمیں کھائیں اور یہ ہمیشہ سے ابلیسی طاقتوں کا ہتھیار رہا ہے ک وہ اللہ کا نام لے کر قسمیں کھا کر مخلص اور سادہ لوح لوگوں کو بہکاتے ہیں۔

لباس بمقابلہ عیبِ برہنگی

پس جب آدم اور حواء نے اس پھل کو کھایا تو انہیں فوراً ہی احساس ہو گیا کہ شاہی پوشاک اتر گئی ہے۔ جبک اللہ تعالیٰ لباس کو بہت بڑی نعمت قرار دیتے ہیں۔ ہم یعنی ہمارے باپ اور ماں جب جنّت میں رہتے تھے تو وہ شاہی پوشاک زیبِ تن کئے ہوئے تھے۔ شیطان نے جب جھانسا دیا اور اُن سے سہو ہو گیا تو شاہی پوشاک چھن گئی اور وہ لباس اُتر گیا۔ ہوتا یوں ہے کہ اب بھی جب ہم شیطان کے جھانسے میں آتے ہیں تو پوشاک اُتر جاتی ہے اور ہم طرح طرح کی برہنگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے جو قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ایک عُمدہ انداز میں کہی گئی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِيۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِيۡشًا ؕ وَ
لِبَاسُ التَّقۡوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيۡرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ○
يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ لَا يَفۡتِنَنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ كَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَيۡكُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ
يَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمۡ هُوَ وَ

.com

قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

"اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے تاکہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصّوں کو ڈھانپے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تو تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔ اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح فتنوں میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنّت سے نکلوایا تھا اور اُن کے لباس اتروا دیئے تھے تاکہ اُن کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھلیں۔ وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں، جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے اِن لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔" (الاعراف:26-27)

یہاں اگر شیطان کی بجائے مغربی تہذیب کے الفاظ استعمال کر لئے جائیں تو کچھ زیادہ غلط نہیں ہو گا جس طرح شیطان نے اپنے مکر و فریب سے جنّت میں ہمیں باعزت لباس سے محروم کروا دیا تھا بالکل اسی طرح مغرب کی شیطانی تہذیب نے ہمیں باحیا ستر پوشی سے محروم کر دیا ہے۔ آگے چل کر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ جب عبادت کرنے لگو تو اچھا اور صاف ستھرا لباس پہن کر آؤ۔

ارشاد فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

"ہر سجدے (عبادت) کے موقع پر زینت اختیار کرو۔" (الاعراف:31)

بالکل ایسے ہی جیسے کوئی محبوب کے سامنے بن سنور کے آتا ہے۔ یہاں ایک فقہی مسئلہ عرض کر دیا جائے کہ ایسا لباس جس کو پہننے سے ہمیں عام لوگوں کے سامنے عار محسوس ہو مثلاً تہ بند اور بُنیان پہن کر ہم باہر جانا اچھا خیال نہیں کرتے۔ اس لباس میں گھر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہو گا۔ جو شرم ہم اللہ کے بندوں سے کرتے ہیں، وہی شرم اللہ سے بھی کرنی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ میلے کچیلے اور گندے کپڑے پہن کر ہم نماز کے لئے اللہ کے حضور کھڑے ہو جائیں۔ اس سے نماز مکروہ ہو جائے گی۔

اس کے بعد کی آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کا حکم فرما رہے ہیں کہ اللہ کے لئے خالص ہو جاؤ اور ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اپنے دین کو اس کے لئے خالص رکھ کر اسی کو پکارو۔ جس طرح اس نے تمہیں اب پیدا کیا ہے، اسی طرح تم پھر پیدا کئے جاؤ گے اور اس کے حضور حاضر کئے جاؤ گے، لیکن اگر اس کی عبادت کرنا ہے تو ملاوٹ یعنی شرک سے بچ بچا کر خالص اللہ تعالیٰ کا بن کر عبادت کرو۔

اس حکم کے بعد ظاہر اور پوشیدہ ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا حکم دیا۔ خصوصاً شرک سے اجتناب کی تلقین

کی گئی کیونکہ ابلیس اولادِ آدم سے اپنی پرستش مختلف طریقوں سے کراتا ہے۔ اس کے بعد مشرکین کے انجامِ بد اور آخرت میں اُن کی رسوائی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

جنّت کی ایک بڑی نعمت

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 42 میں اہلِ ایمان کو جنّت میں داخلے کی بشارت سُنا کر کہا کہ ہم اُن کے دلوں کو شفاف بنادیں گے۔ اُن کے دِلوں میں کسی قسم کی کدورت اور کینہ نہ ہوگا کیونکہ جنّت اور اہلِ جنّت کے شایانِ شان نہیں کہ کینہ دل میں رکھا جائے۔ اس نعمت کے مل جانے پر اہلِ جنّت' اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کریں گے جس نے اُن کو یہ نعمت بخشی اور سچی بات تو یہ ہے کہ نیکی کی توفیق اور آخرت میں بخشش انسان کا کمال نہیں' محض اللہ کے احسان سے ہے۔

اس موقع پر اہلِ جنّت اور اہلِ دوزخ کا ایک مکالمہ ہماری عبرت کے لئے مذکور ہے۔ جس میں اہلِ دوزخ اہلِ جنّت سے درخواست کریں گے کہ ہم کو دو گھونٹ پانی پلادو تو اس پر وہ کہیں گے:

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

"بے شک یہ دونوں (جنّت کا کھانا پینا) اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر رکھا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔" (الاعراف:50-51)

دوزخ میں داخلہ کا سبب

مقامِ عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو احکامِ الٰہی کو نہ صرف پسِ پشت ڈالتے ہیں' عمل نہیں کرتے بلکہ اُن فرامینِ الٰہی کا مذاق اڑاتے ہیں اور آخرت کی زندگی اُن کو قطعاً یاد نہیں اور دنیا میں ہر وقت فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانا ان کا مشغلہ ہے۔ جبکہ حُکم یہ ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ
اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

"اور دنیا میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور اُمید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا۔ بلاشبہ اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے۔" (الاعراف:56)

دعاو مناجات قُربِ الٰہی کا ذریعہ

اس مقام پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والے اور نیکو کاروں کے قریب ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے

Marf

۔ اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل

ور اس کے لئے ایک شافی دوا کا ذکر کیا گیا:

آدابِ دُعا و ذکر

رشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۞

"اپنے رب سے عاجزی سے اور چُپکے چُپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(الاعراف-55)"

آیتِ کریمہ میں دعا و مناجات اور ذکر کے لئے ادب کا ذکر فرمایا کہ دُعا چُپکے چُپکے، انکسار اور عاجزی سے مانگنا فضل ہے تاکہ تمہارے اس انداز ذکر و دُعا سے دوسرے لوگوں کے مشاغل خراب نہ ہوں۔ ان کے آرام، ان کی لیم اور عبادت میں خلل پیدا نہ ہو۔ اس لئے فرمایا کہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس کے بعد والی آیت میں تذکرہ ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ اس بات کو ش، ہوا، اور پانی کے سبب زندگی ہونے سے ثابت کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی ایک خاص سُنّت کا اظہار فرماتے ں اور وہ سُنّت بستیوں اور آبادیوں کے بارے میں ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ پہلے ذرا سی مُشقت اور تنگی دیتے ہیں ر پھر دیکھتے ہیں کہ مُشکل اور تنگی میں لوگوں کا کیا رویّہ رہا۔ پھر بہت فراخی و کشائش پیدا کرتے اور پھر اچانک گرفت ر لیتے ہیں۔

لف اقوام کے واقعات سے عبرت

اس بات کی تمثیلی وضاحت کے لئے قومِ نوح کی غرقابی، عاد کی بربادی، ثمود کی ہلاکت، قومِ لوط کا زمین میں نس جانا اور قومِ شعیب کے انجامِ بد کا ذکر ہے کیونکہ یہ لوگ شرک کے ساتھ دوسرے معاشرتی گناہوں میں ملوّث ہے۔ اس ضمن میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہر بستی کی تباہی و ہلاکت سے قبل اس قوم کو نبیوں کے ذریعے راہ ں سمجھائی گئی۔ جب قوم اِن انبیاء کی تعلیمات کا مذاق اڑانے لگی اور معجزات کے مشاہدے کے بعد بھی راہِ حق کو نہ یا تو پھر ان پر عذابِ الٰہی آیا۔ اس بات کو یوں ذکر فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ
الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۞
ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ
اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا
نہ کیا ہو' اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اُتر آئیں۔ پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوشحالی میں بدل دیا۔
یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور بُرے دن آتے رہے
ہیں۔ پھر ہم نے ان کو اچانک گرفت میں لے لیا اور ان کو پتا بھی نہ چلا۔" (الاعراف:94-95)

گویا یہ بدنصیب اقوام یہ سمجھتی رہیں کہ یہ تنگی اور غربت اور پھر خوشحالی یہ تو معمول کی باتیں ہیں۔ ایسے
ہمارے باپ دادا پر بھی آتی تھیں۔ ان میں اللہ کی کسی تدبیر کا دخل نہیں۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ تائب ہو
اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش ان پر پھر سے برسنے لگتی۔

ایمان و تقویٰ سے دنیا کی دولت حاصل ہونا

ارشادِ باری ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○
اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ○
اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○
اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

"اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی رَوش اختیار کرتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین سے
برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے جُھٹلایا لہٰذا ہم نے انہیں اس بُری کمائی کے حساب میں پکڑ
لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔ پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت
کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی جبکہ وہ سوتے پڑے ہوں؟ انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ
ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک دن کے وقت ان پر نہ پڑے گا جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی
چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خبر ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔"

(الاعراف:96-99)

عام طور پر ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے دین پر عمل کرنے لگیں تو ہماری دُنیا تبا
جاتی ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دین کی خاطر دُنیا کو قربان کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہاں پر اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا گیا
عام طور پر بستیوں کے لوگ غربت کا شکار ہوتے ہیں۔ اُن کے بارے میں کہا گیا کہ اگر یہ لوگ ایمان اور تق
کی روش اختیار کر لیتے تو ہم آسمان و زمین دونوں سے برکات کے دروازے ان پر کھول دیتے اور انہیں مالا مال
دیتے۔ مگر ان بیوقوفوں نے جھٹلانے کی روش اختیار کی جس کی وجہ سے وہ دنیا و آخرت دونوں میں خسارے کا شکار

گئے۔

معلوم ہوا کہ دین پر عمل کرنے میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے اور اسے چھوڑنے پہ دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔

قومِ موسیٰ کے لئے تسلی

بنی اسرائیل میں سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس واقعے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ان الفاظ میں تسلی دے رہے ہیں:

قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ○ قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ○

"موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو' زمین اللہ کی ہے اور اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے' اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آخری کامیابی انہی کے لئے ہے جو اس سے ڈرتے ہوئے کام کریں اور تقویٰ اختیار کریں۔ اس کی قوم کے لوگوں نے کہا: "تیرے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے اور اب تیرے آنے پر بھی ستائے جا رہے ہیں۔" اس پر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ قریب ہے وہ وقت کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر ڈالے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے اور پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔" (الاعراف:128-129)

حکومت واقتدار۔ ایک آزمائش

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ فرعون کی شکایت کرتے ہو کہ اس نے ہمارے بیٹوں کو ذبح کیا اور ہماری بچیوں کو زندہ رکھا۔ اُس نے اپنی بادشاہت سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ لو اس کی ہلاکت کا وقت آیا چاہتا ہے۔ وہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں خلافتِ ارضی ملے گی مگر یہ مت سمجھنا کہ یہ خلافتِ ارضی' حکومت' وزارت و امارت یہ دادِ عیش کے لئے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ حکومت دینے کے بعد یہ بھی دیکھے گا کہ یہ حکومت سنبھالنے کے بعد تم کیسے عمل کرتے ہو اور مت بھولنا کہ حکومت کی یہ فرصت مہلت بہت قلیل ہوتی ہے۔

شانِ نبوت

اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کے حوالے سے بڑی عمدہ باتیں آ رہی ہیں کہ

Marfat.

نبی اُمّی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان) کے بارے میں فرمایا گیا کہ اُن کا ذکر توریت، انجیل
زبور میں ہے۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ اگر تم نے کبھی غور سے اپنی ہی کتابوں کو پڑھا ہوتا تو محمد رسول اللہ صلی
وسلم کو پہچاننے میں تمہیں کچھ دیر نہ لگتی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ حلال کو حلال بتا
ہیں جبکہ حرام کو حرام۔ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر جو شریعت نازل ہو رہی ہے، وہ فرقان ہے، حق کو باطل
اور حلال کو حرام سے ممیز کرنے والی ہے اور محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا مقام یہ ہے کہ لوگوں کی گردنوں کو غلا
سے آزاد کراتے ہیں۔

نبی کا مشن-غلامی سے نجات

ہر نبی کا یہ مشن رہا ہے کہ وہ انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کراتے ہیں اور اسے صرف اللہ کی غُلامی م
دے دیتے ہیں اور یہ نبوّت کا معیار اور کسوٹی ہے۔ اگر کوئی نبوّت کا دعویدار استعمار کا پشتیبان ہو تو سمجھ لیجئے کہ اُ
اللہ نے نہیں بلکہ کسی اور نے بھیجا ہے۔

علمائے انجیل اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت سُنانے میں سب سے بڑا کار
عامل یہ تھا کہ وہ غُلامی کے خلاف جہاد کر رہے تھے۔ اس دور میں سلطنتِ روما میں عام آبادی میں نوّے فیصد غلام ا
دس فیصد آزاد انسان بستے تھے۔ یہی دس فیصد آزاد ان 90 فیصد غُلاموں کے مالک بھی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السل
اِن غلاموں کو آزادی پر اُکسا رہے تھے جس کی وجہ سے سلطنت روما کا پورا معاشرتی نظام بہت بڑے انقلاب آزاد
کی زد میں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کی حکومت نے مذہبی پروہتوں کی مدد سے یہ فیصلہ کرلیا کہ حضرت عیسیٰؑ
نجات حاصل کرلی جائے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے غلامی کی صورت حال اور بھی خراب ہو چکی تھی
اس زمانے کا اصل سرمایہ جاگیریں اور کارخانے نہیں بلکہ غلاموں کی تعداد تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و سل
(ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں) کا یہ بہت بڑا معجزہ ہے کہ آپؐ نے 30، 35 سال کی مدّتِ قلیل میں غلامی ج
نوّے فیصد سے زیادہ تھی، کا بالکل قلع قمع فرمادیا۔ حضرت عمرؓ کے دور تک پہنچتے پہنچتے مسلمان معاشرہ میں ایک غلا
بھی موجود نہ تھا۔ غلامی کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جاچکا تھا۔

اب اِن آیات پر غور کیجئے گا۔ ان میں رحمت کے حق داروں کا ذکر ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝

.com

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۟ۙ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

"اور جو میری رحمت ہے' وہ ہر چیز پر محیط ہے میں یہ ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو (گناہوں سے) بچتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کریں' جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے' بدی سے روکتا ہے۔ ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے' وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ بس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمّیؐ پر جو اللہ اور اُس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو۔ اس کی امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔" (الاعراف:156-158)

آفاقی رسالت

پھر یہ بات کہی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ انبیاء کی طرح کسی خاص قوم' علاقے اور وقت کے لئے نبی نہیں تھے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

"کہ دیجئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں" (الاعراف:158)

کوئی بھی انسان، وہ کہیں بھی، کسی وقت بھی اس دنیا میں آنکھ کھولے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آپ کی رسالت میں آفاقیت ہے۔

حرام کی طرف بڑھنے سے حلال کا راستہ بند ہو جاتا ہے

اب ایک اہم واقعہ کا ذکر آتا ہے۔ جو اسی سورۃ میں مذکور ہے۔

ساحل کے قریب ایک بستی کے لوگوں سے کہا گیا کہ تم ہفتے میں چھ دن شکار کرو اور ایک دن چھٹی کرو۔ اس دن شکار نہ کرو، یعنی یومُ السّبت مراد (ہفتہ کے دن) شکار سے باز رہو گے۔ اب انسان میں لالچ ہو تو اُس کا اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔ اُنہوں نے یوں کیا کہ کوئی حیلہ بہانہ کر کے شکار کرتے رہے۔ جب وہ یومُ السّبت کو شکار کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک آزمائش میں ڈال دیا اور وہ یہ کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں شکار کے لئے نمودار ہوتی تھیں، باقی دن انہیں مچھلیاں ملتی ہی نہ تھیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جب چھ دن شکار کے لئے رکھے تھے، کیا وہ کافی نہ تھے؟ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو ناکافی سمجھا اور حلال میں حرام کو ملانے کی کوشش کی۔ جب حلال میں حرام کو ملانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں حرام ہی کی توفیق دی اور حلال کا راستہ ان پر بند کر دیا۔

جو لوگ رشوت کے عادی ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر وہ رشوت نہ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے حلال رزق میں اتنی برکت ڈالے گا کہ انہیں رشوت لینے کی ضرورت ہی نہ آئے گی۔ اب جبکہ انہوں نے رشوت کا دروازہ اپنے اوپر کھول لیا ہے تو اب رشوت کے بغیر گزارا نہیں ہوگا۔ یہ بالکل وہی یومُ السّبت والی کیفیت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

"ذرا ان سے اس بستی کا حال بھی پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ انہیں وہ واقعہ یاد دلاؤ کہ وہاں کے لوگ ہفتہ کے روز احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں ہفتے ہی کے روز اُبھر اُبھر کر سطحِ آب پر اُن کے سامنے آتی تھیں اور سنیچر کے سوا باقی ایام میں نہیں آتی تھیں۔ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ ہم اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے" (اگر وہ سنیچر کے روز شکار کھیلنا بند کر دیتے تو مچھلیاں سنیچر کے روز نہ آتیں بلکہ بقیہ چھ روز میں آتیں) (الاعراف:163)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حلال کا اتنا رزق دے کہ حرام کی ضرورت پیش نہ آئے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حرام سے بچنے کا عزم صمیم حاصل ہو تاکہ حلال کا راستہ کھل جائے اور حرام کی ضرورت ہی نہ رہے۔

حرام خوروں پر عذابِ الٰہی

اس واقعے کے بعد قرآنِ مجید ہی میں مزید ذکر ہے کہ جب بنی اسرائیل نے یہ حیلہ بازی شروع کی تو قوم میں مختلف طبقات پیدا ہوئے۔

1- حیلہ باز اور ان کے سرپرست۔

2- گوشہ نشین۔

3- اس گناہ اور حیلہ بازی سے روکنے والے۔

قرآن شہادت دیتا ہے کہ گوشہ نشین لوگوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے طبقے کو بھی بہکانے کی کوشش کی اور کہا کہ اس بدبخت قوم کو نصیحت سے کیا حاصل؟

مقصدِ دعوت و تبلیغ

اس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حقیقی مقصد دراصل تقویٰ اختیار کرنا ہے۔

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○

"انہوں نے کہا کہ اس لئے کہ تمہارے رب کے سامنے معذرت کر سکیں اور تعجب نہیں کہ وہ گناہوں سے بچ جائیں۔" (الاعراف: 164)

مخلوقِ الٰہی کو گمراہی میں دیکھ کر خاموش بیٹھ رہنا تقاضائے ایمان کے منافی ہے اور آخرت میں اس کی بابت بازپرس ہو گی' اس لئے ہم اتمامِ حجت کر کے اپنے رب کے حضور سرخرو ہونا چاہتے ہیں اور دوسرا نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ اگر وہ ہماری اس نصیحت پر عمل پیرا ہو جائیں تو آخرت کی رسوائی اور عذاب سے بچ جائیں گے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث پیش خدمت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ وَ اِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَ اِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو (اولاً) اُس کو ہاتھ (کی طاقت) سے روکے اور اگر وہ اس بات کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو دل سے (اس کو بُرا مانے) اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔" (بخاری)

Marfat.

آج ہم لوگ مصلحتوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اپنی عزیزداری، مفادات اور تعلقات زیادہ عزیز ہوتے ہیں
جس کے نتیجے میں ہم لوگ کھلم کھلا احکامِ الٰہی اور سُنّتِ رسول کی مخالفت اور بغاوت دیکھتے ہیں اور ہمارے کانوں
جوں تک نہیں رینگتی۔ اس قسم کے گوشہ نشینوں اور مصلحت بینوں کا انجام یوں مذکور ہے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○
فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ○

"پس جب انہوں نے ان باتوں کو بھلا دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے۔ اُن کو ہم نے بچا لیا اور جو ظلم کرتے تھے، ان کو نافرمانیوں کے سبب اُن کے عذاب میں پکڑ لیا۔ غرض جن اعمالِ (بد) سے ان کو منع کیا گیا تھا، وہ اُن پر اصرار اور ہمارے حکم سے روگردانی کرتے رہے تو ہم نے اُن کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔" (الاعراف: 165-166)

پھر فرمایا کہ ہم اُن کو ہر طرح کی نعمت اور مصیبت میں مبتلا کر کے اُن کی آزمائش کرتے ہیں اور قیامت
بہترین گھر اور بہترین بدلہ مُتّقین کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکو کار لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

اس کے بعد جو ذکر ہے، وہ اگر کسی انسان کی سمجھ میں آجائے تو یقین مانئے کہ دل ہل جاتا ہے کیونکہ اس
بنی اسرائیل کے حوالے سے ذکر ہے کہ جب انہوں نے احکامِ الٰہی کو ماننے سے پہلو تہی کی تو اللہ تعالیٰ نے پہا
سائبان کی مانند اُن کے سروں پر معلّق کر کے حکم دیا:

خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○

"جو ہم نے تمہیں دیا، اُس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اُس میں لکھا ہے، اُس پر عمل کرو تاکہ (عذاب سے) بچ جاؤ۔" (الاعراف: 171)

معلوم ہوا کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ چھوٹا موٹا عذاب دکھا کر کے بھی راہِ مستقیم پر آنے کا موقع دیتے ہیں۔

عہدِ فطرت

سورۃ الاعراف میں اس مقام پر ایک قدیم عہد کا ذکر ہے۔ جس کے بارے میں ایک صحابی سیدنا اُبَی بن کعبؓ
یوں ذکر فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کیا اور (ایک ایک قسم یا ایک ایک دور کے) لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں منظم و مرتب کر کے انہیں انسانی صورت اور گویائی کی طاقت عطا کی، پھر اُن سے عہد و پیمان لیا گیا اور خود اِن انسانوں ہی کو اُن کے اِس عہد پر گواہ بنا کر پوچھا کہ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں"؟ اُنہوں نے عرض کیا "ضرور آپ ہمارے رب ہیں"۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں تم پر زمین و آسمان

سب کو اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ ٹھہراتا ہوں تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہ سکو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ خوب جانو! کہ میرے علاوہ عبادت کا کوئی مستحق نہیں اور نہ میرے علاوہ کوئی رب ہے۔ لہٰذا تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا جو تم کو یہ عہد یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔ اس پر سب انسانوں نے کہا کہ "ہم گواہ ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب اور آپ ہی ہمارے معبود ہیں۔ آپ کے علاوہ نہ ہمارا کوئی معبود ہے اور نہ رب۔"

ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

"اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پشت سے ان کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے سامنے اقرار کرالیا (یعنی ان سے پوچھا گیا کہ) میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے: "کیوں نہیں؟ ہم گواہ ہیں" (کہ تو ہمارا رب ہے۔ یہ اقرار اس لئے کرایا) کہ (تم) قیامت کے دن (یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہیں تھی یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو اُن کی اولاد تھے (جو) اُن کے بعد (پیدا ہوئے) تو کیا جو کام اہلِ باطل کرتے رہے' اس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے۔"

(الاعراف: 172-173)

اس آیتِ کریمہ سے انسانوں پر یہ بات واضح کردی کہ جو شخص بھی شرک کا ارتکاب کرے گا' اپنے خالق کے احکام سے بغاوت کرے گا' وہ اپنے گناہوں کا خود ذمّہ دار ٹھہرے گا۔ قیامت کے روز وہ لاعلمی کا عذر تراش کر یا سابقہ نسلوں کی گمراہی کی تقلید کا بہانہ بنا کر بری نہ ہو سکے گا۔ رہا یہ سوال کہ وہ عہد و پیمان آج ہمارے شعور یا یادداشت میں محفوظ نہیں تو اس کے بارے میں واضح سا معاملہ ہے کہ دنیا تو دارُالامتحان ہے اگر یہ بات شعور اور حافظے میں محفوظ ہوتی تو مقصدِ امتحان فوت ہو جاتا۔ البتہ تحت الشعور میں آج بھی یہ بات یقیناً محفوظ ہے۔ جدید دور کی اصطلاح میں اس کو وجدان کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

یہ عہد و میثاق کیسے بُھلوا دیا گیا۔ ایک مثال

یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی جا سکتی ہے۔ ہمارے وجدان میں یہ بات طویل عرصے سے موجود ہے کہ فلاں شخص میرا والد ہے اور فلاں خاتون ہماری والدہ ہے۔ ہر چند کہ اس وقت یہ بات ہمارے شعور میں موجود ہے

کیونکہ والدین آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ اگر والدین آنکھوں کے سامنے موجود نہ ہوتے تو کیا ضرورت ہوتی؟

ذرا وہ وقت یاد کرنے کی کوشش کیجئے جب ہمارے والد بہت ہی محبت کے عالم میں ہم سے یہ پوچھا کرتے تھے: "تمہارا پاپا کون؟" والدہ یوں پوچھتیں: "تمہاری ماما کون؟" اور ہم اسی پیار و محبت کے عالم میں اُن کی طرف انگلی کا اشارہ کر دیتے تھے۔ اس اشارہ پر دونوں ماں باپ فرطِ محبت میں آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ مگر یہ سارا واقعہ ہمیں اب یاد نہیں ہے۔

کچھ اسی قسم کا واقعہ عالمِ ارواح میں بھی ہوا ہو گا۔ ہمارے آقا نے پوچھا ہو گا: "تمہارا آقا کون؟ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" اور ہم نے اُسی کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا ہو گا: "کیوں نہیں سائیں! آپ ہی تو ہمارے آقا و مولا ہیں۔"

اب جس طرح ہمیں وہ واقعہ یاد نہیں جس میں ہم نے والدین کے ساتھ قول و قرار کیا تھا، اسی طرح ہمیں "قالوا بلیٰ" والا واقعہ بھی یاد نہیں۔ دونوں واقعات ہمارے تحت الشعور میں ہیں۔

ے دیکھا تو ہو گا ہم نے ازل میں، ترا جمال
لیکن وہ کوئی وقت نہ تھا امتیاز کا

اللہ تعالیٰ کی آیات سے بغاوت۔ ایک مثال

اس تفصیل کے بعد قرآنِ مجید میں ایک ایسے شخص کی مثال دی گئی ہے جس کے متعلق اللہ نے چاہا کہ وہ بلندی اختیار کرے اور یہ اللہ کی تعلیمات اور اُس کے قرآن کے ذریعے ہی سے ممکن ہے لیکن وہ شخص اللہ تعالیٰ کی پابندیوں سے نکل بھاگا۔ اِس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک ہانپتے ہوئے کُتے پر بوجھ ڈالا جائے تو وہ اور ہانپنے لگے اور اگر بوجھ نہ بھی ڈالا جائے تو بھی زبان نکال کر ہانپتا ہی رہے۔ اُس کے ہانپنے کی کیفیت کو ایک علامت کے طور پر حرص اور شہوت زدہ جانور کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ آیت اور ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ
فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○
وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ
كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ
ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○

Marf

سَآءَ مَثَلاً الْقَوْمُ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ کَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ○ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے سامنے اُس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ اُن کی پابندی سے نکل بھاگا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔ اگر ہم چاہتے تو اُسے ان آیتوں کے ذریعے سے بلندی عطا کرتے۔ مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور وہ اپنی خواہشِ نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا' لہٰذا اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ تم اس پر بوجھ لادو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور تم اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ تم یہ حکایات ان کو سناتے رہو شاید کہ یہ کچھ غور و فکر کریں' (یہ) بہت ہی بُری مثال ہے ایسے لوگوں کی' جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے بس وہی راہِ راست پاتا ہے اور جس کو اللہ اپنی راہنمائی سے محروم کر دے' وہی ناکام و نامراد ہو کر رہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں کہ جن کو ہم نے جہنم ہی کے لئے پیدا کیا تھا۔" (الاعراف:175-179)

یہ دراصل ایسا جملہ ہے جو بہت دُکھ کے عالم میں کہا جا رہا ہے بالکل ویسے جیسا کہ ایک ماں اپنے بیٹے پر ماتم کرتے ہوئے کہتی ہے کہ میں نے تو تجھے ڈوب مرنے کو پیدا کیا تھا۔ ماں دراصل یہ نہیں چاہتی کہ وہ ڈوب کر مر جائے لیکن بہت غم و اندوہ کے عالم میں یہ کہتی ہے۔ بالکل غم کی اسی کیفیت میں یہ جملہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ہم نے اُن کو جہنم ہی کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس کی وجہ یوں بیان کی گئی:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ اس سے سوچتے نہیں۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں مگر وہ اُن سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں" (الاعراف:179)

قرآنِ مجید کا انداز اس قدر تڑپا دینے والا ہے کہ وہ لوگ جو غور و فکر' تذکّر اور تدبّر سے کام نہیں لیتے' اُن کا سننا ایسے ہی ہے جیسا کہ آپ گاڑی پر جا رہے ہوں ایک جانور سڑک پر کھڑا ہو آپ ہارن پر ہارن دیتے رہیں لیکن وہ مزے سے کھڑا ہے اور ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ بالکل یہی حالت ان لوگوں کی بیان فرمائی ہے۔ قرآنِ مجید کی آیات

Marfat.

اسی لئے بھیجی گئی ہیں کہ انسان انہیں کھول کر دیکھے' پڑھے اور انہیں سمجھے' ان پر غور و فکر اور تدبّر سے کام لے۔ یہ اللہ کا پیغام ہے' اسے وصول کرے' قبول کرے اور پوری زندگی میں اسے اپنائے اور عملاً اختیار کرے' اپنے آپ کو اسی کے رنگ میں رنگ لے ورنہ وہ جانوروں سے بھی بد تر ہے۔

توحیدِ الٰہی

اس سے آگے توحید کے موضوع پر چند ایسی آیات ہیں کہ انہیں پڑھتے ہوئے انسان کانپ اٹھتا ہے۔ اس کے بعد انسان کے مقصدِ تخلیق کو ایک نئے اور اچھوتے انداز میں بیان فرمایا۔ اِن آیات میں توحید کی ایک عجیب جھلک نظر آتی ہے اور کلام میں عجب شاہانہ انداز ہے۔ اُن میں سے ایک آیت درج ذیل ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

"اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں۔ تم اُس کو اُس کے ناموں سے پکارو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کجی (اختیار) کرتے ہیں۔ اُن کو چھوڑ دو۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اُس کی سزا پائیں گے۔"

(الاعراف:180)

شانِ رسالت کے بارے میں درست رویّہ

موحدین اور منکرین کے تذکرے کے بعد شانِ نبوّت میں گستاخی کرنے والوں کو تنبیہ ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِیْ مَتِيْنٌ ○

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○

"اور میں اُن کو مہلت دیئے جاتا ہوں۔ میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔ کیا اُنہوں نے غور نہیں کیا کہ اُن کے رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو (کسی طرح کا بھی) جنون نہیں ہے' وہ تو اعلانیہ طور پر ڈرانے والا ہے۔" (الاعراف:184)

علمِ غیب اور نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ

اس میں وضاحت ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ مہلت دیئے جاتا ہے اور پھر ایک دم اُس کی گرفت کی جاتی ہے اور سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اس موضوع

.com

کے بارے میں ذکر ہے کہ آیا کسی نبی و ولی کو کسی کی بگڑی بنانے یا کسی کے نفع و نقصان کا اختیار ہے یا نہیں؟ کیا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے طور پر کُلّی اور مطلق علم غیب حاصل ہے یا صرف اتنا علم ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی مصلحت کے تحت عطا کر دیا؟ مندرجہ ذیل آیت حُجتِ قاطعہ ہے۔ جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ آیات اور اُن کا ترجمہ پیش ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۖۛ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ؏

"(اے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! اُن کو) بتا دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، اُن لوگوں کے لئے جو میری بات مانیں۔" (الاعراف:188)

اس آیتِ کریمہ کا پس منظر یوں ہے کہ کفّارِ مکہ قیامت کا ذکر سُنتے تو آپ سے یہ سوال کرتے کہ بتائیں کہ قیامت کب آئے گی؟ بعض شرپسندیوں کہنے لگے کہ اگر اس شخص پر اللہ کی وحی آتی ہے تو اس سے پوچھا جائے کہ مختلف علاقوں میں مختلف موسموں کے اعتبار سے کاروباری فوائد کس جگہ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ آپ نے واضح کر دیا کہ میرا کام چھپے اور مستقبل کے حالات کی خبریں اور کاروباری فوائد بتانا نہیں بلکہ میں تو اللہ کے عطا کردہ علم کی بدولت آخرت کے عذاب سے خبردار کرنے آیا ہوں۔ اسی مضمونِ توحید کو آگے چل کر یوں ذکر فرمایا کہ یہ مشرک جن معبودوں (انبیاء کے مجسمے اور دیگر مخلوقات) کی عبادت کرتے ہیں، اُن کی حالت تو اللہ کے ہاں یہ ہے:

وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ

"اور نہ وہ اُن کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد آپ کر سکتے ہیں اور اگر تم اُن کو سیدھے راستے کی طرف بلاؤ تو وہ کہنا مانیں گے۔" (الاعراف:192-193)

اس بات کی مزید وضاحت درج ذیل آیات میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ

"(مشرکو!) جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، وہ تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں۔" (الاعراف:194)

fat.com

یہ مقام اس بات کی تفصیل کا ہے۔ اختصار کے ساتھ بات یوں سمجھ لیں کہ مشرک کبھی بھی بُت کو پتھر سمجھ کر نہیں پوجتا بلکہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس شخصیت کی شبیہ یا مجسمہ سامنے ہے' اس کی روح اس میں حلول کر گئی ہے اور وہ روح مجھے یوں عبادت کرتے دیکھ کر خوش ہوتی ہے اور پھر شیطان اسی انداز اور ان تخیلات کو نئی نئی شکلیں دیتا رہتا ہے۔

مشرکین کی گوشمالی

مشرکین کی مزید گوشمالی اور تنبیہہ کے لئے اللہ ربُّ العزّت نے نبیِٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان مشرکین سے دریافت کریں کہ تمہارے زعم کے مطابق تو یوں ہے کہ مجھے ان بتوں سے دشمنی ہے اور میں ان کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ نیز یہ کہ عنقریب یہ بت (معبود) مجھے عتاب کا نشانہ بنا لیں گے۔

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ

"بھلا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں یا کان ہیں جن سے سنیں؟" (الاعراف-195)

ظاہر ہے یہ بت یا مجسمے جن کو مختلف اشکال میں تراشا گیا ہے بالکل حرکت تک کرنے کی سکت نہیں رکھتے اور اگر ان تمام صراحتوں اور واضح گفتگو کے بعد بھی ان کی عبادت کرتے ہو اور میرے بارے میں تمہارا یہ زعم ہے کہ میں ان بتوں کی گستاخی کے باعث کسی وبال کا شکار ہوں گا تو یہ میرا اعلان ہے:

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ۝

"اپنے شریکوں (معبودوں) کو بلا لو اور میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی ہو) کر لو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔" (الاعراف:195)

اور پھر دیکھ لینا کہ وہ میرا کیا بگاڑ لیتے ہیں لیکن آؤ اب میں حقیقت حال کو مزید واضح کر دوں کہ یہ سب مل کر بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کیونکہ

إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ۝

"میرا حامی و ناصر اور میری حفاظت کرنے والا وہ خدا ہے جس نے یہ کتاب نازل کی اور وہ نیک آدمیوں کی حمایت کرتا ہے۔" (الاعراف:196)

Marf

نصرتِ الٰہی قرآن سے تعلق پر موقوف ہے

یہاں ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی میری حامی و ناصر ہے کیونکہ اُسی نے میری ہدایت و اصلاح کے لئے کتاب نازل کی ہے۔ یہاں لطیف اشارہ ہے کہ اس کا حامی و ناصر ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اس کی نازل کردہ کتاب سے میں کتنا تعلق پیدا کر پاتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس یقین دہانی کے بعد نہایت ہی کریمانہ سلوک کرنے کا حکم دیا۔

مبلّغ کی شان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

"(اے محمدؐ) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرلو اور اگر شیطان کی طرح کا کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔"

(الاعراف:199-200)

خلاصۂ کلام

اب سورہ کے مضامین کی تکمیل ہو رہی ہے تو سورہ کے مضامین کا خلاصہ یوں ذکر فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

"(اے پیغمبرؐ) کہ دیجئے! کہ میں تو اُسی (اللہ) کے حکم کی پیروی کرتا ہوں۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اسے قبول کریں۔ جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجّہ سے سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے۔" (الاعراف:203-204)

دراصل قرآنِ مجید کی تلاوت کے وقت توجہ اور ہمہ تن گوش ہو کر سننے کا حکم ہے' اس لئے کہ قرآنِ مجید کے معانی کو سمجھ کر سننا چاہئے' اس نیت سے کہ اس کو ہم اپنائیں گے' اس کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیں گے' اس کو تذکر کہتے ہیں اور تلاوت کے یہی دو آداب ہیں: تدبّر اور تذکّر۔ یعنی غور سے سوچ سمجھ کر پڑھنا اور اس کو اپنانے اور اُس پر عمل کرنے کی نیت سے پڑھنا۔

اس کے بعد ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ○
إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ○

"اے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو' عاجزی و انکسار کے ساتھ اور چپکے چپکے اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ۔ تم اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو لوگ تمہارے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں' وہ کبھی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں آکر اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے۔ اُس کی تسبیح کرتے اور اس کے آگے جھکے رہتے ہیں۔"

(الاعراف 201-205)

اس آیت پہ سجدہ واجب ہے اور قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں یہ پہلی آیت ہے جس کی تلاوت کے بعد ہم سجدے میں گر جاتے ہیں۔ صحیح مُسلم کی روایت ہے کہ شیطان جب یہ دیکھتا ہے کہ اللہ کا ایک بندہ قرآنِ مجید پڑھتے ہوئے سجدے میں گر جاتا ہے تو اسے بہت حسرت و افسوس ہوتا ہے' وہ آہ و بکا کرتا ہے کہ یہ وہی سجدہ ہے جس سے انکار کی وجہ سے وہ مردود اور راندہ ٹھہرا اور یہ وہی سجدہ ہے کہ جس کی وجہ سے انسان بلندی پہ بلندی حاصل کرتا چلا جا رہا ہے۔

؎ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اقبالؒ

Marf

سورہ الانفال (۸)

نام

انفال نفل کی جمع ہے جس کا معنی ہے مالِ غنیمت۔ اس سورۃ میں چونکہ مالِ غنیمت سے متعلق احکام کا ذکر ہے، اس مناسبت سے اس سورۃ کا نام "الانفال" رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں جنگِ بدر کے بعد نازل ہوئی۔

مباحث

اس سورۃ میں زمانۂ جنگ سے متعلق اور جنگ کے بعد پیدا شدہ صورت حال کیلئے ہدایات مذکور ہیں اور انداز خالصتاً مربیانہ ہے۔ مثلاً:

1- جنگ کے بعد جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے اور انہی کے حکم کے مطابق اس کی تقسیم ہوگی۔ اس میں سے جو حصہ تمہیں مل جائے، اسے اللہ کا انعام سمجھ کر قبول کرلو۔

2- مجاہدین سے میدانِ جہاد میں جو کمزوریاں اور خامیاں ظاہر ہوئیں، ان کی نشاندہی کر کے ان کے ازالے اور اخلاق حسنہ کی تکمیل کیلئے حکم دیا گیا۔

3- مجاہدین کو یہ باور کرایا گیا کہ ساز و سامان کے بغیر اور مختصر سی جماعت کے ساتھ اس قدر بڑے اور مسلح دشمن کے مقابلے میں فتح تمہاری محنت کا ثمر نہیں بلکہ اس میں تائید و نصرتِ الٰہی کار فرما تھی۔ اس لئے آئندہ بھی اللہ پر بھروسے اور اس کے رسول کی اطاعت ہی کو ذریعہ نجات و فلاح سمجھیں۔ جس مشن اور اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے آج تمہیں کامیابی ملی ہے، اسی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیں۔

4- قیدی بننے والے مشرکینِ مکہ اور منافقین کو عبرت آموز خطاب کیا گیا۔ اور مسلمانوں کو اصولِ جنگ و صلح کی تلقین کی گئی اور ہدایت کی گئی کہ امن اور جنگ ہر صورت میں دورِ جاہلیت کے طریقوں اور رسموں سے مکمل اجتناب کریں۔ تاکہ معاصر اقوام پر تمہارے اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے تمہارے مذہب اور مشن کی حقانیت واضح ہو سکے اور تم مسلمان اس اسلام کی عملی تعبیر و تشریح کے طور پر خود کو پیش کر سکو۔

5- اسلامی مملکت کے اساسی دستور کیلئے بعض بنیادی دفعات (جو دورِ جنگ کے ساتھ متعلق ہیں) کا ذکر کیا گیا۔ اسی طرح جو لوگ دار الکفر میں قیام پزیر ہیں، ان کی قانونی حیثیت بھی متعین کر دی گئی۔

fat.com

سورۃ الانفال کے زمانۂ نزول اور مباحث کے اجمالی تذکرے کے بعد اس سورۃ کے تفصیلی مطالعے سے پ
ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے حالات اور پس منظر کو بھی قدرے اجمال کے ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ د
حاضر کے مسلمان اس بات کا اندازہ کر سکیں کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان کن حالات اور مشکلات سے دوچار رہے۔

ہجرت سے قبل مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں مصائب و آلام کا سامنا جس پامردی اور استقامت کے ساتھ
اس نے تاریخ کے دھارے کو موڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ مسلمانوں کا صبر و ثبات ہی تھا' جس نے اس دور
دشمن کو یہ بات باور کرائی کہ یہ دعوت ایک دن اپنی منزل تک پہنچ کر رہے گی کیونکہ داعی اور اس کی جماعت کے
وارادہ میں کوئی سی چیز بھی رکاوٹ نہیں بن سکی اور نہ ان کے ارادوں میں کسی قسم کا تزلزل پیدا ہوا ہے۔ مکہ وا
اب تک جاہلیت کی رسوم و رواج کو حرزِ جان بنائے ہوئے تھے' دس بارہ برس کے بعد یہ بات سنجیدگی سے محسوس
رہے تھے کہ مسلمان ان کے پرانے نظام کیلئے شدید خطرہ ہیں کیونکہ مسلمان اخلاص کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب
مرمٹنے اور جان نثار کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار تھے۔ قرابت و رشتہ' مال و زر اور وطن ایسی کوئی چیز بھی ان کو ا
مذہب کے ساتھ وابستگی اور عشق سے باز نہ کر سکی۔ بلکہ اب مسلمانوں کی آواز مکہ سے باہر اقصائے عالم میں گ
رہی تھی۔ مکی دور کے آخری برسوں میں یثرب کے لوگ اس دینِ فطرت کی آواز سن کر اس پر لبیک کہتے ہوئے ح
نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اس دینِ فطرت کو قبول کر لیا اور نبیٔ کریم صلی
علیہ وسلم کو دعوت دی کہ آپ خود اپنے جاں نثاروں سمیت ہمارے شہر کو یہ شرف بخشیں کہ اس کو دارُالاسلام
دیا جا سکے اور اسلام جس کو اپنی انقلابی دعوت کیلئے تاحال کوئی مرکز نہیں مل سکا تھا وہ یثرب کو دارُالاسلام بنا کر سا
دنیا کو دعوت دینے کیلئے وہاں اپنی مرکزیت قائم کرے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعوت کو قبول کر
یثرب کو مدینۃُ النبی یا مدینہ منورہ کے لقب سے ملقب کرایا۔

اس مقام پر ایک دلچسپ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب یثربی لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ
کیلئے دعوت دے رہے تھے عین اس وقت اس وفد میں شریک ایک نوجوان اسعد بن زرارہؓ اور ایک دوسرے ص
عباسؓ بن عبادہ نے اہلِ یثرب کو خطاب کیا جس کا خلاصہ یہ تھا:

"اے اہلِ یثرب! تم اس وقت جس چیز پر بیعت کر کے پیغمبرِ اسلام کو اپنے شہر میں آمد کی دعوت دے رہے
کیا تم اس کے انجام سے آگاہ ہو؟ یاد رکھو! اس دعوت کا ظاہر مقصد یہ ہے کہ تم اپنے آپ' اپنے مال و زر
اشراف کی جانوں کو خطرے میں ڈال دو اور سارے عرب کی دشمنی مول لے لو۔ اگر تم یہ سب کچھ برداشت کرنے
سکت اپنے آپ میں پاتے ہو تو بہتر' ورنہ آج ہی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤ اور اس شخص کو فریب نہ دو
اگر تمہیں یہ سب کچھ گنوا کر آخرت کی بھلائی مقصود ہے تو کھلی آنکھوں اور سنتے کانوں سے لبیک کہو۔" اس پر
کے شرکاء نے اپنے عزائم کا اظہار یوں کیا:

.com

"ہم مال کی تباہی اور اشراف کی ہلاکت کے خطرے کے باوجود اس شخص کو لینے کیلئے تیار ہیں"

اِدھر یہ سلسلہ جاری تھا' اُدھر اہلِ مکہ کے جاسوسوں نے یہ حالات اہلِ مکہ کو جا کر بتائے تو انہوں نے اہلِ یثرب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ جب وہ اس سے عاجز آ گئے اور حالات کا دوسرا رُخ ان کے سامنے آگیا تو انہوں نے دوسرے اقدامات پر غور و فکر شروع کر دیا کیونکہ یثرب میں مسلمانوں کی طاقت مجتمع اور منظم ہونے کی صورت میں مکّہ والوں کو یمن کے راستے ہونے والی تجارت سے ہاتھ دھونے پڑتے اور ان کو سالانہ لاکھوں دینار کا خسارہ ہوتا۔

کُفارِ قریش نے اب فوری طور پر مشورہ کیلئے رؤسائے مکّہ کا ایک اجلاس منعقد کیا' جس میں یہ طے کیا گیا کہ بنی ہاشم کے علاوہ قریش کے ہر قبیلے کا ایک ایک فرد جمع کر لیا جائے جو یکبارگی حملہ کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالیں۔ اس اجتماعی بلوے کے بعد بنو ہاشم' قریش کے سارے قبائل سے لڑ نہ سکیں گے اور قصاص پر رضامند ہو جائیں گے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے ذریعہ مکّہ والوں کی سازش سے محفوظ بنا دیا تو کُفارِ مکّہ اپنی ناکامی پر سٹپٹا اُٹھے۔ اپنی خِفّت اور ندامت مٹانے کیلئے انہوں نے یثرب کے سردار عبداللہ بن اُبَیّ سے رابطہ کیا اور اُسے یہ پیغام دیا:

"تم نے ہمارے جس آدمی (محمدؐ) کو اپنے ہاں پناہ دی ہے' اس کو تم اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم حملہ کر کے تمہارے مردوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو باندیاں بنالیں گے"

یہ وہی دور ہے جب عبداللہ بن اُبَیّ مدینے کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ تدبیر کی اور یوں یہ فتنہ وقتی طور پر ٹل گیا۔ مگر قریش باز نہ آئے' انہوں نے حج پر جانے والوں کو دھمکیاں دیں اور دھمکی آمیز پیغام بھی بھجوائے اور کہا کہ "ہم تمہیں حج سے روک دیں گے"

سعدؓ بن معاذ نے ایسی ہی ایک دھمکی کے جواب میں ابو جہل سے کہا کہ "اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو ہم تمہیں ایسی راہ گزر سے روکیں گے جس کا نقصان تم اس سے زیادہ محسوس کرو گے۔" دراصل یہ اشارہ شامی تجارت کا راستہ بند کرنے کی طرف تھا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان سازشوں کا علم ہوا تو آپ نے اس فتنے کے استحصال کے لئے چند اقدامات کئے:

الف۔ بحرِ احمر کے ساحلی علاقوں میں بسنے والے قبائل کے ساتھ آپ نے گفت و شنید کی اور اُن سے حلیفانہ معاہدے شروع کر دیئے جس کے نتیجے میں قبیلہ جُہَینہ سے پہلا معاہدہ ہوا اور اس میں یہ طے پایا کہ جنگ کی صورت میں یہ قبیلہ غیر جانبدار رہے گا۔ اسی طرح ینبوع اور ذوالعشیرہ سے متصل بسنے والے قبائل بنی حمزہ سے بھی معاہدہ ہوا جس کی رو سے یہ لوگ دفاع کے لئے مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ اسی طرح بنی حمزہ کا حلیف قبیلہ بنی مدلج بھی اس معاہدہ میں شریک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ نے دیگر قبائل کو بھی متاثر کیا۔

fat.com

ب۔ قریشی سازشوں کے استحصال کے لئے آپ نے دوسرا اقدام یہ تجویز کیا کہ قریش کے تجارتی قافلوں کو دھمکا
کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے وقتاً فوقتاً روانہ کئے۔ مغازی کی کتابوں میں سریہ حمزہؓ سریہ عبیدہؓ بن حارث اور س
سعدؓ بن ابی وقاصؓ کا تذکرہ اسی دور میں ملتا ہے۔

(نوٹ: سریہ اس مہم کو کہتے ہیں جو کسی صحابی کی سرکردگی میں روانہ کی گئی ہو۔)

ان تمام مہمات کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ان میں سے کسی مہم میں بھی مدینہ منورہ کے کسی فرد کو شریک
کیا گیا۔ جوابی طور پر اہلِ مکہ نے بھی غارت گری کا سلسلہ شروع کردیا اور اُن کے اسی قسم کے ایک دستے نے کرز
جابر کی سرکردگی میں مدینہ کے قریب چرنے والے مویشیوں کو لوٹا۔ اہلِ مکہ نے مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کے
تیاریاں تیز تر کردیں۔ اس سلسلے کا ایک تجارتی قافلہ سن 2 ہجری میں شام سے لوٹ رہا تھا جس میں ہزاروں اش
مالیت کا سامان تھا۔ ابو سُفیان نے خطرے کی بو پاکر ایک تیز رفتار سوار کو مکّہ سے مدد کے لئے روانہ کردیا۔ اس
حسبِ دستور اونٹ کے کان کاٹے۔ اس کی ناک چیر دی' کجاوہ الٹا اور اپنا لباس تار تار کرکے شور مچادیا کہ "قریشی
تمہارے تجارتی مال کو (جو ابو سُفیان لے کر آرہا ہے) محمد کے ساتھی لوٹنے کے درپے ہیں" اس خبر پر مکّہ کے ایک
ہزار جوان کیل کانٹے سے لیس ہو کر مقابلے کے لئے تیار ہوگئے' ان میں 600 زرہ پوش اور سو شہسوار بھی تھے
یوں یہ قافلہ سامانِ حرب سے لیس ہو کر اپنے تجارتی قافلے کو بچانے نکلا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ والوں کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ آپؐ نے حالات کا جائزہ لے ک
مجاہدین کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا کہ ایک جانب ابو سفیان کا تجارتی قافلہ ہے اور دوسری جانب مکّہ والوں
لشکرِ جرار۔ عام رائے یہ تھی کہ ابو سُفیان کے تجارتی قافلہ کو روکا جائے مگر حالات کے پیشِ نظر کُفارِ مکّہ کا مقابلہ
ناگزیر تھا۔ کیونکہ مسلمان اگر اس وقت کُفارِ مکہ کا ڈٹ کر مقابلہ نہ کرتے اور دبک کر بیٹھ جاتے تو پھر پورے عرب میں
مسلمانوں کو پناہ نہ مل سکتی اور مدینہ میں بسنے والے یہودی اور منافق بھی پر پرزے نکال کر مسلمانوں کے لئے مشکلات
پیدا کرسکتے تھے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کُفارِ مکہ کے ساتھ مقابلہ سے قبل مسلمانوں کی رائے معلوم کرنا ضروری
سمجھی۔ مہاجرین میں سے مقدادؓ بن عَمرو نے عرض کیا کہ "ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ کو اس میدان میں تنہا
چھوڑنے والے نہیں۔" اس پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سوال کو پھر دہرایا تو انصار میں سے سعدؓ بن معاذ
نے عرض کیا کہ "اگر آپ کا روئے سخن ہماری جانب ہے تو اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے کہ
ہم میں سے ایک بھی اس موقع پر پیچھے نہ ہٹے گا اور ہم یہ ہرگز گوارا نہ کریں گے کہ آپ کل جا کر ہمارے بغیر دشمن کا
مقابلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ سب کچھ دکھادے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔" اس
کے بعد کُفارِ مکّہ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تین سو سے کچھ زائد افراد اللہ کے بھروسے پر روانہ ہوگئے جن میں 86

.com

مہاجرین اور باقی انصاری مجاہد تھے۔ کل تین گھوڑے' ایک سو ستر اونٹ اور 60 زرہیں تھیں۔ سامانِ جنگ نہ ہونے کے برابر تھا۔ ان حالات میں اس مہم کے لئے جانا سرفروشی کی اعلیٰ ترین مثال اور ایمان کا کامل ترین درجہ ہی ہو سکتا ہے۔

17 رمضان المبارک کو مقامِ بدر پر مقابلہ ہوا۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اللہ کے حضور اپنے ہاتھ پھیلا کر دُعا کی جس کے آخری الفاظ یوں تھے: "اے اللہ! اگر آج یہ چند افراد پر مشتمل مسلمانوں کی جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر تیرے عبادت گزار نہ رہیں گے۔" مہاجرین کے لئے یہ آزمائش کی گھڑی بڑی ہی کٹھن تھی کہ آج مقابل فوج میں ان کے اپنے ہی اعزّاء و اقارب موجود تھے۔ کہیں باپ کے مقابل بیٹا اور کہیں ماموں کے مقابل بھانجا تھا۔ اس موقع پر مہاجرین نے یہ بات ثابت کر دی کہ انہوں نے حق سے رشتہ پوری سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ جوڑا ہے۔ اس کے مقابل باطل کے سارے تعلقات اور رشتے قطع کر ڈالے ہیں۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

"(اے محمدؐ مجاہد) لوگ آپؐ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے) کہہ دیں کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے۔ اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو۔" (الانفال:1)

غنیمت اور فئے

انفال کا لفظی معنی غنیمت ہے۔ یہاں ایک اصولی بات پیشِ خدمت ہے جو یہ ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کا مال دو طرح سے لے سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ دورانِ جنگ میں مالِ غنیمت کی شکل میں ملنے والا مال۔ اس کے مسائل اسی سورۃ (انفال) میں بیان ہوئے ہیں۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ بغیر جنگ کے غیر مسلمین کے اموال' املاک اور اوقاف مسلمانوں کے ہاتھ آ جائیں مثلاً غیر مسلم علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں اور اُن کی جائیدادیں مسلمانوں کے قبضے میں آ جائیں۔ جیسا کہ مدینہ منورہ میں یہودی قبائل بنو نضیر' بنو قینقاع اور بنو قریظہ وغیرہ کے لوگ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ اب ان کی جتنی بھی املاک تھیں' وہ ساری کی ساری مسلمانوں کے پاس آ گئیں۔ ان کو اموالِ فئے کہا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت سورۃ الحشر میں بیان کی گئی ہے۔ اموالِ فئے مسلمانوں کا اور اسلامی ریاست کا حق ہے۔ اگر غیر مسلم اس کو چھوڑ کر چلے جائیں تو اس پر ان کا کوئی حق نہیں رہتا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ

"اور جان لو! کہ جو چیز تم (کفار سے) غنیمت کی صورت میں لاؤ' اس میں سے پانچواں حصہ اللہ' اُس کے رسول' اہلِ قرابت' یتیموں' محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔" (الانفال:41)

Marf

یعنی اللہ تعالیٰ بطور اموالِ غنیمت جو کچھ تمہیں عطا کرے' وہ اللہ' اُس کے رسول اور اُن کے قریبی رشتہ داروں کا حق ہے نیز عام مسلمانوں اور مسافروں کا حق ہے اور اس میں اسلامی حکومت جس طرح چاہے' تصرف کر سکتی ہے۔ بہرحال یہ غیر مسلموں کا حق نہیں بنتا۔ اس سورۂ مبارکہ میں انفال اور غنائم کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ذکر و تلاوت کا موضوع شروع ہوتا ہے۔

کامل مومن کی نشانیاں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ○ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ط

"سچے اہلِ ایمان وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز اٹھتے ہیں اور جب اللہ کی آیات اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو اُن کے ایمان میں اضافہ کرتی ہیں اور وہ اپنے رب پر اعتقاد رکھتے ہیں' جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے' اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔" (الانفال:2-4)

ایمان کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور دوسرا یہ کہ وہ آہستہ آہستہ اور بتدریج قرآنِ مجید سے ایمان حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔ جونہی ان کے سامنے قرآنِ مجید کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ غور سے سنتے ہیں یا وہ خود تلاوت کرتے ہیں تو ہر ہر آیت ان کے ایمان میں اضافہ کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید کو سمجھے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی کامل ہوتا ہے۔

اس سورۃ میں چونکہ غزوۂ بدر سے متعلق احکام کا ذکر ہے تو اس کی تمہید کے طور پر اس کیفیت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو میدانِ بدر کی جانب کوچ کا حکم دیا جہاں کُفارِ مکہ سے مقابلہ تھا تو بعض صحابہؓ کی رائے اس موقع پر یہ تھی کہ یوں بے سرو سامانی کے عالم میں بھڑ جانا ہمارے لئے سود مند نہ رہے گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان سے مقابلہ کی حکمت و فلسفہ کو یوں فرمایا کہ:

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ

fat.com

وَيَقۡطَعَ دَابِرَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۙ لِيُحِقَّ الۡحَقَّ وَيُبۡطِلَ الۡبَاطِلَ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۚ

"اور جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ (ابو سفیان اور ابو جہل کے) دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے لئے (مسخر) ہو جائے گا اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے شان و شوکت (یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے حکم سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر پھینک دے تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دے۔ گو مشرک ناخوش ہی ہوں۔" (الانفال: 7-8)

توکّل کی حقیقت

گو یہ غزوۂ بدر کے حالات کی تفصیل کا موقع نہیں لیکن ایک بات کا ذکر ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی بے سروسامانی اور مدِمقابل کی طاقت ہر لحاظ سے تین گنا تھی۔ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف دعاؤں ہی پر گزارا کرتے تو مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بھی دُعا مانگی جا سکتی تھی کہ اے اللہ! قریش کے لشکر کو راستے ہی میں موت سے ہمکنار کر دے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سُنّت نہیں۔ جو کچھ بھی ان کے پاس تھا' خواہ وہ افرادی قوت تھی یا حربی قوت' سب کو میدانِ بدر میں صف آرا کر دیا گیا اور جو کچھ کیا جا سکتا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کر گزرے اور انتظام و اہتمام کرنے کے بعد خدا کے حضور دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور نہ صرف یہ کہ دُعا مانگی بلکہ مُٹھی بھر کنکریاں بھی کُفّار کی طرف پھینکیں اور غُصّے میں فرمایا کہ "ان کے چہرے بگڑ جائیں" اس ساری تگ و دو اور بھاگ دوڑ کو دیکھ کر رحمتِ باری نے یوں خطاب فرمایا اور بشارت سنائی:

اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَكُمۡ اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰۤـئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ ۝

"جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دُعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ (تسلّی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے' تمہاری مدد کریں گے۔" (الانفال: 9)

اور مزید آگے اس کی صراحت بھی کر دی کہ یہ سب کچھ تمہارے اطمینان و تسلّی کے لئے کیا گیا ہے۔ اس میں ظاہری سبب کے طور پر یہ انعام بھی کیا کہ مومنوں کو عین میدانِ جنگ میں ایک لمحہ کے لئے اونگھ آئی جس سے ان کے بدن کی تکان اور دماغ سے بوجھ اتر گیا اور وہ خوب بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ یہ معرکہ کُفّار کی شکست پر ختم ہوا۔ اُن کے بڑے بڑے لیڈروں سمیت ستر افراد قتل ہو گئے اور بڑے بڑے جغادری قید ہو گئے۔ اب موقع تھا کہ بڑے بڑے ترانے اور قصیدے لکھے جاتے لیکن قرآن انہیں کہ رہا ہے کہ خود فریبی سے بچو۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

"تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا' اور اے نبی! جو تم نے کنکریاں پھینکی تھیں' وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں وہ تو اللہ ہی نے پھینکی تھیں۔" (الانفال:17)

واقعہ ہے تو انکار نہیں غزوۂ بدر میں لڑنے کو تو مسلمان ہی لڑے تھے اور تلواریں اور نیزے بھی انہوں ہی نے چلائے تھے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک ہاتھ تمہارے ہی حرکت میں تھے لیکن یہ مَیں لڑ رہا تھا اور وہ کنکریاں' تمہارے ہاتھ سے تمہارے بازو کے ذریعے سے میں نے پھینکی تھیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ریت اور کنکریوں کی مُٹھی میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر دی کہ وہ کُفّار کے لشکریوں کی آنکھوں میں جا پڑیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسباب تم اختیار کرتے ہو' لیکن درپردہ ہاتھ اللہ ہی کا ہوتا ہے اور نتیجہ اللہ کی طرف سے برآمد ہو رہا ہوتا ہے' اس لئے کہ:

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ

"ساری کی ساری قوت اللہ کی ہے۔" (البقرۃ:165)

فاعلِ حقیقی اللہ ہے

اس فانی دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے' سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسباب اختیار کئے جائیں گے لیکن بھروسا اسباب پر نہیں ہوگا۔ بھروسا اسباب پیدا کرنے والے پر ہوگا۔ جس نے نہ صرف اسباب کو پیدا کیا بلکہ ان میں تاثیر بھی رکھی۔ میں پانی پیتا ہوں' پیاس اللہ تبارک وتعالیٰ بجھاتا ہے۔ حقیقت اور نفس الامر یہ نہیں کہ روٹی نے مجھے طاقت دے دی یا سالن سے میرا پیٹ بھرا۔ طاقت تو اللہ ہی دیتا ہے۔ اسی طرح بیماری میں شفا دوا نہیں دیتی' شفا تو اللہ ہی دیتا ہے جس نے دوا میں تاثیر ڈال دی ہے۔ دوا کے راستے سے اللہ کا ہاتھ ہے جو کام کر رہا ہوتا ہے! اور مجھے شفا دے رہا ہوتا ہے:

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝

"وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی ہے جو شفا عطا فرماتا ہے۔"

(الشعراء:79-80)

اسباب نہیں مُسبّب پر بھروسہ

اسباب کی دنیا میں اسباب کے اندر سے اللہ کے ہاتھ کو دیکھ لینا' محسوس کر لینا اور اس کا ایمان ویقین پیدا کر

fat.com

لینا ہی دراصل توحید ہے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اگر تمہیں اللہ پر یقین ہو گیا تو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جان نثار کرنا سیکھ لو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ

"اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلا رہا ہے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔"

(الانفال:24)

شہ رگ تو بہت دُور ہے اے جانِ تمنّا
آ میرے قریب اور قریب اور قریب اور

عذابِ الٰہی کے مستحق لوگ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

"اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

(الاعراف:24-25)

ایک بُرائی جب عام ہونے لگتی ہے تو لوگ اسے روکتے نہیں بلکہ ذِمّہ داری ایک دوسرے پر ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب یہ آگ اُن کے اپنے گھر تک پہنچتی ہے تو پھر پتا چلتا ہے۔ جب عام عذاب آتا ہے تو پھر کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔

خصوصی انعامات اور ان کے حصول کا طریقہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ

Marf

يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ ع

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

"یاد کرو وہ وقت جب تم تعداد میں بہت کم تھے اور زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا' تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تمہیں جائے پناہ مہیا کردی۔ اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے۔ تمہیں اچھا رزق پہنچایا' شاید کہ تم شکر گزار بنو۔ اے ایمان والو! جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم خدا ترسی اختیار کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسوٹی بہم پہنچادے گا اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کردے گا اور تمہارے قصور معاف کردے گا' اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔" (الانفال: 26-29)

یعنی اگر تقویٰ اختیار کروگے تو تین چیزیں عطا فرمائے گا:

نیک و بد کی تمیز۔

پھر برائیوں کو دور کردے گا۔

اور پھر مغفرت فرمادے گا۔

اس کے بعد کُفّار کی مکارانہ کارروائیوں کے ذکر اور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے محفوظ رکھے جانے کا ذکر فرمادیا اور مومنوں کو عبرت کے طور پر ابو جہل کا ایک مقولہ بھی سنایا۔ روایات میں ہے کہ جب ابو جہل لشکر لے کر مدینہ کی جانب نکلنے لگا تو عین آخری لمحات میں اس نے اپنی جذباتی وابستگی اور والہانہ انداز حقانیت ظاہر کرنے کے لئے کُفّار کے گروہ کی موجودگی میں بیت اللہ کے پردے کے ساتھ لپٹ کر یہ دعا کی:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

fat.com

"اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔" (الانفال:32)

یہ دُعا کفارِ مکہ اس وقت بھی کیا کرتے تھے جب آپ مکہ مکرمہ میں قیام پزیر تھے مگر اس وقت تو عذاب نہ اُترا اور اُترتا بھی کیسے؟

نزولِ عذاب کیوں نہیں ہوا؟

اس کے بعد کی آیت میں اس کی وجہ ذکر کی گئی ہے نیز قانونِ الٰہی بھی ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○

"اللہ تعالیٰ انہیں (اس وقت تک) ہرگز عذاب نہ دیتا جب تک کہ آپ ان میں تھے اور نہ ہی انہیں اس وقت تک عذاب سے ہمکنار کرے گا جب تک کہ وہ بخشش مانگتے رہیں گے۔" (الانفال:33)

گویا صراحت کردی کہ اگر کسی قوم کے اندر نبی زندہ موجود ہو تو اس قوم کو ہلاک نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اُس پر عذاب اُتارا جاتا ہے اور اگر کسی قوم کو ہلاک و برباد کرنا مقصود ہو تو نبیِ وقت کو اس قوم سے الگ نکال دیا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی کہ اگر کوئی قوم اپنی غلطیوں پر نادم ہو کر توبہ کرے ' اللہ سے بخشش مانگے تو بھی اللہ تعالیٰ اس قوم کو عذاب سے بچا لیتے ہیں۔ قومِ یونس کا ذکر آئندہ اس سلسلے میں ہو گا۔

نزولِ عذاب کا ایک سبب

عذاب سے بچاؤ کے ذکر کے بعد عذاب کے نزول کے ایک سبب کو یوں بیان فرمایا:

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ○

"اور (اب) ان کے لئے کون سی وجہ ہے کہ وہ (اللہ) انہیں عذاب نہ دے جبکہ وہ مسجدِ حرام (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں اور وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں۔ اس کے متولی تو صرف متقی (لوگ) ہیں لیکن اُن میں سے اکثر نہیں جانتے اور ان (کافر) لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے قریب سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ تو تم جو کفر کرتے تھے' اب اس کے بدلے عذاب (کا مزہ) چکھو۔ جو لوگ کافر ہیں' اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکیں۔ سو ابھی اور خرچ کریں گے مگر انجام کار یہ (خرچ) ان کے لئے حسرت (اور افسوس) کا سبب ہو گا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔"

(الانفال: 34-35)

زیرِ نظر آیتِ کریمہ میں نزولِ عذاب کے اسباب کا واضح ذکر ہے' اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1- مسجدِ حرام یا دیگر مساجد میں داخلے کو ناممکن بنانے کی کوشش کرنا خواہ اس کا سبب گروہ بندی ہو یا علاقائی تعصب یا مسلک پرستی! (ہمارے ہاں مساجد کو بعض لوگوں نے الگ الگ فرقوں کے لئے اس طرح سے مخصوص کر لیا ہے کہ دوسرے فرقے کے لوگ اس میں جا ہی نہیں سکتے بلکہ کچھ عرصہ قبل تک تو یہ کیفیت تھی کہ مسجد میں اگر غیر فرقہ کے لوگ داخل ہو جاتے تو ان کے جانے کے بعد مسجد کو دھویا جاتا تھا)

2- مسجدوں کی ولایت یا مسجدوں کی نگرانی متقی اور اللہ سے ڈرنے والوں کے علاوہ کسی اور کے سپرد ہو۔

3- مسجد کا احترام کرنے کی بجائے مسجد کے قرب میں سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا یا مسجد کے اندر بلند آواز سے گفتگو اور شور و شغب عام ہو جائے جس سے ذکرِ الٰہی میں خلل پیدا ہو۔ (آج ہم بھی اپنے بارے میں غور کریں کہ نمازوں کے اوقات میں مسجدوں کے قرب و جوار میں بلند آواز سے گانا بجانا' ریکارڈنگ اور شور و غوغا ہوتا رہتا ہے)

4- اگر اپنے مال کو اللہ کی راہ کے علاوہ اس نیت سے خرچ کیا جائے کہ لوگ راہِ ہدایت سے رُک جائیں۔ یقیناً یہ خرچ قیامت کے روز ان کے لئے حسرت و افسوس کا باعث بنے گا اور دنیا میں بھی باعث عذاب ہو گا۔

آدابِ جہاد

اس تذکرہ کے بعد سورۃ انفال کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ اس حصے میں سب سے پہلے آدابِ جہاد و قتال کا ذکر آتا ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ یہ جہاد جو اسلام نے فرض قرار دیا ہے' یہ عام جنگوں کی طرح نہیں جن میں علاقے فتح کئے جاتے ہیں اور قتل و غارت گری دستور زمانہ ٹھہرتی ہے بلکہ یہ عبادت ہے اور عبادت اسی طریقے سے کی جانی چاہئے جیسا کہ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کے فرائض ادا کئے جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جب تم جہاد پر نکلو تو پھر ثابت قدم رہو اور ہر دم اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ اس لئے کہ یہ جنگ ذاتی منفعت کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے حکم کی

تعمیل میں ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ پوری انسانیت کو ظلم سے آزاد کراؤ۔ جہاں بھی ظلم ہو رہا ہے، وہاں تم ظلم کے سامنے سینہ سپر ہو جاؤ۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

صلح شر گردد چو مقصود است غیر
گر خدا باشد غرض جنگ است خیر
گر نہ گردد حق ز تیغِ ما بلند
جنگ باشد قوم را نا ارجمند
ہر کہ خنجر بہرِ غیر اللہ کشید
تیغِ او در سینۂ اُو آرمید

(جہاد کے کچھ آداب ہیں۔ یعنی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے آگے بڑھنا، جنگ کے دوران میں بھی کوئی کام ایسا نہ کرنا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے برعکس ہو اور پھر جنگ کے دوران میں اعصاب کو مضبوط رکھتے ہوئے صبر کرنا اور صبر بھی ایسا کہ اپنے ساتھیوں میں بھی اختلاف کی صورت میں لڑائی جھگڑے سے مکمل پرہیز کیا جائے اور پھر گھر سے نکلتے ہوئے کسی شیخی یا اکڑفوں کے ساتھ نہیں بلکہ انتہائی تواضع، اللہ کی عبادت اور اس کے دین کو پھیلانے کی نیت رکھتے ہوئے روانہ ہونا چاہئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝
وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ

"اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو گی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کے سے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کرو جو اپنے

گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلتے ہیں اور جن کی روش یہ ہے کہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔" (الانفال:45-47)

ان بنیادی آداب کو بیان کرنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے تمام انسانیت کے لئے ایک قاعدہ مقرر کر دیا۔

بقول ~~مولینا ظفر علی خان~~: علامہ اقبال

خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ

"یہ اللہ کے اس طریقے کے مطابق ہے کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو' اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو بدلنے کا اہتمام نہیں کر لیتی۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔" (الانفال:53)

جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول حکمِ الٰہی ہے

اس کے بعد ایک انتہائی اہم نکتہ سامنے آتا ہے۔ اے کاش! اس دور میں ہماری توجہ اس طرف ہو جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

"تیاری کرو! جتنی بھی کی جا سکتی ہے قوت حاصل کرنے کے لئے اور ہر وقت گھوڑوں کو تیار باندھے رکھو تاکہ تم اللہ کے اور اپنے دشمن کو ڈرائے رکھو۔" (الانفال:60)

جنگ کی ہمہ وقت اتنی تیاری رکھو کہ کوئی تمہیں میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کر سکے۔ مزید فرمایا کہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جنہیں تم نہیں جانتے لیکن اللہ انہیں جانتا ہے' ان کے لئے بھی تمہیں تیاری کرنا پڑے گی۔

دین و دُنیا اکٹھے رکھنا

یہاں قوت کے حصول سے مراد جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول ہے۔ اس میں ہمیں اپنے دور کی جدید ترین ٹیکنالوجی حاصل کرنا پڑے گی۔ یہ تو ہمارے لئے اللہ کی طرف سے قرآنِ مجید میں فرض کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ

Marfat.

معلوم ہوتا ہے کہ سائنسی علوم کا حصول ہر مسلمان عورت اور مرد پر فرض ہوگیا۔ اور وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں
صرف دینی کتب کی تیاری سے کام بن جائے گا۔ وہ بھی غلط ہیں اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیوی علوم سے کام بن جا
وہ بھی غلطی پر ہیں۔ دونوں کے حسین امتزاج ہی سے کام چلے گا۔ ان کو باہم یک جان کرنے سے کام بنے گا۔ اس
بغیر تیاری ممکن نہیں لیکن سائنسی علوم کے حصول سے قبل اچھا مسلمان اور اچھا انسان بننا ضروری ہے۔ اس
ایسی طرزِ تعلیم کی ضرورت ہے جس میں دینی' روحانی اور دنیوی علوم خوبصورت توازن کے ساتھ یک جان ہو
ہوں۔ اس کے بغیر اس آیت پر عمل ممکن نہیں۔ اسی لئے اس آیتِ کریمہ کے بعد قتال اور صلح کے خصوصی اح
تذکرہ ہوا کہ ہم بہترین انسان کی حیثیت سے ایک عملی نمونہ بن کر پیش ہو سکیں۔ یہاں یہ بھی ذکر ہے کہ قتال
فرضیت اور جنگی قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک نیز دارالحرب میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے کیا مراعات ہیں
کے ساتھ کس حد تک تعاون کیا جا سکتا ہے؟

.com

سورہ التوبہ (۹)

نام

اس سورۃ میں اہلِ ایمان میں سے کچھ لوگوں کی خصوصی توبہ اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے اس مناسبت سے اس سورۃ کا نام "التوبہ" اور مشرکین سے براءت کے اعلان کی وجہ سے اس کو سورۃ "البراءت" بھی کہتے ہیں۔

زمانۂ نزول

اس سورۃ کے نزول کا زمانہ مدنی دور کا آخری زمانہ یعنی 9 ہجری ہے۔

عدم ذکرِ تسمیہ

عام سورتوں کی طرح اس سورۃ کے آغاز میں تسمیہ مذکور نہیں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھوائی تھی اور بعد میں آپؐ کا اتباع کرتے ہوئے یہی سلسلہ جاری رہا۔

مضامین

سورۃ کے مضامین کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

الف۔ سورۃ کے آغاز میں مشرکوں سے کئے گئے تمام معاہدوں کی منسوخی کا اعلان ہے۔ واقعات کی ترتیب کے اعتبار سے روایات میں اس کا تذکرہ یوں ملتا ہے:

9 ہجری میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا۔ قافلہ کی روانگی کے بعد ان آیات کا نزول ہوا تو آپ نے سیدنا علیؓ کو روانہ کیا کہ حج کے موقع پر یہ اعلان کر دیں کہ "مشرکین سے اللہ اور اس کا رسول بری ہیں" گویا اب مکہ کو دارُالاسلام قرار دیا جا چکا ہے' اس لئے بیتُ اللہ میں ہونے والی ساری مشرکانہ رسوم اور جاہلیت کے اطوار ختم کئے جاتے ہیں۔ بیتُ اللہ جس کی بنیاد ہی وحدتِ الٰہی کے اظہار کے لئے تھی' آئندہ اس میں کوئی مشرک داخل نہ ہوسکے گا اور کعبے کا انتظام اہلِ ایمان کے ہاتھ میں ہوگا۔

ب۔ خطۂ عرب میں اسلام کے پھیل جانے کے بعد دوسرا مرحلہ عرب کی سرزمین سے باہر اسلام کو پھیلانا تھا۔ اس سلسلے میں اس دور کی دو بڑی طاقتوں روم اور ایران کے ساتھ مقابلہ ازبس ضروری تھا۔ اس مقابلے کے لئے غیر مسلم تہذیبوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے تھا' اس کے لئے ہدایات دی گئیں اور کہا گیا کہ اگر یہ لوگ اسلام کے پیغام حق کو قبول نہ کرنا چاہیں تو ان کے ساتھ معاملہ یوں ہوگا کہ یہ لوگ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے رکاوٹ نہ بنیں اور مسلمانوں کے باج گزار بن کر رہیں اور اگر یہ کفارِ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں رکاوٹ بنیں یا جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کی عملداری اور عظمت کو تسلیم نہ کریں تو ان کے ساتھ قتال کیا جائے گا۔

ج۔ حالات کے پیشِ نظر منافقین کے ساتھ تاحال چشم پوشی کا معاملہ تھا۔ اب جبکہ بیرونی خطرات کا دباؤ کم ہو رہا تو ہدایت کی گئی کہ آئندہ منافقین کے ساتھ کسی طرح کی نرمی نہ برتی جائے۔ منافق تاحال سویلم نامی شخص کے گھر میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ اس گھر کو جلا دیا گیا۔ اسی طرح مدینہ کے باہر مضافات میں منافقین نے غیر مسلموں کی ملی بھگت سے ایک مسجد نما عمارت تعمیر کی تاکہ یہاں بیرونی سازشیوں کو ٹھہرایا جا سکے۔ اس مسجد کو تعمیر کرنے کے بعد ان لوگوں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت بھی دی کہ آپ اس مسجد میں نماز ادا کریں۔ آپ نے وعدہ بھی فرمالیا مگر جب وحی کے ذریعے سے اس سلسلے کے حقائق سامنے آئے تو اس "مسجدِ ضرار" کو گرا دیا گیا۔

د۔ اہلِ ایمان میں مُخلصین وصادقین کا ایک طبقہ موجود تھا جو اخلاص کے باوجود عملی میدان میں کوتاہی اور سُستی کا ارتکاب کرتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی بعض صحابہ کرامؓ سے ایسی ہی ایک بات سرزد ہو گئی۔ ان کو بھی متنبہ کر دیا گیا کہ زمانۂ جنگ میں اس قسم کی سُستی اور کاہلی شدید نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ نیز یہ واضح کر دیا گیا کہ ایسے مواقع آئندہ دعوائے ایمان کو پرکھنے کا باعث بھی بن سکتے ہیں جو شخص ایسے مواقع پر کوتاہی کرے گا' اس کا دعوائے ایمان معتبر نہ ہو گا۔

پسِ منظر

اس سے قبل ہم سورۂ مائدہ میں اشارتاً ذکر کر چکے ہیں کہ کُفّارِ مکّہ اور مسلمانوں کے درمیان 6 ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا تھا جس کے باعث مسلمانوں کو امن و سکون کے ساتھ دعوتِ اسلام پھیلانے کا موقع مل گیا۔ مگر بعد کے چند واقعات کی بنا پر جب اس معاہدے سے براءت کا اعلان کر دیا گیا تو مسلمانوں کی دینی، معاشرتی اور تہذیبی عظمت فتح مکہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ پورا عرب اس انقلاب سے متاثر ہوا تو کُفّار کے بچے کُھچے قبائل یعنی بنو ہوازن' بنو ثقیف' بنو نضر اور بنو جشم نے حُنین میں اپنی طاقت مجتمع کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو آپؐ نے حُنین کی جانب پیش قدمی کی۔ نظامِ جاہلیت نے خطۂ عرب میں حُنین کے میدان میں آخری ہچکی لی اور اس کے ساتھ ہی جاہلیت کی رسوم عرب کے خطے میں دم توڑ گئیں۔ لوگ جوق در جوق دینِ اسلام اپنانے لگے۔ سورۃُ النصر میں باری تعالیٰ نے اِسی کی منظر کشی فرمائی ہے۔

غزوۂ موتہ

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطۂ عرب کے معاملات کو مُنظّم کرنا اور دعوتِ اسلام کے لئے گرد و پیش کے علاقوں میں وفود روانہ کرنا شروع کر دیئے۔ رومی سلطنت کے زیرِ اثر قبائل نے آپؐ کے ایک ایسے ہی وفد کے 15

.com

ارکان کو شہید کر ڈالا۔ بصرہ کے رئیس نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ حارثؓ بن عُمیر کو شہید کر دیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر آپ نے 8 ہجری کے اواخر میں تین ہزار مجاہدوں کو شام کی جانب روانہ کیا۔ رئیسِ بصرہ ایک لاکھ کی سپاہ کے ساتھ موتہ کے مقام پر مقابلے پر آگیا مگر اس کو منہ کی کھانی پڑی۔ رومیوں کے ان حواریوں کی شکست کے نتیجے میں شام اور عراق کے بے شمار قبائل رومی سلطنت سے کٹ کر دینِ حق کی طرف مائل ہو گئے۔ اس دور میں ایک اور عجیب واقعہ رونما ہوا کہ رومی سپاہ کا جرنیل فروہ بن عمرو الجذامی مسلمان ہو گیا۔ قیصرِ روم نے اول اس کو دھمکایا' پھر لالچ دیا مگر جب فروہؓ بن عمرو نے اسلام ترک کرنے سے انکار کیا تو اُس کو سزائے موت دے دی گئی۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر قیصرِ روم کو خطرے کی گھنٹی سنائی دی تو اس نے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ غسانی قبائل اور عرب سردار بھی اپنی طاقت کو جمع کرنے لگے۔ جب آپ کو اطلاع ملی تو آپ نے بوجوہ اس عظیم طاقت کے ساتھ ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ ان دنوں حالات انتہائی سنگین تھے۔ فصلیں پکنے کو تھیں' منافق چُھرا گھونپنے اور کُفار مسلمانوں کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ گرمی کی شدت' بے سروسامانی اور سواریوں کا فقدان ایک مستقل مسئلہ تھا۔ آپ نے اس نازک موقع پر اپنی عادت اور قاعدہ کے خلاف تیاری کے دوران ہی میں مجاہدین کو صورتِ حال اور منزل سے آگاہ فرما دیا۔ یہی وہ معرکہ تھا جس میں ہر شخص نے اپنی ہمت اور بساط سے بڑھ کر حصہ لیا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک بڑی رقم پیش کی' سیدنا عثمانؓ نے 300 اونٹ مع اسباب اور بہت سی اشرفیاں' سیدنا عمرؓ نے عمر بھر کی کمائی کا نصف جبکہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے گھر کا سارا سامان لا کر آپ کے قدموں پر نثار کر دیا۔ عورتوں نے اپنے زیورات تک اتار کر پیش کر دیئے۔ اس موقع پر بے شمار رقت انگیز اور روح پرور مناظر دیکھنے میں آئے۔ بعض لوگوں کے شوقِ جہاد اور بے سروسامانی کے باعث نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا۔ 9 ہجری میں 30 ہزار مجاہدوں کا یہ قافلہ شام کی جانب روانہ ہوا تو سواریوں کی کمی کے باعث ایک اونٹ پر کئی کئی افراد باری باری سوار ہوتے رہے۔ مسلمانوں کے عزمِ صادق اور جانفروشی کی اطلاعات قیصرِ روم تک پہنچ گئیں۔ اس نے سابقہ حالات اور غزوۂ موتہ کے تجربات کے پیشِ نظر پہلو تہی ہی میں عافیت سمجھی اور وہ مقابلہ سے کنی کترا گیا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے 20 روز تک تبوک میں قیام فرمایا اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو ابھی تک عیسائیوں کے زیرِ اثر تھیں' ان کو ایمان کی دعوت دی۔ کچھ نے ایمان اور باقی نے جزیہ کی ادائیگی کو منظور کر لیا۔ اس طویل سفر اور حالات کی شدت کو برداشت کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ لڑائی کے بغیر ہی مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور جاہلیت کے علمبردار جو اب تک مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے' وہ مایوس ہو گئے۔ ان میں سے بعض لوگ حلقۂ اسلام میں شامل ہو گئے اور جن کی قسمت نے یارانہ کیا' ان کی اولادیں مُشرّف بہ اسلام ہو گئیں۔

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ توبہ مدینہ منورہ کے آخری دور سے متعلق ہے اور اس سورہ میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین
سے براءت کا اظہار کر رہے ہیں جنہوں نے بار بار مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ

"(اے اہلِ اسلام! اب) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کر رکھا
تھا' بیزاری (اور جنگ کی تیاری) ہے" (التوبہ: 1)

کیونکہ یہ تمہارے معاملے میں نہ تو قرابت داری کا پاس کرتے ہیں اور نہ معاہدے کا اور جب انہیں موقع
ہے' یہ عہد توڑ کر تمہارے خلاف ہو جاتے ہیں اور تمہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ اب ان کو چار ماہ کی مہلت دے
(کہ حرمین کے علاقے میں گھوم پھر لیں) اس کے بعد انہیں آزادی ہے کہ چاہیں تو اسلام قبول کر لیں اور چاہیں تو کس
دوسرے علاقے میں جا کر آباد ہو جائیں۔ اس لئے کہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کا علاقہ اسلام کا قلعہ ہے۔ اس قل
میں ففتھ کالمسٹ لوگوں کی قطعی گنجائش نہیں۔ ہاں ایک بات ہے اور وہ یہ اگر یہ بقائمی ہوش و حواس ایمانداری
اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیں تو دین میں یہ تمہارے بھائی ہیں۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد یہ پتا کیسے چلے گا
انہوں نے سچ مچ اسلام قبول کر لیا؟

قبولِ اسلام کی علامات

اس کے بعد قبولیتِ اسلام کی دو علامتیں بتائی گئیں ایک تو یہ ہے کہ یہ نماز باقاعدگی سے ادا کریں گے او
دوسرے زکوٰۃ دیتے رہیں گے۔ یعنی جن لوگوں میں یہ علامات نہیں پائی جاتیں' ان کا اسلام اور ایمان مشکوک رہ
ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ

"کہ اگر انہوں نے توبہ کر لی' نماز قائم کر لی' زکوٰۃ ادا کرنے لگے تو ان کا ارادہ چھوڑ دو اور ان سے کوئی
تعرض نہ کرو۔ (کیونکہ یہ تمہاری اسلامی برادری میں شامل ہو چکے ہیں") (التوبہ: 5)

Marf

اسلامی برادری میں شمولیت کے لئے تین شرائط

اولاً: کفر سے توبہ کرنا اور اسلام قبول کرنا۔

ثانیاً: نماز قائم کرنا۔

ثالثاً: زکوٰۃ ادا کرنا۔

باقی باتیں آہستہ آہستہ خود بخود آتی چلی جائیں گی۔

اس کے بعد اس بات کا تذکرہ ہے کہ ان مشرکوں سے عہد و پیمان کیونکر ہو سکتا ہے۔ ان کا اپنا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو کسی عہد و پیمان اور قرابت و رشتہ کا لحاظ نہ کریں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ۝

"(بھلا ان سے عہد) کیسے پورا کیا جائے (جب کہ ان کا یہ حال ہے) کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں گے نہ عہد کا (کیونکہ) یہ منہ سے تو تمہیں خوش کر دیتے ہیں لیکن ان کے دل (ان باتوں کو) قبول نہیں کرتے اور ان میں اکثر نافرمان ہیں۔" (التوبہ:8)

ان کی اسی بات کو مزید واضح کر کے یوں ذکر فرمایا:

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ

"یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں اور نہ عہد کا" (التوبہ:10)

اس مقام پر اہلِ ایمان کو مزید ہدایات دینے سے قبل ایک شبہ کا ازالہ فرمایا کہ یہ اہلِ مکہ تو نیکی و خیر خواہی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ بیت اللہ کی تعمیر' اس کی نگرانی اور صفائی و ستھرائی کے ذمہ دار ہیں نیز یہ کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آنے والے لوگوں کی میزبانی کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں ان سے عہد و پیمان ختم کرنا اور ان سے براءۃ کا اظہار کر کے ان کے خلاف اعلانِ جنگ' اُن کا مکہ سے انخلاء وغیرہ جیسے معاملات کس حد تک درست ہو سکتے ہیں؟ اس ضمن میں جو کچھ فرمایا' اس کا ماحصل یہ ہے کہ ہر نیکی اور بھلائی کے اجر و ثواب کے لئے بنیاد ایمان ہے۔

خدمتِ مسجد کے لئے شرائط

ارشادِ باری ملاحظہ کریں:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ○

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ط

"مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہیں۔ ان لوگوں کے سب اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز پڑھتے' زکوۃ دیتے اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے یقیناً یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں (سے) ہیں۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی تعمیر (کی خدمت) کو اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں۔" (التوبہ: 17-19)

ایک شبہ کا ازالہ

اس آیتِ کریمہ میں اس مشہور سوال کا جواب از خود آگیا کہ جو لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ اس دور میں غیر مسلم بھلائی کے کام کر رہے ہیں' آخرت میں ان کا کیا معاملہ ہو گا؟ اس ذیل میں گنگا رام' گلاب دیوی اور اس قسم کے بے شمار نام گنوائے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں وضاحت کر دی گئی کہ اللہ کے ہاں ان کے یہ اعمال بے کار ہوں گے۔

اہل ایمان کو تنبیہہ

اس کے بعد اہلِ ایمان کو نظریۂ اسلام کے مخالفین سے علیحدہ ہونے کے لئے کہا جا رہا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

قُلْ إِنْ كَانَ آبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا۟ حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ۝

"اے اہلِ ایمان! اپنے باپوں بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں" (سگے بھائی اور والد کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اور انہیں ایمان پر ترجیح نہ دو بلکہ ایمان کو اپنے والدین اور سگے بھائیوں پر ترجیح دو) "تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے' وہی ظالم ہوں گے' اے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم!) ان سے کہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں' تمہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کیا کرتا" (التوبہ 9:22-23)

غور فرمایئے! کہ اللہ نے یہاں پر وہ سب لوگ اور وہ سب چیزیں گنوا دی ہیں جو انسان کو محبوب ہو سکتی ہیں اور ایک ایک چیز گنوانے کے بعد کہا کہ دیکھو اگر ان میں سے کوئی تمہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور جہاد سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے تو پھر اللہ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ ہے اور تمہارے لئے ہدایت کا قطعاً فیصلہ نہیں کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

رحمتِ الٰہی کا نزول۔جنگِ حُنین

جب اہلِ ایمان اعتقادی و عملی طور پر اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہو جائیں اور پھر کوئی آزمائش یا مشکل کا وقت آن پڑے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اہلِ ایمان پر گھٹائیں بن کر برستی ہے۔ سورۃ توبہ میں ایک ایسی ہی مشکل گھڑی کا ذکر ہے۔ اس مقام پر ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ جنگِ اُحد کے دوران میں مسلمانوں سے ایک مقام پر سہو ہوا تو اس کی وجہ سے خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی طرح اس موقع پر بھی اہلِ ایمان غرور کا شکار ہو گئے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ کر کے سکینت و رحمت کا نزول فرمایا یہ ساری تفصیلات ان آیات میں یوں مذکور ہیں:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ ٱللَّهُ فِى مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ

fat.com

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

"اللہ نے بہت سے موقعوں پر تم کو مدد دی اور (جنگِ) حُنین کے دن۔ جب کہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور (تمہاری مدد کو فرشتوں کے) لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے' (آسمان سے) اتارے اور کافروں کو عذاب دیا اور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔"

(التوبہ:25-27)

مشرک ناپاک ہے

اس کے بعد اہلِ ایمان کو حقیقتِ حال سے آگاہ فرمایا اور جو بات سورۃ کے آغاز میں اعلانِ براءت کے انداز میں ذکر کی گئی تھی' اس کو واضح اور دو ٹوک الفاظ میں یوں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ

"اے ایمان والو! مشرک تو نجس (ناپاک) ہیں تو اس سال کے بعد وہ خانہ کعبہ کے قریب نہ آئیں اور اگر تم کو مُفلسی کا خوف ہو تو عنقریب اللہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی (مالدار) کر دے گا۔" (التوبہ:28)

یہود کی بد خصلت اور زکوۃ کی عدم ادائیگی پر ڈانٹ

جن مشرکین سے براءت کا اظہار کیا گیا ہے' ان میں یہود بھی تھے' اس لئے ان کی نفسیات کے بارے میں اہم بات بیان کی جا رہی ہے اور یہ اس لئے کہ ان بیماریوں سے ہم محفوظ رہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے دینی راہنماؤں کو " اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ " بنا لیا۔ جو حقوق و اختیارات اللہ تبارک و تعالیٰ کو حاصل ہیں' وہ انہوں نے اپنے پنڈتوں اور پروہتوں (احبار) کو دے دیئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہر اس کاروبار کے خلاف ہیں جو مساوات پیدا کرے اور ان کے مالی مفاد یعنی سود کو نقصان پہنچائے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اسلام کے چراغ کو پھونکوں سے بجھا دیں لیکن یہ اللہ کا وعدہ ہے' وہ اپنے نظام کو نافذ کر کے رہے گا اور ان کی ایک نفسیاتی خصوصیت یہ ہے کہ

زیادہ سے زیادہ مال جمع کرتے ہیں اور مال و دولت ہی کو اپنا خدا بنائے رکھتے ہیں۔ ان آیات کے ترجمہ سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ○

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ○

"یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے' یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں' ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے قبل کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ خدا کی مار اُن پر۔ یہ کہاں سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔ اسی طرح مسیح بن مریم کو بھی' حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' پاک ہے وہ اُن مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں' مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل

fat.com

کئے بغیر ماننے والا نہیں خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ اے ایمان لانے والو! ان اہلِ کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں' دردناک سزا کی خوشخبری دو' ان کو جو سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں' پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ لو! اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزا چکھو" (التوبہ:30-35)

یہ یہود کے علماء اور درویشوں کا حال ہے جو اس زمانے کے پیر تھے۔ اور کچھ ایسا ہی حال آج ہمارا بھی ہے۔

ے نورِ خدا ہے کُفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا
(مولیٰنا ظفر علی خانؒ)

حُرمت والے مہینے اور مشرکینِ مکّہ کی حیلہ سازی

اَشْہرِ حرم یعنی عزّت و حُرمت والے مہینے گزر جانے کے بعد مشرکینِ مکّہ کے خلاف تادیبی کارروائی کا آغاز کیا جانا قرار پایا کیونکہ تاریخِ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ ہر ملّت اور ہر دور میں حُرمت والے مہینے چار متعین رہے جن میں ہر طبقہ کے لوگ جنگ و جدل' لڑائی جھگڑے اور ہر طرح کے خون خرابہ سے گریزاں رہتے۔ حتیٰ کہ مشرکینِ مکّہ بھی اس بات کا پاس اور لحاظ کرتے تھے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ

"جب عزّت (و حُرمت) کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر رصد گاہ (گھات کی جگہ) پر ان کی تاک میں بیٹھے رہو۔" (التوبہ:5)

ان کے ہاں ایک خرابی یہ جڑ پکڑ گئی تھی کہ وہ ان مہینوں کی ترتیب حسبِ خواہش تبدیل کر لیا کرتے تھے۔ اور اس بات کا اعلان حج کے موقع پر کیا جاتا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی صورتِ حال کو یوں واضح فرمایا:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً

.com

كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ

"بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ہے جس روز سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے ادب (اور حُرمت) کے ہیں۔ یہی دین (کا) سیدھا راستہ ہے' تو ان (مہینوں) میں (قتال ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔" (التوبہ:36)

یہاں اجمالی قانون کا ذکر ہے۔ جس کی تفصیل کتبِ حدیث و تفسیر میں مذکور ہے۔ حُرمت والے مہینوں کے نام یوں مذکور ہیں۔ ذی قعدہ' ذی الحجۃ' محرّم اور رجب۔

اس کے بعد کی آیت میں مشرکینِ مکہ کی اس غلط رسم کو بھی یوں ختم کیا:

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ

"نسیئی تو کُفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری بھی کر دیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں۔ ان کے بُرے اعمال ان کے لئے خوشنما بنا دیئے گئے ہیں۔" (التوبہ:37)

اس مقام پر شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوب وضاحت فرمائی ہے' وہ لکھتے ہیں کہ:

"طبیعت اہلِ جاہلیت کی ہمیشہ اوپر قتل کرنے اور لوٹنے کی خوگر تھی اور حرمت کے مہینوں میں قتل نہ کرتے تھے اور تین مہینے حرمت کے جو پَے در پَے تھے (اس میں یہ) تنگ ہو کر کہتے کہ تین مہینے پَے در پَے قتل اور لوٹ کو چھوڑنا ہم کو برداشت نہیں ہے۔ آخر قلمّس کنانی نے ایک حیلہ کیا کہ جس وقت حج کا موسم ہوتا تھا' پکارتا کہ اے گروہ عرب! اللہ نے اس سال محرم کو حلال کیا اور اس کے بدلے میں صفر کو حرام کیا ہے۔ تمام آدمی سن لیتے اور دوسرے سال پھر پکارتا کہ اللہ نے اس برس محرم کو حرام کیا اور صفر کو حلال کیا ہے۔ حرمت کے مہینے کی تاخیر کرتے تھے اور اپنے اوپر ہر سال کے چار مہینے حرمت کے ٹھہرا لیتے تھے اور اللہ کی ترتیب کو چھوڑ دیتے تھے اس کو "نسیئی" کہتے ہیں۔"

سلسلۂ جہاد میں ایک ہدایت

جہاد کے سلسلے میں بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی بھول چوک یا تاخیر ہو جاتی تو اس پر بھی متنبہ

Marfat.

کردیا کہ یہ تمہاری سعادت ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے چُن لئے گئے ہو اگر تم اس سے جی چراؤ گے تو اللہ تعالیٰ کسی اور قوم سے یہ خدمت لے لے گا۔ اس کے ساتھ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرت کے ایک واقعہ کی جانب اشارہ فرما کر خلیفۂ رسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عظمت کو اُجاگر کیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ط وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ط

"تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں۔ اللہ اُس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اس کو نکال دیا تھا۔ جب وہ صرف دو میں دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے اور وہ اپنے ساتھی سے کہ رہا تھا کہ "غم نہ کر' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" اسی وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کردیا اور اللہ کا بول تو اُونچا ہی ہے۔" (التوبہ:40)

یارِ غار حضرت ابوبکر صِدیق ؓ کی عظمت

اس آیتِ مبارکہ میں اس واقعے کی جانب اشارہ ہے جب کُفّارِ مکّہ نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنا کر مکان کا محاصرہ کرلیا تو آپ اپنے معتمدِ خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ہجرت کے ارادے سے عازمِ مدینہ ہوئے' تعاقب کے خدشے کے پیشِ نظر لمبا اور دور کا راستہ اختیار کیا۔ راہ میں غارِ ثور میں چھپ گئے۔ خون کا پیاسا دشمن ہر جانب آپ کی تلاش میں ہرکارے دوڑا کر آپ کو تلاش کرتا رہا۔ اسی سلسلے میں ایک مرتبہ تعاقب کرنے والے چند لوگ غار کے منہ پر پہنچ گئے جس میں آپ نے پناہ لے رکھی تھی۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اس وقت خوف لاحق ہوا کہ مبادا وہ لوگ اندر جھانک کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائیں۔ اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو تسلی دلانے کو فرمایا: "غم نہ کر' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

یہاں پر ایک نکتہ قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابوبکر صِدیق رضی اللہ تعالیٰ کو اپنی جان کا خوف نہیں تھا بلکہ انہیں حضور کی جان کا خوف اور اُن سے بچھڑنے کا غم کھائے جا رہا تھا یہی وجہ ہے کہ اُن کے لئے جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ 'لَا تَحْزَنْ (غم نہ کھا) تھے 'لَا تَخَفْ (ڈرو نہیں) نہیں تھے۔

.com

منافقوں کو تنبیہہ

بعد کی آیات میں منافقوں کے رویّے پر نکیر فرمائی ہے کہ اگر کسی جنگ میں بلا مشقت مالِ غنیمت ہاتھ لگنے کا امکان ہو تو شوق سے چل دیتے ہیں اور اگر مسافت زیادہ ہو یا نقصان کا اندیشہ ہو تو معذرت کے لئے بہانے تراشتے ہیں اور بعض منافق آپ سے عدمِ شرکت کے لئے حیلہ ذکر کر کے رخصت مانگتے ہیں۔ اس بارے میں فرمایا کہ انہیں آئندہ آپ رخصت نہ دیں کیونکہ ان غزوات کے ذریعے اب منافق اور مومن کی پہچان ہو گی اور نفاق کھل کر سامنے آ جائے گا۔ ایسے مواقع پر منافقین کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ بادل نخواستہ مالی تعاون ضرور کرتے تاکہ مسلمانوں کی نظروں میں اچھے بنے رہیں۔ اس پر باری تعالیٰ نے یوں وعید فرمائی کہ اس کا آخرت میں تم کو ذرہ بھر فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○

"کہہ دو کہ تم (مال) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا (اور اس عدم قبولیت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ) بلاشبہ تم نافرمان لوگ ہو۔" (التوبہ:53)

اس کے بعد تنبیہہ اور وعید کے طور پر قرآنِ مجید ایک بات یہ بھی کہتا ہے کہ یہ دولت جو کفّار کو ملتی ہے' یہ اُن کے لئے نعمت نہیں ہوتی بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اسی دولت کے ذریعے سے اسی دنیا میں اُن پر عذاب مسلط کر دیتے ہیں۔ راقم کا اپنا مشاہدہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان کی اولاد ان کو ذلیل کرتی ہے اور ان کی دولت کے لالچ میں ان کی موت کی متمنی ہوتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○
وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ

"ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ' اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ دنیا کی انہی چیزوں کے ذریعے سے انہیں مبتلائے عذاب کر دے اور یہ جان بھی دیں تو انکارِ حق کی حالت میں دیں۔ وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں۔" (التوبہ:55-56)

Marfat.

صدقات کی تقسیم

اس قدر دولت کے باوجود جب صدقات یا زکوٰۃ کی تقسیم کا مرحلہ آیا تو ان لوگوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام تراشی کی۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ صدقات کا مال تمہارے لئے نہیں۔ اور ان مستحقین کے ضمن میں خرچ کی آٹھ مدّات کھلوائی گئی ہیں۔ زکوٰۃ جو اسلام کا رکن ہے' اسے کن مدّوں میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟ پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ زکوٰۃ مختلف اموال میں سے مختلف طرح سے نکالی جاتی ہے۔ زرعی زمین پر اگر وہ بارش کے ذریعے سے سیراب ہو تو عُشر کی صورت میں پیداوار کا دسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر دیا جائے گا اور ایسی زمین جو خود سیراب کی جاتی ہے' وہاں یہ حصہ پانچ فیصد کٹے گا۔ عام تجارت' دولت' جائیداد اور بچت پہ اڑھائی فیصد زکوٰۃ بنے گی۔

مصارفِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کے خرچ کی مدّات کے سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○

"یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے ہیں جو صدقات کے کاموں پر مامور ہوں اور اُن کے لئے ہیں جن کی تالیفِ قلب کی ضرورت محسوس ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے کے لئے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لئے ہیں۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور دانا و بینا ہے۔"

(التوبہ:60)

منافقوں کا انجامِ بد

منافقوں کا ایک اور پروپیگنڈا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ بھی تھا کہ آپ کے بارے میں کہتے کہ یہ تو نرے کان ہیں کیونکہ اگر کوئی شخص آپ کو ہمارے بارے میں کچھ کہہ دے تو اس کو سچ مان لیتے ہیں اور جب ہم صفائی میں جا کر قسم کھاتے ہیں تو ہمیں بھی سچا مان لیتے ہیں۔ گویا معاذ اللہ آپ میں حق و باطل کے امتیاز کی صلاحیت نہیں۔ اس بارے میں وضاحت کر دی کہ نبیٔ برحق سچ اور جھوٹ کو خوب پہچانتے ہیں اور منافقین کا یہ قول آپ کی اذیّت رسانی کے لئے ہے۔ منافقین ایسی باتیں بھی کرتے اور انہیں یہ خوف بھی لگا رہتا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں اپنے نبی کو مطلع ہی نہ کر دے۔ یعنی وہ اپنی کہی ہوئی باتوں کے وبال سے بھی گھبراتے تھے۔ اس کے ساتھ

قرآنِ مجید میں صراحت کردی گئی کہ منافقوں کے آپس کے رابطے بہت مضبوط ہیں۔ مگر ان کا انجام بہت ہی ہولناک ہے۔

ارشادِ باری ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۙ

"اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے ساتھ آتشِ جہنم کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے اور ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب (تیار) ہے۔" (التوبہ:68)

اسی طرح اہلِ ایمان کی صفت یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ' ہمدرد اور دوست ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے خوگر' نماز کے پابند' اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے پابند رہتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہمہ وقت نازل ہوتی رہتی ہیں اور آخرت میں پاکیزہ رہائش گاہیں اور ہمیشہ رہنے کے لئے باغات ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنی رضا کو لازم کردیں گے۔

اس بشارتِ عظمیٰ کے ذکر کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمہ وقت اور ہمہ قسم جہاد کی تیاری کے پہلو بہ پہلو کافروں کے ساتھ سخت رویّہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ کیونکہ آپ کی شفقت و رحمت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر کفّار اور منافقین فتنوں کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔ اس لئے آپؐ سے فرمایا کہ اس معاملے میں نرمی کا رویّہ اب اختیار نہ کیا جائے۔ اسی شدّت پسندی کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی تھا:

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ

"جو (ذی استطاعت) مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور جو (غریب و مزدور) صرف اتنا ہی کما سکتے ہیں جس قدر مزدوری کرتے ہیں (اور اس تھوڑی سی کمائی میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں) ان پر جو (منافق) طعن کرتے اور ہنستے ہیں' اللہ ان پر ہنستا ہے اور ان کے لئے تکلیف دینے والا عذاب

fat.com

(تیار) ہے۔ تم ان کے لئے بخشش مانگو یا نہ مانگو (بات ایک ہی ہے) اگر ان کے لئے ستر دفعہ بھی بخشش مانگو
گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔ (پھر آگے چل کر اس بخشش نہ کئے جانے کا سبب ذکر کیا گیا) یہ اس لئے
کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کُفر (غداری) کیا۔" (التوبہ:79-80)

روایات میں ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب سراپا رحمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبدُاللہ بن سلول رئیسُ المنافقین کی موت پر اس کے لئے نمازِ جنازہ کی صورت میں مغفرت طلب کر رہے تھے۔ باری نے فیصلہ صادر فرمادیا کہ ایسے لوگوں کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔ اس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔ اسی م ان منافقین کی خود فریبی کا پردہ چاک کیا جو غزوۂ تبوک میں شرکت سے گُریز کر رہے تھے۔ ان کے بارے میں ف مشکلات سے گھبرا کر یوں کر رہے ہیں۔ آئندہ ان کو کسی غزوے میں ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں بلکہ ان کا تو اس قدر گھناؤنا ہے کہ مسلمانوں کو پابند بنایا کہ جب وہ مرجائیں تو ان کا نمازِ جنازہ تک بھی نہیں پڑھنا۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ
اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

"اور (اے نبی) ان میں کوئی مرجائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے ہونا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کُفر کرتے رہے اور مرے تو بھی نافرمان (ہی مرے)"
(التوبہ-84)

مجاہدین کی عظمت

اور اس کے مقابل اہلِ ایمان کا وہ طبقہ ہے جن کے لئے باری تعالیٰ نے یوں اعلانِ بشارت فرمایا:

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ
اَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

"لیکن نبی اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ لڑے اُنہی کے لئے بھلائیاں ہیں۔ اور یہی (لوگ) مُراد پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں (یہ مومن) ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔" (التوبہ:88-89)

اہلِ ایمان کے طبقات

1- وہ مہاجر اور انصار جو ایمان میں پہل کر گئے۔

2- وہ لوگ جو نیکی کے معاملات میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں۔

ان دونوں طبقات کے لئے جنّت کی بشارت ہے۔ اس مقام پر ایک بات قابلِ غور ہے کہ صحابہ مہاجرین و انصار کا اتباع کرنے والے کو بھی جنّت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اس بشارت کے بعد روئے سخن ان منافقوں کی جانب ہے جنہوں نے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کے نئے نئے حربے اختیار کر رکھے تھے۔

مسجدِ ضرار---ایک نیا حربہ

اذیت رسانی کے روایتی طریقوں سے ہٹ کر منافقوں نے ایک یہ طریقہ اختیار کیا کہ مدینہ کی آبادی سے ذرا ہٹ کر ایک مسجد نما عمارت بنائی اور یہ تاثر دیا کہ یہ اجتماعی عبادت کے لئے ایک مقام ہے مگر درپردہ مقصد یہ تھا کہ غیر ملکی مشنری اور غیر مُسلم ممالک کے نمائندوں کو وہاں ٹھہرا کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کی جا سکیں۔ مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے انہوں نے نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست بھی کی کہ آپ اس کا افتتاح فرما دیں۔ آپ اس وقت غزوۂ تبوک کے لئے تیاریاں فرما رہے تھے۔ آپ نے واپسی پر اس عمارت میں جانے کا وعدہ بھی فرما لیا۔ اس دوران میں منافقوں کی اس سازش کو طشت ازبام کر دیا گیا۔

اس بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ
اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○
لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ

"اور (ان میں ایسے بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کُفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں، ان کے لئے گھات (ٹھہرنے) کی جگہ بنائیں اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں تم اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا۔" (التوبہ: 107-108)

مسجد بنانے والوں کی عظمت

اس حکمِ الٰہی کے بعد آپؐ نے اس عمارت کے گرا دینے کا حکم دیا۔ اس پر اس عمارت کو مسمار کر دیا گیا۔ اس

fat.com

سے قبل اسی سورۃ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ مسجد کی تعمیر و آبادی تو اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔ اس آڑ میں منافقوں ۔
کھیل کھیلا جبکہ مُخلصین کا کبھی بھی یہ مطمحِ نظر نہ رہا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی تحسین فرمائی
جن لوگوں نے اللہ کی رضا کی خاطر مسجدوں کی تعمیر کی ان کی عظمت کو یوں ذکر فرمایا:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ

"وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (وہ) اس قابل ہے کہ اس میں جایا (اور نماز پڑھا) کرو۔" (التوبہ:108)

یہ آیتِ کریمہ مسجدِ قُبا کے بارے میں ہے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہفتہ کے روز وہاں تشریف ۔
جاتے اور اس میں نماز ادا فرماتے۔ اس مسجد کے بنانے والوں کے تقویٰ و طہارت کی خود اللہ تعالیٰ نے بھی گوا
دی۔ سورۃ توبہ میں اگر منافقوں کے لئے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے تو اس کے پہلو بہ پہلو مخلص اہلِ ایمان ۔
لئے بشارت اور خوشخبری بھی جا بجا مذکور ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط

"اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لئے بہشت (تیار کی) ہے۔" (التوبہ:111)

علاماتِ ایمان

اس خوشخبری کے بعد ظاہر ہے کہ ہر شخص نے دعوائے ایمان کیا مگر اس دعویٰ کے لئے بطور گواہ یا دلیل
مومنین کے اوصاف بیان کئے گئے تاکہ اس بشارتِ عظمیٰ کے استحقاق کے لئے ان اعمال کو اپنایا جائے۔

ارشادِ باری ہے:

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ط وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

.com

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

"(مومن) وہ ہیں جو لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ یہ تورات' انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ یقیناً پورا کرے گا اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ جو تم نے اس سے سودا کیا ہے' اس سے خوش ہو جاؤ۔ یہی بڑی کامیابی ہے (اہلِ ایمان کی مزید علامات یوں بیان فرمائیں) توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے' اللہ کی تعریف کرنے والے' روزہ رکھنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی (متعین کردہ) حدود کی حفاظت کرنے والے' اہلِ ایمان کو خوشخبری سنا دیں۔" (التوبہ: 111-112)

مشرک کے لئے استغفار نہ کریں

اس قدر بڑی خوشخبری کے بعد اب مشرکین کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا جا رہا ہے کہ وہ لوگ جو شرک میں مبتلا ہیں' ان کے لئے مغفرت کی دعا نہ کریں اور بطور نمونہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے دعا کا وعدہ کیا تھا' وہ ہم نے پورا نہیں ہونے دیا۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو روک دیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○

"نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں' یہ زیبا نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں' چاہے وہ اُن کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں' جبکہ اُن پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے جو دعائے مغفرت کی تھی، وہ تو اس وعدے کی وجہ سے تھی جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا مگر جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ ان کا باپ خدا کا دشمن ہے تو (وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ یعنی) اس دعا سے بری ہو گئے۔ حق یہ ہے کہ (حضرت) ابراہیم بڑے رقیق القلب' خدا ترس اور بردبار آدمی تھے۔" (التوبہ: 113-114)

تین صحابیوں کی توبہ

اس کے بعد جنگِ تبوک کے موقعہ پر جن لوگوں کے خلاف تادیبی کارروائی ہوئی ان میں تین کا ذکر اسی سورت میں مذکور ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ
مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ
وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ
بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ
اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۠

"بے شک اللہ نے اپنے رسول پر مہربانی کی اور (مومنین) مہاجرین و انصار پر باوجود اس کے کہ ان میں سے بعض کے دل مشکل گھڑی میں پھر جانے کو تھے (مگر) پھر بھی اللہ نے مہربانی کی۔ بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔ اور (خاص کر) ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کا جینا ان کے لئے دوبھر ہو گیا اور انہوں نے (بھی) جان لیا کہ اللہ (کے عذاب) سے خود اس کے علاوہ کوئی (جائے) پناہ نہیں (تو) اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ تائب ہوں۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔" (التوبہ: 117-118)

یہ ان تین حضرات کا قصہ ہے جو غزوۂ تبوک میں آپؐ کے ساتھ نہ گئے' اس موقعے پر ساتھ نہ دے سکنے والے تین طرح کے لوگ تھے۔

1- منافق۔

2- مومن جو اپنے حقیقی عذر کے باوجود نہ جا سکے۔

3- وہ مومن جو بغیر کسی عذر کے (محض سستی) کے باعث نہ جا سکے۔

ان تینوں حضرت کا تعلق تیسرے طبقے کے ساتھ ہے' اس طبقہ کے جن لوگوں نے اپنے قصور کا اعتراف و اقرار کر لیا' ان کو معاف کر دیا گیا مگر ان تینوں حضرات کا معاملہ تادیباً پچاس دن تک ملتوی رکھا گیا۔ ان تینوں صحابہ کرامؓ کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔ مرارہ بن ربیعؓ' کعب بن مالکؓ اور ہلال بن امیہؓ۔ ان دنوں میں ان تینوں حضرات کی کیفیت یہ ہوئی کہ وہ اپنی اس زندگی کو موت سے بھی بدتر سمجھنے لگے کیونکہ جس زندگی میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی رضا شامل نہ ہو وہ بھی کیا زندگی ہے۔"

آخر وہ رقت انگیز لمحہ بھی آیا کہ ان کے قصور معاف کر دیئے گئے اور یہ آیات اسی سلسلے میں نازل ہوئیں۔ سُبحانَ اللہ کیا عظمت ہے ان حضرات کی!

تعلیمِ دین۔ فرضِ کفایہ

اس کے بعد اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی کہ مومنین کو آپس میں ایک گروہ بن کر رہنا ہے۔ ان کے دل مشرکین کی طرف جھکے ہوئے نہ ہوں خواہ وہ قریبی عزیز اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ سورہ التوبہ کے آخر میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم آیا کہ دین کا سیکھنا اور سکھانا فرضِ کفایہ کے طور پر ادا کرو اور ہر بستی اور ہر شہر میں سے کچھ لوگ نکل کھڑے ہوں۔ دین کو سیکھیں اور پھر اپنے علاقے کے لوگوں کو سکھائیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

"اور یہ کچھ نہ تھا کہ اہلِ ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ غیر مسلمانہ رَوش سے پرہیز کرتے۔" (التوبہ:122)

آخر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بارے میں ایک آیت آ رہی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

"دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے' جو خود تم ہی میں سے ہے' تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے اور تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے' ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔ (اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم) اب اگر یہ لوگ آپ سے منہ پھیرتے ہیں تو ان سے کہ دو کہ میرا اللہ کفایت کرتا ہے' اس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں' اسی پر میں نے بھروسا کیا اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔"
(التوبہ:129-128)

.com

سورہ یونس (۱۰)

نام

سیدنا یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم کے تذکرے کی وجہ سے اس سورۃ کا علامتی نام "یونس" رکھا گیا۔

زمانۂ نزول

یہ مکی سورۃ ہے۔ یہ سورۃ اپنے مضامین کے اعتبار سے صراحتاً دلالت کرتی ہے کہ اس کا نزول ہجرت سے قبل مکی زندگی کے آخری دور میں ہوا۔ کیونکہ سورۃ کا مرکزی خیال منکرین و معاندین کو یہ بات بتلاتا ہے کہ اگر قبولیتِ حق کی استعداد تم سے سلب ہو چکی ہے اور تم حیلوں بہانوں سے دعوت حق کو ٹھکرانے کا فیصلہ کر چکے ہو اور تلقینِ حق اور فریضۂ رسالت کی ادائیگی اب تمہیں ناگوار ہی نہیں گزرتی بلکہ تم اپنے آپ اس کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو اس سلسلے میں پہلے انبیاء کے مخالفوں کے انجام پر غور کرو کہ ان کے اس انتہائی اقدام کا نتیجہ کیا نکلا؟

مضامین

پہلی مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی دو مضامین کو بطورِ خاص بیان کیا گیا ہے:

ا۔ عقیدۂ توحید۔

ب۔ موت کے بعد کی زندگی اور جزا و سزا۔

اس سورۃ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عقیدۂ توحید مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے اور اس کے لئے ایسے دلائل بیان کئے گئے ہیں جو تعصب سے پاک انسانوں کو جاہلانہ طور طریقوں سے نکال سکیں نیز ایسے لوگوں کو ان کی غلط فہمیوں اور غفلتوں پر بھی متنبہ کیا گیا کیونکہ کُفّارِ مکہ حیات بعد موت کے قائل نہ تھے۔ ان کو بتایا گیا کہ موجودہ زندگی امتحان کے لئے مہلت کا دور ہے یہ مہلت انتہائی قلیل اور مختصر بھی ہے اور اس کے بعد مزید کوئی مہلت یا موقع دوبارہ میسّر نہ آسکے گا' اس لئے اس زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر حقیقی زندگی (جو موت کے بعد شروع ہونے والی ہے) کو بہتر بنانے کی فکر کرو۔

اسی طرح کُفّارِ قُریش نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بابت شکوک و شبہات کا شکار تھے۔ ان کے شکوک کا بھی ازالہ کیا گیا کیونکہ اس علاقہ میں عرصہ دراز سے کوئی نبی نہ آیا تھا' اس لئے ان لوگوں نے آسمانی ہدایت و رہنمائی کے بغیر ہی من گھڑت رسومات کو بطور مذہب اپنا لیا تھا۔ اس گمراہی اور دیگر جاہلانہ رسوم کے انجام بد کو ظاہر کرنے کے لئے سابقہ اُمتوں میں سے نوح اور موسیٰ علیہما السلام کی اُمتوں کے حالات کو بطورِ شہادت و تمثیل پیش کیا تاکہ یہ بات اہلِ مکہ پر واضح ہو جائے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی رب کے بھیجے ہوئے نبی و رسول ہیں جس

نے نوح و موسیٰ علیہما السلام کو مبعوث فرمایا۔ وہ جب چاہے گا، تمہاری بساطِ حیات کو اسی طرح لپیٹ دے گا جیسے ان دونوں اقوام کے ساتھ ہوا۔ پھر اس نزع کے عالم میں نہ تمہاری توبہ قبول کی جائے گی اور نہ تمہارا ایمان معتبر ہو گا۔ نیز اُمتِ مسلمہ کے مظلوم اور ستائے ہوئے افراد کو تسلی دی کہ صرف مظلومیت ہی تمہارا مقدر نہیں بلکہ بہت جلد اللہ تعالیٰ اس حالت کو تبدیل کر دے گا لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جو تعلیماتِ الٰہی تم تک پہنچ چکی ہیں، ان میں ترمیم و تبدیلی نہ اب ہو سکتی ہے، نہ آئندہ قیامت تک ہو سکے گی۔ اس لئے اقتدار اور غلبہ ملنے کے بعد اگر اس اُمت کے افراد بھی بہک گئے تو ان کا انجام پہلے لوگوں سے مختلف نہ ہو گا۔

.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الۤرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝
اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝

"یہ بڑی دانائی والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ کیا لوگوں کو (اس پر) تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کو حکم (دے کر) بھیجا کہ (نافرمان) لوگوں کو ڈر سنائے اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے کہ (ایمان والوں کے لئے) ان کے رب کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے۔ (ایسے شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو (کھلا) صریح جادوگر ہے" (یونس: 1-2)

سورۃ یونس کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد قرآنِ مجید کی حکمت والی کتاب ہونے کا ذکر ہے۔ ابتدائے سورۃ میں مشرکین کے تعجب کا ذکر ہے۔ انہیں اس بات پر تعجب تھا کہ ہماری ہی قوم کا ایک فرد جو نسل انسانی ہی سے ہے، وہ منصبِ نبوت و رسالت پر فائز ہو گیا ہے اور اس کی تعلیم ان کے موروثی نظریات کے بالکل برعکس ہے۔

ہماری منزل ذاتِ الٰہی ہے

اس تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر آفاق کے وجود کو بطور دلیل پیش کیا اور فرمایا کہ اس نے کائنات کی تخلیق کے بعد اس کو چلانے کا اہتمام اور اس کی تدبیر و انتظام بھی خود ہی سنبھال رکھا ہے۔ اس کے بعد وہ آیات ہیں جن کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے متعلق ہے کیونکہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی ملاقات، اس کا دیدار اور اس کا قرب ہے۔ ہم ذرا سا نقصان ہو جانے پر یہی کہتے ہیں:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

"ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں"

اس عقیدے کی وضاحت کے لئے زمین و آسمان، سورج چاند کی منازل کا تعین اور دنوں برسوں کی گنتی، رات

fat.com

دن کے اختلاف کو بطورِ دلیل ذکر کیا اور غافل دلوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝
أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

"بے شک (وہ لوگ) جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور (وہ) دنیا کی زندگی سے خوش اور اس پر مطمئن ہو بیٹھے (ہیں) اور ہماری نشانیوں سے غافل ہیں' ان کا ٹھکانا ان کے (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں' دوزخ ہے۔" (یونس: 7-8)

گویا دنیا کی غفلت کا انجام آخرت میں انتہائی ہولناک ہو گا۔ جبکہ اہلِ ایمان دنیا اور آخرت میں ہر جگہ ہر حال میں اپنے رب کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ہر سفر تو اپنے رب ہی کی جانب ہے۔

انہی غافل لوگوں کی دنیوی حالت یہ ہے کہ جب انہیں کوئی دکھ پہنچتا ہے یا کسی اذیت کا شکار ہوتے ہیں تو اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اللہ ہی سے استعانت کرتے ہیں اور جونہی یہ اذیت ناک لمحے گزر جاتے ہیں وہ پھر اسی فریب زدہ زندگی میں پلٹ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت ہے کہ ایسے لوگوں کو عرصۂ دراز تک بار بار آزمائشوں میں ڈال کر پرکھتا ہے۔ جبکہ وہ کافر اپنے اعمال کی ظاہری زیب و زینت کے باعث خود فریبی کا شکار رہتے ہیں۔ اور پھر یکبارگی ان غافل لوگوں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا

"اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو ان کے اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں (اور جب وہ اس ظاہری شان و شوکت میں الجھ گئے تو) ہم نے ان کے ظلم کے باعث ان کو ہلاک کر دیا۔" (یونس: 12-13)

لیکن اس مقام پر ایک بات بہت خوبصورت فرمائی گئی کہ ہم انہیں متنبہ کرنے کے لئے ان کے ہاں رسول ضرور بھیجتے رہے اور یہ سلسلہ تاہنوز (بعثت خاتم الانبیاءؑ تک) جاری ہے۔ اور ہم نے ان کے پیچھے تم کو ان کا نائب بنایا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے:

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝

"تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو" (یونس: 14)

.com

نبوتِ محمدیؐ پہ دلیلِ قاطع

کُفّارِ مکہ کی ایک کٹ حجتی کو یہاں بیان کیا گیا۔ اس سے قبل یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ اور نزاعی و اختلافی مسائل و معاملات میں بحیثیت مسلمان ہمارا کیا نقطۂ نظر ہونا چاہیے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ○

قُل لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ○

"اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی امید نہیں، وہ کہتے ہیں کہ (یا تو) اس کے سوا کوئی اور قرآن (بنا) لاؤ، یا اس کو بدل دو۔ (آپؐ کو اس موقع پر حقیقت پسندانہ رویہ اپنانے کی تلقین ان الفاظ میں کی جارہی ہے کہ) کہہ دیجئے! مجھ کو اختیار نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل دوں۔ (کیونکہ) میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔ (یوں بھی) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ (کتاب) تم کو پڑھ کر سناتا اور نہ وہی تمہیں اس سے واقف کرتا۔ میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہ چکا ہوں (اور کبھی ایک کلمہ بھی اس طرح کا میں نے نہیں کہا جس میں کسی قسم کا دعویٰ ہو یا جھوٹ کا شائبہ ہو) بھلا تم (یہ) سمجھتے نہیں۔ (مزید تاکید اور وضاحت کے لئے یوں ان کو حقیقتِ حال واضح کریں کہ) اس سے بڑھ کر ظالم کون (ہے) جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک گناہ گار کامیاب نہ ہوں گے۔" (یونس:15-17)

توحید فطرتِ انسانی ہے

اس کے بعد انسانی فطرت و جبلّت کا ذکر کیا کہ توحید کا سبق تو انسان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ مگر انسان اپنی

مکاری کے باعث حیلے اور سازشیں کرتا رہتا ہے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝

"اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد (اپنی) رحمت (سے آسائش) کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں میں حیلے کرنے لگتے ہیں۔ کہہ دو! کہ اللہ بہت جلد حیلہ (کی سزا کا فیصلہ) کرنے والا ہے۔ بے شک جو تم (حیلے) کرتے ہو' ہمارے فرشتے ان کو لکھتے ہیں۔" (یونس: 21)

اس کے بعد انسانی حیلوں کا ایک انداز بتایا کہ سمندری سفر کے دوران میں سازگار ہواؤں کے بعد جب طوفانی موج کے باعث کشتی ڈگمگانے لگتی ہے تو یہ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور طوفانی تھپیڑوں سے نکلتے ہی وہ گمراہی و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکنے لگتے ہیں۔ بالکل اسی طرح انسانی زندگی اور اس کے اعمال جب تک اللہ کے حکم کے تحت ہوتے ہیں' مفید اور کارآمد ہوتے ہیں مگر جب یہ نفسانی خیالات کے تابع ہو جاتے ہیں تو وہ اعمال خود اس انسان اور دوسرے لوگوں کے لئے وبال اور عذاب کا باعث بن جاتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاللَّهُ يَدْعُوٓا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

"اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے' سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔" (یونس: 25)

جو شخص اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے راہِ مستقیم پر چل نکلتا ہے ایسے لوگوں کے لئے یہ انعام ہے کہ ان کے چہرے ذلّت و رسوائی اور لعنت اور پھٹکار کی سیاہی سے محفوظ ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے اس راہ کو چھوڑ دیا ہے' ان کے چہروں پر رات کی تاریکی کی مانند سیاہی ہوگی اور اس موقع پر یعنی میدانِ حشر میں مشرکوں کو کس طرح ذلّت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس کو یوں بیان فرمایا:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝

فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ۝

هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوٓا إِلَى اللَّهِ مَوْلَىٰهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

.com

"اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے' (اس دن مشرکوں) کو ہم کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک (جن کو تم پوجتے رہے) اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم ان میں تفرقہ ڈال (کر جدا جدا کر) دیں گے۔ (اور پھر ان کے معبودوں سے پوچھیں گے کہ تم نے ان سے اپنی عبادت کیوں کرائی؟) تو ان کے شریک (ان سے) کہیں گے کہ تم ہم کو نہیں پوجا کرتے تھے۔ (اس بات کے ثبوت کے لئے) ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ (کہ) ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے' آزمائش کر لے گا اور (وہ جان لیں گے کہ) وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹا دیے گئے ہیں۔ اور (دنیا میں) جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے (جھوٹے معبودوں کا اقرار کرتے ہوئے) سب ان سے گم ہو جائے گا۔" (یونس:28-30)

ظن و تخمین بمقابلہ ایمان و یقین

آخرت کے ذلّت آمیز انجام سے بچانے کے لئے توحید کے دلائل کو ایک نئے اور اچھوتے انداز میں بیان کیا۔ ان دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ رزق دنیا' زندگی و موت کا مالک اور کائنات کی تدبیر کرنے والا اللہ وحدہ' لاشریک ہے۔ اور اس کی الوہیت کے اقرار سے ہٹ کر سب کچھ گمراہی و ضلالت ہے۔ اس کے بعد کچھ سوالات کئے گئے تاکہ مشرکوں کو تنبیہہ ہو۔ ان سے پوچھا گیا کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو ان کی بابت بتاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ راہِ راست کی رہنمائی کون کرنے والا ہے؟ اور پھر فرمایا کہ اکثر انسان اپنے اوہام و تصورات کی پیروی کرتے ہیں جبکہ:

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا

"بے شک خیالات (ظن و تخمین) سچائی کے مقابلے میں قطعاً مفید نہیں۔" (یونس:36)

انہی خیالات میں کھویا ہوا انسان حقیقت سے دور ہوتا ہے۔ جبکہ حقیقت وہ ہے کہ جس کو آج تک کوئی جھٹلا نہیں سکا اور اس کا نام ہے موت۔ صوفیاءِ کرام سے جب موت کی حقیقت پوچھی گئی تو انہوں نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ مُحِبّ اور محبوب کی ملاقات کا نام موت ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر انسان اپنے محبوب رب کو نہیں پا سکتا اور ہم اس محبوب کی جانب مسلسل سفر کر رہے ہیں۔ اسی لئے جب ہم کہیں سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو جو دُعا پڑھتے ہیں' اس کے آخر میں بھی یہی کہتے ہیں۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○

"ہم تو دراصل اپنے پروردگار کی طرف جا رہے ہیں"۔ (زخرف:14)

گویا ہمارا حقیقی سفر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اے انسان! تو تکلیفیں اُٹھا اُٹھا کر اپنے پروردگار کی طرف بڑھ رہا ہے پس جان لے کہ اس سے ملاقات

Marfat.

ہو جائے گی"۔

اس ملاقات کی آس ہی میں ہم سب جی رہے ہیں۔ ہمارا اُٹھنا' بیٹھنا' چلنا' پھرنا یہ سب کچھ اس کی اسی ملاقات کی طلب میں ہے۔ کتنے بد نصیب ہوں گے وہ لوگ کہ جن کا کوئی محبوب ہی نہ ہو اور اس سے ملنے کی آس اور توقع ہی نہ ہو۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں یعنی قرآنِ مجید سے غافل ہیں 'اُن کا آخری ٹھکانا جہنم ہو گا' ان برائیوں کی پاداش میں جن کا اکتساب وہ اپنے غلط عقیدے اور غلط طرزِ عمل کی وجہ سے کرتے رہے۔ یہاں یہ معلوم ہوا کہ اصل طاقت جو انسان کو نیک اعمال کی طرف لاتی ہے اور سوئے منزل لے کر چلتی ہے' وہ اس کی محبت ہے جو اللہ کی خاطر وہ دل میں رکھتا ہے اور یہ اُمید ہے کہ ایک دن وہ اللہ کے حضور پہنچے گا' اللہ کو دیکھے گا' اس کے قُرب سے مُشرّف ہو گا۔

یہ محبّت کی دولت ہے اور اگر یہ حاصل ہو جائے تو اس دنیا میں اس سے بڑی اور کوئی چیز نہیں۔ یہی محبت کا رویّہ انسان میں یقین و ایمان کی کیفیت پیدا کرتا اور اسے وہم و گمان' ظن و تخمین اور بے یقینی کی حالت سے باہر نکالتا ہے۔

سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بترّ ہے بے یقینی

دراصل بے یقینی وہم و گمان کی کیفیت میں الجھے رہنے کی کیفیت کو کہتے ہیں۔ قرآنِ مجید وہم و گمان کی کیفیت کو اچھا نہیں سمجھتا اور انسان کے اس علم کو جو وہ حواس محسوسہ سے آگے نہیں حاصل کر سکتا' اس کو وہم و گمان کے علم کا نام دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ محض قیاس و گمان کے پیچھے چلے جا رہے ہیں حالانکہ گمان حق کی

ضرورت کو پورا نہیں کرتا۔ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں 'اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور یہ قرآن وہ چیز نہیں کہ جو اللہ کی وحی کے بغیر تصنیف و تالیف کرلیا جائے بلکہ یہ اور جو کچھ اس سے قبل نازل ہو چکا ہے' یہ قرآن اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فرمانروائے کائنات کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود تصنیف کرلیا ہے؟ کہو اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کرلاؤ' اور اللہ کے علاوہ جس کو بھی چاہو' امداد کے لئے بلالو۔ اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مال اور انجام بھی ان کے سامنے نہیں آیا' اس کو انہوں نے خواہ مخواہ انکل پچو سے جھٹلا دیا۔ اسی طرح ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا" (یونس: 37-39)

حُبِ الٰہی حصولِ یقین کا ذریعہ ہے

ان کی اسی بے یقینی کی حالت پر تاسف کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر پہلی اُمتوں کی طرح یہ لوگ اس قرآن کی حقانیت کو تسلیم کرنے کی بجائے شک اور وہم میں مبتلا رہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی وہم میں مبتلا رکھیں تو اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ تمام زندگی قیاس اور وہم و گمان میں گزار دی جائے اور کہیں بھی یقین کی دولت حاصل نہ ہو' کہیں بھی دل کو قرار نصیب نہ ہو اور اطمینان نہ ہو کہ ہم ٹھیک سمت میں جا رہے ہیں۔ ہم کس کے لئے جی رہے ہیں' کوئی ہماری زندگی کا مالک ہے' کسی نے ہمیں پیدا کیا' کوئی ہمارا ہے اور ہم کسی کے ہیں۔

کسی کے ہو رہو اچھی نہیں یہ آزادی
کسی کی زُلف سے لازم ہے سلسلہ دل کا

یعنی وہم و گمان کی اس کیفیت سے نکل کر اللہ کے ایمان کی کیفیت میں جانا چاہئے۔

اسی گومگو کی کیفیت میں مبتلا معاشرے کے افراد کا ذکر ہے کہ کچھ ایمان لاتے ہیں اور باقی کُفر کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہیں۔ کچھ لوگ ہمہ تن گوش ہیں اور کچھ بات سننے کے بھی روادار نہیں۔ ایسے میں جب کوئی فرد موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو اس کے احساسات یہ ہوتے ہیں کہ اس نے چند لمحے یا چند ثانئے ہی اس دنیا میں زندگی گزاری ہے اور اس کے ساتھ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ لوگ عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان کے لئے فرمایا کہ دنیا میں انسان کتنی ہی زندگی کیوں نہ گزار لے' آخر کار اس کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہو گا۔ یہ بات سن کر انہوں نے پوچھا کہ اتنا بتا دیجئے کہ یہ عذاب کب آئے گا۔ اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ ان کو یوں جواب دے دیں:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

"کہ دیجئے! کہ میں تو اپنے فائدے اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ (میرے لئے) چاہے۔ (رہا معاملہ عذاب کا تو سن لو کہ) ہر اُمّت کے لئے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر یا جلدی نہیں کر سکتے۔" (یونس:49)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مجھے تو اپنے بارے میں ہونے والے معاملات کے خیر و شر کی خبر نہیں چہ جائیکہ میں تم پر آنے والے عذاب کی خبر دے سکوں۔ البتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر فرد و قوم کے لئے وقت متعین ہے کہ اس کو کب تک اس دنیا میں رہنا ہے۔ اور یاد رکھو کہ جب اجل سر پر آپہنچے گی تو پھر یہ نامراد شخص تمنا کرے گا اے کاش! مجھ سے ساری دنیا لے کر بھی ایک ساعت عذاب سے چھٹکارا مل جائے مگر ایسا اس وقت ممکن نہ ہو گا۔ اس وقت یہ لوگ شرمندگی و ندامت کے دریا میں غوطہ زن ہوں گے مگر اب اس پچھتاوے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

ولی اللہ کون؟

اس کے بعد اب ولایت کا ذکر ہے اور اس کا معیار بتایا ہے کہ

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

"یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں' انہیں نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے نہ غم" (یونس:62)،

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یقین کی دولت سے مالامال ہوتے ہیں اور ان کی یہ پہچان بن جاتی ہے کہ

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ۝

"وہ ایمان لاتے اور گناہوں سے بچتے ہیں۔" (یونس:63)

یہاں پہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی دو بنیادی صفات ہوتی ہیں: ایک یہ کہ وہ اہلِ یقین و ایمان ہوتے ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ اہلِ تقویٰ ہوتے ہیں۔ یہی دو معیار ہیں جن سے کسی شخص کی ولایت کو پرکھا جا سکتا ہے: ایمان اور تقویٰ۔ اگر یہ دو صفات نہ ہوں تو باقی سب شعبدہ بازی ہے' ولایت نہیں ہے۔ اس محبت کے لئے راتوں کھڑے ہو کر اس سے بھیک مانگنا پڑتی ہے۔ دستِ سوال دراز کرنا پڑتا ہے کہ اپنی محبت عطا کر دو۔ اس لئے کہ وہ سب نعمتیں عطا کر دیتا ہے جب کہ اپنی محبت' قُرب' ایمان اور محبت بغیر مانگے' بن طلب کئے نہیں دیتا لیکن یوں اس سے بھیک مانگنے کے بعد جب اس سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کی محبت کا ادراک ہونے لگتا ہے۔ اس کے وجود کا احساس ہونے لگتا ہے اور پھر یقیناً ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ "یہ وہم و قیاس کی کیفیت سمٹ کر یقین کی منزل جب حاصل ہو جاتی ہے تو ولایت حاصل ہو جاتی ہے لیکن اس کی دو بنیادیں ہیں' جن میں یہ دو علامتیں ہوں گی' وہ ہمارے ولی اور دوست ہوں گے اور ولی وہ لوگ ہیں' جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ایمان اور تقویٰ جس شخص کے اندر موجود ہو گا' وہ اللہ کا ولی ہو گا۔ ولایت کے لئے شعبدے بازی شرط نہیں ہے۔ ولایت کے لئے ہواؤں میں محوِ پرواز ہونا' پانی پہ چلنا کوئی لازمی شرط نہیں بلکہ یہ تو اس بات کا نام ہے کہ اللہ پر ایمان ہو اور سرورِ کائنات

حضرت محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے گہرا تعلق ہو۔ اتنا تعلق کہ انسان اپنے آپ کو ان کے رنگ میں رنگ دے۔ ان کی اداؤں پر مرمٹے' ان کی زندگی کو اپنا لے' اور اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔

دن رات کا آنا نظامِ رحمت ہے

اس ولایت کے حصول کے لئے اس کے بعد کی آیات میں ایک مرتبہ روزانہ مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کے ذریعے سے وہ محبوبِ حقیقی اپنا تعارف کراتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

"اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ گرامی ہے جس نے رات بنائی تمہارے لئے تاکہ تم اس میں آرام کرو۔ دن کو روشن بنایا۔ اس بات میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ہماری بات کو غور سے سن رہے ہوں"۔ (یونس: 67)

یہ رات کا آنا بھی لطف کی بات ہے۔ راقم کو زمانہ طالب علمی میں جب مطالعہ کرتے ہوئے دیر ہو جاتی تو والدہ مرحومہ کی مامتا برداشت نہیں کرتی تھی۔ وہ آکے بتی بجھا دیتیں کہ بس بیٹا! اب سو جاؤ۔ یہ بھی تو اللہ کی رحمت ہے کہ شام کو بتی بجھا دیتے ہیں کہ دن میں بہت کام کیا ہے' تمہارا جسم اور اعصاب تھک چکے ہوں گے۔ اب سورج غروب کر کے بتی بجھا دی۔ اب تم آرام کرو۔ نیند کر لو اور کل اس آرام کے نتیجے میں جب پھر طبیعت تازہ دم ہو جائے گی تو پھر تمہیں روشنی دیں گے کہ اس کھلی روشنی میں ہل چلاؤ اور اس میں کاروبار کرو۔

آپ غور فرمائیں کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر اس امر کا فیصلہ کرنے کی کوشش کرتے کہ انہیں کب آرام کرنا ہے اور کب کام تو کبھی ایک وقت پر متفق نہ ہو پاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کیسا انتظام ہے کہ ہم سب لوگ ایک ہی وقت میں کام کرتے ہیں' ایک ہی وقت میں کھانا کھاتے ہیں' اور ایک ہی وقت سو جاتے ہیں۔ یہ اسی کا بنایا ہوا نظام ہے۔ رات اور دن کے آنے جانے سے ہمارے کام کرنے' کھانا کھانے اور سونے جاگنے کے اوقات ایک ترتیب میں آ جاتے ہیں۔ یہ نشانیاں ان لوگوں کے لئے ہیں جو باتیں دل کے کانوں سے سنیں۔ اور یہ یقین ان کے دل میں جاگزیں ہو جائے کہ یہ رات دن کا آنا اور دنیوی زندگی محدود عرصے کے لئے نفع اٹھانے کی غرض سے ہے' یہ مستقل اور پائیدار چیز نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سبھی کو لوٹ کر اپنے خالق کے حضور پیش ہونا ہے۔

بعض انبیاء کے حالات

اولیاء اللہ کا ذکر اجمالی طور پر تو ہو چکا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور دوستوں میں سے چند کے حالات

بطور نمونہ ذکر فرماتے ہیں۔ پہلے سیدنا نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ کہ قوم نے جس قدر اذیتیں اور مصائب ان کو دیئے انہوں نے سب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور بتایا کہ میرا کام اللہ کی نصیحت کا پہنچانا ہے اور مصائب آئیں تو اپنے مالک پر بھروسا کرنا۔ اس کے بعد اب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آرہا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو آزاد کرانے کے لئے سب جتن کئے' فرعون کے سامنے دینِ حق اور پھر معجزات پیش کئے' دلائل کے انبار لگا دیئے۔ ہر طریقے اور حکمت سے تحریک اسلامی کو آگے بڑھایا' لیکن فرعون' قارون' ہامان وغیرہ (شیطانوں کی تکون) نے کوئی بات نہ مانی۔ اس پر اللہ کے رسول نے تنگ آکر بددعا دی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دردمندانہ الفاظ میں مخاطب ہوئے۔ ذرا نبی کے الفاظ کو ملاحظہ کیجئے اور قرآن کی ادبیت کی داد دیجئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَن سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ○

قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ○

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ○

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ○

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ○ع

"موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی' اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نوازے رکھا ہے۔ اے رب! کیا یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں۔ اے رب! ان کے مال غارت کردے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر لگا دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا تم دونوں کی دُعا قبول کی گئی (دُعا میں ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام بھی شامل تھے) ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے طریقے کی ہرگز

.com

پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ اور ہم بنی اسرائیل کو سمندر میں گزار لے گئے۔ پھر فرعون اور اُس کے لشکر ظلم اور زیادتی کی غرض سے ان کے پیچھے چلے حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اُٹھا کہ معبودِ حقیقی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی سر اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں۔ جواب دیا گیا: اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے قبل تو تو نافرمانی کرتا رہا اور فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بنے۔ اگرچہ بہت سے انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں"۔

(یونس:88-92)

فرعون کی لاش----ایک عظیم معجزہ

یہ فرعون کی لاش کا معاملہ بھی عجیب و غریب ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ اے فرعون! تیری لاش کو بچا کے رکھا جائے گا تاکہ آئندہ انسانی نسلوں کے لئے تو عبرت کا سامان بن جائے۔ دُنیا ہم سے سوال کرتی تھی کہ فرعون کی لاش کہاں ہے؟ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس جواب نہیں تھا اور ہم یہ کہتے تھے کہ اس کی لاش ضرور کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ اسے ڈھونڈنا چاہئے۔ 1907ء میں یہ لاش دریافت ہوگئی اور اس وقت دنیا میں نشانِ عبرت کے طور پر موجود ہے' کچھ عرصہ مصر میں رہی۔ پھر برٹش میوزیم بھجوادی گئی۔ لیکن یہ قرآنِ مجید کے سچا ہونے کا ثبوت ہے۔ لوگ اب بھی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ جب قرآن نازل ہو رہا تھا تو اس وقت انسانوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ لاش کہاں ہے؟ لیکن قرآن نے آواز دی کہ یہ لاش محفوظ ہے اور وہ کہیں نہ کہیں اور کبھی نہ کبھی ضرور دریافت ہوگی۔ آخر کار وہ تیرہ سو سال کے بعد 1907ء میں دریافت ہوگئی۔ اس سے بڑھ کر قرآن کا اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے؟ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ قرآنِ حکیم اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے؟

اس عظیم معجزے کے ذکر کے بعد اللہ کے ایک اور برگزیدہ نبی سیدنا یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہے۔ جس میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب کی علامات ظاہر کر دیں کہ ان کو دیکھ کر رجوع کرلیں اور جب ان لوگوں نے رجوع کرلیا تو عذاب چھٹ گیا۔ اور وہ ایمان کی زندگی کے ساتھ پھر جئے۔ آج ہم جس قدر مشکلات اور آزمائشوں کا شکار ہیں' ان سے نکلنے کا ایک ہی حل اور لائحہ عمل ہمارے لئے مفید ہے کہ ہم اپنے رب کی جانب رجوع کرلیں۔ سورۃ کا اختتام ہو رہا ہے اور اس سورہ کے آخر میں توحید اور اخلاص موضوع ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○
وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ

فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○

"(مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ) تو یکسو ہو کر اپنے آپ کو ٹھیک ٹھیک اس دین پر قائم کر دے اور ہرگز ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو اور اللہ کو چھوڑ کر کسی بھی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہو گا۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو خود اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے' اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا ہے"۔(یونس:105-107)

اللہ تعالیٰ ہماری حالتِ زار پر بھی رحم فرمائے۔ آمین!

سورہ ھود (۱۱)

نام

اس سورۃ کو بطورِ علامت سیدنا ہود علیہ السلام کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

اس سورۃ کا زمانۂ نزول بھی مکی زندگی کا آخری دور ہی ہے۔ اس سورۃ کے بارے میں حدیث کی کتب میں ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے ایک سوال کے جواب میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شَیَّبَتْنِی ھُوْدٌ وَ اَخَوَاتُھَا

"سورۃ ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔" (بخاری)

مضامین

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا شفقت و رحمت تھے اور دوسری طرف کُفّار انکارِ حق کے ساتھ ساتھ اس دعوت کو کچلنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے انکارِ حق کی سزا اور وعید کے بار بار ذکر سے آپ کو یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ اگر یہ سوچ بچار کی مُدّت ختم ہو گئی اور کُفّارِ مکہ قبولیتِ حق پر آمادہ نہ ہوئے تو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کو ختم ہی کر ڈالے۔ اس سورۃ میں سورہ یونس کے مضامین ہی کو زیادہ مدلّل اور موثر انداز سے دہرایا گیا ہے:

الف۔ نبیِ آخر الزمان علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے توحیدِ الٰہی کا اقرار کر لو اور شرک سے رک جاؤ۔

ب۔ دنیا کی زندگی کو اس انداز سے گزارو کہ آخرت میں ذِلّت کا سامان نہ بن جائے کیونکہ پہلی قومیں بھی دنیا کی ظاہری عظمت و شوکت کے فریب میں اُلجھ کر اپنے انجامِ بد کو پہنچیں۔ اگر تمہاری رَوش یہی رہی تو تمہارا انجام ان سے مختلف نہ ہو گا۔ اس بات کی وضاحت کے لئے بطورِ مثال انبیاءِ سابقین اور اُن کی اقوام میں سے قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط، اصحابِ مدین، بنی اسرائیل اور فرعون کے واقعات و کردار کو قدرے اجمال کے ساتھ دُہرایا گیا ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح کر دی کہ اگر اب تک تم عذابِ الٰہی سے بچے ہوئے ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے سنبھلنے اور سوچنے کا موقع ہے کیونکہ جب عذابِ الٰہی کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو ہمہ قسم رابطے اور رشتے منقطع ہو جاتے ہیں۔ نسبت اور ناطہ کام نہیں دیتا۔ صرف رحمتِ الٰہی اس وقت معین و مددگار ہوتی ہے جو اس وقت اہلِ ایمان کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہے۔

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍۙ
اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌۙ

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں اور اللہ حکیم و خبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کردی گئی ہیں۔
خبردار! اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بلاشبہ میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری
پہنچانے والا ہوں۔"

(ہود: 1-2)

یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جن میں تنبیہہ کا انداز کچھ زیادہ شدّت اور سختی لئے ہوئے ہے۔ حض
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے' کچھ بال سفید ہونے لگے تو صحابہ کرام رضی ا
عنہم اجمعین نے عرض کی: "یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر تو بڑھاپا آنے لگا ہے۔" آپ نے جواب میں کہ
" مجھے سورۃ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے"۔ اس لئے کہ اس میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو انسان ک
دل میں فکر پیدا کرتی ہیں اور وہ فکر انسان کو آہستہ آہستہ بوڑھا کردیتا ہے۔

رزق رسانی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا
وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ

"زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذِمّے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ جلَّ شانہٗ
نہ جانتا ہو کہ اس کو کہاں رہنا ہے اور اسے کہاں سونپا جاتا ہے۔" (ہود: 6)

بندے کی اصل ذِمّہ داری اور ایک غلط فہمی

دراصل ہر جاندار کی روزی اور رزق ایک ذِمّہ داری ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اوپر لئے ہوئے ہے۔ یع
رزق کا معاملہ بنیادی طور پر اللہ کی ذِمّہ داری ہے' بندے کی نہیں اور ہماری ذِمّہ داری اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے او
اس کے دین کو سمجھنا' سمجھانا' پوری دنیا تک پھیلانا اور نافذ کرنا ہے۔

یہ ہماری ذمہ داری تھی جو ہم بھول گئے اور جو ذمہ داری اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے سر لے رکھی تھی' وہ ہم نے قبول کرلی۔ یوں ہم نے اس کی ترتیب الٹ دی۔

جس کام کو جہان میں آیا تھا تو نظیر
خانہ خراب! تجھ سے وہی کام رہ گیا

ہمیں تو جنت سے ترقی دے کر دنیا میں خلیفہ کے طور پر متعین کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ذمہ داری بھی عائد کی گئی تھی لیکن ہم نے اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کیا۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○
مَآ أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ أُرِيْدُ أَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○
إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○

"میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں۔ اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا زبردست ہے۔"

(الذاریات:56-58)

اس ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا جانا چاہئے۔ جو ترجیح اول ہے وہ ترجیح اول رہے اور جو ترجیح دوم ہے وہ ترجیح دوم رہے۔ اللہ کی عبادت ترجیح اول اور رزق کی کمائی ترجیح ثانیہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمے یہ کام لگایا تھا کہ ہم اس کے اس پیغام (قرآنِ مجید) کو سمجھیں' جانیں' مانیں' اس پر عمل کریں اور پھر اس کو نافذ کریں۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ہماری تمام ضروریات کو پورا کرنے کا خود ذمہ لے لیا لیکن ہم نے یہ ترتیب ہی الٹ دی' جو اللہ کی ذمہ داری تھی' وہ ہم نے اپنے سر لے لی اور جو اپنی ذمہ داری تھی' وہ اللہ کے سپرد کردی۔

انسانی نفسیات

یہاں انسانی نفسیات کو انتہائی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کو ذرا سی بھی تکلیف اور محرومی سے دوچار ہونا پڑے تو وہ صبر نہیں کرتا' فوراً مایوس ہو جاتا ہے۔ پھر ہم اس پہ اپنی عطا اور بخشش کی بارش کر کے اس کو مایوسی کی کیفیت سے نکال لیتے ہیں۔ اس پر وہ ہمارا شکر بجالانے کی بجائے دنیوی اسباب کو ہی سب کچھ سمجھنے لگ جاتا ہے اور اس طرح ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے کہ جب اس پر نعمتوں کی بارش کرتے ہیں تو غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

fat.com

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝
وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ
عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝
اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

"اگر ہم کبھی انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہو جاتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے اور اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر نازل ہوئی تھی، ہم اسے نعمت کا مزا چکھاتے ہیں تو پھر وہ پھولا نہیں سماتا اور اکڑنے لگتا ہے۔ اس عیب سے پاک اگر کوئی لوگ ہیں تو بس وہ لوگ جو صبر کرنے والے اور نیکوکار ہیں اور وہی ہیں جن کے لئے درگزر بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔"

(ہود: 9-11)

دنیوی نعمت کی حقیقت

اوپر کی آیات میں ایک لفظ ایسا ہے جس کے اندر معانی کا سمندر پوشیدہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور اذیتیں بس چکھنے کے لئے ہیں۔ اصل لذّت اس دنیا میں موجود نہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ دنیا کی تمام لذتیں کسی نہ کسی تکلیف کا ازالہ ہیں۔ ہمیں ٹھنڈے پانی کا مزا آتا ہے کیونکہ پیاس لگی ہوئی ہوتی ہے، کھانا کھانے پر لذّت محسوس ہوتی ہے کہ بھوک چمک رہی تھی۔ اسی طرح آپ آئس کریم کا پہلا کپ کھاتے ہیں تو وہ بہت لذیذ لگتا ہے۔ دوسرا کپ کھانا پڑے تو لذّت کم ہو جائے گی۔ تیسرا کپ مصیبت جب کہ چوتھا تو وبالِ جان بن جائے گا اور ممکن ہے کہ کھایا ہی نہ جائے اور اگر آپ زبردستی اسے کھائیں تو یقیناً نزلہ اور زکام کا شکار ہو جائیں گے۔ اسی طرح جب ہم گرمیوں میں ایئرکنڈیشنر کے سامنے بیٹھتے ہیں تو فرحت محسوس ہوتی ہے، اس لئے کہ باہر گرمی ہے، ٹمپریچر بہت زیادہ ہے اور جب سردیوں میں ہیٹر کے سامنے بیٹھتے ہیں تو فرحت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ سردی کا ازالہ ہو رہا ہوتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جو لذّت آئس کریم کے پہلے چمچے پہ محسوس ہوئی تھی، وہ دسویں یا گیارہویں کپ تک جاری رہتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لئے کہ مسلسل بھوک پیاس کا ازالہ ہو تا گیا۔ آئس کریم کے اندر اپنی کوئی ذاتی لذّت نہ تھی۔ یہ لذّت تو صرف جنت ہی میں ہو گی۔ دراصل موجودہ دنیا تو آخرت کا "شوروم" ہے۔

آخرت کی نعمتوں کو ذرا ذرا دکھایا گیا ہے۔ اس لئے بار بار کہتے ہیں کہ یہاں اصل چیز لذّت نہیں بلکہ یہ تو امتحان گاہ ہے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں کسی چیز کے اندر فی نفسہٖ یا فی ذاتہٖ کوئی لذّت نہیں بلکہ جو بھی لذّت ہے، وہ کسی نہ کسی تکلیف کا ازالہ ہے اور یہ لذتیں تو بس ایسے ہی چکھنے چکھانے کے لئے ہیں۔

.com

صفاتِ باری تعالیٰ اور انسان

اسی موضوع پر فرمایا کہ قدرت اور علم غیر محدود تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' انسان کے پاس اگر کچھ طاقت ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ہے۔ علم ہے تو وہ بھی' عقل ہے تو وہ بھی۔ جتنا علم اللہ تعالیٰ نے دے دیا' اتنا ہی اس کے پاس موجود ہے۔ جتنی طاقت اللہ تعالیٰ نے دے دی' اتنی ہی طاقت اس کے پاس موجود ہے۔ یہاں ایک اصولی بات سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ مخلوق کے پاس جتنی بھی صفات ہیں' پہلے تو یہ کہ وہ مانگی ہوئی ہیں' عطائی ہیں۔ اس کی ذاتی نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ محدود ہیں اور تیسرے یہ کہ فانی ہیں۔ حادث ہیں' قدیم نہیں۔ ان تین باتوں کو اگر یاد رکھیں گے تو کبھی بھی اللہ کی صفات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکیں گے۔ جب یہ تین باتیں ذہن سے اتر جائیں گی تو انسان کو شرک کا مرتکب ہونے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ انسان کی فطرت اور جبلّت میں یہ تینوں صفات نہیں پائی جاتی ہیں۔ دیکھئے انسان کو سمیع و بصیر (سننے اور دیکھنے والا) کہا گیا۔ انسان کے اندر یہ صفات موجود ہیں لیکن یہ اس کی اپنی صفات نہیں بلکہ مانگی ہوئی ہیں اور محدود ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے کی صفت نہ تو مانگی ہوئی ہے اور نہ ہی محدود ہے اور نہ فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دیگر تمام صفات کے بارے میں بھی یہی فارمولا چلے گا۔

ایک غلط نظریئے کا ازالہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

"میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ یہ (کہتا ہوں) کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ نہ میرا دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں' انہیں اللہ نے کوئی بھلائی نہیں دی۔ (یا اللہ تعالیٰ ان کو اعمالِ خیر کا بدلہ نہ دے گا) ان کے نفس کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر میں ایسے کہوں تو ظالم ہوں گا۔" (ہود: 31)

چند واقعات

سورۃ ہود میں چند انبیاء کا ذکر بھی آیا ہے جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ تمام انبیاء پر کیسی کیسی مشکلات آتی رہیں اور انہوں نے کس صبر و حوصلہ کے ساتھ ہر تکلیف کو برداشت کیا۔ علاوہ ازیں ان تمام انبیائے کرام کے ساتھ ان کی قوموں کا سلوک بھی بیان کیا گیا ہے تاکہ ان قوموں پر عذابِ الٰہی کے نزول کی وجہ بھی سب کو معلوم ہو جائے۔

Marfat.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ ○
وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ
الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ
مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ○
وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ
اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ

"یہ بستیوں کی کچھ سرگزشتیں ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کچھ مٹ مٹا گئیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا کیونکہ ان کے وہ دیوتا جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے، جب میرے رب کا عذاب آیا تو ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور انہوں نے ان کی بربادی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا اور تیرے رب کی پکڑ جب کہ وہ بستیوں کو ان کے ظلم میں پکڑتا ہے، اسی طرح ہوتی ہے۔ بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے جو عذاب آخرت سے ڈریں۔" (ہود:100-103)

نوح علیہ السلام کا واقعہ اور شفاعت کی حقیقت

سب سے پہلے سیدنا نوح علیہ السلام کا قصہ ہے جو انتہائی عبرت آموز ہے نوح علیہ السلام ان پانچ رسولوں میں سے ایک ہیں جو اولوالعزم رسول کہلاتے ہیں۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو پیغامِ توحید دیا تو ان پر الزام تراشی کرتے ہوئے ان کی قوم نے کہا:

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ
اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ۢ بَلْ
نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ○

"ہم تو تم کو بس اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور ہم تمہاری پیروی کرنے والوں میں انہی کو پاتے ہیں جو ہماری قوم کے ذلیل لوگ ہیں۔ وہ بے سمجھے بوجھے تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں اور ہم تم لوگوں کے لئے اپنے مقابلے میں کوئی خاص امتیاز نہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ ہم تو تم کو بالکل جھوٹا خیال کر رہے ہیں۔"

(ہود:27)

پھر جب قوم نوح علیہ السلام پر عذاب آتا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو ڈوبتا دیکھتے ہیں تو رب تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں:

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ○

"اے میرے رب! میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تمام فیصلہ کرنے والوں سے بڑھ کر تو صحیح فیصلہ کرنے والا ہے۔" (ہود:45)

لیکن اتنی سی گزارش پر جواب میں ایسے سخت الفاظ کہے گئے کہ پڑھتے ہوئے روح کانپ اٹھتی ہے۔ کہا گیا:

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

"اللہ نے فرمایا کہ نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تو ناشائستہ افعال ہے۔ تم کو جس چیز کی حقیقت معلوم نہیں' اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔" (ہود:46)

دین ایک شعوری عمل ہے

یہاں اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ دین ورثے کی چیز نہیں کہ رسول کے گھر پیدا ہو گئے اور سب اعمال سے مبرا قرار پائے۔ مسلمان کے گھر پیدا ہو گئے' اس لئے اسلام کو جاننے اور اس کا مطالعہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ دین ایک شعوری عمل ہے' اس کو دل اور دماغ کی ہم آہنگی سے قبول کرنا اور دل کی گہرائی سے اس کی شہادت دینا پڑتی ہے۔ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کے بعد ایمان حاصل ہوتا ہے اور اگر ایک رسول علیہ السلام کو یہ جواب دیا گیا تو ان لوگوں کی کیا حیثیت رہ گئی جو آج کل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سے آپ کو اگر نسبت ہو گئی تو سیدھے آپ کو جنت میں داخل کر دیں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک رسول اپنے بیٹے کو نہیں بچا سکا تو ہم آپ کس کھیت کی مولی ہیں؟ وہاں تو انبیاء کو شفاعت کی مجال نہیں ہو گی۔ سب سے پہلی شفاعت یعنی شفاعت کبریٰ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے اور حضورؐ سے پہلے تمام انبیاء اور رسول شفاعت کرنے سے معذرت کر دیں گے۔ حضورِ اکرمؐ بھی ایک طویل سجدہ کریں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ "مانگو کیا مانگتے ہو؟" تو پھر آپؐ پوری انسانیت کے لئے شفاعتِ کبریٰ کریں گے کہ اے اللہ! ان کی مشکل حل کیجئے۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور اس کا نظام عدل پر مبنی ہے اس میں اندھی سفارش نہیں چلتی۔ جو لوگ اندھی سفارش کا تصور رکھتے ہیں' وہ دراصل دین کا راستہ روک رہے ہیں۔ انہیں خدا کا خوف کرنا چاہئے۔

fat.com

دین و دنیا کی جُدائی

حضرت نوحؑ کے بعد دیگر انبیائے کرام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ عاد کی طرف حضرت ہودؑ اور ثمود کی طرف حضرت صالحؑ کو بھیجا گیا تھا لیکن عاد و ثمود دونوں ہی قوموں نے نافرمانی کی اور عذابِ الٰہی کا شکار ہو گئیں۔ یہی حال قومِ لوطؑ کا بھی ہوا۔ اس عذاب میں حضرت لوطؑ کی بیوی بھی قہرِ الٰہی کا شکار ہو گئی کیونکہ وہ نافرمانوں کے ساتھ تھی اور حضرت شعیبؑ کو قومِ مدین کی طرف بھیجا گیا۔ اُن کی قوم اُن سے مخاطب ہو کر بولی:

اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا

"کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ بیٹھیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے آئے یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرّف نہ کریں۔" (ھود:87)

قومِ شعیب کو اپنے نبی سے یہ گلہ تھا کہ اس کی تعلیم کردہ نماز مسجد تک محدود کیوں نہیں ہے؟ یہ نماز اُن کی پوری زندگی اور اس کے رسم و رواج پر اثر انداز کیوں ہو رہی ہے؟ نماز اور نماز پڑھنے پڑھانے والوں کو کیوں لگام نہیں دی جاتی کہ وہ اپنا دائرۂ کار اور حلقۂ اثر مسجد تک محدود رکھیں اور اپنی سرگرمیاں ایوانِ حکومت اور ایوانِ تجارت تک نہ لے کر آئیں۔ یہ عجیب نماز ہوئی جو روزی کمانے کے طریقوں کو متاثر کرے! آخر نماز کا اس بات سے کیا واسطہ کہ ہم اپنے مال کس طرح سے خرچ کریں اور کس طرح سے خرچ نہ کریں؟ مال ہماری ذاتی ملکیت ہیں کیا انہیں تصرّف میں لانے سے پہلے بھی ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پوچھنا پڑے گا کہ کس طرح سے تصرّف میں لائیں؟

اگر غور کریں تو دراصل یہی وہ وجہ نزاع ہے جو ہمیں حضرت امام حسینؓ اور یزید کے درمیان نظر آتی ہے۔ یزید بھی تو یہی کہتا تھا جو قومِ شعیب نے اپنے نبی سے کہا۔

یزید کی حضرت امام حسینؓ سے کوئی ذاتی دشمنی تو نہیں تھی اور نہ ہی حضرت حسینؓ خلافت و حکومت کے خواہشمند تھے۔ اصل جھگڑا تو یہی تھا کہ یزید نہ صرف حضرت امام حسینؓ کے حلقۂ اثر کو بلکہ پورے دین کو حدودِ حرم اور مسجدوں کی چار دیواری میں محدود رکھنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ امام حسینؓ دین کی تبلیغ کریں، جہاد کے لئے لوگوں کو تیار کریں۔ عملی طور پر ان کی تدریس کریں۔ اس کے لئے وہ بڑے بڑے علمی، تبلیغی اور تعلیمی مراکز کھولنے کے لئے تیار تھا، حضرت امام حسینؓ، اہلِ بیت اور اہلُ اللہ کو بڑے سے بڑے وظائف دینے کو تیار تھا مگر یہ بات اس کے لئے قابلِ برداشت نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو ایوانِ حکومت اور عملی زندگی کے دیگر شعبوں میں عملاً نافذ کر دیا جائے اور اس طرح سے کسی بھی ظالم اور نفس پرست حاکم پر ایسی

.com

پابندیاں لگ جائیں کہ اسے کھل کھیلنے کا کوئی موقع نہ ملے۔ وہ عجمی بادشاہوں کے ٹھاٹھ باٹھ حاصل کرنے کی بجائے خلفائے راشدین کی طرح عام انسانوں سے بھی کم تر درجہ کی مادی زندگی گزارے اور مخدوم کی بجائے خادم بن کر رہ جائے۔ ادھر امام حسینؓ اس بات سے کم پر قطعاً راضی نہ تھے کہ دینِ کامل کو زندگی کے تمام شعبوں میں پوری طرح سے نافذ کیا جائے۔ سیاست' معیشت' تجارت اور سماجی زندگی کے تمام گوشوں میں کتاب و سنت کی حکمرانی ہو۔

اگر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ یہی وہ بنیادی اختلاف ہے جو ہمیشہ اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان وجہ نزاع و قتال بنا رہا ہے۔ دورِ حاضر کی "اسلامی" حکومتیں بھی یہی کچھ چاہتی ہیں کہ بڑی بڑی مسجدیں ہوں' بڑے بڑے دینی مدرسے اور جامعات ہوں' بڑے بڑے دینی کتب خانے اور تبلیغی مراکز ہوں اور ان میں بڑے جلیل القدر علماء اور محققین ہوں' ان کے خوبصورت جبے' عمامیں اور دستاریں ہوں' اور وفادار ملازموں کی طرح ان مسجدوں اور مدرسوں کی چار دیواریوں میں بیٹھے رہیں' اگر ضرورت پڑے تو حکومتِ وقت کے حق میں مناسب بیان اور محتاط قسم کے فتوے صادر کر دیا کریں۔ رہ گیا دین کا بطور سیاسی' معاشی اور سماجی نظام کے ابھر کے سامنے آجانا! یہ بنیاد پرستی ہے' یہ ناقابلِ برداشت ہے' یہ سیاست ہے' یہ تو صرف جاگیرداروں' وڈیروں' کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کا پیدائشی اور جدی پشتی حق ہے۔ اس میں ملا کا کیا دخل؟ اس میں کتاب و سنت کا کیا کام؟ اس میں اللہ اور رسول کا کیا کام؟ یہ تو صرف غنڈوں' بدمعاشوں' بے غیرتوں' غداروں' خیانت کاروں اور حرام کاروں کا حق ہے کہ شریف انسانوں پر ہمیشہ حکومت کرتے رہیں' انہیں لوٹتے رہیں' ان کی عورتوں کی عصمت دری کرتے رہیں' ہر شخص (دینداروں سمیت) کے حلق سے سود اتارتے رہیں' رشوت دینے پر مجبور کرتے رہیں' انہیں ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کریں جسے نہ انسانی کہا جا سکے نہ حیوانی' غیر ملکی آقاؤں کی آشیرباد پر اپنی قوم سے وہ سلوک کریں جو بدیسی حکمران دیسی بھیڑوں سے کیا کرتے ہیں اور پھر یہ کہ اخبارات' الیکٹرانک میڈیا ان کی عبقریت کے گن گائیں اور ٹیلی ویژن پر شرعی سائنس ان کے برحق ہونے کا فتویٰ دیں اور ان کے بلند اقبال کے لئے دعائیں مانگیں۔ یہی وہ بات ہے جسے سیکولرازم یا لادینیت کہتے ہیں۔ لادینیت دین سے انکار کا نام نہیں بلکہ دین کو دنیوی معاملات سے نکال دینے کا نام ہے اور بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ بہت سے خود ساختہ اور برخود غلط نیم ملاؤں نے اسے دل و جان سے قبول کر لیا ہے۔ ہمارے ہاں اسلامی بھکشوؤں کا ایک گروہ موجود ہے جو اس لادینیت کو ہی عین دین سمجھتا ہے اور اس نے تبلیغ و جہاد کا راستہ موثر انداز میں روک رکھا ہے۔

چنانچہ قومِ مدین کے لوگ بھی عذاب کا شکار ہو گئے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو دنیوی معاملات پر نافذ کرنے کے قائل نہیں تھے۔

فرائضِ امامت سے غفلت کا انجام

سورۂ ہود میں مختلف نافرمان قوموں کا انجام بتانے کے بعد ایک اور عبرت آموز موضوع آ رہا ہے۔ حکیم الامت

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اللہ نے ایک نظام کے ذریعے اپنا کلام' اپنا دین ہم تک پہنچا دیا ہے۔ اب یہ پیاسوں کا کام تھا کہ اس آبِ حیات کی طرف لپکتے' آبِ حیات کو خود بخود یہ کران کی طرف نہیں آنا تھا۔ اس سے بڑھ کر بد نصیبی اور کیا ہوگی کہ ہم اسلام قبول کریں اور پھر اس پر احسان بھی جتلائیں۔ ہمیں اسلام کی ضرورت ہے' اسلام کو ہماری ضرورت قطعاً نہیں۔ ہمیں اللہ اور اس کے رسولِ مقبولؐ کی ضرورت ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ہماری قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ہم اگر دین قبول کریں گے' اس پہ عمل کریں گے' اللہ سے تعلق رکھیں گے اور اس کے رسولؐ سے نسبت قائم کریں گے تو اس میں ہمارا اپنا بھلا ہے' ورنہ دین تو محفوظ ہے' وہ تو باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ ہماری جگہ کسی اور کو لے آئیں گے۔ آپ نے دیکھا کہ یہ قرآن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور عرب قوم کو یہ بہت بڑا افتخار حاصل ہے کہ یہ قرآن' یعنی دین ان پہ نازل ہوا۔ انہوں نے اس دین کو دنیا میں پھیلایا' لیکن اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں سے امامت چھین لی۔ تاتاری اٹھے اور انہوں نے پوری دنیائے اسلام کو روند کر رکھ دیا اور عربوں کی جو بچی کھچی حکومت اندلس میں تھی' 1492ء میں وہ بھی ختم ہو گئی۔ وہاں سے آخری مسلمان کو بھی یا تو نکال لیا گیا یا زبردستی عیسائی بنا دیا گیا لیکن یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ایک طرف اندلس سے مسلمانوں کو نکالا جا رہا تھا اور دوسری طرف قسطنطنیہ کی طرف سے وہی تاتاری اسلام کا جھنڈا لئے ہوئے یورپ میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ قبرص' یونان' یوگوسلاویہ' بوسنیا وغیرہ اسی زمانے میں مسلمانوں نے فتح کئے جس زمانے میں مسلمانوں کو اندلس سے مار پیٹ کے نکالا جا رہا تھا۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ یہی بات فرماتے ہیں:

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْکُمْ ؕ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۝

"بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ اگر تم منہ پھیرتے ہو تو پھیر لو' جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا' وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں۔ اب میرا رب تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اٹھائے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔" (ھود:56-57)

آپ دیکھئے کہ دین کی ابتداء مکہ مکرمہ سے ہوئی۔ اہلِ مکہ نے دین قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ مدینہ کو اٹھایا۔ انہوں نے دین کو قبول کیا اور پھر اسے پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

دین ذاتی معاملہ نہیں

اس سورہ کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کا معاملہ آتا ہے وہ دین کو اپنی قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہاں پھر ایک اہم اور قابلِ غور نکتہ سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دین کوئی نجی یا پرائیوٹ معاملہ نہیں۔ ہرگز ایسا نہیں کہ میں اپنے گھر کی چہار دیواری کے اندر بیٹھ کر پوجاپاٹ یا تپسیا کرتا رہوں یا پھر مسجد میں بیٹھ کر رکوع و سجود کرتا رہوں اور میرے سجدہ و رکوع کا میری اجتماعی زندگی پر کوئی اثر نہ پڑے۔ آج کل ہمارے ہاں دین کا جو شخصی اور ذاتی تصور در آیا ہے' وہ اسلام میں موجود نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مستقل نظامِ حیات ہے۔ زندگی کے تمام سیاسی' معاشی اور سماجی نظام عطا کرتا ہے۔ جبکہ دیگر ادیان میں کوئی نظام موجود ہی نہیں۔ اس لئے انہوں نے زچ ہو کر دین کو ایک شخصی' نجی اور ذاتی معاملہ قرار دے دیا۔ یہی حال حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ آپ کی نماز نے تو ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔ یہ ہماری تجارت میں خلل ڈال رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ○
وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ○
بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ○
قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ○

"مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تمہیں اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں' مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا۔ اور اے برادرانِ قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہرحال میں تمہارے اوپر نگران کار نہیں ہوں۔ میرا کام صرف بتا دینا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیبؑ! کیا تیری نماز تجھ کو یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے

fat.com

باپ دادا کیا کرتے تھے؟ اور یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے۔" (ہود: 84-87)

حقیقی نماز

قوم کا احتجاج یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز نے ان کے اموال کو اپنے تصرف اور لپیٹ میں لے لیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ صحیح نماز وہی ہے جو ہماری تجارت' سیاست' معیشت حتیٰ کہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور سب کو اللہ کے رنگ میں رنگ دے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○

"اللہ تعالیٰ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے زیادہ حسین رنگ کس کا ہو سکتا ہے؟ ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں۔" (البقرہ: 138)

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کا ذکر ہے جو اختلاف و انتشار کا شکار ہو کر ذلیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے انجامِ بد کی روشنی میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمّت کو فلاح و کامیابی کی راہ بتا رہے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○
وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ
السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ○
وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

"پس (اے محمدؐ!) تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں' ٹھیک ٹھیک راہِ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو' اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔ ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا حامی و سرپرست نہ ملے گا جو اللہ سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔ اور دیکھو نماز قائم کرو' دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔ درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کو یاد رکھنے والے ہیں اور صبر کر' اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔" (ہود: 112-115)

.com

اور اس نصیحت کے بعد دینِ اسلام کے باغیوں کے انجام کا ذکر کیا گیا اور سورۃ کے اختتام پر اُن کے ذکر کی غایت کو یوں بیان فرمایا:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ○

"(اے محمد) اور رسولوں کے وہ سب حالات جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں' ان سے ہم تمہارے دل کو (تسلی کے ساتھ) قائم رکھتے ہیں اور ان (واقعات) میں تمہارے پاس سچائی پہنچ گئی اور یہ ایمان والوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔" (ہود:120)

اور پھر دشمنانِ دین کے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟ اس کو یوں بیان فرمایا:

وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَٰمِلُونَ ○ وَانتَظِرُوٓا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ○

"اور جو لوگ ایمان نہیں لائے' اُن سے کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ' ہم (اپنی جگہ) عمل کیے جاتے ہیں اور (اعمال کے نتیجے کا) تم بھی انتظار کرو' ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔" (ہود:120-121)

ظاہر ہے' انجام تو یہی ہو گا کہ سارے معاملات اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے اور وہ ہر شخص کے ساتھ اس کی حیثیت و اعمال کے مطابق معاملہ کرے گا۔

fat.com

.com

سورہ یوسف (۱۲)

نام

سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعے کی مناسبت سے اس سورۃ کو "یوسف" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

بعض مفسّرین نے اس سورۃ کا زمانۂ نزول بھی مکی زندگی کا آخری دور قرار دیا ہے جبکہ عام مفسّرین کی رائے یہ ہے کہ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت شعبِ ابی طالب میں محصور تھے۔ اس دور کی وحی میں ایک خصوصیت یہ پائی جاتی ہے کہ تخاطب صرف نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے ہے گویا کہ باقی مسلمان آپؐ سے کبھی الگ نہ ہونے والے جان نثار ہیں۔

شانِ نزول اور مضامین

اس سورۃ کے نزول کا فوری سبب کُفارِ مکہ کا ایک سوال تھا کیونکہ اہلِ مکہ اس تصور کے ساتھ سوال کر رہے تھے کہ قرآنِ کریم آپ کا اپنا کلام ہے اور آپؐ اس کی تزئین کے لئے سابقہ اقوام کے حالات و واقعات یہودیوں سے سُن کر اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ اس سوال کے پسِ منظر میں یہ خیال واضح نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے جواب کے طور پر یہ سورۃ آپؐ پر نازل فرمائی اور نفسِ مضمون (کہ بنی اسرائیل مصر کس طرح پہنچے) کے پہلو بہ پہلو کچھ اور حقائق کو بھی کھول دیا مثلاً قریشِ مکہ اپنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات پر غور کریں کہ ان واقعات میں کس قدر مماثلت ہے اور اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے آیٰتٌ لِلسَّآئِلِیْنَ (سائلوں کے لئے نشانیوں) کی اصطلاح بیان کی گئی اسی طرح اس جواب کو منجانب اللہ ہونے کی بابت فرمایا:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ۝

"یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیں اور جب وہ سازش کر رہے تھے، آپ وہاں موجود نہ تھے۔" (یوسف:102)

اسی طرح سورۃ کے اختتام کے قریب فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ

"بے شک ان کے واقعات میں اہلِ عقل کے لئے عبرت ہے" (یوسف:111)

آیاتِ مذکورہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اگر سورۃ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ قرآنِ کریم کس وضاحت

Marfat.

کے ساتھ اہل مکہ کو سابق اور موجودہ حالات کے پیشِ نظر دعوتِ فکر دیتا ہے نیز غور و تدبر کے لئے کچھ پیش گوئیاں بھی اس میں اشارۃً موجود ہیں۔

قریشِ مکہ نے آپ کے ساتھ برادرانِ یوسف سے مختلف معاملہ نہ کیا تھا جیسے انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر اپنی کامیابی کا یقین کر لیا تھا (حالانکہ وہ خود فریبی کا شکار ہوئے تھے) اسی طرح اہلِ مکہ نے بھی آپ کو اور آپؐ کے پیغامِ حق کو مٹانے کی پوری کوشش کی اور آپ کے قتل تک کے منصوبے بنائے گئے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کو جلاوطنی کے دور میں عروج ملا اور ان کے بھائی انتہائی بے چارگی اور کسمپرسی کے عالم میں ہاتھ پھیلا کر ان کے سامنے التجا کرنے پر مجبور ہو گئے کہ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۔ ہم پر صدقہ کیجئے۔

اسی طرح یہ معاملہ عنقریب تم اہلِ مکہ کے ساتھ بھی پیش آ کر رہے گا اور پھر آنے والے اَدوار نے اس پیش گوئی کو حرف بحرف سچ ثابت کر دیا۔ جب نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کے کچھ عرصہ بعد دوبارہ مکہ میں بحیثیتِ فاتح داخل ہوئے تو قریشِ مکہ سرنگوں، شکست خوردہ، سراپا ندامت و خجالت بنے کھڑے تھے اور سب کی زبان پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہی الفاظ تھے أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ صاحبِ عزت اور قابلِ احترام بھائی اور صاحبِ عزت اور قابلِ احترام بھائی کا بیٹا!

اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ میں آج تمہیں وہی کچھ کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا "آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو"

گویا یہ پورا واقعہ اگرچہ حضرت یوسف علیہ اسلام کے متعلق بیان ہوا ہے لیکن بین السطور نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار کے مابین کشمکش کے حالات بھی ضمناً بیان ہو گئے ہیں۔ گویا "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

اس پورے واقعے میں تاریخی یا قصہ گوؤں والا انداز اختیار نہیں کیا گیا بلکہ اس واقعے میں ہدایت و موعظت کے ہر پہلو پر دعوتِ فکر دے کر ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانے میں یہ ارشاد کہ سیدنا ابراہیم، اسحٰق، یعقوب اور یوسف علیہم السلام اسی دعوتِ دین کے علمبردار تھے جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں۔ اور جب کردار کے تقابل کا معاملہ درپیش ہوا تو یوسف علیہ السلام تاجروں کے قافلے، عزیزِ مصر اور اس کی اہلیہ، حُکّامِ مصر اور اُن کی بیگمات سب کے کردار کو بطورِ دعوت پیش کیا کہ ان سب کرداروں کا تجزیہ کر کے دیکھو کہ اللہ کے بندوں اور آخرت پر یقین رکھنے والوں کا کردار کیا ہے؟ اور اس کے مقابل دنیوی جاہ و تمکنت اور آخرت سے بے خوف انسانوں کا کردار کیا ہے؟

اسی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا فیصلہ کر لیں تو کائنات کی ساری تدبیریں اُلٹ جاتی ہیں مثلاً برادرانِ یوسف کی تدبیر، جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ شرمندگی و ندامت سے سر جھکا کر اپنے ہی بھائی کے حضور مجرموں کے سے انداز میں کھڑے ہونے پر مجبور ہو گئے۔

عزیزِ مصر کی اہلیہ کی انتقامی کارروائی کے نتیجے میں حضرت یوسف کا جیل جانا اور پھر اس عورت کا بھرے دربار میں خفت و شرمندگی سے اپنے جُرم کا اقرار کرنے پر مجبور ہونا وغیرہ۔ ان واقعات میں ہر انسان کو سبق دیا گیا کہ تم اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کوئی باطل و غلط راستہ مت اپناؤ کیونکہ کامیابی و ناکامی مشیتِ الٰہی پر منحصر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے مقاصد کے حصول کے لئے غلط راستوں کا انتخاب کرے گا تو اللہ کی گرفت سے کسی طرح چھٹکارا ممکن نہیں اور یہ بات تبھی نصیب ہو گی جب انسان کو اللہ کی کارسازی پر مکمل توکل اور بھروسا ہو۔ انسان اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اسبابِ خیر کو اختیار کر کے نتائج کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا طلب گار بن جائے۔ اس راستے میں پیش آمدہ مشکلات و حوادث کو قطعاً سدِراہ نہ سمجھے اور اس کی مثال کے طور پر تاریخ کی مصدقہ حقیقت کے انداز میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو پیش کیا کہ انہوں نے بیگانگی' بے وطنی' بے سروسامانی' کمزوری اور غلامی کے باوجود ایمان باللہ کے جذبہ صادق اور سیرت و کردار کے بل بوتے پر اپنوں اور بیگانوں کو کس طرح مسخر کیا اور جب آپ نے زمامِ اقتدار سنبھالی تو اس کے بعد اپنے والدین اور بھائیوں کو مصر آنے کی دعوت دی اور جو خواب آپ نے بچپن میں اپنے والدِ گرامی کو سنایا تھا' آج اس کی عملی تعبیر سامنے تھی۔

اہلِ مکہ کو ان کے سوال کا جواب مفصل طور پر دے دینے کے بعد فرمایا کہ اب غور و تدبّر کا ایک اور موقع تمہارے ہاتھ میں ہے اور عبرت و موعظت کے سارے سامان موجود ہیں اور قانونِ فطرت یہ ہے کہ جب اہلِ ایمان ظاہری حالات کے پیشِ نظر مایوس ہونے لگتے ہیں تو ہماری نصرت و اعانت ان کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔ نیز ہماری گرفت سے کوئی مجرم بچ نہیں پاتا۔ پھر یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی کہ قرآنی قصص و واقعات کا مقصد افسانہ گوئی یا تاریخ بیان کرنا نہیں بلکہ قرآن کے ہر قصے میں بہت سی نصیحتیں اور اسباق پوشیدہ ہیں۔

قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کے رموز

سورہ یوسف مکی ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ اس وقت مدینہ کے یہود نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سوال بھیجا کہ وہ بتائیں کہ وہ نبی کون ہے اور اس کا کیا قصہ ہے کہ جس کا باپ اس کے فراق میں روتے روتے اندھا ہو گیا تھا؟

دراصل مدینہ کے لوگ جب مکہ آتے' تو اہلِ مکہ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے۔ اس پر ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کچھ ایسے سوال بھیجے جن کا صحیح علم صرف یہودِ مدینہ یا ان کی وساطت سے اہلِ مدینہ کے پاس تھا۔ اہلِ مکہ ان واقعات سے واقف نہ تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق یہودیوں کے سوال کے جواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ یوسف نازل فرمائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اجمالاً پہلے بیان کیا جا چکا ہے' صرف ایک بات کا اضافہ کیا جاتا ہے کہ اس واقعے کے کردار سب رموز ہیں۔ نام حضرت یوسف علیہ السلام اور برادرانِ یوسف کا لیا جا رہا ہے' لیکن جہاں

جہاں یوسف علیہ السلام کا ذکر آیا ہے' وہ آگے چل کے آپ کے قصہ کی شکل و صورت اختیار کر لیتا ہے اور جہاں جہاں برادرانِ یوسف کا ذکر ہے وہاں اہل مکہ اور قریش کی نفسیات بیان ہو رہی ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں یہی صورتحال ہے۔ آپ قصہ موسیٰ و فرعون پڑھ لیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے دراصل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قصہ بیان ہو رہا ہے۔ جہاں فرعون کا ذکر ہے' وہ قریش کی خصوصیات کے حامل لوگوں کی داستان ہے اور پیش گوئی ہے کہ قریش اسی انجام کو پہنچیں گے جس انجام کو فرعون پہنچا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس مقام پر فائز ہوں گے جس مقام پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فائز کیا گیا۔ حد یہ ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اہلِ قریش کے سامنے مکہ میں یہ کہا کہ آج میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہی تھی:

"آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں' جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔"

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

ع آں کہ براعداء در رحمت کشاد
مکہ را پیغام لا تثریب داد

اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ یوسف ہے یا قصہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم؟

مولانا روم نے فرمایا:

ع خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

Marf

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الۤرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

"الف' لام' را' یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو اپنا مدعا صاف بیان کرتی ہے۔ ہم نے اسے عربی زبان میں قرآن بنا کر نازل کیا ہے۔ تاکہ تم اسے اچھی طرح سمجھ سکو۔" (یوسف: 1-2)

عربی زبان میں قرآن سمجھ کر پڑھنے کے لئے ہے

کہا گیا کہ ہم نے اسے کتابؒ مُبین بنایا ہے۔ مُبین سے مراد وہ چیز ہے جو اپنا مدعا خود بیان کرے اور پھر اس کو عربی زبان میں نازل کیا جو دنیا کی بھرپور زبان ہے۔ تاکہ اہلِ عرب اس کو سمجھ سکیں۔ اس کتاب کو سمجھ کر پڑھو اور ہدایت پا جاؤ۔ یہاں یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ یہ رٹ لگاتے نہیں تھکتے کہ اس کتاب کو بغیر سوچے سمجھے پڑھ لینا بھی کافی ہے وہ لوگوں کو غلط راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔ کیونکہ قرآنِ مجید تلاوت کے ساتھ بار بار تعقل' تذکر اور فہم کی دعوت دیتا ہے اور خصوصاً اس کتاب کو پڑھنے والوں کے لئے بصائر اور روشنی قرار دیتا ہے۔ بغیر سمجھے اس کو پڑھ کر مطمئن ہو جانا دراصل شیطان کی ایک چال ہے۔

اولاد سے مقاطعہ کی بجائے صبر و تحمل

سورۂ یوسف میں ایک اہم بات ہمارے سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ برادرانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ زیادتی کی' ان کے کُرتے پر جھوٹ موٹ خون کے چھینٹے لگا کر آگئے اور اپنے باپ سے بھی دھوکا کیا' اس طرح ایک بہت بڑا جرم کیا۔

قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیٹے اتنی بڑی غلطی کرلیں تو باپ کے لئے ضروری نہیں کہ ان کے ساتھ مقاطعہ کرلے یا انہیں گھر سے نکال دے۔ جبکہ یہ بات تو واضح ہو گئی تھی کہ آپ کے بیٹوں نے یوسف کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ لیکن باپ نے صبر کیا۔ ایک بات تو ہے کہ والدین اصلاح کے لئے کوشش کرتے رہیں اور جلد بازی میں ان سے مقاطعہ نہ کریں اور نہ ان کو گھر سے نکال باہر کرنے کی کوشش کریں اور جب اولاد اپنی غلطیوں کا اعتراف کرلے تو پھر انہیں فراخ دلی سے معاف بھی کردیں جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا۔ جب برادرانِ یوسف

fat.com

علیہ السلام کی ساری چالیں کھل گئیں اور انہیں اپنے گناہوں کا احساس ہوا تو پھر انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اُن سے معافی مانگی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا:

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

"میں جلد اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔ بے شک وہی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔" (یوسف:98)

اس پوری سورۃ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل کے اندر خطبہ بہت اہم اور بصیرت افروز ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنی پاک دامنی کے باوجود جیل جانا پڑا۔ معلوم ہوا کہ صالح لوگوں کو اپنی نیکی، تقویٰ اور پاک دامنی کی قیمت بھی چکانا پڑتی ہے۔ لیکن جیل میں بھی انہوں نے دین کی تبلیغ جاری رکھی۔ زندان کے ساتھی ارد گرد آبیٹھتے ہیں۔ ان میں سے دو افراد اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر دریافت کرتے ہیں جس پر حضرت یوسف علیہ السلام ان سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝
وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ
اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى
النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝
مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ
اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا
اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اپنے بزرگوں ابراہیم اور یعقوب **علیہما** السلام کے مذہب کی پیروی کی۔ ہمیں حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے، لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ اے میرے جیل کے ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ ہی سب پر حاوی و غالب؟ تم اس کے سوا نہیں پوجتے ہو مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اختیار و اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم

دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی دین قیم ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

(یوسف:37-40)

نفس کی اقسام

سورۂ یوسف میں ایک جگہ پر حضرت یوسف علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

"میں اپنے نفس کو بری نہیں قرار دیتا' نفس تو برائیوں ہی کی راہ بھانے والا ہے۔ سوائے اس کے جب میرا رب رحم فرمائے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔" (یوسف:53)

نفسِ امارہ

قرآنِ کریم میں نفس کا لفظ تین مختلف معنوں میں آیا ہے' ایک تو یہاں نفسِ امارہ کے معنوں میں یعنی وہ نفس جو بُرائی پہ ابھارتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کو حیوانیت کا نام دیتے ہیں کہ انسان کے اندر نفسِ امارہ ہے جو انسان کو جانوروں والی حیوانیت اور سفاکیت پر اُبھارتا ہے۔

نفسِ لوامہ

انسان کے اندر ایک اور نفس بھی ہے جس کی قسم کھائی گئی ہے۔ وہ نفسِ لوامہ ہے' یعنی انسان کو اندر سے ٹوکنے والا' ملامت کرنے والا' آڈیٹر یا محتسب جس کو ہم ضمیر کہتے ہیں۔ یہ امرِ ربی اور روح کا مظہر ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے لئے ملکیت کا نام استعمال کرتے ہیں کہ یہ فرشتوں کی صفات رکھتا ہے۔ اس طرح انسان بنیادی طور پر دو نفوس کا حامل ہے یعنی نفسِ امارہ اور نفسِ لوامہ۔ بہیمیت اور اول الذکر صفات جانوروں کی ہیں یعنی انسان زیادہ کھائے' زیادہ پئے' زیادہ سوئے اور زیادہ لذت اُٹھائے اور اس امر میں اگر دوسروں کا حق مارنا پڑے تو اس سے گریز نہ کرے۔ جبکہ موخرالذکر نفسِ لوامہ (ملکیت) کی صفات یہ ہیں کہ وہ کم کھاتا' کم پیتا ہے اور کم سوتا ہے۔ ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اپنی ہر غرض سے بے نیاز ہو کر دوسروں کی خدمت کرتا چلا جاتا ہے۔

نفسِ مطمئنہ

مذکورہ دونوں صفات انسان کے اندر موجود ہیں اور ان کی مسلسل کشمکش اور لڑائی جاری رہتی ہے۔ اس لڑائی اور دنگل کے نتیجے میں یا تو نفسِ امارہ مستقل طور پر غالب آجاتا ہے' جس سے انسان نرا حیوان بن جاتا ہے جسے آخر کار دوزخ کا ایندھن بننا ہو گا' یا پھر ایسا ہو کہ نفسِ امارہ کو نفسِ لوامہ رام کرلے اور نفسِ امارہ سے کہے کہ جناب! اتمام

Marfat.

ختوں سے لطف اٹھائیے لیکن تھوڑا سا اسے ترتیب دے لیجئے۔ ہمارے ساتھ ساتھ چلئے۔ یوں ضمیر حیوان کو رام کر تا ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک صلح اور معاہدہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں جو اطمینان کی کیفیت اصل ہو جاتی ہے تو اس کیفیت کے نتیجے میں دونوں نفس مل کر ایک تیسری قسم کے نفس کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اس و نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں اور پھر اطمینان سے منزل کی طرف رخ کیا جاتا ہے اور وہ منزل اللہ کی ذات ہے۔ فرمایا:

يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝
ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝

"اے اطمینان حاصل کر لینے والے نفس، اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ۔ اس حالت میں کہ تو اپنے پروردگار سے راضی ہو اور تیرا پروردگار تجھ سے راضی ہو۔ میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنّت میں داخل ہو جا۔" (الفجر:27-30)

یہ نفس کی تین اقسام ہیں۔ روزے کے ذریعے سے کوشش کی جاتی ہے کہ بہیمیت کا زور ٹوٹے اور ملکیت کا ور اُبھرے۔ یوں اندر بیٹھا ہوا حیوان بے شک قوی ہو لیکن اس کو اس طرح سدھایا جائے کہ وہ سواری کا کام دے کہ انسان کی روح اور اس کا ضمیر اس پر سواری کرے اور اطمینان سے نفسِ مطمئنہ بن کر منزل کی طرف روانہ ے۔

نفس تو مثل شُتر خود پرور است
خود پرست و خود سوار و خود سر است
مرد شو آور ز کام اُو بکف!
تاشوی گوہر اگر باشی خزف
ہر کہ بر خود نیست فرمانش رواں
می شود فرماں پزیر از دیگراں
اہلِ قُوّت شو ز وردِ یا قویّ؟
تا سوارِ اشترِ خاکی شوی

م غیب کا منبع ذاتِ الٰہی ہے

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کہ سورۂ یوسف میں قصّہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ بہت سے رموز و رار بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اس قصّہ میں ایک بات بہت قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام

اپنے بیٹے کے فراق میں روتے روتے نابینا ہو گئے۔ مصر میں بیٹھے بیٹھے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میری قمیض لے جاؤ اور میرے والد پر ڈال دو' ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ جب یہ لوگ مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کہنے لگے کہ آج یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ ابھی تو کرتہ ان کی طرف روانہ ہی ہوا تھا کہ خوشبو آنے لگی۔ شیخ سعدی شیرازیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند
اے روشن گوہر پیر خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہِ کنعانش ندیدی

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو جب گھر سے جُدا کیا گیا اور مار پیٹ کے بعد ان کو کنویں میں ڈال دیا گیا اور وہ مسلسل تین روز تک اسی گاؤں کے کنویں میں پڑے رہے تو اس وقت ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام روتے رہے اور کوئی خوشبو نہ آئی بلکہ انہیں یہ بھی پتا نہ چلا کہ میرا بیٹا کہاں ہے؟ لیکن اس کے برعکس جبکہ قمیض ابھی سینکڑوں میلوں کے فاصلے پر ہے اور بیٹا اس سے زیادہ دور ہے تو انہیں بیٹے کی خوشبو آ رہی ہے۔ یہ ماجرا صرف اتنا سا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جب چاہیں' جتنا چاہیں اور جسے چاہیں' علم عطا فرما دیتے ہیں لیکن انسان کا علم اتنا ہی ہے جتنا اللہ تبارک و تعالیٰ عطا فرما دیں۔ شیخ سعدی اسی نکتے کی یوں وضاحت فرماتے ہیں:

بگفت احوال ما برق جہان است؟
گہے پیدا و دم دیگر نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اور اس حقیقت کو قرآنِ مجید یوں بیان کرتا ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ○

"(اے نبیؐ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور جب برادرانِ یوسف نے اپنی بات پر اتفاق کیا اور وہ فریب کر رہے تھے تو تم ان کے پاس نہ تھے۔" (یوسف: 102)

اہلِ مکہ کو ان کے سوال کا جواب دے کر مطمئن کرا دیا اور پھر تدبر کی دعوت دی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

"کہ دیجئے! میرا راستہ تو یہی ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر۔ میں اور میرے پیروکار بھی (اللہ کی طرف بلاتے ہیں) اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں اور ہم نے تم سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی (نبی بنا کر) بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ کیا ان لوگوں نے دنیا میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے۔"

(یوسف:108-109)

آیتِ بالا میں یہ صراحت کردی گئی کہ زمین میں گھومنے پھرنے کا مقصد صرف تفریح (Enjoyment) ہی نہیں بلکہ اس دوران میں ہمیں عبرت بھی حاصل کرنا چاہئے کہ ان عظیم الشان عمارات کے تعمیر کرنے والے آج کہاں ہیں؟ اور یہ سب کچھ ان کے کس کام آیا؟

اور پھر سورت کے آخر میں قرآن اپنی عادت کے مطابق اس سارے واقعہ کا پس منظر اور مقصد بیان کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

"ان کے قصے میں بے شک عقلمندوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) ایسی بات نہیں جو (از خود) بنالی گئی ہو۔ بلکہ جو کتب اس سے قبل نازل ہوئیں' ان کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے والا ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔" (یوسف:111)

عقل مندوں کو عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ قصہ یوسف میں جھانک کر دیکھو' تم کس جانب ہو؟ حضرت یوسف کی طرف یا برادرانِ یوسف کی طرف؟ اس بھول میں مت رہنا کہ زندگی تو گزارو برادرانِ یوسف کے رنگ ڈھنگ سے اور انجام پا جاؤ حضرت یوسف علیہ السلام کا۔ یہ سُنّتِ الٰہیہ کے خلاف ہے۔ قریشِ مکہ کا سارا طور طریقہ برادرانِ یوسف کا تھا۔ اس طرح انہیں انجامِ بد سے خبردار کیا گیا ہے۔

.com

سورہ الرعد (۱۳)

نام

اس سورۃ میں بادلوں کی تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس مناسبت سے "الرعد" اس کا علامتی نام رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

سیدنا حمزہؓ اور سیدنا عمرؓ کے ایمان لانے کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے اور یہ سورۃ بھی اسی دور میں نازل ہوئی۔

مضامین

مسلمان ایک طویل عرصے تک کُفار کے ظلم و ستم برداشت کرتے رہے۔ جب ان مصائب اور مظالم کی انتہا ہو گئی تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! کوئی ایسا معجزہ ظہور پزیر ہو جائے جس کو دیکھ کر سبھی کُفار ایک دم مسلمان ہو جائیں۔ اس کی بابت ارشاد فرمایا کہ یہ ہماری سُنّت و طریقہ کے خلاف ہے کیونکہ یہ ہٹ دھرمی اور بغض کی اس انتہا کو پہنچ چکے ہیں کہ اگر قبروں سے مردے بھی اُٹھ کر ان کو ایمان کی دعوت دیں تو یہ نہ مانیں گے۔

مکّی زندگی کے آخری دور کی طرح اس سورۃ کا مرکزی خیال بھی سابقہ سورتوں کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ یعنی اس سورۃ میں کتابُ اللہ کی عظمت' اللہ کی جانب سے نازل شدہ ہونے کا تذکرہ' توحید' رسالت اور آخرت جیسے بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔ ان عقائد کے روحانی و اخلاقی قواعد کا ذکر دلنشیں انداز میں کیا گیا ہے تاکہ سلیمُ الفطرت انسان ایمان کی طرف کھنچ آئیں اور اگر کوئی شخص حماقتوں اور جہالتوں کے غار سے نہ نکلنا چاہئے تو اس کے لئے بھی ترغیب و ترہیب اور مشفقانہ تلقین کے ذریعے غور و تدبر کا سامان موجود ہے۔ نیز شفقت و محبّت کے متلاشی دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اور آخر میں کُفّار کے اعتراضات کے جواب کے بعد مسلسل جدوجہد کرنے والے مسلمانوں کے لئے غیبی امداد کی تسلی بھی اس سورۃ میں موجود ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الۤمّۤرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○

"یہ کتاب کی آیتیں ہیں جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے۔ یہ سچ ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔" (الرعد: 1)

توحید کی دو بنیادیں

سورۃ کا آغاز قرآنِ مجید کی عظمت و سچائی کے تذکرے کے ساتھ ہے اور پھر اس کے بیشتر حصے میں توحید کے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔ توحید کی دو بنیادیں ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے سوا کسی سے سوال نہ کیا جائے۔ یہی بات ہم اپنی نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ میں عرض کرتے ہیں:

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ ○

"ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد کے طالب ہیں۔" (الفاتحہ: 4)

غیر اللہ سے دُعا کی عُمدہ مثال

گویا ہر نماز میں ہم یہ قول و قرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ ہم کسی کی عبادت کریں گے اور نہ ہی کسی سے مدد مانگیں گے۔ یعنی اور کسی کے آگے دستِ سوال یا دستِ دُعا دراز نہیں کریں گے۔

اس بات کو قرآنِ مجید نے ایک بہت عُمدہ مثال کے ساتھ واضح کیا ہے۔ یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ○

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○

"اسی کو پکارنا (اسی سے مانگنا' اسی سے دُعا کرنا) برحق ہے۔ رہی وہ (دوسری ہستیاں) جنہیں اس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں' وہ اُن کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ (انہیں پکارنا تو) ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر (اس سے درخواست کرے کہ اے پانی! تو میرے منہ تک پہنچ جا۔ حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتیں (مگر بس ایک تیر بے ہدف کی مثل ہیں۔) وہ تو اللہ ہی ہے جس کو زمین آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سجدہ کر رہی ہے اور سب چیزوں کے سائے صبح و شام اس کے آگے جھکتے ہیں۔" (الرعد: 14-15)

پانی کی مثال بڑی واضح ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پانی میں اتنی صلاحیت ہی نہیں کہ وہ اس شخص کا حکم سنے۔ اس کے بعد اس میں اتنی قوت بھی نہیں کہ وہ وہاں سے چل کر یا اُڑ کر اس شخص کے منہ تک پہنچے۔ بالکل یہی کیفیت غیر اللہ کو پکارنے کی ہے کہ پکارتے رہیں مگر نہ اُن میں سننے کی صلاحیت ہے اور نہ اتنی قدرت ہے کہ کسی کی حاجت روائی کر سکیں۔

اللہ کی طرف رجوع اصل ایمان ہے

اس کے بعد اللہ ربّ العزت نے صراطِ مستقیم کا راستہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَيَهْدِيٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝
ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ ٱللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ ٱللَّهِ تَطْمَئِنُّ ٱلْقُلُوبُ ۝ وَإِلَيْهِ مَآبِ ۝
ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَـَٔابٍ ۝

"وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے' ایسے ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اس نبی کی دعوت کو) مان لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو کہ اللہ کی یاد ہی (وہ چیز ہے جس) سے دلوں کو اطمینان (نصیب ہوا کرتا) ہے (پھر) جن لوگوں نے (دعوتِ حق کو) مانا اور نیک اعمال کئے (وہ خوش نصیب ہیں) ان کے لئے خوش حالی اور (ان کے لئے) اچھا انجام ہے۔" (الرعد: 27-29)

سب سے لذیذ عمل - یادِ الٰہی

دل کا اطمینان ہے تو وہ صرف اللہ کی یاد میں ہے۔ ایک عملی اور تجرباتی بات پیش خدمت ہے کہ اگر اس دنیا میں خوشی چاہتے ہیں تو اللہ کا ذکر کثرت سے کر کے دیکھئے۔ اللہ کے ذکر سے اللہ کا قُرب نصیب ہوگا اور اللہ کے قُرب

سے زیادہ لذت کائنات کی کسی چیز میں نہیں مل سکتی۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ کا ذکر کرو' اسی سے لذت اور اطمینان نصیب ہو گا۔

معجزات صرف اللہ کے اختیار میں ہیں

اب توحید کے ضمن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اور لوگوں کی پیروی نہ کریں:

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا
وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ
مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ؑ
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا
كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ○
يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ○

"اے نبی! تم صاف کہ دو کہ مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤں۔ لہٰذا میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ اسی ہدایت کے ساتھ ہم نے یہ فرمانِ عربی تم پر نازل کیا ہے۔ اب اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آ چکا ہے' لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے۔ تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا اور کسی رسول میں بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی آیت اور نشانی خود لا کر دکھاتا۔ ہر دور کے لئے ایک کتاب ہے۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے' مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہے' قائم رکھتا ہے' اُمّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔" (الرعد: 36-39)

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ معجزات نبی اور رسول کی طرف سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوتے ہیں۔ ہاں بظاہر یوں ہی لگتا ہے کہ معجزے' آیت یا کسی نشانی کا ظہور نبی کی ذات سے ہو رہا ہے مگر ایسا نہیں کہ نبی جب بھی چاہے کسی معجزے کو صادر کر دے۔ ایسا کرنا مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں کسی نبی یا رسول کے بس میں نہیں ہے۔ معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم یا اذن سے صادر ہوتا ہے۔

.com

سورہ ابراهیم (۱۴)

نام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایک دُعا کے تذکرے کی وجہ سے اس سورۃ کا علامتی نام "ابراہیم" رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

اس سورۃ کا روئے سخن نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف ہے اور مضامین کا انداز اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ سورۃ بھی مکی دور کے آخری حصے میں نازل ہوئی۔

مضامین

اس سورۃ میں سیدنا نوح، موسیٰ، ابراہیم، اسحٰق و اسماعیل علیہم السلام اور ان کی اقوام کا ذکر ہے۔ فرعون اور آلِ فرعون کے خصوصی ذکر سے مکہ والوں کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا کہ انسان نبیِ مُرسل نہیں بن سکتا:

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ

"ہم تمہاری ہی طرح کے انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے، احسان کرتا ہے۔" (ابراہیم:11)

اور یہ ذکر اس لئے خاص طور پر کیا گیا کہ کُفارِ مکہ کے ایمان لانے میں یہی رکاوٹ تھی اور اب کُفارِ مکہ اپنی سرکشی و عناد اور ہٹ دھرمی کے باعث یہ سوچ رہے تھے کہ اس ذاتِ والاصفات کو کس طرح اپنے راستے سے ہٹایا جائے۔ اس کے جواب میں سابقہ اقوام کے طرزِ عمل کو اس آیت میں پیش کر دیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ

"اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم آپ کو یقیناً اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔" (ابراہیم:13)

اس کے بعد والی آیتِ کریمہ میں اس عذاب کا ذکر ہے جو ان پر اترا۔ نیز اس میں موجودہ کُفار کے لئے زجر و توبیخ اور مسلمانوں کے لئے خوشخبری بھی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

"ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے اور تم (مسلمانوں) کو ان کے بعد (اس) زمین پر سکونت دیں گے۔"

(ابراہیم:13-14)

سورۃ کے آخر میں مصائب و مشکلات کی حالت میں ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا ذکر بطور سبق کیا گیا ہے۔

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہمِ قرآن اندھیرے سے روشنی تک لے جاتا ہے

سورۂ ابراہیم کے آغاز میں قرآنِ پاک کے متعلق ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

"الف' لام' را' یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آؤ۔ ان کے رب کے حکم (کی توفیق) سے (اس خدا کے) راستے پر جو زبردست ہے اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے' وہ اللہ جو زمین اور آسمانوں کی تمام موجودات کا مالک ہے۔" (ابراہیم: 1-2)

ان آیات میں ایک بات قابلِ غور ہے: ارشاد ہوا کہ یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر علم کی روشنی میں لے آئیں' لیکن ایسا اگر ہو گا بھی تو صرف اور صرف اُن کے رب تعالیٰ کی توفیق سے۔ یعنی کوئی انسان مسلمان ہے یا مسلمان ہوتا ہے تو اس میں اس کی اپنی کوئی بڑائی اچھائی نہیں بلکہ یہ تو صرف اور صرف اس ذاتِ باری تعالیٰ کے کرم کا نتیجہ ہے کہ وہ جس کو توفیق دے' وہ نیکی کے راستے پر چل نکلتا ہے۔

مقصدِ کتاب

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

"ہم نے اپنا پیغام دینے کے لئے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے' اُس نے اپنی قوم کی زبان ہی میں پیغام دیا ہے تاکہ وہ انہیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے۔" (ابراہیم: 4)

معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغام کو سمجھانا نبی کا مقصد ہے اور اللہ کے پیغام کو بغیر سمجھے پڑھ گزرنا نبی کا مقصد نہیں۔ یہ ضرور کہوں گا کہ اللہ کے کلام کے ہر حرف اور لفظ میں اپنے اپنے اثرات ہیں جو ہر حال میں ظہور پزیر ہو کر رہتے ہیں۔ ان کی اپنی برکات ہیں اور یقیناً ان کا اجر اپنی جگہ پر ہے بلکہ قرآن کو صرف دیکھ لینا بھی عبادت ہے لیکن مقصد صرف دیکھ لینا یا پھر بغیر سمجھے پڑھنا نہیں بلکہ اصل مقصد اس کے اندر لکھے ہوئے احکامات و رموز کو سمجھ کر ان

پر عمل کرتا ہے۔

مشرکین کے شکوک

مشرکین اپنے آپ کو سچا اور مومنین کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ہمیشہ ہی سے اللہ جلّ شانہٗ کی ذات اور انبیائے کرام پر شکوک کا اظہار کرتے آئے ہیں۔ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ مشرکین کے ان شکوک کا جواب دیا گیا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں بھی ان شکوک کے متعلق بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ مشرکین سے ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی اقوام عاد و ثمود کے حالات جان کر بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین نہیں آتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ
وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم
بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا
أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ○
قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ
لِيَغْفِرَ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوا إِنْ
أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ
آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ○
قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ
يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ
إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○

"کیا تمہیں ان قوموں کے حالات نہیں پہنچے جو تم سے قبل گزر چکی ہیں؟ قومِ نوح، عاد، ثمود اور اُن کے بعد (آنے والی بہت سی قومیں) جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے، اُن کے رسول جب اُن کے پاس صاف صاف (باتیں اور کھلی کھلی) نشانیاں لے کر آئے تو اُنہوں نے اپنے منہ میں ہاتھ دبا لئے اور کہا کہ جس پیغام کے ساتھ بھیجے گئے ہو، ہم (اس کو) نہیں مانتے اور تم ہمیں جس چیز کی دعوت دیتے ہو، اس کی طرف

fat.com

سے ہم (سخت خلجان آمیز) شک میں (مبتلا) ہیں۔ ان کے رسولوں نے کہا: کیا اللہ کے بارے میں شک ہے (جو) آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ وہ تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہیں (تمہارے قصور) معاف کرے اور تم کو ایک مدّتِ مقررہ تک مہلت دے' اُنہوں نے جواب دیا کہ تم (کچھ) نہیں ہو مگر (ویسے ہی) انسان' جیسے ہم ہیں۔ تم ہمیں اِن (ہستیوں) کی بندگی سے روکنا چاہتے ہو جن کی بندگی ہمارے باپ دادا (کے زمانے) سے ہوتی (چلی آرہی) ہے۔ اچھا تو لاؤ کوئی صریح سند۔ اُن کے رسولوں نے اُن سے کہا: واقعی ہم (کچھ) نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے' نوازتا ہے اور یہ (ہمارے) اختیار میں نہیں (ہے کہ) تمہیں کوئی سند لادیں۔ سند تو اللہ ہی کے اِذن سے آسکتی ہے اور اللہ ہی پر اہلِ ایمان کو بھروسا کرنا چاہیے۔" (ابراہیم:9-11)

تمام انبیاء نوعِ بشر میں سے ہیں

یہاں پر ایک اور شک کے بارے میں بھی وضاحت کی جارہی ہے کہ تمام انبیائے کرام نوعِ بشر ہی سے آئے ہیں۔ وہ فرشتے یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔

ان حقائق کو سُننے کے بعد کافر ماننے کے بجائے یوں دھمکی دیتے ہیں کہ "تم یہ باتیں چھوڑ دو' ورنہ تمہیں شہر بدر کردیں گے"

اللہ تعالیٰ اِن دھمکیوں کے جواب میں اہلِ ایمان کو تسلّی دلاتے ہیں کہ ہماری سُنّت اور طریقہ یہ ہے کہ ہم نافرمانوں کو مہلت دیتے اور پھر ہلاک کرکے زمین کو اس نجاست سے پاک کردیتے ہیں اور پھر ان سب کو گھیر کر جہنم میں گرادیتے ہیں جہاں ان کو پانی کی جگہ پیپ پلائی جائے گی۔

مشرکین کا حسرت کرنا

اس مقام پر مشرکوں اور کافروں کے اعمال کی حقیقت بطورِ تمثیل مذکور ہے کہ اُن کے اعمال جو وہ دنیوی زندگی میں نیکی اور بھلائی سمجھ کر کیا کرتے تھے' ان کے کفرو شرک کے باعث راکھ ہوجائیں گے اور اس راکھ کے ڈھیر کو اگر تیز آندھی کا سامنا کرنا پڑے تو ظاہر ہے کہ اس کے ذرّات دور و نزدیک بکھر جائیں گے اور یہ کافر حسرت و افسوس کے ساتھ ہاتھ مَلتے رہ جائیں گے اور اُن کو اپنے اعمال پر کوئی گرفت یا دسترس نہ ہوگی۔ اس کے بعد اہلِ دوزخ کا ایک حسرت بھرا مکالمہ مذکور ہے اس کو آپ قرآنِ مجید کے اپنے الفاظ ہی میں پڑھیں:

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ
وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ

.com

دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ

"اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا' حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کئے تھے' وہ سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کئے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی زور نہ تھا۔ میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ یہاں نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی شریک بنا رکھا تھا' میں اس سے بری الذمہ ہوں۔"

(ابراہیم:22)

دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ڈالے جانے کے بعد سراپا حسرت و یاس مشرکوں اور شیطان کے مکالمے کو بیان کردیا تاکہ اس کی راہ پر چلنے والے غور و تدبّر کے راستے پر چلیں۔

ایمان کی مثال

سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی مثال ایک خوبصورت اور پاکیزہ درخت سے دی ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں بہت گہری ہوں اور جس کی شاخیں اور تنا بہت اوپر آسمان تک جا رہا ہو۔ اس کے مقابلے میں کلمۂ کُفر کی مثال جھاڑ جھنکار سے دی ہے کہ ہوا آئی اور اس کو اُڑا کر لے گئی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ درخت ہر آن اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔" (ابراہیم:24)

اہلِ ایمان پر رحمت

اہلِ ایمان کی ہدایت و راہنمائی اور تنبیہ کے لئے ارشاد ہوا:

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝

fat.com

"اے نبی! میرے جو بندے ایمان لائے ہیں' ان سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے' اس میں سے کُھلے اور چھپے (راہِ خیر میں) خرچ کریں۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوست نوازی ہو سکے گی۔" (ابراہیم:31)

اہلِ ایمان کے لئے اس ہدایت کے بعد توحید کے دلائل ہیں اور پھر انعاماتِ الٰہی اور احسانات کا یوں ذکر ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

"اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔" (النحل:18)

پھر ابراہیم علیہ السلام پر کئے گئے انعامات اور احسان مندی کا اظہار بھی ہے۔ اس واقعے میں اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو مکّہ میں چھوڑ کے جانے کا ذکر اور ایک عالمگیر دُعا مذکور ہے

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○
رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○

"اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اُٹھا جو یہ کام کریں) اے رب! میری دُعا قبول کر۔ اے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کر دے جب حساب قائم ہو گا۔" (ابراہیم:60-61)

یہ دُعا آج بھی اہلِ ایمان کے لئے ایک مستقل سبق اور دائمی وظیفے کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی لئے عام طور پر نماز کا اختتام اس سے کیا جاتا ہے۔ بعض صحیح احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اپنے لئے' والدین اور تمام مسلمانوں کے لئے مغفرت طلب کرنا اس دنیا میں انسان کی فراخیٔ رزق کا سبب ہے اور آخرت میں مغفرت کا۔

سورۃ کا اختتام اہلِ دوزخ کے بدترین انجام کے ذکر کے ساتھ ہے۔

.com

سورہ الحجر (۱۵)

نام

قومِ ثمود کے تذکرے کی مناسبت سے علامتی نام "الحجر" رکھا گیا۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ نبوت کے ابتدائی مگر دوسرے دور میں نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ کے پیغام کو عام کرنے کا حکم دیا گیا۔
اس کا اندازہ درج ذیل آیتِ مبارکہ سے ہوتا ہے جس میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی خطاب ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

"جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اُسے کھول کر بیان کریں۔" (الحجر:95)

مضامین

اس سورۃ میں دو مضامین بیان ہوئے ہیں۔ پہلا مضمون خاص کُفّار کے لئے اور دوسرا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تشفی کے لئے ہے۔

پہلا مضمون۔ خاص کُفّار کے لئے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝

"بلاشبہ ہم آپ کی طرف سے دین کا مذاق اڑانے والوں کے لئے کافی ہیں۔" (الحجر:95)

اس آیت میں کُفّار کے لئے زجر و توبیخ کے الفاظ ہیں کہ دعوتِ حق کو قبول کرنے کی بجائے استہزاء کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ خود کافی ہے اور وہ خاص عذاب کے مستحق ہوں گے۔

دوسرا مضمون۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تشفی کے لئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝

"اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں کے سبب آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔" (الحجر:97)

یہ آیتِ کریمہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی اور تسلّی کے لئے نازل فرمائی گئی۔

ان دونوں خصوصی مضامین کے ساتھ ساتھ نصیحت اور تفہیم بھی ہے جس کے لئے توحید پر اشارتاً دلائل اور اقوامِ سابقہ کے واقعات بطور شہادت بیان کئے گئے ہیں۔

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ○

"یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیات ہیں۔" (الحجر:1)

انسانی تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ

اس سورۃ میں جو چیز سب سے اہم دکھائی دیتی ہے' وہ صرف قرآن مجید ہی کے بارے میں نہیں بلکہ دین کی محافظت کے سلسلے میں بھی ایک تاریخی اور یادگار قول ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا عہد ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○

"ہم ہی نے اس نصیحت کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" (الحجر:9)

یہ بات انسانی قوّت سے باہر ہے کہ کسی کتاب یا دستاویز کو ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھنے اور تبدیلی سے دور رکھنے کا دعویٰ کرے۔ اکیلا انسان تو کیا دنیا کی سب حکومتیں مل کر بھی کسی دستاویز کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتیں کہ سینکڑوں اور ہزاروں برسوں کے بعد بھی یہ دستاویزات (Documents) بغیر کسی تبدیلی کے باقی رہیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں سینکڑوں نبی آئے مگر کسی کی تعلیمات تحریف سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ تین سو پندرہ رسول' اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامی کُتب سمیت بھیجے گئے' مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے رسول بھی آئے' نہ ان کی تعلیمات محفوظ رہ سکیں نہ ان کی زندگی کے حالات اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ کتابیں۔ تمام مقدّس کتابوں میں تحریف کر دی گئی اور یہ پہچاننا مشکل ہو گیا کہ ان کتابوں میں اللہ کا کلام کون سا ہے اور اضافہ شدہ کلام کون سا۔

یہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک مقدّس کتابوں کے بارے میں تاریخی ریکارڈ تھا جس کی رو سے کسی کتاب کا' خواہ وہ آسمانی ہو یا انسانی' محفوظ رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پورے جزیرۃُ العرب میں چند گنتی کے انسان تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ کسی دستاویز کو محفوظ رکھنے کے لئے جن جن ذرائع و اسباب کی ضرورت ہو سکتی تھی' ان میں سے کوئی چیز بھی موجود نہ تھی۔

آج کے اس جدید دور میں تو ہمارے پاس سب کچھ ہے' بنک لاکرز' لائبریریاں' عجائب گھر' تعلیمی و تحقیق

ادارے، ریکارڈنگ کا سامان، ویڈیو فلمیں، مائیکرو فلمیں، پریس میڈیا، غرضیکہ کونسی چیز ہے جو ہمیں میسر نہیں ہے؟

لیکن ایمانداری کی بات ہے کہ ہم کیا دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں اور حکومتیں مل کر بھی یہ دعوی نہیں کر سکتیں کہ ان کی فلاں دستاویز وقت کی دستبرد سے محفوظ رہے گی۔ ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی وہ بلا تحریف موجود و باقی رہے گی۔ دستاویز کو تو ہم کیا محفوظ کر سکیں گے، ہم تو اس زبان کو ہی محفوظ نہ رکھ سکیں گے جس میں یہ دستاویز لکھی گئی ہوگی، پانچ چھ سو سال کے بعد وہ زبان ہی ناپید ہو جائے گی، دستاویز کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔

معلوم ہوا کہ کسی بھی کتاب یا دستاویز کو محفوظ کر لینے کا دعوی آج بھی ہمارے لئے ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دعوی انسانی اختیار سے بہت بلند و برتر ہے۔ دراصل یہ انسانی دعوی ہے ہی نہیں! اب غور کیجئے کہ ڈیڑھ ہزار سال جزیرۃ العرب میں جب مذکورہ بالا جدید دور کی سہولتوں میں سے کوئی چیز بھی ایسی موجود نہ تھی جو قرآنِ مجید کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی۔ لیکن قرآنِ مجید کے متعلق یہ دعوی ایک نہیں کئی جگہ خود قرآنِ مجید کے اندر ہی موجود ہے اور یہ دعوی اللہ تبارک و تعالی کی طرف سے ہے کہ یہ میں نے نازل کیا ہے اور میں اس کی مکمل حفاظت کروں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے اور غیر مسلم بھی اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید کی حفاظت کی گئی ہے، اس کا متن بالکل وہی ہے جو آج سے تقریباً 1400 (چودہ سو سال) قبل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ کیا یہ بات انسانی تاریخ بلکہ انبیاء کی تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ نہیں کہ وہ کام جو ہم آج کے سائنسی دور میں کرنے سے قاصر و عاجز ہیں، ایسے دور میں کر کے دکھا دیا گیا جسے سائنسی یا ترقی یافتہ دور نہیں کہا جا سکتا۔ ایک انتہائی حیرت ناک، ناقابلِ عمل اور غیر انسانی دعوی جسے گزشتہ چودہ سو سال کی تاریخ نے سو فیصد سچ کر کے دکھا دیا۔ وہ کام جسے آج دنیا کے سارے ترقی یافتہ انسان اور ان کی حکومتیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں ڈیڑھ ہزار سال قبل صرف ایک شخص کی زبان سے اس کا ظہور ہوتا ہے اور بالکل پتھر پہ لکیر ثابت ہوتا ہے۔ کیا اس سے زیادہ عظیم معجزہ کسی کے تصور میں آ سکتا ہے؟ یہ دائمی معجزہ ہر مسلمان کے گھر میں اور ہر مومن کے دل میں موجود ہے۔

الذِکر سے مراد قرآن و سُنّت دونوں ہیں

قرآنِ مجید میں "الذِکر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی پیغام، نصیحت اور دین ہے۔ "الذِکر" سے مراد قرآنِ مجید بھی ہے اور سُنّت طیبہ بھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالی نے نہ صرف یہ کہ قرآنِ مجید کے الفاظ کی حفاظت کی ہے بلکہ اس کے معانی کی بھی حفاظت کی ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ قرآنِ مجید کے معانی سُنّت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اندر موجود ہیں جو کُتبِ احادیث میں مدون ہیں۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ احادیث تو ضعیف بھی ہیں اور صحیح بھی! بات یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں جتنی تحقیق حدیث کے فن پہ کی گئی ہے، آج تک کسی اور فن پہ اتنی محنت نہیں کی گئی ہے۔ یعنی دس لاکھ محدّثین ہمارے

Marfat.

سامنے موجود ہیں جنہوں نے احادیث کو نقل کیا اور ایک ایک حدیث کو اس طرح چھان پھٹک کے ہمارے سامنے پیش کیا کہ اس میں غلط حدیث کی ملاوٹ کا ایک فیصد امکان بھی نہیں ہے۔ اس بات کا امکان تو ہے کہ بہت سی صحیح احادیث بربنائے احتیاط ضعیف اور موضوع احادیث کے زمرے میں ڈال دی گئی ہوں مگر اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں کہ کوئی ضعیف یا موضوع حدیث صحیح احادیث کے مجموعے میں راہ پا جائے۔ اور پھر قرآن خود کہتا ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں پر واضح طور پر بیان کر دیں، جو ان پہ نازل کیا گیا ہے۔" (النحل:44)

معلوم یہ ہوا کہ جو نازل کیا گیا ہے' اس کے علاوہ بھی ایک ذکر اللہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اور یہی وہ "الحکمت" ہے جو قرآنِ مجید کی عملی تفسیر ہے' اور یہی سیرت و سُنّت ہے۔ خود قرآن سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک تو وہ وحی جو قرآن کی شکل میں موجود ہے اور دوسرے وہ حکمت جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر القاء کی گئی ہے' دونوں کو "الذکر" کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ اس لئے کہ وہ الفاظ کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآنِ مجید کے الفاظ کی بھی حفاظت کی گئی ہے جو مصحف کی صورت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اس کے معانی کی بھی حفاظت کی گئی ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور احادیث کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

اس کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ہر دور کے کُفّار نبی کی زندگی اور اس کے شعور کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرتے اور پھیلاتے تھے۔ آئندہ آیات میں انہی کُفّار کے کردار کو بالتفصیل بیان کر کے مختلف ادوار میں اُتارے گئے عذابوں کا ذکر ہے۔ جنّات کی شرارتوں کی تفصیل کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے لئے مشاہداتی دلائل مذکور ہیں اور پھر حشر کے مناظر عبرت و موعظت کا سامان لئے ہوئے ہیں۔

ابلیس کا اولادِ آدم کو کھلا چیلنج

جنّات اور انسانوں کی تخلیق اور مقصدِ تخلیق' آدم علیہ السلام کی عظمت و برتری اور شیطان کے مردود ہونے کے ذکر کے ساتھ اولادِ آدم کو واضح طور پر بتایا کہ شیطان نے قیامت تک مہلت طلب کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ بات کہہ دی تھی کہ میں اس آدم کی اولاد کو گناہ آراستہ و پیراستہ شکل میں دکھا کر راہِ حق سے بہکاتا رہوں گا۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب اور قُدسی نفس بندوں کی صفات واضح فرمادیں تاکہ بعد کے انسان اس راہ پر چل کر گمراہی سے بچ سکیں۔

درج ذیل آیات میں ہمارے کُھلے دشمن کا ذکر ہے کہ کس طرح اس نے ہمیں بہکانے کے لئے مہلت مانگی

Marf

ب۔ ان آیات میں غور و فکر کے کئی پہلو ہیں:

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۞
قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۞
قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۞
وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۞
قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۞ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۞
اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۞ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ
لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞
اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۞ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۞
اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۞

"رب نے پوچھا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا۔ اُس نے کہا کہ میرا یہ کام نہیں کہ میں اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا۔ رب نے فرمایا: اچھا تو نکل جا یہاں سے کیونکہ تو مردود ہے اور اب روزِ جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔ اُس نے عرض کیا: میرے رب! یہ بات ہے تو پھر مجھے اس روز تک کے لئے مہلت دے جبکہ سب انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے! فرمایا: اچھا تجھے مہلت ہے۔ اس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے۔ وہ بولا: میرے رب! میں اب زمین میں انسان کے لئے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ بے شک جو میرے حقیقی بندے ہیں، ان پر تیرا بس نہ چلے گا۔ تیرا بس تو صرف ان بہکے ہوئے لوگوں ہی پر چلے گا جو تیری پیروی کریں گے۔" (الحجر:32-42)

اس آیت پہ فدا ہونے کو جی چاہتا ہے۔ جس میں فرمایا کہ یہ وہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ دُعا کریں اللہ تبارک تعالیٰ یہ راستہ ہمیں نصیب کرے اور ہم سیدھے اپنی منزلِ مقصود یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ گرامی تک پہنچ جائیں۔

تیرا ملنا ، ترا نہیں ملنا
اور جنت ہے کیا؟ جہنم کیا؟

ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو محشر میں کیا ہوگا
ہم اس کو دیکھتے ہوں گے وہ ہم کو دیکھتا ہوگا

ہستی و نیستی کی حدیں دور رہ گئیں
یہ آگیا کہاں میں تجھے ڈھونڈتا ہوا

دیکھ لینے کو تیرے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمار غمِ ہجر میں کیا رکھا ہے

انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ تک پہنچ جانا ہے۔ اس کا قرب، اس کا دیدار اور اس کی رحمت و محبت ہی سب کچھ ہے۔ دل والے جب یہ آیت پڑھتے ہیں کہ "دیکھو یہ راستہ سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے" تو فرطِ محبت سے ان کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ یہیں سے ایک عارف کو اس کی اصل منزل کا پتہ چلتا ہے کہ اس کی اصل منزل ذاتِ الٰہی ہے نہ کہ حور و قصور!

اس اعلان اور حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کر دینے کے بعد مغضوب علیہم اقوام کا ذکر ہے جس میں قومِ لوط، قومِ شعیب اور قومِ ثمود پر اتارے گئے عذاب کی تفصیل ہے۔

اسی سورۃ میں امتِ مسلمہ پر اتارے گئے ایک عظیم انعام کا ذکر ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"ہم نے آپ کو سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار دہرائی جانے کے لائق ہیں اور آپ کو قرآنِ عظیم عطا کیا ہے۔ تم اس متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے اور نہ ان کے حال پر اپنا دل کڑھاؤ۔ انہیں چھوڑ کر ایمان لانے والوں سے شفقت فرمایئے" (الحجر: 87-88)

ائمہ مفسرین کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ ان سات آیتوں سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ جو ہر نماز میں بار بار پڑھی اور دہرائی جاتی ہے اور اس کے بعد نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دلانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ سردارانِ قریش کی پر آسائش زندگی کی طرف مت توجہ دیں کیونکہ جو نعمت آپ کو اور آپ کے توسط سے اہلِ ایمان کو ملی ہے یعنی

.com

دولتِ ایمان اور عرفانِ الٰہی' یہ سب سے بڑی دولت ہے اور یہ دولت اس قابل ہے کہ اسی پر رشک کیا جائے کیونکہ آخرت میں یہ لوگ خائب و خاسر ہو کر اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ اور پھر آپ کو اس نعمت کے عام کر دینے کے لئے یہ حکم ملا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

"جو حکم آپ کو رب کی جانب سے ملا ہے' یہ سب کو سنا دو" (الحجر:94)

اور اس راہ میں پیش آمدہ مشکلات کا حل یہ ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کثرت سے کریں تاکہ اس کے ذریعہ آپ کو روحانی و قلبی تسکین و قوت حاصل ہو سکے۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے یہ حکم ہم اہلِ اسلام کو ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ راستہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

fat.com

.com

سورہ النّحل (۱۶)

نام

اس سورۃ میں "شہد کی مکھی" کے ذکر کی مناسبت سے بطور علامت اس کا نام "النحل" رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

سورۃ کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرتِ حبشہ کے بعد نازل ہوئی۔ بعض مفسّرین کا خیال ہے کہ اس سورۃ کی آخری دو آیات جنگِ اُحد کے بعد نازل ہوئیں۔

مضامین

سورۃ کا آغاز ایک تہدیدی جملے سے ہوتا ہے کیونکہ کُفارِ مکّہ کا ہر وقت ایک ہی مطالبہ ہوتا تھا کہ جس عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے، وہ فوری طور پر لے آؤ اور عذاب کی تاخیر کو وہ آپ کے رسولِ برحق نہ ہونے کے لئے بطورِ دلیل پیش کرتے۔ ان کو سمجھانے کے لئے فرمایا:

اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ

"اللہ کا حکم (یعنی عذاب گویا) آپہنچا۔ اب اس کے لئے جلدی مت کرو" (النحل: ۱)

اس کے بعد اس سورۃ میں توحید کے اثبات کے لئے انفس و آفاق کو بطورِ شہادت پیش کیا۔ اثباتِ توحید کے ساتھ تردیدِ شرک لازم امر ہے اس سلسلے میں منکرین کے شکوک و شبہات کو دور کیا گیا اور پھر ایک وعید کا ذکر کیا گیا کہ حق کے مسلسل انکار اور باطل پر اڑے رہنے کا لازم نتیجہ اللہ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔

کُفّار کے ظلم و ستم کے باعث مسلمان ہجرت کے لئے مجبور ہو چکے تھے بلکہ بعض مسلمان ہجرت کر چکے تھے، اس لئے ان کے ظلم کے مقابلے میں مسلمانوں کو حوصلہ اور ہمت کی تلقین کی گئی۔

اس سورۃ میں مسلمانوں اور کُفّار دونوں پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی کہ دین صرف اللہ کی وحدانیت اور رُبُوبیت کے اقرار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کر لینے کا نام ہی نہیں بلکہ دین اس اقرار و تسلیم کے بعد ان اخلاقی اور عملی تبدیلیوں کو اپنانے کا نام ہے جو اس کا لازمی نتیجہ ہیں اور ایک مومن کی زندگی میں ان انقلابی تبدیلیوں کا نمودار ہونا ہی اس دین کے اپنا لینے کی اصلی پہچان ہے۔ اس کے علاوہ اشیاء کی حِلّت و حُرمت کے متعلق بھی چند احکام کا ذکر ہے۔

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○

"اللہ کا حکم (یعنی عذاب گویا) آہی پہنچا تو (کافرو) اس کے لئے جلدی مت کرو۔ یہ لوگ جو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں' وہ اس سے پاک ہے۔" (النحل:1)

ایک شک کا ازالہ اور دلائلِ توحید

کفارِ مکہ کو اس شدید وعید اور تنبیہہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل کا ذکر ہے۔ یہ دلائل انسان کی روزمرہ زندگی کے ہمہ وقت مشاہدے پر مبنی ہیں۔ زمین و آسمان کی پیدائش' وجودِ انسانی کا نکتہ آغاز' جانوروں کی پیدائش' اُن کا چراگاہوں میں چرنا' اُن کے فوائد' آسمان سے وجودِ حیات کے باعث پانی کا اترنا' رات دن کا اختلاف' سورج' چاند' ستاروں کی چمک اور زینت' کھیتی' باغات اور کھلیان' دریائی اور سمندری مخلوقات' سمندر کے ذریعے سفر کے فائدے اور اس کی اتھاہ گہرائیوں میں سے لعل و جواہر کی برآمدگی وغیرہ اشیاء پر غور و فکر کی دعوت ہے۔ ان مشتے نمونہ از خروارے نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ

"اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو' تو گن نہ سکو گے۔" (النحل:18)

اور واقعی انسان اس کائنات کے سارے نظام پر تدبر کرے گا تو زبانِ حال سے یہی پکارے گا۔ ان سب احسانات کے باوجود طبقہ انسانی میں ایسے احسان فراموش بلکہ خود فراموش قسم کے لوگ بھی موجود ہیں جو قادرِ مطلق اور مُنعم حقیقی کی ذات سے اعراض کرتے ہوئے ایسے معبودوں کی پوجا پاٹ میں مصروف ہیں جن کی حقیقت صفر کے برابر ہے۔

معبودانِ باطلہ کی حقیقت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ○

اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ○

.com

"اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں' وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ یہ خود ان کو بناتے ہیں۔
وہ بے جان ہیں اور ان کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اُٹھائے کب جائیں گے؟" (النحل:20-21)

انسان نے اللہ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی ہے' اس کا وجود اور اس کا تخیل خود انسان کا من گھڑت ہے۔ اس ذیل میں بت ہوں یا دیگر مخلوقات جن کے مجسمے بنا کر مشرک ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے' ان کو انسانی ہاتھوں نے بنایا اور گھڑا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان فرشتوں' جنات یا انسانوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے' یہ تخیلاتی معبود' ان کے مقابر یا ان کے مجسمے بھی تو انسان ہی کے وضع کردہ ہیں اور اس کے مقابل حقیقتِ حال کے بارے میں یوں ارشاد ہے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

"تمہارا معبود تو اکیلا (ہی) معبود ہے۔" (النحل:22)

ایمان کا تیسرا رکن۔قیامت

عقیدۂ توحید کی اس وضاحت کے بعد ایمانیات کے تیسرے رکن "قیامت" کا ذکر ہے۔ اس میں موت' مابعد الموت' عالم برزخ اور قیامت کے مناظر ہیں۔ اسی جگہ مومنین کے بہترین انجام کا ذکر ہے۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے ایسے عظیم کرشمے ظاہر فرمائے اور اپنے کلام میں حکیمانہ انداز میں ان کا ذکر بھی فرما دیا مگر وہ باتیں اس دور کے انسان کے نہ علم میں تھیں اور نہ ہی سمجھ میں آسکتی تھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

"اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی چیزیں پیدا کر کے دکھائیں گے جن کا تمہیں کوئی علم نہیں۔" (النحل:8)

غالباً یہاں اشارہ موجودہ دور کی سائنسی ایجادات کی طرف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ

"اور ہم نے ہر جماعت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت سے بچو۔"

(النحل:36)

اس آیت میں گویا یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے رسول بھیجے اور اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ان امتوں پر گواہ ٹھہرایا گیا۔

مشرکینِ مکہ کی بری خصلت

اس مقام پر مشرکین کی ایک اور بری خصلت کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کے لئے بیٹیوں کا تصور پیش کرتے اور فرشتوں

کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے جبکہ ان کا اپنا یہ حال تھا کہ اگر ان کے گھر میں بیٹی کی ولادت کی خبر ملتی تو شدت غم واندوہ کے سبب ان کے رنگ سیاہ پڑ جاتے۔ یہ اہلِ مکہ کی ایک اخلاقی خرابی بھی تھی کہ وہ بیٹی کے وجود کو نحوست تصور کرتے تھے۔ اس ذیل میں متعدد واقعات منقول ہیں۔ قرآنِ کریم میں بھی دوسری جگہ پر بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے اور آخرت میں ان سے اس کی باز پرس کا ذکر ہے۔

رحمتِ الٰہی

رحمتِ الٰہی اس قدر عام اور زیادہ ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس دنیا میں ہمارا ہر عمل اللہ کی رحمت کے باعث ہی ہے مگر انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ یہ میرے اعمال کی جزا اور میرا حق ہے۔ اس غلط فہمی سے نکالنے کے لئے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

"اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی ہر زیادتی پر پکڑتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ سب کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب وہ وقتِ مقرر آجاتا ہے تو اس سے کوئی ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔" (النحل:61)

اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ہے کہ یہ دُنیا عمل، امتحان اور مہلت کی جگہ ہے۔ اکثر لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ بداعمال لوگوں کو سزا کیوں نہیں ملتی اور نیک عمل لوگ آزمائش، مشکلات اور مسائل کا شکار کیوں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ اعمال کا بدلہ (جزا یا سزا) اس دنیا میں فوری طور پر نہیں دیتا۔ اگر وہ ایسا کرنے لگے تو کوئی بھی زندہ اور باقی نہ رہے اور دنیا کا یہ سارا نظام تلپٹ ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حساب (جزا و سزا) کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اسی وقت سب کو جزا بھی ملے گی اور سزا بھی..... اور جب وہ وقت آجائے گا تو کوئی بھی اسے نہ آگے لے جا سکے گا اور نہ پیچھے۔

دُودھ پر غور کی دعوت

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○

"اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے کہ ان کے پیٹ میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں یعنی خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے نہایت خوشگوار ہے۔"

(النحل:66)

یہ اللہ تعالیٰ کا نظامِ قدرت ہے کہ گائے بھینس کے پیٹ میں ایک طرف خون ہے اور دوسری طرف گوبر اور ان کے درمیان سے اللہ تعالیٰ انتہائی لذیذ اور عمدہ قسم کا مشروب ہمیں عطا کرتے ہیں۔ یہ ایسا مشروب ہے کہ جس سے اچھا اور بہتر مشروب اس دنیا میں اور کوئی نہیں مل سکتا۔ دودھ کے اجزائے ترکیبی اور اس کے بننے کے بارے میں بہت سی باتیں ہیں جن میں سے ایک اہم ترین سائنسی بات یہاں بیان کی گئی ہے اور یہ بھی آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل کہ دودھ کہاں ہے اور کیسے پیدا ہوتا ہے؟ ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس بات کی طرف اشارہ قرآنِ مجید کا معجزہ ہے۔

ایک سائنسی اعجاز۔۔۔شہد کی مکھی

اسی طرح قرآنِ مجید میں ایک اور سائنسی اعجاز کا ذکر ہے:

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝
ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

"(اور دیکھو) تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور بلندی پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنائے اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوسے اور اپنے رب کی بتائی ہوئی راہوں پر چلتی رہے اور اس (مکھی کے اندر) سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہوتی ہے۔ یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

(النحل:66-69)

ایک اور قدرتِ الٰہی کا اظہار

یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ شہد کی مکھی براہِ راست میری شاگرد ہے اور میں نے ہی اس کو وحی کی کہ یوں چھتے بنایا کرو۔ آپ اگر کبھی شہد کی مکھی کے چھتے کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ایک بہترین ماہر کاریگر جو بہترین ڈیزائن سوچ سکتا ہے، اس سے بہتر شہد کی مکھی کر گزرتی ہے اور صرف شہد کی مکھی ہی نہیں، آپ کسی بھی پرندے کے گھونسلے کو دیکھیں، وہ کس طرح سے تنکوں کے ساتھ اپنا گھونسلا بناتا ہے اور وہ کس قدر خوبصورت ہوتا ہے۔ ذرا آپ اس انجینئرنگ یونیورسٹی کا نام تو بتایئے جہاں سے یہ شہد کی مکھی یا یہ پرندہ یہ کام سیکھ کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کی طرف وحی کی اور ہم ہی نے ان کے دلوں میں علم ڈال دیا ہے۔

صرف مادہ مکھی شہد تیار کرتی ہے-- قرآنی اعجاز

سائنس کو اب آکر یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ شہد مادہ مکھی تیار کرتی ہے۔ نر مکھی صرف غذا مہیا کرنے کا کام سرانجام دیتی ہے اور شہد نہیں بناتی۔ یہ اس دور کی سائنس کا انکشاف اور دریافت ہے۔ اس کے مقابلے میں آپ قرآنِ مجید کا اسلوب دیکھیں۔ قرآنِ مجید کا اپنا الگ اور نرالا اسلوب ہے کہ وہ جہاں بھی عام انسانوں' حیوانات کا ذکر کرتا ہے۔ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے مذکر کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً:

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا "اے وہ لوگو جو ایمان لائے!"

اب ان میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔

یٰاَیُّھَاالنَّاس (اے لوگو!) اس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔

یٰبَنِیْ اٰدَمَ (اے آدم کے بیٹو!)

ظاہراً خطاب مذکر سے ہے مگر اس میں مؤنث بھی شامل ہے۔ یہ بات آپ سمجھ چکے تو یہاں اس قاعدے کی رو سے بھی قرآنِ مجید میں مذکر کا صیغہ استعمال ہونا چاہئے تھا جو مؤنث کو بھی شامل ہوتا مگر قرآنِ مجید نے ایک نہیں بلکہ تین جگہوں پر صرف مؤنث کا صیغہ استعمال کیا ہے اور یہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے کہ شہد مادہ مکھی تیار کرتی ہے - نر نہیں۔ پہلے فرمایا :

1- اِتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ (پہاڑوں میں گھر بنانا) مؤنث کا صیغہ

2- ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ (پھر ہر قسم کے میوے کھا) مؤنث کا صیغہ

3- فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلاً (اپنے رب کے صاف راستوں پر چلی جا) مؤنث کا صیغہ

تینوں جگہ بطور خاص مؤنث کا صیغہ ہے کہ شہد کی تیاری مؤنث کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ نر کے ذریعے نہیں۔ اور یہ بات آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کسی ڈاکٹر' طبیب' سائنس دان تک کو بھی معلوم نہ تھی۔ جس کا ذکر قرآنِ مجید میں ہوا۔

قرآنِ مجید کو اگر ہم شعور کی آنکھوں سے پڑھیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اس میں اس قسم کے ان گنت معجزات ہیں۔

حشر کی منظر کشی اور ایک مثال

اس کے بعد کچھ اخلاقی تعلیم کی باتیں ہیں اور ان میں اللہ کے عہد کو پورا کرنے کی تاکید ہے اور پھر وہ آیات ہیں جن میں حشر کے روز بازپرس کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:

.com

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ
جِئْنَابِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰؤُلَاۤءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا
لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۞
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○
وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا
وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ○
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ

"اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے خود اُن پر گواہ کھڑے کریں گے اور اے نبی! ہم ان میں آپ کو گواہ بنا دیں گے اور (اسی گواہی کی خاطر) ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو واضح بیان کرتی ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت' رحمت اور خوشخبری دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی' برائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو' اللہ کے عہد کو پورا کرو' جب تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد مت توڑا کرو' جب تم اللہ کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے' تمہاری حالت اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے سوت کاتا اور پھر آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔" (النحل:88-92)

مذکورہ آیات اپنی وضاحت خود کر رہی ہیں لیکن آخری آیت کے بارے میں کتبِ تفاسیر میں یہ واقعہ موجود ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک دیوانی عورت رہتی تھی۔ وہ سارا دن سوت کاتا کرتی اور شام کو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکھیر دیا کرتی تھی۔ وہ تو دیوانی تھی لیکن معلوم یوں ہوتا ہے کہ وہی دیوانگی ہمارے اندر بھی موجود ہے۔ بہت محنت سے نیکیاں کرتے ہیں لیکن اس کے بعد کوئی ایسا قصور کر گزرتے ہیں کہ تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

ایفائے عہد کا حکم اور آخرت کا اجر

اس کے بعد اللہ کے عہد کو پورا کرنے کے بارے میں مزید تاکید ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

fat.com

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"اللہ کے عہد کو تھوڑے سے فائدے کے لئے نہ بیچ ڈالو۔ اگر تم جانو تو جو کچھ اللہ کے پاس ہے' وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے' وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے' وہی باقی رہنے والا ہے۔ اور ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو اُن کے بہترین اعمال کے مطابق اجر دیں گے جو شخص بھی نیک عمل کرے گا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر دیں گے۔" (النحل:95-97)

شیطان کا طریقۂ واردات اور اس کا علاج:

اس کے بعد ایک حکم دیا گیا کہ جب قرآن پڑھنے لگو تو شیطانِ رجیم سے پناہ مانگ لیا کرو۔ وہ اس لئے کہ قرآن مجید شیطان پر سب سے بھاری چیز ہے۔ شیطان کی اصل چال یہ ہے کہ انسان کو قرآن سے دور رکھے اور اُسے قرآن نہ پڑھنے دے' اللہ کا پیغام نہ وصول کرنے دے۔ اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ اول تو انسان قرآن ہی نہ پڑھے اور اگر پڑھے تو اسے سمجھنے ہی نہ پائے اور کچھ سمجھ میں آجائے تو پھر اس پر عمل نہ کرنے پائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝

"پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطانِ رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اسے ان لوگوں پر تسلط نہیں ہوتا جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں' اس کا زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے ہیں اور اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔" (النحل:98-100)

جو لوگ شیطان کو اپنا سرپرست بنا کر غفلت و جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں مستغرق رہتے ہیں' ان کی اس بے حسی کے باعث ان کے لئے بارگاہِ ایزدی سے یوں فیصلہ صادر ہوتا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○

"یہ محض اس لئے ہے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا' اس لئے اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (ان کی اس قباحت کے سبب) ان کے دلوں' کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور یہی غفلت میں پڑے ہوئے لوگ ہیں۔" (النحل 107-109)

اللہ کی شانِ مغفرت اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

ان غافل لوگوں کے مقابل بیدار مغز اور ہدایت یافتہ لوگ ہیں جن کی صفائی' باطنی پاکیزگی اور اعمالِ خیر کا یوں ذکر ہے:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

"البتہ جن لوگوں نے جہالت کی بناء پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو یقیناً توبہ اور اصلاح کے بعد آپ کا رب ان کے لئے بڑا غفور رحیم ہے۔" (النحل 110)

ایک بہت بڑی غلط فہمی جو ہمارے ہاں عام طور پر پائی جاتی ہے' وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے اور وہ ہر حال میں ہمیں بخش دے گا۔

ایک دلچسپ واقعہ عرضِ خدمت ہے۔ میں کچھ عرصے پہلے لندن میں تھا' وہاں کچھ عرب دوستوں کو شراب پیتے دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا تم مسلمان ہو؟ وہ بولے ہاں! میں نے پوچھا: پھر یہ کیا ہے؟ بولے کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا: ہاں پڑھا ہے۔ کہنے لگے کہ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ رحیم اور بخشنے والا ہے۔

میں نے کہا کہ میں تم کو ایک بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ دُنیا اور ہماری ساری زندگی دو قسم کے قوانین سے چل رہی ہے۔ ایک طبعی قوانین (Physical Laws) اور دوسرے اخلاقی قوانین (Moral Laws) اور یہ دونوں قسم کے قوانین اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں اور اس نے ان پر عمل کے لئے موقع بھی فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ واقعی غفور رحیم ہے۔ قرآنِ مجید بھی یہی کہتا ہے۔ لیکن ہم اخلاقی قانون توڑتے ہیں' شراب پیتے ہیں' جوا کھیلتے ہیں' کسی کا حق چھینتے ہیں تو کیا وہ بخش دے گا اور اپنی رحمت سے معاف کر دے گا؟ بولے ہاں۔ میں نے کہا کہ جیسے اس نے اخلاقی

قانون بنائے ہیں' اسی طرح اس نے طبعی قوانین بھی بنائے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ جب ہم اخلاقی قوانین توڑتے ہوں تو وہ غفورٌ رّحیمٌ بن جاتا ہے اور جب طبعی قوانین توڑتے ہوں تو وہ غفورٌ رّحیمٌ نہیں رہتا۔ آپ کسی بھی طبعی قانون (Physical Law) کو توڑ کر اس کا انجام دیکھیں۔ مثال کے طور پر ہم تیسری منزل پر بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک طبعی قانون (Physical Law) کششِ ثقل ہے کہ اگر ہم اوپر سے نیچے چھلانگ لگائیں گے تو ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ تو آیئے کہ اس طبعی قانون کو توڑتے ہیں اور نیچے چھلانگ لگا دیتے ہیں اور یا غفورٌ رّحیم کا وظیفہ بھی کرتے ہیں۔ کیا خیال ہے وہ غفورٌ رّحیم تمہیں بخش دے گا' تمہاری ہڈی نہیں توڑے گا؟

کہنے لگے ہڈی تو ضرور ٹوٹے گی۔ اس کے بعد میں نے ایک اور مثال دی کہ ہم زہر کا پورا گلاس پی لیتے ہیں اور یا غفورٌ رّحیمٌ کا ورد کرتے جاتے ہیں۔ تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اس طبعی قانون کو توڑتے ہوئے اس کی شانِ غفورٌ رّحیمی جوش میں نہیں آئے گی کہ ادھر ہم زہر پئیں ادھر وہ ہمیں بخشنا شروع کر دے اور ہمیں کوئی نقصان نہ ہو؟ کہنے لگے ایسا تو نہیں ہو گا۔ میں نے پوچھا کہ اس کی وجہ بتاؤ کہ جب تم طبعی قانون توڑتے ہو تو وہ غفورٌ رّحیمٌ نہیں رہتا اور جب اخلاقی قانون توڑتے ہو تو وہ غفورٌ رّحیمٌ بن جاتا ہے۔ کیا اس کی کوئی وجہ یا کوئی منطق ہے۔ کہنے لگے اچھا' پھر تم ہی بتا دو۔

میں نے کہا کہ اچھا تو اب میں آپ کو قرآنِ مجید پڑھ کر سناتا ہوں اور میں نے یہی آیت پڑھی جو ابھی گزر چکی ہے اسی طرح ایک اور آیت ہے:

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ○

"اور جو توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور اچھے کام کرے' پھر سیدھے راستے پر چلے تو میں اس کو بخش دوں گا۔"

تو اب یہ چار شرطیں پوری کرو گے تو وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی' ورنہ شیطان کا دھوکا! اللہ تعالیٰ مُنتقِم بھی ہے۔ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَام بھی۔ اگر وہ انتقام لینے پر آجائے تو اس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی اور نہیں ہوتا۔ یہ چار شرطیں کیا ہیں؟ توبہ' ایمان' عملِ صالح اور ہدایت پر عملاً چل پڑنا۔ ان شرطوں کو پورا کرتے ہی اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت ظہور میں آجاتی ہے۔

رزقِ حلال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراخی اور آسائش کے اسباب کی فراوانی کے بعد کی حالت کا ذکر فرمایا کہ ایسے میں انسان خود فریبی کا شکار ہو کر کفرانِ نعمت پر اتر آتا ہے اور اس کو حلال و حرام کا امتیاز ہی نہیں رہتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

.com

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○

"پس اللہ نے جو تم کو حلال اور پاکیزہ رزق دیا ہے' اسے کھاؤ اور اگر تم اسی کی عبادت گزار ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔" (النحل:116)

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ خوراک کے انسانی اخلاق و کردار پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اور تعلیماتِ نبویؐ میں اَن گنت مرتبہ رزق حلال کی طلب اور حلال اشیاء کے کھانے پینے کا حکم ہے۔

احکامِ حلال و حرام میں من پسندی کی سزا

اس حکم کے ساتھ ہی دوسری آیت میں حرام اشیاء کا ذکر ہے اور حکم دیا کہ اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق اشیاء کی حِلّت و حُرمت کے متعلق رائے قائم نہ کیا کرو کیونکہ بنی اسرائیل میں سے یہود نے حرام اور حلال کے لئے از خود معیار قائم کیا تو ہم نے ان کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا مگر ان میں سے جو لوگ تائب ہو گئے یا جنہوں نے آئندہ ادوار میں برائی سرزد ہو جانے کے بعد توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ کیا۔

حکمت و دعوت میٹھے انداز میں

اس سورہ کے آخر میں دین کی تبلیغ کے سلسلے میں قرآنِ مجید کی وہ آیات ہیں جو ہر ایک کو زبانی یاد ہونا چاہئیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○
وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○
وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور لوگوں سے ایسے طریق پر گفتگو اور مباحثہ کرو جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون

اس کی یاد سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن تم اگر صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) صبر سے کام کئے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چالبازیوں پر تمہارا دل تنگ ہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں۔" (النحل:125-128)

یہاں اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے' ان میں سب سے پہلے تو حکمت' دانائی اور دانشمندی ہے اور دوسرے میٹھی اور عمدہ نصیحت ہے۔ اس انداز میں نہیں کہ سننے والے کو گراں گزرے بلکہ بہت پیارے انداز میں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"اس کے ساتھ ذرا نرم لہجے میں بات کرنا۔ (میٹھی اور پیاری نصیحت کے انداز میں۔)"

انسان کو گفتگو اس انداز میں کرنا چاہئے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس کو "جدالِ احسن" کہتے ہیں۔

دعوت و حکمت کی کچھ حسین مثالیں

قرآنِ مجید سے کچھ مثالیں پیشِ خدمت ہیں جس سے آپ کو معلوم ہو سکے گا کہ انبیاء کا طریقہ گفتگو کیا تھا؟ لوگ کس لہجے میں بات کرتے اور انبیاء علیہم السلام جواباً کیا لہجہ اختیار کرتے تھے۔ اے کاش! یہ بات ہمارے مبلغین کو معلوم ہو جائے کہ گفتگو کے دوران میں دوسرے پر چھا جانا کوئی خوبی کی بات نہیں۔ بعض دفعہ پیچھے ہٹ جانا اور دب جانا بھی خوبی بن جاتا ہے۔

1- سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت عطا کرتا ہے تو جواباً سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے جب نمرود نے کہا کہ میں زندہ بھی کر سکتا ہوں اور مار بھی سکتا ہوں تو ابراہیم علیہ السلام پیچھے ہٹ گئے اور پھر ایک نئی بات لے کر آئے جس کا نمرود جواب نہ دے سکا۔ انہوں نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ' میرا رب سورج مشرق سے طلوع کرتا ہے' تم خدا ہو' سورج پہ تمہیں اختیار تو ہو گا' اس لئے آج اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا دو۔ انہوں نے یہ بات نہیں فرمائی کہ تمہیں اختیار نہیں اور تم مغرب سے طلوع نہیں کر سکتے ہو۔ بلکہ بڑا حسین انداز اختیار کیا۔

2- سیدنا نوح علیہ السلام طویل عرصے تک قوم کو راہِ ہدایت کی طرف بلاتے رہے۔ اس پر قوم نے انہیں کہا کہ "ہم تو تمہیں کھلی ہوئی گمراہی میں پاتے ہیں۔"

اب اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو کہتا کہ اچھا! کافر تو تم ہو' بتوں کی پوجا تم کرتے ہو' مشرک تو تم ہو' شراب' زنا اور تمام دیگر برائیاں تمہارے اندر ہیں اور گمراہ مجھے کہتے ہو۔ لیکن نبی نے ان کے گندے اعمال کی طرف اشارہ نہیں کیا'

ان کو الزامی جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ "اے میری قوم! مجھے کوئی گمراہی اپنے اندر نظر نہیں آرہی۔" میں تمہیں مختلف اس لئے نظر آتا ہوں کہ میں ربُّ العالمین کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم میرے مقام کو نہیں سمجھتے۔ میری رسالت گمراہی نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا منصب ہے۔

3- حضرت ہود علیہ السلام سے ان کی قوم نے یوں کہا: "اے ہود! ہم دیکھتے ہیں کہ تم بیوقوفی اور حماقت میں پڑے ہوئے ہو اور تم جھوٹوں میں سے ہو۔"

ذرا غور فرمایئے! کہ اس قوم نے ایک نبی کو احمق اور جھوٹا قرار دے دیا (نعوذ باللہ) تو کیا اب جوابی کارروائی کے طور پر وہ نبی اپنی قوم کو ان کی گندگیوں گناہوں اور مصیبتوں کا آئینہ دکھا دیتا کہ دیکھو تم کیا ہو؟ لیکن نبی نے صرف اپنی ذات کا دفاع کیا اور وہ بھی بڑے خوبصورت انداز میں صرف یہ الفاظ ادا کئے:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

"اے میری قوم! مجھ میں کوئی بیوقوفی اور حماقت کی بات نہیں۔ میں اصل میں ربُّ العالمین کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

تمہاری گفتگو اور ہمارے انداز ہائے فکر میں بہت فرق ہے۔ اس لئے میری شخصیت' منصب اور تعلیم تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی۔ یہ بیوقوفی نہیں بلکہ رسالت اور نبوت ہے۔

مذکورہ مثالوں سے حکمت و موعظت کا خوبصورت انداز بخوبی واضح ہو گیا ہے۔ کاش! ہم اسلام کے مدعی اس حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

.com

سورہ بنی اسرائیل (۱۷)

نام

اس سورۃ کا علامتی نام "بنی اسرائیل" رکھا گیا کیونکہ اس سورۃ میں بنی اسرائیل کو تنبیہہ کی گئی ہے۔ اس سورۃ کا نام "الاسراء" بھی ہے کیونکہ اس سورۃ کے آغاز میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ معراج کے ابتدائی مرحلے کا ذکر ہے۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ سفرِ معراج کے بعد نازل ہوئی۔ جس کی تفصیلات سیرت و حدیث کی کتب میں مذکور ہیں۔

مضامین

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل دعوت کے نتیجے میں خطہ عرب کے ہر گوشے میں اسلام کا پیغامِ حق پہنچ چکا تھا بلکہ مخلصین کی ایک جماعت کے علاوہ مدینہ منورہ کے طاقتور قبائل اوس و خزرج کے متعدد افراد بھی آپ کے جاں نثاروں میں شمولیت اختیار کر چکے تھے اور اب حالات ایک آزاد اور خود مختار مملکت کے قیام کے لئے سازگار ہو رہے تھے۔ ایسے میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی اور آپ کو انسانی سعادت و عظمت اور فوز و فلاح کے وہ اصول بتائے گئے جو ایک فلاحی معاشرے کے تمدن کی بنیاد ہیں۔

اس سورۃ میں کفارِ مکہ کو بنی اسرائیل کے حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا بھی سبق دیا گیا کیونکہ اس دوران میں کفارِ مکہ ابتلاء و آزمائش کا شکار ہو چکے تھے۔ اس لئے تنبیہہ کی گئی کہ اگر اب بھی تم نے راہِ ہدایت کو نہ اپنایا تو بنی اسرائیل کی طرح تمہارا نام و نشان مٹا کر دوسری قوموں کو ان تعلیمات کا امین بنا دیا جائے گا اور اگر اب تک تمہیں قرآن کی صداقت پر یقین و اعتماد نہیں تو تم خود اس کی مثل بنا کر پیش کرو اور یاد رکھو کہ تم یقیناً ایسا نہ کر سکو گے۔ توحید و آخرت کے برحق ہونے پر دلائل کے تذکرے کے بعد منکرینِ اسلام کو عذاب سے ڈرایا گیا۔ بایں ہمہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مشکلات میں صبر و استقامت کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی ہدایت کی۔ کفار کی ہٹ دھرمی اور تکذیب کا مقابلہ کرنے کو کہا گیا اور ان مشکلات کو برداشت کرنے کے لئے ایک بہترین علاج تجویز کیا گیا کہ نماز کے ذریعہ صفاتِ عالیہ سے اپنے آپ کو متصف کر لو۔ یہ تزکیہ نفس اور مجاہدہ کا بہترین ذریعہ ہے نیز اسی سورۃ میں نمازِ پنجگانہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○

"پاک ہے وہ ذات جو ایک رات میں اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی سب کچھ سُننے اور دیکھنے والا ہے" (بنی اسرائیل:1)

عظمتِ نبویؐ اور مقامِ عبد

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام نصیب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسراء اور معراج کی سعادت نصیب فرمائی۔ اسراء تو مسجد الحرام سے مسجدِ اقصیٰ جانے کا نام ہے اور مسجدِ اقصیٰ سے آگے کی جو منزلیں ہیں' وہ معراج کہلاتی ہیں۔ ہر نبی کو معراج ہوتی ہے۔ لیکن حضورؐ کو جو مقام' عظمت' رفعت اور قُربِ الٰہی کی سعادت ملی' وہ کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا بڑا اور اصل سبب یہ ہے کہ آپ سید الرسل' خاتم النبین' سید ولدِ آدم' سید البشر اور خاتم المعصومین ہیں لیکن یہاں جو لفظ استعمال ہوا' وہ عبد ہے۔ اس میں ایک بہت ہی عجیب نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی قرآنِ مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان یا آپ کو کوئی بہت بڑی نعمت دینے کا ذکر کیا ہے' وہاں خاص طور پر عبد کے لفظ سے خطاب کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ○

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (عبد) پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا بن جائے۔" (الفرقان:1)

اسی طرح جب ہم کلمۂ شہادت کے ذریعے ایمان کا اظہار کرتے ہیں' نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں' وہاں آپ کی عبدیت کی بھی شہادت دیتے ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔"

کائنات میں اللہ کے بعد عبدیت کا مقام سب سے زیادہ بلند ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جو صاحبِ کشف ہیں' فرماتے ہیں کہ "ہم نے ولایت کی منزلیں طے کی ہیں اور طے کرنے کے بعد پتہ چلا کہ جہاں تمام اولیاء اللہ اور صحابہؓ کی منزلیں ختم ہو جاتی ہیں تو وہاں سے عبدیت کا مقام شروع ہوتا ہے۔"

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ایں سراپا انتظار او منتظر

گویا عبد اور چیز ہے اور عبدہٗ اور چیز۔ عبدہ کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔ "عبد" اللہ تعالیٰ کا انتظار کرتا ہے اور "عبدہٗ" کا انتظار کیا جاتا ہے۔

اہلِ مکہ کو تنبیہہ کی ایک مثال

اس ذکر کے ساتھ ہی سابقہ ادوار کے دو جلیل القدر اور اولوالعزم رسولوں سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ بڑے ہی حسین پیرائے میں ہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کو دی گئی تنبیہہ (Warning) کا ذکر ہے کہ تم جب دنیا میں فساد کا باعث بنو گے تو ہم تم پر دوسری اقوام کو غلبہ دیں گے اور پھر ان ہی سے اپنے دین کی خدمت کا کام لے لیں گے جس طرح بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانیوں اور بدعہدیوں کے بعد ان سے منصبِ امامت چھین کر اہلِ عرب کی جانب منتقل کر دیا گیا اور بطور ضابطہ یہ ارشاد ہوا:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝
وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

"بلاشبہ یہ قرآن ایسی راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور نیک اعمال کرنے والے مومنین کو اجر عظیم کی خوشخبری دیتا ہے اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (بنی اسرائیل:9-10)

گویا قرآنِ کریم ان سبھی باتوں اور معاملات پر مشتمل ہے کہ دنیا میں زندگی گزارنے کے آداب اور طریقے کیا ہیں؟ نیز اس کی بتائی گئی راہ کے سلسلے میں جو دو طبقات ہیں' ان کا انجام بھی واضح کر کے یوں فرمایا کہ انسان ہمیشہ جلد باز واقع ہوا ہے' وہ شر اور عذاب کے بارے میں مطالبہ کرتا ہے کہ جلد دکھا دیا جائے تاکہ وہ نبی کی صداقت پر اس کے

fat.com

باعث یقین کرلیں۔ حالانکہ رات دن کا اختلاف اور سال و ماہ کی گنتی ہی ان کی نصیحت کے لئے کافی ہے۔

قیامت اور نامہء اعمال

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِي عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○
اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ○
مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○

"ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور پھر قیامت کے دن ہم ایک نوشتہ (لکھا ہوا حساب) اس کے لئے نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ (ہم کہیں گے) اپنا حساب پڑھ لے۔ آج تو اپنا ہی محاسب کافی ہے۔ جو شخص دنیا میں سیدھی راہ پر چلتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے اس راہ پر چلتا ہے اور جو گمراہ ہوا' اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم (اس وقت تک) عذاب نہیں دیتے جب تک کہ (ان لوگوں میں) پیغمبر نہیں بھیج دیتے"

(بنی اسرائیل:13-15)

اس مقام پر پہلی بات تو یہ فرمائی کہ شگون لیتے پھرتے ہو اور تقدیر کی باتیں کرتے ہو' جبکہ ہر شخص اپنا شگون اپنے گلے میں خود لٹکائے ہوئے ہے اور جو وہ کرتا ہے' وہ اعمال بھی اس کے گلے میں لٹکتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ سب لکھے لکھائے قیامت کے دن جمع ہو کر اس کے سامنے کر دیئے جائیں گے اور اس دن اللہ تعالیٰ کسی قاضی کو نہیں بٹھائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص سے فرمائیں گے کہ اپنا نامہء اعمال خود پڑھ لو اور اپنا فیصلہ خود سنا دو۔ نیز یہ فرمایا کہ ہم کسی کو سزا نہیں دیں گے جب تک حُجت پوری نہ کر دیں گے۔ اس کے لئے ہم پیغام بھی بھیجتے ہیں اور پیغمبر بھی۔ اس کے بعد بھی کوئی اس پیغام کو نہ سنے' نہ مانے' نہ سمجھے اور نہ عمل کرے تو وہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارتا ہے اور اس کے برعکس جو ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے' اس میں اس کا اپنا بھلا ہے اور جو خود گمراہی اختیار کرتا ہے' اس کی سزا کا ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہے۔ مگر آخرت کی اس سزا سے پہلے کبھی کبھار ہم عبرت کے لئے دنیا میں بھی گرفت کرتے ہیں۔

دُنیا میں عذاب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

.com

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ○

"اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بہت سی اُمتوں کو ہلاک کر ڈالا اور تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے والا' دیکھنے والا کافی ہے۔" (بنی اسرائیل:17)

ایسی آیات اور عذاب کی وعید سن کر اہلِ مکہ ہر بار یہی کہتے تھے کہ ہم پر عذاب کیوں نہیں اُترتا اس بارے میں ارشاد ہوا کہ ہم جلد ہی ان کو ان کی خواہش دکھادیں گے مگر اُن کا انجام آخرت میں جہنم ہوگا پھر دعوت غور و فکر اور اس کے نتیجہ میں اہلِ عقل جو نتیجے نکال سکتے ہیں اور جو حقیقت ہے وہ یوں ہے:

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○ ع

"اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود مت بناؤ ورنہ بے کس ہو کر ملامتیں سنو گے۔" (بنی اسرائیل:22)

قرآنِ مجید اور ہمہ پہلو ہدایت

قرآنِ مجید چونکہ دنیوی اور اخروی نعمتوں کو جمع کرنے اور زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کے لئے نازل ہوا اس لئے سورۃ بنی اسرائیل کی آئندہ آیات میں معاشرتی زندگی کے ہر پہلو پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ آیئے ترتیب وار اِن کا مطالعہ کرتے ہیں۔

پہلا حکم: توحیدِ باری

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ

"اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔" (بنی اسرائیل:23)

بنیادی طور پر اسلامی تعلیمات کی تقسیم کریں تو اس کے دو حصے بنیں گے۔

1- حقوقُ اللہ' 2- حقوقُ العباد

اس کی مزید تقسیم یوں ہوگی کہ حقوقُ اللہ میں دو چیزیں ہیں۔

1- عقیدہ 2- عبادت

1- عقیدہ

ایمان کے سارے بنیادی عقائد پر یقین کرنا ضروری ہے جن کو اجمالاً ایمانِ مجمل میں ذکر کیا گیا ہے کہ "میں اللہ پر ایمان لایا' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' آخرت کے دن پر اور تقدیر پر۔"

fat.com

2- عبادت

سارے مناسک کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص کرنا۔ اس میں مختلف ارکان و اعمال ہیں۔ مثلاً: نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج۔

اسی طرح حقوق العباد میں دو چیزیں ہیں۔

1- اخلاق 2- معاملات

3- اخلاق

عقیدہ اور عبادت میں صحت اور پختگی کے نتیجے میں ایک مسلمان کی عادات و اطوار درست ہو جاتی ہیں اور وہ ہر شخص کو راحت پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے اور کسی کے لئے ایذا کا سبب نہیں بنتا۔ اس کی شخصیت تمام رذائلِ خلقیہ سے پاک ہو جاتی ہے۔

4- معاملات:

معاملات میں امانت اور دیانت' دینداری کا اصل منشا اور اس کی پہچان ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدِّيْنُ الْمُعَامَلَةُ "دین دراصل معاملات کے درست ہو جانے کا نام ہے"

مذکورہ آیتِ کریمہ میں انتہائی اختصار کے ساتھ عقیدہ اور عبادت کو جمع کردیا گیا کہ تمہارے رب کا فیصلہ اور حکم ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔

دوسرا حکم: والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ
اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا
قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ
الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○ ط

"اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہو اور نہ اُنہیں جھڑکو اور اُن سے ادب کے ساتھ بات کرو' عجز و نیاز کے ساتھ

ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے رب! جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا تو بھی ان (کے حال) پر رحم کر۔" (بنی اسرائیل:23-24)

اس آیتِ کریمہ میں جس خوبی اور اختصار کے ساتھ والدین کے معاملے میں حقیقت اور تفصیل درج کی گئی' اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں بس یہ یاد رہے کہ قرآنِ مجید میں جابجا اور احادیثِ مبارکہ میں اَن گنت مقامات پر والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم ہے۔

ماں باپ کے بارے میں نبیِٔ کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے:

"جنت ماں کے قدموں تلے ہے"

اسی طرح باپ کے بارے میں نبیِٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"رب کی رضا والد کی رضا اور رب کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے"

اس مقام پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر والدین ایسا حکم دیں کہ جس پر عمل کے باعث شرک یا اللہ کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو ایسا حکم نہ ماننا چاہئے۔ البتہ دنیوی معاملات و معاشرت میں حسنِ سلوک بہرحال لازم ہے۔

تیسرا حُکم: اہلِ قرابت کے ساتھ صلہ رحمی

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

"اور رشتہ داروں' محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔" (بنی اسرائیل:26)

حقوقُ العباد کی ادائیگی کے ضمن میں یہ حکم دیا گیا کہ مندرجہ ذیل حضرات کے حقوق ادا کرو:

(ا) اہلِ قرابت: اس میں سبھی رشتہ دار اور پڑوسی آتے ہیں' ان کا حق ادا کرو۔

(ب) مساکین: وہ لوگ جو اپنی حوائج ضروریہ کی تکمیل کا سامان خود مہیا نہیں کرپاتے اور اپنی خودداری کے باعث سوال سے بھی باز رہتے ہیں۔

(ج) مسافر: دورانِ سفر جب آدمی غریب الدیار اور بے وطن ہو جاتا ہے تو بسا اوقات اس کو مالی مشکلات گھیر لیتی ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی آدمی صاحبِ ضرورت ہو تو اس کی ضرورت پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چوتھا حکم: فضول خرچی سے بچو

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُسْرِفُوْا

"اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ" (بنی اسرائیل:26)

اس آیتِ کریمہ میں بلاضرورت مال خرچ کرنے بلکہ ضائع کرنے سے روکا گیا اور اس کے بعد والی آیت میں اس کی وجہ بھی بتائی کہ بلاضرورت مال خرچ کرنا شیطانی عمل ہے اور ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ اہلِ ثروت اور صاحبِ حیثیت لوگوں کو بے جا تقریبات اور غیر شرعی رسوم و رواج پر اپنی دولت کو خرچ نہیں کرنا چاہئے' یہ اسراف و تبذیر ہے۔ آخرت میں ہم سے اس کی بابت بازپرس ہوگی۔

پانچواں حکم: میانہ روی

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ○

"اور نہ تم اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔" (بنی اسرائیل:29)

اس آیت میں محاورۃً بات کہی گئی ہے کہ نہ تو تم بالکل ہی بخیل بن جاؤ کہ کسی ضرورت مند کو بھی نہ دو اور نہ بلا وجہ خرچ اور اسراف کے باعث معاشی بدحالی کی راہ اپنے لئے کھولو۔ گویا کہ اس آیت میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے۔

کیونکہ رزق اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطیہ ہے' اس کو اس کے احکام کے مطابق ہی خرچ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں کے حالات اور ضرورتوں سے بخوبی آگاہ ہے' اس لئے وہ ایسے احکام دیتا ہے جو بندوں کی فطرت کے عین مطابق ہوں۔

چھٹا حکم: مُفلسی کے باعث اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ

"اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو" (بنی اسرائیل:31)

قدیم زمانے کے لوگ افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ اُمّتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو اس قبیح کام سے روکا گیا بلکہ خاص طور پر آپؐ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ

"ایسی عورتوں کے ساتھ شادی کرو جو محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہوں تاکہ میں کل صبح قیامت کے دن اپنی اُمّت کی کثرت پر فخر کر سکوں"

اس سائنسی اور میڈیا کے دور میں برتھ کنٹرول کے لئے کئے جانے والے اقدامات اور اس کی تشہیر کے بارے میں بحیثیت مسلم ہمیں غور کرنا چاہئے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم ادارے تیسری دنیا خصوصاً مسلم ممالک میں برتھ کنٹرول کے ذریعے اُمّتِ مسلمہ کی تعداد کو محدود کرنا چاہتے ہیں جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں اس کا تصوّر تک

.com

نہیں۔ جہاں تک افلاس اور وسائل کی کمی کا معاملہ ہے' باری تعالیٰ کا اس بارے میں ارشاد مبارک ہے۔

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ؕ

"ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔" (بنی اسرائیل: 31)

ساتواں حکم: زنا سے بچو

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ؕ

"زنا کے قریب مت جاؤ کہ یہ بے حیائی ہے۔" (بنی اسرائیل: 32)

اس آیتِ کریمہ میں یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ "زنا مت کرو" بلکہ فرمان یہ ہے کہ زنا تک پہنچانے والے تمام اعمال اور راستوں کے بھی قریب نہ جاؤ۔ کیونکہ اس راہ کی جانب قدم اٹھانا ہی برائی اور بے حیائی ہے۔ اس سلسلہ میں حد یعنی سزا کا ذکر سورۃ النور میں ہے۔

آٹھواں حکم: قتل و غارت سے بچو

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ؕ

"اور جس جاندار کو مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تم اس کو نہ مارو سوائے حق کے۔" (بنی اسرائیل: 33)

اس سے قبل سورۂ بقرہ میں قتل کی سزا کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں ایک بات کا اضافہ ہے کہ "حق کے ساتھ قتل کا جواز ہے" کیونکہ ہر جان اللہ کے ہاں محترم ہے۔ البتہ قصاص' رجم' ارتداد وغیرہ کے مواقع پر جہاں شریعت نے اجازت دی ہے' حکم علیحدہ ہو گا۔

نواں حکم: یتیم کے مال کی حفاظت

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

"یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ' علاوہ اس راستے کے جو بہتر ہے۔" (بنی اسرائیل: 34)

سورۂ نساء میں اس کی تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں۔

دسواں حکم: ایفاءِ عہد

أَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا

"وعدے کو پورا کرو کیونکہ وعدے کے بارے میں ضرور باز پرس ہو گی۔" (بنی اسرائیل: 34)

ایفائے عہد کا مسئلہ انفرادی اخلاقیات کا نہیں بلکہ قومی' ملکی اور اجتماعی معاملات بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔ اس مسئلے پر ہم پاکستانیوں کو خصوصاً غور کرنا چاہئے کہ من حیث القوم ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس برصغیر کی تقسیم

Marfat.

کے وقت کیا عہد کیا تھا؟ اور اگر ہم نے ایفائے عہد نہیں کیا اور یقیناً ہم ایسا نہیں کر سکے تو ہم اللہ کے حضور کس طرح جواب دہی کے لئے کھڑے ہو سکیں گے؟

گیارھواں حکم: ناپ تول پورا کرنا

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط

"اور جب کوئی چیز ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھو۔"

(بنی اسرائیل:35)

سورۃ الاعراف میں قوم شعیب کی تباہی کے اسباب کے ذیل میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ قوم ناپ تول میں کمی کے گناہ کی پاداش میں ہلاک کی گئی تھی۔ کیونکہ یہ معاملہ فرد کا نہیں بلکہ پورے معاشرے اور حکومت کا بھی ہے کہ وہ تجارت میں گاہک اور دکاندار کے درمیان لین دین اور ماپ تول کے نظام کو عدل و توازن کی بنا پر درست رکھے اور یہ اجتماعی خوشحالی کے لئے بنیاد ہے۔

بارھواں حکم: اعضاءِ رئیسہ (کان، ناک اور دل) کی حفاظت

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○

"کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہو گی۔"

(بنی اسرائیل:36)

اس آیت میں جو ہدایت ہے، اس کے ذریعے معاملات زندگی میں ان تمام خرابیوں کا انسداد کیا گیا جو یقینی علم کی بجائے ظن و تخمین کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ گویا عمومی زندگی میں افواہیں پھیلانے، تہمت و الزام تراشی کرنے اور غیبت و بدگمانی سے بچنے کا حکم ہے۔ نیز اعتقادی معاملات میں اوہام پرستی کی بھی بیخ کنی اسی سے ہوتی ہے۔

تیرھواں حکم: اترا کر نہ چلو

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ج اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○

"زمین پر اکڑ کر نہ چلو کیونکہ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔" (بنی اسرائیل: 37)

متکبرانہ چال ڈھال اور اکڑ کر چلنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ حکم زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے کہ چال ڈھال، لباس و پوشاک، سواری اور مکان الغرض ہر شے میں انکساری اور عجزی ہونی چاہئے۔

.com

ان احکام کے ذکر کے بعد ایک عمومی قاعدے کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہی گناہ کے کام نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی ہر وہ چیز جس میں برائی اور کراہت کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہو' وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے اور یہ ساری باتیں جو انسانیت کی معراج تک پہنچانے والی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ

"یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تیرے اوپر وحی کی ہیں۔" (بنی اسرائیل: 39)

کائنات کی تسبیح و تحمید

عام انسانی زندگی میں عظمت و بلندی تک لے جانے والے اعمال کے ذکر کے بعد شرک کی قباحت تفصیلاً بیان کی گئی اور قرآنِ کریم نے اس بات کو مختلف انداز اور پیرایوں میں ذکر کیا اور پھر ایک لطیف سی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی حمد و ثنا تو کائنات کی ہر چیز کرتی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ

"اور مخلوقات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔" (بنی اسرائیل: 44)

کائنات کی ہر چیز' ساتوں ارض و سما اور جو کچھ اس کے درمیان ہے' اللہ کی تسبیح حمد کے ساتھ بیان کر رہی ہے۔ لیکن ہم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں انسان اور حیوان تو جاندار ہیں۔ انسان ذی عقل ہیں۔ حیوانات تو ذی عقل بھی نہیں۔ وہ کیسے تسبیح و حمد کرتے ہیں اور پھر دنیا میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو بے جان ہیں مثلاً پتھر' جمادات' پانی' مٹی' ہوا' پہاڑ' سمندر یہ سب کیسے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صرف انسان وہ مخلوق ہے جس کو اللہ نے سوچ' ارادہ اور عمل کی آزادی دی ہے' چاہے اللہ سے محبت و اطاعت کرے اور چاہے نافرمانی۔ لیکن دنیا کی باقی چیزیں اس طرح آزاد نہیں ہیں۔ وہ نظامِ فطرت کی پابند ہیں۔ سورج کی مجال نہیں کہ وہ وقت سے ایک سیکنڈ پہلے طلوع یا غروب ہو۔ ستاروں کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مدار سے اِدھر اُدھر ہو جائیں بلکہ وہ ہر وقت اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں اور اطاعت کا نام ہی عبادت ہے۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید ایسی بات کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح ہم تسبیح و حمد پڑھتے ہیں۔ (سبحانَ اللہ وبحمدہٖ) اسی طرح یہ بے جان چیزیں بھی سبحانَ اللہ وبحمدہٖ پڑھ رہی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ بے جان چیزیں بھی جاندار ہی ہوں اور قرآنِ مجید ایسی ہی بات کہہ رہا ہے کہ تسبیح و حمد کے معاملہ میں یہ بے جان بھی جاندار ہیں۔

سائنسی تحقیق کی مُشکلات

اس دور کی سائنس پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس سائنس نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ پہلے سائنس دان یہ ثابت کرتے رہے کہ یہ جسم صرف مادہ (matter) ہی نہیں بلکہ اس میں روح بھی ہے۔ اہلِ منطق اور فلسفہ نے روح کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے دلائل دیئے۔ لیکن 20 ویں صدی میں یہ مشکل درپیش ہے کہ روح کا وجود تو ثابت ہو گیا مگر مادّے کا وجود ثابت نہیں ہو رہا اور ہم ایک نئی مشکل میں پھنس گئے۔ اگر ہم کسی بھی مادّی چیز کا تجزیہ (Analysis) کریں تو ایٹم بچے گا اور ایٹم کی تحلیل سے الیکٹران اور پروٹان۔ مادّہ تو ختم ہو گیا اور برق پارے درمیان میں آگئے۔ انرجی' روح' (Soul) قُوّت' طاقت (Spirit) آگئی۔ ہر چیز کی اصل بنیاد ایٹم اور ایٹم کی بنیاد الیکٹران اور پروٹان ہے۔ گویا اصل وجود انرجی کا ہے۔ مادّہ (Matter) کا وجود تو ایک مظہر ہے۔ اس لحاظ سے دنیا کی کوئی چیز بھی بے جان نہیں۔ اگر انسان کے وجود کو تحلیل کریں تو بھی الیکٹران اور پروٹان ہی رہ جائے گا۔ سونے کی تحلیل کریں تو وہ بھی الیکٹران اور پروٹان ہے۔ حاصل یہ کہ نسبت کا فرق ہے۔ ایک الیکٹران ہو اور 8 پروٹان ہوں تو ایک خاص چیز کا ایٹم بن جاتا ہے۔ ایک الیکٹران اور 7 پروٹان ہوں تو کوئی اور چیز بن جاتی ہے۔ صرف نسبت بدلنے سے چیز بدل جائے گی۔ گویا اصل چیز تو الیکٹران اور پروٹان ہیں اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہی انرجی' برق پارے یا طاقت کو ہم Soul بھی کہہ سکتے ہیں اور روح بھی۔ گویا اصل وجود تو روح ہی کا رہ گیا اور مادہ کا وجود ختم۔ اس لحاظ سے کوئی چیز بھی بے جان نہیں ہے۔ کوئی زیادہ جاندار ہے اور کوئی کم جاندار۔ کسی کی انرجی زیادہ اور کسی کی انرجی کم۔ صرف یہی فرق ہے۔ اور یہی قرآن کہہ رہا ہے کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے خواہ وہ جاندار یا بے جان مگر وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے' اس کی حمد کے ساتھ۔ بات یہ ہے کہ ہم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

حیات بعدَ الموت

اس کے بعد مشرکین کے آئندہ سوال کا جواب آسان اور واضح ہو گیا۔ کیونکہ مشرکینِ مکّہ کو مابعد الموت زندگی پر بڑا تعجب ہوتا تھا۔ وہ کہا کرتے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہمارے ذرات خاک میں بکھر جائیں گے تو پھر ہم کو کس طرح دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ○
قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ○
اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

"اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم صرف ہڈیاں اور خاک ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ آپؐ (جواب میں) فرما دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہو جاؤ جو تمہارے ذہن کے مطابق (قبولِ حیات سے) بعید تر ہو (پھر بھی تم اُٹھ کر رہو گے) وہ پوچھیں گے کہ کون ہے جو ہمیں پھر زندگی کی طرف پلٹائے گا؟ تو آپؐ فرما دیجئے کہ وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا۔" (بنی اسرائیل: 50-51)

قرآن کا ایک اور سائنسی اعجاز

اس مقام پر قرآنِ کریم کا ایک اور اعجاز مشاہدہ کریں کُفارِ مکّہ کا خیال تھا کہ انسان جب زمین میں دفن ہو جاتا ہے تو اس کا گوشت ذرات میں گل جاتا ہے اور پھر ہڈیاں آہستہ آہستہ بوسیدہ ہو کر ذرات میں بکھر جاتی ہیں اور انہوں نے اسی بنیاد پر سوال کیا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم پتھر یا لوہا بن جاؤ تو بھی تم کو ضرور نئی زندگی دی جائے گی۔ اس وقت کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ کیا بات کہی جا رہی ہے؟ مگر دورِ حاضر کے سائنس دانوں نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ انسانی ہڈیوں کو اگر مخصوص درجہ حرارت میں مُدت دراز تک رکھا جائے تو ان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پتھر اور لوہا بن جاتی ہیں اور یہ بات قرآنِ کریم سینکڑوں برس قبل بیان کر رہا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہم لوگ قرآنی اشارات پر غور و تدبّر نہیں کرتے' ورنہ سائنسی ایجادات کے لئے بے شمار اشارات اس کتابِ مُبین میں موجود ہیں۔

دعوتِ توحید

اس کے بعد پھر دعوتِ توحید کا ایک انوکھا اور نیا انداز ہے۔ ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○

"آپؐ فرما دیجئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا اپنا کار ساز سمجھتے ہو' ذرا ان کو پکار کر تو دیکھو۔ وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں' وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب (بنتا) ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے رب کا عذاب ہے ہی

ڈرنے کے لائق۔" (بنی اسرائیل:56-57)

قرآنِ مجید میں جس قدر اہتمام کے ساتھ توحید کو بیان کیا گیا ہے اور شرک کے زور کو توڑا گیا ہے' کسی اور موضوع پر اتنی گفتگو نہیں ہوئی۔

اب ایک چیلنج کے طور پر قرآن کہتا ہے کہ جن لوگوں کو تم پکارتے ہو' انہیں پکارو۔ ان سے کچھ مانگ دیکھو' مگر یاد رکھو وہ تو اپنی تکلیف ہٹانے پر قادر نہیں' چہ جائیکہ تمہاری فریاد رسی کریں بلکہ وہ تو خود ہمارے عذاب سے ڈرتے ہیں اور ہمارے قُرب کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں۔

یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید مشرکوں کو جس شرک سے روک رہا ہے' وہ صرف پتھر کے بت نہیں بلکہ وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں جو اللہ کی حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں۔

گویا یہاں پر جاندار لوگوں کا ذکر ہے یا فرشتوں کا یا ان اولیاء اللہ کا جن سے ہم مرادیں مانگتے ہیں حالانکہ وہ ہمیں کچھ نہیں دے سکتے۔ ان بیچاروں کو تو اپنی پڑی ہوئی ہے۔

ابلیس کا چیلنج

ان حقائق کے ذکر کے بعد پھر تدبر کی دعوت کے لئے اقوامِ سابقہ کا اجمالاً اور قومِ ثمود کا وضاحتاً ذکر ہے۔ پھر عظمتِ آدم اور ابلیس کے حسد کا ذکر ہے اور ابلیس کے اس اعلان کا تذکرہ ہے۔

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ○

"میں تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ اس کی اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔" (بنی اسرائیل:62)

باری تعالٰی نے اس کے اس چیلنج کے جواب میں فرمایا:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ

"جو میرے بندے ہیں' ان پر تیرا کوئی زور نہ چلے گا۔" (بنی اسرائیل:65)

ابلیسی چیلنج کا مقابلہ کیسے ہو؟

گویا شیطانی حملے سے بچاؤ کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے خالق کے بندے بن جائیں اور یہ بات کوئی ایسی مشکل بھی نہیں۔ بڑا آسان سا معاملہ ہے۔ ہم اپنی زندگی کو اپنی خواہش کی بجائے اللہ کے حکم کے مطابق گزارنے لگیں تو ہم اس کے بندے بن جائیں گے اور اس میں مزید لطف کی بات یہ ہے کہ پھر ہم جواب طلبی سے بھی ایک حد تک محفوظ ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے تو کوئی عمل اپنی مرضی سے کیا ہی نہیں ہو گا' جو رب کا حکم تھا' ہم نے وہی کیا اور یہی بندگی ہے اور اسی بندگی کے جواب میں انعام ہوا۔

Marf

بنی آدم کی تکریم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

"اور ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی۔ اُن کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور ہم نے ان کو پاکیزہ روزی بھی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت دی۔" (بنی اسرائیل:70)

انسان نے اپنے مقام کو بہت حد تک گرا دیا تھا۔ یہاں پھر اس کے بلند اور صحیح مقام کا ذکر ہوا کیونکہ انسان نے اپنے آپ کو ذات پات کی بندشوں کی بنیاد پر کئی ذاتوں میں تقسیم کر لیا اور یہ عقیدہ گھڑا کہ کچھ لوگ بھگوان کے سر سے پیدا ہوئے ہیں۔ کچھ بھگوان کے پاؤں سے۔ جو سر سے پیدا ہوئے ہیں' وہ ہمیشہ کے لئے پاک اور پوتر ہیں۔ وہ چوری کریں' جھوٹ بولیں' شراب پئیں' زنا کریں' وہ پاک کے پاک ہیں۔ اور بیچارے شودر جو پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں' وہ ہمیشہ کے لئے ناپاک ہیں۔ وہ کسی کی بھلائی کریں' لوگوں کی خدمت کریں' ہر بڑے سے بڑا نیکی کا کام کریں' مگر پھر بھی وہ ہمیشہ ناپاک ہیں کیونکہ وہ پیدا ہی ناپاک ہوئے ہیں۔ (لاحولَ ولاقوۃَ اِلاّ باللہ) دوسری جانب یہ عقیدہ گھڑا گیا کہ حضرت آدمؑ سے لغزش ہوئی اور یہ لغزش ایسا گناہ ہے جو نسل در نسل' پشت در پشت منتقل ہوتے ہوتے ہم تک پہنچ گیا ہے۔ وہ گناہ اتنا بڑا تھا کہ کروڑوں انسانوں میں تقسیم ہو کر بھی وہ تحلیل نہیں ہوا وہ اتنا بڑا گناہ تھا کہ ہمارے بابا آدم علیہ السلام سالہا سال تک روئے' معافیاں مانگیں مگر معاف ہی نہیں ہوا۔ اس سے یہ نظریہ بنا لیا کہ انسان پیدائشی گناہ گار ہے (Born Sinner) ہے۔ اور تقسیم یوں کی کہ مرد انسان تو پیدائشی گناہ گار ہے! رہ گئی عورت تو وہ شیطان کا روپ ہے (لاحولَ ولاقوۃَ اِلاّ باللہ)

چنانچہ حضورؐ کی بعثت سے پہلے ہر وہ شخص جو روحانی پیشوا ہوتا' وہ کبھی شادی نہ کرتا تھا۔ عورت اس کو نظر آتی تو آنکھیں پھوڑ لیتا کہ اس نظر سے میری ساری روحانیت برباد ہو گئی۔ عورت کے قریب ہونا تو کُجا اس کے سائے کے پاس سے بھی نہیں گزرتا تھا۔ اس لئے کہ عورت کو شیطان کا روپ سمجھتا تھا۔ لیکن اس نے یہ ہرگز نہ سوچا کہ اے ناسمجھ! اسی عورت سے تو تو پیدا ہوا ہے۔ یہ تیری ماں کا روپ ہے' تیری بیٹی ہے' تیری بہن ہے اور تیری بیوی بھی ہو سکتی ہے۔ اتنے مقدس رشتے ہیں اور پھر نا سمجھ عورت کو منحوس کہتا ہے۔

جاہلوں نے انسان کا رتبہ ایک معمہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بھیجا تو انسان کی اس تکریم کا ذکر فرمایا کیونکہ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی انسان کو یہ عزت نہ مل سکی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ) کہ ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔

یہاں رُک کر پھر غور فرمایئے کہ یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے ولی کو عزت بخشی' یا ہم نے نبی کو یا رسول کو عزت بخشی

یا ہم نے مومن کو اور مسلمان کو عزت بخشی بلکہ سب ہی انسانوں کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے بنی نوع انسان کو عزت بخشی۔ یہ عزت کا پرتو ہی ہے کہ ہم انسان کو خشکی‘ تری اور ہواؤں میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ ہم نے اس کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا۔ اختیارات دیئے‘ امانت عطا کی یعنی انسان ہمارا امانت دار ہے۔ ہم نے ایسی امانت اس کے حوالے کی جو آسمانوں‘ پہاڑوں اور زمین کو پیش کی تو سارے ہی ڈر کے بھاگ گئے‘ کسی نے بھی اس امانت کا بوجھ نہ اٹھایا۔ جبکہ انسان نے اس امانت کو اٹھالیا اور انسان امانت دار بن گیا یعنی اللہ تعالیٰ کا ٹرسٹی (Trustee) ہے۔ ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ

”آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے‘ اُسے ہم نے تمہارا تابع کردیا۔“ (الجاثیہ:13)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت عطا کی ہے‘ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ مجید کے ذریعے ملی۔ کسی اور مذہب‘ کسی اور معاشرے میں انسان کو یہ عزت عطا نہیں کی گئی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زندگی کے سارے معاملات ہی میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے اور اس کی روشنی میں چلنے کا حکم دیا ہے۔

بدقسمت انسان کون؟

اگر کوئی محروم انسان اپنی بدبختی کے باعث اس کے قریب نہ آنا چاہے تو اس کے لئے ان الفاظ میں وعید مذکور ہے:

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○

”اور جو اس دنیا میں اندھا بن کے رہا‘ وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ راستہ پانے میں اندھے سے بھی زیادہ ناکام۔“ (بنی اسرائیل:72)

یہ آیتِ کریمہ ہمیں لرزا دینے کے لئے کافی ہے کہ ہم اس دنیا میں پیغامِ ربانی سے جان بوجھ کر اندھے بنے ہوئے ہیں اور اس پر ہمیں کسی طرح کی ندامت بھی نہیں اور نہ ہی راستے کی تلاش و جستجو کی کوئی آرزو ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں آنکھوں سے محروم کرکے اٹھائیں گے۔ سورۂ طٰہٰ میں اس پر یوں اضافہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سوال بھی کریں گے کہ یا باری تعالیٰ! ہمیں اندھا کرکے کیوں اٹھایا ہے؟ تو جواب ملے گا کہ دنیا میں تم نے ہمارے پیغام کو بھلایا‘ آج یہ اس کا انجام ہے۔

اوقاتِ صلوٰۃ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس فرض کی بجا آوری اور یاد دہانی کے لئے کس قدر مواقع فراہم کئے ہیں۔ اسی پیغام کی

.com

جستجو کے لئے نماز فرض کی گئی۔ جس کی بابت یوں ارشاد ہے:

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ○

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ○

"آفتاب ڈھلنے کے بعد سے لے کر رات کے اندھیرے تک نمازیں ادا کیا کرو اور فجر کے قرآن کا التزام کرو کیونکہ فجر کے وقت قرآن کا پڑھنا ملائکہ کی حاضری کا سبب ہے اور رات کو تہجد پڑھو۔ یہ تمہارے لئے نفل ہے یقیناً تمہارا رب تمہیں مقامِ محمود پر فائز کرے گا۔" (بنی اسرائیل:78-79)

یہ حکم اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھنے کے لئے ہے جو نازک حالات میں ایک مومن کے لئے اہم ترین ضرورت اور بہترین ہتھیار ہے۔

اس مقام پر "سورج ڈھلنے" پر نماز کا حکم ہے۔ جس سے مراد ظہر ہے اور "اندھیرے تک" سے مغرب و عشاء کی جانب اشارہ ہے اور قرآنِ فجر سے صراحتاً فجر کی نماز کا حکم ثابت ہے۔

اس مقام پر اسی قدر ذکر ہے جبکہ سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اوقاتِ صلوٰۃ کے سلسلے میں ایک طویل روایت منقول ہے۔ جس میں جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اوقاتِ صلوٰۃ کا تعین کر کے بتایا کہ یہ اوقات آپ اور آپ کی اُمت کے لئے متعین کئے گئے ہیں۔

صلوٰۃِ تہجد آپ کی خاص عبادت بیان فرمائی اور اس کے بعد ذکر ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا۔ اسی لئے ہم مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ جب اذان ہو چکے تو دعا مانگو جس میں مقامِ محمود کا ذکر ہے اور جو مسلمان ہر اذان کے بعد یہ دعا مانگتا ہے' اس کے لئے آپ نے حشر کے میدان میں شفاعت کی بشارت دی ہے۔ گر یہاں اہم مسئلہ اذان کے بعد دعا مانگنے کا ہے۔ جس سے آج ہم غافل ہیں۔

وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ ○

"اے اللہ! اس کامل دعا اور اس کھڑی ہونے والی نماز کے رب! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (مقام) وسیلہ' فضیلت اور بلند درجہ عطا کیجئے اور ان کو مقامِ محمود میں پہنچا دیجئے جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیے۔ بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔" (مسلم)

Marfat.

ایک دُعا اور اس کا پس منظر

اس کے بعد ایک دُعا کی تلقین کی گئی ہے۔ اس دُعا کے ذکر سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ سورۃ اس دور میں نازل ہوئی جب مسلمان ہجرتِ حبشہ کے لئے عزم کر چکے تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ○

"اور یوں کہو کہ اے میرے رب! مجھ کو جہاں بھی لے جا' سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال' سچائی کے ساتھ نکال اور مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کیجئے جس کے ساتھ نصرت ہو۔"

(بنی اسرائیل:80)

یہ ایک سوال ہے کہ "اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کیجئے جس کے ساتھ نصرت ہو۔" ایک حدیث کا مضمون اس کی مزید وضاحت کے لئے کافی ہے جس کو ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ طاقت اور حکومت سے ایسی چیزوں کا سدِباب کر دیتا ہے جس کا سدِباب قرآن نہیں کرتا"

کیونکہ قرآنِ مجید تعلیم ہے اور اس کا نفاذ طاقت و قُوت کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے حبشہ کی حکومت کے ذریعے مسلمانوں کی معاونت فرمائی اور اس کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کی تشکیل کے اسباب پیدا کئے۔

اور اس حکومت کی تشکیل کے بعد کے لئے یہ بشارت دی گئی:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○

"اور اعلان کر دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا' بلاشبہ باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔" (بنی اسرائیل:81)

قرآن-رحمت و شفا

یہ آیت گویا اسلامی حکومت کی تشکیل کی نوید ہے۔ جو تھوڑے ہی عرصے بعد ظہور پزیر ہو گئی اس کے بعد قرآن کی حقیقت یوں بیان ہوئی:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ

"اور ہم قرآن کے ذریعے سے وہ چیز اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔"

(بنی اسرائیل:82)

آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو قرآنِ کریم کو اپنے لئے رہنما مانتے ہیں تو ان کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی اور اسی میں ان کی تمام ذہنی' اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا علاج ہے۔

مشرکینِ مکہ کے سوالات اور جواب

اس کے بعد ایک سوال کا جواب ہے۔ پہلے اس کا مختصر پس منظر جاننا ضروری ہے۔ کُتبِ حدیث میں ہے کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اور مسلسل تعلیم کے باعث مُشرکینِ مکّہ تنگ آگئے تو انہوں نے عرب میں بسنے والے اہلِ کتاب سے مدد چاہی۔ یہود نے آپ کی نبوّت کو پرکھنے کے لئے سوالات ترتیب دے کر مُشرکینِ مکّہ کو کہا کہ ان سے یہ سوال کریں۔ اگر وہ سچے نبی ہوئے تو اُن کا جواب قدیم آسمانی کتب کے مطابق دیں گے وگرنہ خود سے کچھ گھڑنے کی سعی کریں گے اور یوں حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ ان کے سوالات کی تفصیل تفسیر و حدیث کی مُستند کتب میں یوں درج ہے کہ انہوں نے پوچھا :

1-رُوح کی حقیقت کیا ہے؟

2-اصحابِ کہف سے متعلق تفصیلات کیا ہیں؟

3-ذُوالقرنین کے بارے میں حقیقت کیا ہے؟

روح کی حقیقت:

ان تینوں سوالات کے جوابات اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتائے پہلا سوال روح سے متعلق تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝

"اور وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیں کہ وہ میرے رب کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔" (بنی اسرائیل:85)

اس میں وضاحت کردی گئی کہ روح کی حقیقت کو جاننا تمہارے بس کی بات نہیں کیونکہ انسان کے پاس اس قدر علم نہیں کہ وہ اس قدر باریک اور لطیف مسائل کی حقیقت جان سکے۔

اعجازِ قرآنی

اس کے بعد مشرکینِ مکّہ کے ایک شُبہ کو زائل کیا گیا۔ ان کا یہ اصرار تھا کہ یہ قرآن آپ خود بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس بارے میں پہلے بھی چیلنج کیا گیا اور اس مقام پر اس بات کو ایک نئے انداز میں دہرایا گیا کہ ساری مخلوق کو

جمع کر کے بھی اس طرح کی ایک آیت نہ بنا سکو گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ○

"اے نبیؐ ان کو بتا دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے۔ چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔"

(بنی اسرائیل:88)

سارے انسان اور سارے جن مل کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے بھی قرآن جیسا کلام لانا چاہیں تو قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ نہیں لا سکیں گے اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا ہے مگر اکثر لوگ انکار ہی پر جمے رہے یہاں تک کہ انہوں نے کہا: ہم تیری بات اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک تو ہمارے لئے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ نہ جاری کر دے۔ اسؐ کے جواب میں فرمایا کہ ہم نے ہر طرح کی مثال کے ذریعے نصیحتیں کیں۔ لیکن جن لوگوں کو قبول نہیں کرنا' وہ قبول نہیں کرتے اور جن لوگوں کو قبول کرنا ہوتا ہے' وہ تھوڑی سی نصیحت کو بھی کافی سمجھتے ہیں۔ باقی رہا معاملہ آپؐ کی ذات کا تو آپؐ ان کو بتا دیں:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○

"میرا رب پاک ہے اور میں تو اس کا پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔" (بنی اسرائیل:93)

اور یہی بات ان کفارِ مکہ اور اس سے قبل ہر دور میں کافروں کے لئے تعجب اور انکار کا باعث بنی کیونکہ وہ یہ تصور رکھتے تھے کہ انسان نبی نہیں بن سکتا۔ اس بات کو اس سے قبل سورۂ انعام میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔

انسانی نفسیات اور نزولِ قرآن میں تدریج

پھر انسانی نفسیات پر بحث ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل اور محدود سوچ اور فکر رکھتا ہے۔ اس کی ایک جھلک قصۂ موسیٰ و فرعون بیان کر کے دکھائی اور اس کے بعد قرآن کے تدریجاً اُتارنے کا ذکر کیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۚ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ○ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ○ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۚ

"اور ہم نے اس قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ سچائی کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے اور ہم نے

.com

آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے اس قرآن کو جزو بنا کر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اُتارا۔ کہ دیجئے! کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔" (بنی اسرائیل:105-107)

یہ آیت گویا حقائق و معارف کا ایک خزانہ سمیٹے ہوئے ہے۔ اب جس کا جی چاہے' اس خزانے میں سے اپنا حصّہ لے اور جو کوئی اپنی ازلی بدقسمتی کے باعث محروم رہنا چاہتا ہے' ہم اس پر جبر اور زبردستی نہیں کریں گے۔

لفظِ رحمٰن-ایک توضیح

قرآنِ مجید میں ایک لفظ رحمٰن کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اسمِ الٰہی پہلی آسمانی کتب میں مذکور نہ تھا۔ اس پر اہلِ مکہ بلکہ اہلِ کتاب کو تعجب ہوا تو فرمایا کہ لفظی تغیّر و تبدّل میں اُلجھنے کی بجائے حقیقت پر نظر رکھو کیونکہ مقصد اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝ۧ

"کہہ دیجئے! تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن۔ جس نام سے بھی پکارو گے' اس کے سب نام اچھے ہیں اور نماز بلند آواز سے نہ پڑھو اور نہ آہستہ آواز سے بلکہ اس کے درمیان کا راستہ اختیار کرو اور کہہ دیجئے! سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے نہ کسی کو (اپنا) بیٹا بنایا اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ ہی وہ اس وجہ سے عاجز و کمزور ہے کہ اس کا مددگار کوئی نہیں۔ اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی بیان کرو۔" (بنی اسرائیل:110-111)

آیتِ مذکورہ میں دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے جو آپس میں اختلاف و نفرت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے بلکہ اختلاف کے لئے نئے نئے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور پھر اُمّتِ مسلمہ میں افتراق و انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ یہاں پر نماز میں قراءت کرنے کے بارے میں حکم دیا کہ نہ زیادہ بلند آواز سے ہو اور نہ بالکل آہستہ بلکہ درمیانہ انداز ہو۔ ضمناً اس مقام پر ذکر کا درمیانی اور احسن طریقہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا کہ نہ ذکر کے نام پر شور و غوغا کرو اور نہ ہی ایسی چُپ سادھ لو کہ ذکرِ الٰہی کا پتہ ہی نہ چل سکے۔ اس کے بعد حمد و تکبیر کا حکم ہے۔

Marfat.

Marf

سورہ الکھف (۱۸)

نام

اس سورۃ میں اصحابِ کہف کی تفصیلات درج ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "الکہف" رکھا گیا۔

زمانۂ نزول

سورۂ انعام کے ابتدائیہ میں مکی زندگی کے مختلف ادوار کا ذکر کیا گیا۔ اجمالاً یہ کہ پہلا دور اسلام کی خفیہ دعوت کا تھا۔

دوسرے دور میں دعوتِ حق اعلانیہ پیش کی گئی جس پر کُفار نے استہزاء و تمسخر اور الزامات کے ساتھ ساتھ خوف اور لالچ کے ہتھکنڈوں کو بھی استعمال کیا۔

تیسرے دور میں معاشی و معاشرتی مقاطعے اور ظلم و ستم کی المناک داستانیں دہرائی گئیں جس کا اجمالی ذکر ہم سورۂ مریم کے آغاز میں کریں گے۔ اسی دور میں مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دی گئی۔ لیکن دو اہم شخصیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کے ذاتی اثر و رسوخ کے باعث اہلِ مکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے یا قتل کرنے کا منصوبہ نہ بنا سکے مگر ان دونوں کے انتقال کے بعد آپ کے لئے مکہ کی سرزمین میں جینا دوبھر ہو گیا۔ یہ مکی زندگی کا چوتھا دور ہے جس کا انجام ہجرتِ مدینہ کی صورت میں پیش آیا۔

سورۂ کہف کا تعلق مکی زندگی کے تیسرے دور کے ساتھ ہے جب اہلِ مکہ کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا اور مسلمانوں کے مُعاشرتی مقاطعے کی بابت سوچ و بچار کی جارہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اصحابِ کہف کے واقعہ سے ہمت دلائی کیونکہ اس سورۃ میں پہلے دور کے اہلِ ایمان پر کئے جانے والے مظالم کا ذکر ہے۔

شانِ نزول

کُتب حدیث میں ہے کہ اہلِ مکہ نے اہلِ کتاب سے مشورہ کیا اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تین سوالات بطور امتحان چنے گئے جن کا تعلق سرزمین حجاز سے نہ تھا۔ بعض روایات میں ان کی تفصیل مذکور ہے۔

ان میں سے پہلا سوال یہ تھا کہ اصحابِ کہف کون تھے؟

دوسرا سوال خضر سے متعلق تھا۔

تیسرا سوال ذُوالقرنین کے بارے میں تھا۔

ان تینوں واقعات کی تفصیلات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی گئیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ آپ کا ذریعۂ علم حقیقتاً وحی ہے یا نہیں۔

fat.com

مضامین

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں سوالات کا مفصل جواب بھی آپ کو بتایا اور صورتِ حال کی مطابقت بھی واضح کر دی۔ یہ قرآنِ مجید کا خاص انداز ہے کہ اندازِ تخاطب میں خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبے سے مخاطب کو حق اپنانے کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔

1- اصحابِ کہف کے بارے میں فرمایا:

(الف) وہ عقیدۂ توحید کے قائل تھے۔ اہلِ خاندان نے ان کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا جیسا کہ تم اہلِ مکّہ نے عقیدۂ توحید کے ماننے والوں کے ساتھ رَوا رکھا ہوا ہے۔ اگر اس دور کے رؤساء و اُمراء ظلم و آمریت کی آخری حدوں کو چھونے کے بعد راہیٔ دارِ فنا ہوئے تو تمہارا انجام اِن سے مختلف نہ ہو گا۔ بلکہ تم سے بھی موت کے بعد کی زندگی میں اس ظلم و ستم کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

(ب) مسلمانوں کو اس واقعے کے ذیل میں ایمان دار مجاہدوں کی عظمت کردار سے باخبر کیا گیا کہ اصحابِ کہف گنتی کے چند نوجوان تھے مگر انہوں نے نفس کے پجاریوں کے سامنے سر جھکانے کی بجائے اللہ کے بھروسے پر ہجرت کی راہ اختیار کی۔

(ج) اسی طرح اصحابِ کہف کے واقعے سے موت کے بعد کی زندگی پر استدلال کیا گیا کہ جس طرح مدّت دراز کے بعد ان غار کے مکینوں کو موت کی نیند سے جگایا گیا' اسی طرح وہ قادرِ مطلق تم کو بھی موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

(2) دولت کے نشے میں بدمست ایک منکر اور مسکین مومن کے واقعے کا ذکر کر کے دولت کی ناپائیداری کو واضح کیا اور ہر دور میں دولت کے نشے میں چور منکرین کو حقیقت سے باخبر کیا۔

(3) موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعے کے ذکر میں مومنین کے لئے تسلّی اور اللہ کی مشیّت و قدرت کی جانب اشارہ ہے کیونکہ انسان دنیا میں رونما ہونے والے اکثر واقعات کے انجام سے بے خبری کے باعث حیران ہوتا ہے۔ حالانکہ ان سب کے پس پردہ مصلحت و مشیتِ ایزدی کار فرما ہوتی ہے۔

(4) ذُوالقرنین کے واقعے میں اس کی عظمت و جلالت اور وسیع تر ذرائع و اسباب کے مالک ہونے اور ان سب کے باوجود خالقِ حقیقی کے سامنے سربسجود رہنے کا ذکر ہے۔ اس کی جلالتِ شان کے تذکرے میں کُفّار کے سوال کا جواب اور اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ ذُوالقرنین نے دنیا کی بڑی اور مضبوط دیوار بنا کر بھی توکّل اور بھروسہ اللہ ہی پر کیا نہ کہ اپنی تعمیر کردہ دیوار پر اور کہا کہ یہ مضبوط ترین دیوار بھی ایک وقت شگافوں میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس ذیل میں اہلِ مکّہ کو توجہ دلائی کہ تم معمولی سی تجارت اور معمولی حویلی و جاگیر کی ملکیت پر اِتراتے پھرتے ہو اور اپنے تئیں خدا بنے بیٹھے ہو۔

.com

اہلِ کتاب کے تجویز کردہ ان سوالات کے جواب کے بعد دینِ اسلام کے بنیادی مسائل توحید اور آخرت پر ایمان کے فوائد کا ذکر کیا اور رسالت کے ذیل میں یہ بات واضح کردی کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم ہی میں سے ہیں مگر آپ کی عظمت اس میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام کے امین ہیں۔ اگر تم لوگ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اپنی اصلاح کرلو گے تو تمہاری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی بصورت دیگر دنیا و آخرت میں ہر جگہ ذلت تمہارا مقدر ہوگی۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ

"ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی اور پیچیدگی نہ رکھی' بالکل سیدھی تاکہ لوگوں کو آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں' خوشخبری سنائے کہ ان کے لئے نیک جزا ہے۔" (کہف: 1-2)

قرآن کتابِ فلاح ہے

یہاں ایک بات واضح ہو جائے کہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید تاریخ کی کتاب نہیں ہے' قرآنِ مجید کا موضوع انسان اور اس کی فلاح ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس لئے اس میں جتنے بھی تاریخی واقعات مذکور ہیں' وہ مؤرخانہ انداز میں بیان نہیں ہوئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور دلاسہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝

"(اے محمدؐ!) شاید تم اُن کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو' اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔" (الکہف:6)

قرآنِ مجید میں کئی جگہوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام صرف دین کی بات پہنچا دینا ہے' ان کو مومن بنا دینا نہیں ہے۔ یہ کسی بھی نبی کے ذِمّے نہیں رہا۔ ایک جگہ یوں فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ

"آپ جس کو چاہیں' ہدایت نہیں دے سکتے۔ ہدایت اسی کو ملے گی جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے گا"
(القصص:56)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار یہ تسلی اس لئے دی گئی کہ آپ ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ اگر لوگوں نے

اسلام قبول نہ کیا تو اس اُمت کی اکثریت جہنم کی مستحق ٹھہرے گی۔ ایک جگہ یوں فرمایا:

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝

”طٰہٰ۔ ہم نے قرآن آپ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ کو تکلیف اور مشقت میں مبتلا کریں۔“

(طٰہٰ:1-2)

آپ اسے اپنا روگ بنا کر غم میں نہ گھلے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر اس وجہ سے تھا کہ آپ نے دین کی دعوت کو اپنی پہلی ترجیح بنا لیا تھا۔

اصحابِ کہف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝
اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ
هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝
فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝
ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝ع
نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ
وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ۖ
وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝
هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ
بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ؕ
وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ
رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝
وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا
غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِىْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ
اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ع

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ
الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ
لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝
وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ
قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا
أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم
بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۝
إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَ
لَن تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ۝
وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ
لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ ۖ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ
رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۝
سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ
وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ
إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ۝

"کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور لوح والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے۔ جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہنے لگے: "اے ہمارے رب! تو ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا کر اور ہمارے کام میں درستی کے سامان مہیا کر۔" چنانچہ ہم نے غار میں کئی سال تک ان کے کانوں پر نیند کا پردہ ڈالے رکھا (یعنی سلائے رکھا) پھر ہم نے ان کو (جگا) اُٹھایا تاکہ ہم یہ معلوم کریں کہ دونوں گروہوں میں سے کس نے یاد رکھا کہ کتنی مدّت وہ رہے۔ ہم آپ سے ان کے حالات صحیح صحیح بیان کرتے ہیں۔ وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی تھی اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ جب وہ اُٹھ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے: "ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ہم اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کریں گے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ بات بڑی بے جا ہوگی۔ یہ ہماری قوم ہے انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ یہ لوگ ان کے معبود

.com

ہونے پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے؟ تو اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے؟ اور جب تم نے اُن سے علیحدگی اختیار کی اور ان کے معبودوں سے بھی تو تم غار میں چل کر پناہ لو، تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت وسیع کر دے گا اور تمہارے لئے تمہارے اس کام میں آسانی کے سامان مہیا کر دے گا" اور (اے مخاطب) جب سورج نکلے تو تم دیکھو گے ان کے غار سے دھوپ داہنی طرف سمٹ جاتی ہے اور جب غروب ہو تو ان سے بائیں طرف کترا جاتی ہے اور وہ لوگ اس غار کے میدان میں تھے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دیتا ہے تو تم اس کے لئے کوئی درست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔ اور تم خیال کرتے ہو وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم ان کو دائیں بائیں اُلٹ پلٹ کرتے رہے ہیں اور ان کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے رہتا تھا۔ اگر تم ان کو جھانک کر دیکھتے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور ان سے دہشت میں آ جاتے اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کریں۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم (یہاں) کتنی مدّت رہے؟ تو بعض کہنے لگے کہ ایک دن یا اس سے کم رہے ہوں گے۔ دوسروں نے کہا کہ تمہارا رب (ہی) جانتا ہے کہ تم کتنا عرصہ رہے۔ اب تم اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیج دو۔ وہ یہ دیکھے کونسا کھانا حلال ہے، تو اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے کر آئے اور اچھی تدبیر سے کام کرے اور تمہارا حال کسی کو نہ بتائے۔ اگر ان لوگوں کو تمہاری خبر ہو گئی تو تم کو سنگسار کر ڈالیں گے یا تم کو اپنے دین میں داخل کر لیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے۔

اس طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے خبردار کر دیا تھا تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ قیامت کے بارے میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں۔

جب یہ آپس میں ان کے بارے میں جھگڑ رہے تھے تو ان لوگوں نے کہا: ان کے پاس ایک عمارت بنا دو، ان کا رب ان کے حال سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ ان کے ہاں صاحب امر و اختیار تھے، انہوں نے کہا کہ ہم ان کے غار کے پاس مسجد بنائیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تین تھے، چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ پانچ تھے، چھٹا ان کا کتا تھا۔ بے تحقیق بات کر رہے ہیں اور بعض کہتے ہیں وہ سات تھے، آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ کہہ دیں کہ میرا رب ان کی گنتی خوب جانتا ہے۔ ان (کے شمار) کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ پس آپ ان کے بارے میں سوائے سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیا کریں اور آپ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ پوچھا نہ کریں۔"

(الکھف:9-22)

ان آیات میں اصحابِ کہف کا قِصّہ بیان کیا گیا ہے۔ اصحابِ کہف کے اسماء ذکر نہیں کئے گئے، نہ صحیح جگہ اور تعداد لکھی گئی بلکہ وہ باتیں بیان کی گئیں جن کا تعلق ہماری عملی زندگی سے ہے۔ مثلاً ان کے عقائد کہ وہ اللہ والے

لوگ تھے، توحید پر ایمان رکھتے تھے جس کی وجہ سے معاشرہ ان کو برداشت کرنے سے عاری تھا۔ اس لئے وہ بے چارے چھپ کر غار میں سو گئے اور اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ان کو سلائے رکھا اور جب تین سو سال بیت گئے تو وہ اُٹھے اور اپنے معاشرے میں گئے اور ان سکوں سے کھانے پینے کی اشیاء کی خریداری کی کوشش کی جو ان کے پاس تھے۔ لوگ حیران رہ گئے کہ یہ تین سو سال پرانے لوگ کہاں سے آ گئے۔ عین اس زمانے میں اس ماحول کے اندر ایک بحث چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟ تائید غیبی کے طور پر ان حضرات کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت ہو گیا۔

ایک اہم نصیحت

یہ بات اس سے قبل بیان ہو چکی کہ اصحابِ کہف کی صحیح تعداد بیان نہ کی گئی۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اس کی تحقیق و تجسس میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں۔ اس کے بعد نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ایک اہم ترین نصیحت کی گئی۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ○
إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِ رَبِّي
لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ○

"کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کروں گا (تم کچھ نہیں کر سکتے) سوائے اس کے کہ اگر اللہ چاہے۔ اگر بھول سے زبان سے ایسی بات نکل جائے تو فوراً اپنے رب کو یاد کرو اور کہو کہ امید ہے کہ میرا رب اس معاملہ میں رشد سے قریب تر بات کی جانب راہنمائی کرے گا۔"

(الکہف 23-24)

یہ اس لئے فرمایا کہ انسان کو نہ تو علمِ غیب ہے کہ آئندہ حالات کے بارے میں اپنے قطعی اور یقینی علم کے ساتھ کچھ کہہ سکے اور نہ وہ ایسا خود مختار ہے کہ جو چاہے، سو کر لے۔ اس لئے اگر ایسی بات کہنا ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ساتھ وابستہ کر کے کہنی چاہئے۔

قرآن۔ کتاب ہدایت

اس نصیحت کے بعد قرآنِ کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَنْ
تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ○

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ لا

"اے نبی! تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے' اسے جُوں کا تُوں سنا دو۔ کوئی اس کے فرمودات کو بدل نہیں پائے گا اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں ردو بدل کرنے کی کوشش کرو گے تو اس سے ڈر کر بھاگنے کی جائے پناہ نہ پاؤ گے اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اُسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔ صاف کہہ دو کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے۔ جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔" (الکہف 27-29)

ایک مثال

اس بات کی مزید وضاحت کے لئے دو بھائیوں کی ایک مثال بیان کی گئی ہے جس میں ایمان و کفر کے انجام کا تقابل ہے۔ مثال یوں ہے کہ ایک مالدار شخص کا انتقال ہو گیا اس کے دو بیٹوں نے وراثت کو برابر تقسیم کر لیا۔ ایک نے اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا اور خود قناعت کی زندگی بسر کرنے لگا۔ دوسرے بھائی نے اس مال سے زمین خریدی۔ اس میں پھلوں کے باغ لگائے' درمیان میں ندی بنائی تاکہ پانی کی قلت نہ ہو۔ مختصر یہ کہ وہ ساری ظاہری تدابیر کر لیں جو آسودہ زندگی کے لئے لازم تھیں۔ نیک بھائی نے اس کو فخر و غرور اور تکبّر کی بجائے اللہ کے حضور سجدۂ شکر بجالانے کو کہا۔ اس نے جواب میں جو کہا اور جس خود فریبی کا شکار رہا' اس کو یوں حکایت کیا گیا۔

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

"میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہو گی اور اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا۔" (الکہف 36)

نیک بھائی نے اس کو بہتیرا سمجھایا اور کہا کہ جب تو باغ میں داخل ہو اور اپنے رب کی نعمتیں دیکھے تو یوں کہا کر کہ یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں۔ اصل قوت سوائے اللہ کے اور کسی کے پاس نہیں:

مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ۚ
فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ
السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۙ
اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ○
وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ
عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ○
وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ○
هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ○

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ جب اپنے باغ میں داخل ہونے لگو تو یوں کہو ماشاءاللہ لا قوۃ الا باللہ۔ (وہی ہوتا ہے) جو اللہ چاہتا ہے۔ اصل قوت سوائے اللہ کے اور کسی کے پاس نہیں اگرچہ تم مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتے ہو (مگر میں تمہاری خیر خواہی کی بات کہہ رہا ہوں۔) عجب نہیں کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا کرے گا - (تمہارے) اس باغ پر آسمان سے آفت بھیج دے اور وہ صاف چٹیل میدان ہو جائے یا اس (ندی) کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اسے نہ لا سکو۔ آخر اس کے میووں کو عذاب نے آگھیرا اور وہ باغ اپنی چھتریوں پر گر کر رہ گیا۔ تو جو مال اس نے اس پر خرچ کیا تھا' اس پر حسرت سے ہاتھ ملنے لگا اور کہنے لگا کہ کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا۔ پھر کوئی جماعت اس کی مددگار نہ بنی اور نہ کوئی اس کا بدل دے سکا۔ بات یہ ہے کہ حکومت اللہ برحق ہی کی ہے' اصل قدردان وہی ہے اور اسی کا دیا ہوا بدلہ اچھا ہے۔" (الکہف 39-44)

دنیوی زندگی-ایک تمثیل

اس کے بعد اسی سورہ میں حیاتِ دنیا کے بارے میں بڑی خوبصورت مثال اور آخرت کا ایک خوبصورت نقشہ کھینچا گیا ہے کہ آخرت میں کس طرح انسانوں کے اعمال پیش کئے جائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○

"اے نبی! انہیں حیاتِ دنیا کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ آج ہم نے آسمان سے پانی برسا دیا تو زمین

.com

کی پیداوار خوب گھنی ہو گئی اور کل وہی نباتات بھس بن کر رہ گئیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

(الکہف 45)

متاعِ دنیا کی حقیقت

اس مثال کے بعد دنیا میں انسان کو غرور اور دھوکے میں ڈالنے والی چیزوں یعنی مال' اولاد' کنبہ اور جماعت کی حقیقت اور آخرت کی منظر کشی ان الفاظ میں کی گئی:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ○
وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ○
وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۗ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ○
وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○

"یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے۔ اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہترین ہیں اور انہی سے اچھی اُمیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ فکر اس دن کی ہونی چاہیے جب کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو بالکل برہنہ پاؤ گے اور ہم تمام انسانوں کو اس طرح گھیر کر جمع کریں گے کہ اگلے پچھلے دن میں سے ایک بھی نہ چھوٹے گا اور سب کے سب تمہارے رب کے حضور صف در صف پیش کیے جائیں گے۔ لو دیکھ لو! آ گئے نا تم ہمارے پاس اسی طرح جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وعدے کا وقت مقرر ہی نہیں کیا ہے۔ ایسے میں نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو۔ جو کچھ انہوں نے کیا تھا' وہ سب سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔"

(الکہف: 46-49)

fat.com

ع جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

حقائق کے یوں واضح ہو جانے کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو ہر نعمت و آسائش مہیا و حاصل ہونے کے باوجود بھی محروم ہی رہتے ہیں۔

بڑا ظالم کون؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝
وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے اور وہ ان سے منہ پھیر لے اور اس برے انجام کو بھول جائے جس کا سروسامان اس نے اپنے لئے اپنے ہاتھوں سے بنا رکھا ہے۔ جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے' ان کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دیئے ہیں جو انہیں قرآن کی بات سمجھنے نہیں دیتے اور ان کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے۔ تم انہیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ' وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔ تیرا رب بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔ وہ ان کی کرتوتوں پر اگر انہیں پکڑنا چاہتا تو جلد ہی عذاب دیتا۔ مگر ان کے لئے وعدے کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ اس سے بچ کر بھاگ نکلنے کی اور کوئی راہ نہ پائیں گے۔ یہ عذاب رسیدہ بستیاں تمہارے سامنے موجود ہیں۔ انہوں نے جب ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان میں سے ہر ایک کی ہلاکت کے لئے ہم نے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔" (الکہف: 57-58)

مذکورہ آیتِ کریمہ میں سب سے بڑھ کر ظالم اس کو کہا گیا ہے جس تک اللہ کا کلام پہنچا دیا گیا اور اس نے اس

پر عمل نہ کیا۔ دورِ حاضر میں تو ہر گھر ہی میں مصحف موجود بھی ہے۔ لیکن وہ غلافوں میں لپٹا رہا اور اس شخص کو کبھی یہ ہوش نہ آیا کہ قرآن کی یہ جلد غلافوں میں لپیٹنے کے لئے نہیں بلکہ پڑھنے' سمجھنے' تدبر و تفکر اور عمل کرنے کے لئے ہے۔ اور یاد رکھئے! اللہ کا طریقہ یہی ہے کہ جو اس قرآن پر غور نہیں کرتا' سمجھتا نہیں' اس پیغام کو وصول نہیں کرتا ہے تو اس کے دل پر بھی غلاف چڑھا دیا جاتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی غلاف چڑھا دیئے ہیں۔ بلکہ یہ اس وقت کہ جب قرآن سے انہوں نے منہ موڑا' اس کو پڑھنے اور سمجھنے سے مسلسل اعراض کرتے رہے تو اللہ نے ان کا راستہ روک دیا اور جب یہ صورتِ حال ہو جائے تو پھر ہدایت کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ نبی بھی ہدایت کے لئے ان کو بلاتا رہے تو وہ ہدایت نہیں پاتے اور پھر فرمایا کہ اگر اس کے باوجود ہم ان کو عذاب نہیں دے رہے ہیں تو یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم عذاب نہیں دیا کرتے بلکہ ہم فوری طور پر عذاب نہیں دیا کرتے۔ ہم نے عذاب کا ایک وقت طے کر رکھا ہے اور اس وقت تک انہیں مہلت دے رکھی ہے۔ اگر یقین نہیں آتا تو پھر عاد و ثمود کی بستیوں کو دیکھو۔ ان عذاب رسیدہ علاقوں کو دیکھو تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ یہ لوگ قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ آپ اگر کبھی عاد و ثمود کی بستیوں کو تبوک جاتے ہوئے راستے میں دیکھیں تو آپ کو حیرت ہو گی کہ انہوں نے پہاڑوں کو کاٹ کر پہاڑوں کے اندر مکان بنائے ہوئے ہیں جو فنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہیں۔ چار' پانچ ہزار سال پہلے سے اب تک یہ مضبوط مکانات ویسے ہی موجود ہیں۔ لیکن ڈر کے مارے اب ان میں کوئی نہیں جاتا کہ وہ آج بھی اللہ کے عذاب کا مظہر بنے ہوئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی کہ عذاب کی جگہ پر نہ ٹھہرنا چاہئے بلکہ وہاں سے تیزی کے ساتھ گزر جانا چاہئے۔ آپؐ غزوۂ تبوک کے لئے جا رہے تھے دورانِ سفر میں جب یہ بستیاں آئیں تو آپؐ نے حکم فرمایا کہ اس مقام سے تیزی کے ساتھ گزر جاؤ اور یہاں راستے میں کوئی کنواں وغیرہ ہو تو اس سے پانی بھی نہ پینا۔ یہ عذاب کی جگہ ہے اور اس کا اثر تم پر بھی ہو گا۔

قصۂ خضر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ○

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○ع

فَانْطَلَقَا ۔۔ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ۝

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝

"وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا۔ جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے بھی اس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ سفر نہیں کر سکتے۔ بھلا جس چیز کی آپ کو خبر نہ ہو' اس پر صبر بھی کیسے کر سکتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ خضر نے کہا: اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں جب تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر نہ کروں۔ اب وہ دونوں روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہو گئے تو اس شخص نے کشتی میں شگاف ڈال دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا تاکہ تمام کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپ نے ایک سخت حرکت کر ڈالی۔ اُس نے کہا: میں نے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: بھول چوک پر مجھ کو نہ پکڑیں اور میرے معاملے میں آپ ذرا سختی سے کام نہ لیں۔ پھر وہ دونوں چلے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کو ایک لڑکا ملا۔ اس شخص نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: آپ نے ایک بے گناہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اس نے کسی کا خون نہ کیا تھا۔ یہ کام آپ نے بہت بُرا کیا۔ اس نے کہا: میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰ نے کہا: اس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ لیجئے اب میری طرف سے آپ کو عذر مل گیا۔ اس کے بعد وہ پھر آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچ گئے اور وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا۔ مگر انہوں نے ان دونوں کی ضیافت سے انکار کر دیا۔ وہاں انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی۔ اس شخص نے اس دیوار کو پھر سے درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اُجرت لے سکتے تھے۔ اس نے کہا: بس میرا اور تمہارا ساتھ ختم ہوا۔ اب میں تم کو ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں۔ جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ اس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو چھین لیتا تھا۔ رہا وہ لڑکا تو اس کے والدین مومن تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا اپنی نافرمانی اور سرکشی کے باعث ان کو تنگ کرے گا۔ اس لئے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد عطا کرے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور جس سے

.com

صلۂ رحمی بھی متوقع ہو۔ (اس لئے اس لڑکے سے ان کی جان چھڑا دی۔ انہیں اور اولاد عطا ہو گی۔) اس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار میں ان لڑکوں کے لئے ایک خزانہ مدفون ہے اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ (کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے بالغ ہونے سے پہلے دیوار گر جائے' بگڑ پھٹ جائے اور خزانہ ظاہر ہو جائے۔) یہ تمہارے رب کی رحمت کی بناء پر کیا گیا ہے میں نے اپنے اختیار سے کچھ بھی نہیں کیا۔" (الکہف:65-82)

قرآنِ مجید میں خضر علیہ السلام کے بارے میں "عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا" (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں یہ مذکور نہیں کہ یہ واقعہ کس مقام پر' کس سمندر کے کنارے اور کس بستی میں ہوا' قرآن اس کے بارے میں کوئی تفصیل بیان نہیں کرتا۔ قرآنِ مجید اخلاقی تعلیم کے لئے لازوال کتاب ہے' اس لئے واقعے کے اخلاقی پہلو بتا دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جتلانے کے لئے کہ ایک نظام زندگی تم دیکھ رہے ہو اور اس کے اندر قوانین اور احکامات ہم نے شریعت کی صورت میں تمہیں دیئے ہیں اور ایک نظام ہم بھی چلاتے ہیں مگر اپنے فرشتوں کے ذریعے' اپنے تکوینی امور پہ معیّن بندوں کے ذریعے۔ وہ ذرا مختلف نظام ہے۔ وہ یوں کہ جاتے جاتے کسی کی کشتی میں چھید کر ڈالا کیونکہ کشتی کو بچانا مقصود تھا۔ جاتے جاتے ایک بچے کو مار دیا۔ اس کے والدین کو اس کے شر سے بچانا مقصود تھا۔ دو یتیم بچوں کا خزانہ ایک جگہ پوشیدہ تھا' اس پر موجود دیوار گر رہی تھی اور خزانہ ظاہر ہونے کا خطرہ تھا تو اللہ نے نبی اور ولی کو حکم دیا کہ کھڑے ہو کر دیوار بناؤ۔ ان بچوں کا والد نیک آدمی تھا۔ معلوم ہوا کہ والدین میں سے اگر کوئی نیک آدمی ہو تو اولاد کو اس کا فائدہ ضرور پہنچتا ہے۔

قرآنی اسلوبِ تاریخ

ان آیات میں تین واقعات بیان ہوئے ہیں ایک کشتی میں چھید کرنے کا' ایک بچے کو مارنے کا اور ایک دیوار تعمیر کرنے کا۔ قرآنِ مجید تاریخ کی کتاب نہیں لیکن اس میں تاریخی واقعات کا بیان ضرور ہے۔ اور اس کے لئے ایک انوکھا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ہم نے بچپن میں تاریخ پڑھی جس میں سن' جگہوں اور انسانوں کے ناموں کو یاد کر کے ہمارا دماغ تھک گیا اور پھر پتا یہ چلا کہ ان سب ناموں کا یاد کرنا بیکار چیز تھی۔ فضول وقت برباد ہوا۔ پھر یہ کہ کسی شخصیت نے کتنی شادیاں کیں' وہ چوگان کھیلتے ہوئے مر گیا' وہ بیوی کو انگور کھلا رہا تھا کہ انگور اس کے حلق میں پھنس گیا اور بیوی مر گئی اور پھر وہ بھی اس فراق میں مر گیا وغیرہ وغیرہ۔ بے کار چیزیں یاد کرتے رہے حالانکہ ہمیں اس سے کیا؟ بے کار اور فضول واقعات جن کا ہماری زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے' ان کو رٹا لگوا کر ہمارے دماغ کا ستیاناس کیا گیا' بلاوجہ زندگی برباد کی گئی۔ قرآنِ مجید کو دیکھیں کہ تاریخ کے لئے انداز بیان کتنا خوبصورت ہے۔ کسی جگہ کا نام نہیں بتایا' دریاؤں اور اس علاقے کا نام تک مذکور نہیں حتیٰ کہ اس شخص کا نام جسے ہم خضر کہتے ہیں کہیں بھی نہیں

بتایا نیز یہ وضاحت بھی نہیں کہ وہ نبی تھا' فرشتہ تھا' انسان تھا یا کچھ اور؟ بس وہ حصہ بتایا جس سے ہمارا تعلق ہے اور اس سے ہمیں سبق لینا اور عبرت حاصل کرنا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ پتا چل جائے کہ دنیا میں جو واقعات و حادثات ہوتے ہیں' وہ انسان کی تدبیر سے نہیں بلکہ ان میں زیادہ دخل اللہ کی تدبیر کا ہوتا ہے اور اس میں اتنی مصلحتیں ہوتی ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

خدائی مصلحتیں

مذکورہ واقعہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھانے کے لئے تھا کہ ہم اس کائنات کو کس طرح چلا رہے ہیں اور ہر کام میں کیسی مصلحتیں پوشیدہ ہیں کہ اللہ کا رسول بھی دیکھے تو چونک اُٹھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیونکہ اگر کشتی میں چھید نہ کیا جاتا تو ان بے چارے لوگوں کی کشتی چھن جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کشتی کی حفاظت کے لئے اس میں چھید کروا دیا اور چند منٹ میں انہوں نے کشتی کی پھر مرمت کرلی اور اس طرح کشتی بچ گئی۔ اس کے بعد ایک شخص کی اولاد خاص عمر میں واپس لے لی اور اس کے والدین کو صبر کا پھل دیا' روحانی مقامات طے کروائے اور پھر ایسی اولاد دی جو صلہ رحمی اور محبّت کرنے والی تھی۔ تیسرے واقعے میں ایک شخص کی نیکی کا لحاظ اللہ تعالیٰ یوں کر رہے ہیں کہ اس کی اولاد اور بعض روایات میں ہے کہ وہ اس کی پانچویں پشت میں اس کی اولاد کی اللہ تعالیٰ نے ایسی حفاظت فرمائی کہ ایک نبی اور ایک بزرگ کو دیوار کی مرمت پر مامور کر دیا جنھوں نے اُجرت بھی نہیں لی۔ الحاصل یہ کہ دنیا کا نظام اس تدبیر اور منصوبے کے ساتھ چل رہا ہے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ اس کی حکمت کے معاملات ہیں جو ہماری سمجھ سے بالا ہیں۔

3- قصہ ذوالقرنین

اس کے بعد ذُوالقرنین کا واقعہ ہے۔ ایک بادشاہ جس نے اللہ کا حکم اور شریعت کو اپنے ملک میں نافذ کیا اور لوگوں کو یاجُوج اور ماجُوج کے ظلم سے بچایا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝
اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝
فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ
حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ
وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝

.com

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ
عَذَابًا نُّكْرًا ○
وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ
مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ○ؕ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○

حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ
لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ○ۙ
كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ○ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○
حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ
يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ○

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ
فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ○
قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ
بَيْنَهُمْ رَدْمًا ○ۙ
اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ
حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ○ؕ
فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ○
قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ
وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ○ؕ

"اور وہ آپ سے ذُوالقرنین کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' آپ کہہ دیں کہ میں اس کا کچھ حال تمہیں سناتا ہوں۔ ہم نے ذُوالقرنین کو روئے زمین میں بڑی دسترس دی تھی اور ہم نے ان کو ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا۔ تو اس نے ایک سفر کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے موقع پر پہنچا' تو اس کو پایا کہ ایک سیاہ پانی میں ڈوب رہا ہے اور اس کے پاس ایک قوم دیکھی۔ ہم نے کہا: اے ذُوالقرنین! تم ان کو سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نیکی کا رویہ اختیار کرو۔ ذُوالقرنین نے کہا کہ جو ظلم

Marfat.

کرے گا اس کو ہم سزا دیں گے۔ پھر جب وہ اپنے رب کی طرف لوٹے گا' تو وہ اس کو سخت سزا دے گا اور جو ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے اچھا بدلہ ہے اور ہم اپنے معاملہ میں نرمی کا برتاؤ کریں گے۔ پھر ذُوالقرنین نے دوسرے سفر کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ سورج کے نکلنے کی جگہ پر پہنچا' تو اس کو پایا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے جن کے لئے سورج کے اس طرف ہم نے کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی۔ یہ حقیقت ہے ارر جو کچھ ذُوالقرنین کے پاس تھا وہ ہم کو خوب معلوم تھا۔ پھر ذُوالقرنین نے تیسرے سفر کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا' تو ان کے اس طرف ایک قوم دیکھی جو بات کو نہیں سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے کہا: اے ذُوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے ہیں۔ کیا آپ کے لئے اگر ہم کچھ چندہ جمع کردیں کہ آپ ان کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟ ذُوالقرنین نے کہا: وہ مال جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہت ہے' تو تم مجھے اپنی قوّت بازو سے مدد دو' میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم لوہے کے بڑے بڑے تختے لاؤ (کام جاری ہو گیا) یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑیوں کے درمیانی کا حصّہ برابر کردیا تو کہا اب اس کو دھونکو' یہاں تک کہ اس کو آگ بنا دیا۔ پھر کہا کہ اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس پر ڈال دوں۔ پھر انہیں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔ ذُوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی طرف سے مہربانی ہے' پھر جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا تو اس کو ڈھا کر ہموار کردے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔" (الکہف:83-98)

قیامت کا منظر

اس سورۃ کے آخر میں پھر کچھ آیات ایسی آتی ہیں جن پر اگر غور و تدبّر کا موقع مل جائے تو انسان کا دل دہل جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝
ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝

.com

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ۙ﴿﴾
خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا ﴿﴾
قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ
کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا ﴿﴾

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُکُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا
لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿﴾

"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن سے کہو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون سے ہیں؟ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری سعی وجُہد راہِ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا۔ اس لئے ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے۔ قیامت کے روز ہم ان کو کوئی وزن نہ دیں گے۔ ان کی جزا جہنم ہے' اس کفر کے بدلے جو انہوں نے کیا اور اس مذاق کی پاداش میں جو وہ میری آیات اور میرے رسولوں کے ساتھ کرتے رہے۔ البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے' اُن کی میزبانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی اس جگہ سے نکل کر کہیں جانے کو ان کا جی نہ چاہے گا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے گی مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے گی۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو کہ میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک اللہ ہی ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو' اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور بندگی میں اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے" (الکہف 103-110)

ایک اختلافی مسئلے کا حل

آخری آیت کے الفاظ اور ان کے ترجمے پر بار بار غور فرمایئے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے ہمارے سارے اختلافات کو حل کر دیا ہے مگر صد افسوس کہ ہم نہ اس کو پڑھتے ہیں اور نہ سمجھنے کی جانب توجہ کرتے ہیں اور ہماری اس لاعلمی کا فائدہ اٹھا کر مفاد پرست طبقہ ہمیں باہم دست و گریبان رکھے ہوئے ہے۔

اس آیت میں بڑے انحصار اور یقین کے ساتھ رسالت کی بابت جو دنگل ہے' اس کو ختم کر دیا یہ کہ نبی بشر ہوتا

Marfat.

ہے یا نور تو بات سمجھ لیجئے کہ اپنی خلقت اور جسمانی ہیئت و تخلیق کے اعتبار سے ہر نبی انسان یعنی بشر ہے۔ اُس کا نسب اُس کی اولاد اور رشتے ناطے انتہائی محفوظ انداز سے مفسرین' محدثین اور مؤرخین نے بیان کر دیئے۔ ان انبیاء کی تعلیمات نورانیت سے لبریز بلکہ تاریک دلوں کو منور کرنے والی ہوتی ہیں اور بس۔

جو حضرات نور و بشر کا مسئلہ پیدا کر کے امت میں افتراق پیدا کرتے ہیں' ان سے صرف اتنی گزارش ہے کہ صحابہ کرامؓ' تابعین عظامؒ اور محدثین کرامؒ نے تو یہ مسئلہ نہیں اٹھایا۔ ہم آپس میں کیوں لڑتے جھگڑتے ہیں؟

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی ہیں اور نُور بھی! اس مسئلہ کو اُٹھانا اور انتشار پیدا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری ہے۔ میرے نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے:

جسمِ منوّر نورِ مجسّم
صلی اللہ علیک وسلم

سورہ مریم (۱۹)

نام

سیدہ مریم علیہا السلام کے ذکر کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "مریم" رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ ہجرتِ حبشہ سے قبل نازل ہوئی۔

مضامین اور پس منظر

اس سے قبل سورۂ انعام اور سورۂ کہف کے آغاز میں ہم نے اشارۃً مکی زندگی کے مختلف ادوار کا ذکر کیا۔ اس پسِ منظر میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سورۃ مکی زندگی کے تیسرے دور کا نقطہ آغاز ہے جس میں قریشِ مکہ نے استہزاء و تمسخر، لالچ، خوف اور جھوٹے پراپیگنڈے میں ناکامی کے بعد مسلمانوں پر ظلم و جبر اور معاشرتی و معاشی مقاطعے کا آغاز کیا۔

غریب لوگوں اور غلاموں کو جسمانی اذیت دینے کے علاوہ اہلِ مکہ نے معاشی پریشانی کا ہتھیار بھی استعمال کیا کہ جو لوگ محنت و مزدوری کرتے تھے، ان سے کام کرا لیا جاتا اور مزدوری کی ادائیگی کے لئے شرط یہ عائد کی جاتی کہ اسلام کا انکار کیا جائے۔ بلالؓ، عامرؓ، عمارؓ بن یاسرؓ اور ان کے خاندان کو دھوپ میں لٹا کر تڑپایا گیا۔

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ جو خود لوہار تھے اور اپنے فن کی وجہ سے ان کا نام ہر زبان پر تھا وہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ بیت اللہ کے سائے میں بیٹھے تھے تو میں نے اہلِ مکہ کے ظلم و جبر کا ذکر کر کے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ یہ سن کر آپؐ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپؐ نے سابقہ اُمتوں کے اہلِ ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی ہڈیوں پر سے لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ گوشت چھیلا جاتا، اُن کے سروں پر آرے چلائے جاتے مگر وہ دین سے بیزار نہ ہوتے۔ ایک دن آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دین غالب ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ اکیلا آدمی صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اللہ کے علاوہ اس کو کسی چیز کا خوف اور کھٹکا نہ ہو گا"

آپ کا یہ فرمانا تو حضرت خبابؓ کو ہمت دلانے کے لئے تھا مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روز افزوں ظلم کی وجہ سے خود بھی پریشان تھے۔ آخر آپؐ نے نبوت کے پانچویں سال اپنے جان نثاروں کو یہ ارشاد فرمایا:

"بہتر یہ ہے کہ تم حبشہ کی جانب چلے جاؤ کیونکہ اس سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا"

Marfat.

اس اجازت پر پہلا قافلہ' جو گیارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا' حبشہ کی جانب روانہ ہوا۔ چند ماہ بعد 100 سے زائد افراد پر مشتمل ایک اور قافلے نے بھی ہجرت کی۔ اس ہجرت نے مکہ میں حشر برپا کر دیا کیونکہ اس ہجرت کی وجہ سے مکے کا ہر خاندان متاثر ہوا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ مکہ اسلام دشمنی میں پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور بعض لوگ ان واقعات سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

مسندِ احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا سبب بھی یہی ہے۔ کیونکہ عمرؓ کی ایک عزیزہ لیلٰی بنتِ حثمہ اور ان کے خاوند عامر بن ربیعہ کی ہجرت کی تیاری دیکھ کر عمرؓ کے دل پر چوٹ لگی اور انہوں نے اسلام کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ ان کے اسلام کی صورت میں ظاہر ہوا۔

حبشہ کی اس ہجرت کے بعد قریش نے باہم مشورے سے طے کیا کہ ایک وفد نجاشی سے مل کر اس کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ان مسلمانوں کو اہلِ مکہ کے حوالہ کر دے۔ اس مقصد کے لئے عبداللہ بن ربیعہ اور عَمرو بن عاص کو بیش قیمت تحائف کے ساتھ حبشہ روانہ کیا گیا۔ انہوں نے حبشہ پہنچ کر پہلے درباریوں سے ملاقاتیں کیں اور تحائف پیش کئے تاکہ وہ نجاشی کے دربار میں اہلِ مکہ کی سفارش کریں۔ پھر یہ دونوں سفیر تحائف سمیت نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نذرانہ پیش کرنے کے بعد کہا:

"ہمارے شہر کے کچھ نادان اپنا آبائی دین چھوڑ کر آپ کے علاقہ میں پناہ گزین ہو گئے ہیں حالانکہ انہوں نے آپ کا دین بھی نہیں اپنایا بلکہ ایک نیا دین گھڑ لیا ہے"

یہ سنتے ہی درباریوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ "ایسے لوگوں کا رکھنا ٹھیک نہیں۔ ان کی قوم ان کے عیوب سے آگاہ ہے' ان کو واپس کر دیا جائے۔" نجاشی جو ایک جہاں دیدہ اور دور اندیش آدمی تھا' اس شور کو سن کر بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ "جن لوگوں نے مجھ پر اعتماد کر کے میرے ملک میں پناہ لی ہے' میں ان کے ساتھ بلا تحقیق یہ معاملہ نہ کروں گا۔"

اگلے روز تمام مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا گیا۔ سبھی نے مشورہ سے طے کیا کہ ہم وہی بات کہیں گے جو ہمیں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ اگلے روز دربار میں نجاشی نے جب نئے دین کے بارے میں سوال کیا تو جعفر طیارؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

"ہم عرب اس سے قبل ہر قسم کی اخلاقی و معاشرتی برائی میں مبتلا تھے۔ جاہلیت کا دور دورہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور ہم میں ایک نبی مبعوث فرمایا۔ ان لوگوں نے ہم پر ظلم کے پہاڑ توڑے تو ہم اپنے نبیؐ کی اجازت سے آپ کے ملک میں یہ سوچ کر پناہ لینے آ گئے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہو گا"

اس پر نجاشی نے کہا کہ تمہارے نبیؐ پر جو کلام نازل ہوا ہے' وہ سناؤ۔ سیدنا جعفرؓ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی۔ نجاشی سنتا رہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہے۔ جب سیدنا جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو نجاشی نے

کہا:

"یہ کلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات ایک منبع سے نکلی ہیں اور ایک ہی جیسے کلام پر مشتمل ہیں۔"

پھر نجاشی نے اہلِ مکہ سے کہا کہ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہ کروں گا۔ ناکام واپس جانے کے بعد دوسرے روز پھر یہ لوگ نجاشی سے ملے اور کہا کہ یہ لوگ آپ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی توہین بھی کرتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے ان حضرات کو دوبارہ بلا بھیجا تو جعفر طیارؓ نے اس کی وضاحت میں سورۂ مریم کی آیات تلاوت کیں اور کہا:

"سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں نیز آپ وہ روح اور کلمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم کی طرف القا کیا"

نجاشی نے اس بات کی تائید کی اور اہلِ مکّہ کے تحائف واپس کر دیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ آپ لوگ سکون کے ساتھ یہاں رہیں۔

اس پسِ منظر کے بعد اس سورہ کے مضامین پر غور کریں تو اس کا اجمالی خاکہ یوں ہے:

سیدنا زکریا، یحییٰ، عیسیٰ و مریم علیہم السلام کے واقعات مسلمانوں کو اظہارِ حق اور تعلیمِ حقیقت کے طور پر بتائے گئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے اہلِ مکّہ کو اشارۃً بتایا کہ تم اسی طرح کے گمراہ اور دین کے دشمن ہو جیسے تمہارے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کی قوم تھی۔ غور کرو کہ انجام کار ابراہیم علیہ السلام کو غلبہ اور تسلّط ملا۔ یہی حال اس دور کا ہے کہ ملّتِ ابراہیمی کے پیروکاروں یعنی مسلمانوں کو پھر غلبہ، تسلّط اور اقتدار ملے گا اور ان کے دشمنوں کے گلے میں ذِلّت کا طوق ہوگا۔ پھر مختلف انبیائے کرام کے اسمائے گرامی کا ذکر کرکے بتایا کہ وہ سارے انہی تعلیمات کے امین بنائے گئے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں۔ مگر ان کے کج فہم اور نااہل ورثاء نے ان کی تعلیمات مسخ کر دیں اور دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔ سورۃ کے آخر میں اہلِ مکّہ کی اعتقادی و نظریاتی گمراہی پر اصلاحی انداز اختیار کرتے ہوئے تنقید کی گئی اور اہلِ ایمان کو ابراہیم علیہ السلام کی ملّت اور ان کی طرح مرجعِ خلائق ہونے کی نوید سنائی گئی۔

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝
اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ
الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝

"تمہارے رب کی مہربانی کا بیان ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی' جب انہوں نے اپنے رب کو آہستہ آواز سے پکارا کہ اے میرے رب! میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کے باعث سفید ہونے لگا ہے اور میرے رب میں آپ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔ (مریم:1-4)

زکریا علیہ السلام کی دعا

سورۃ کے شروع میں حضرت زکریا علیہ السلام کی وہ دعا مذکور ہے جو انہوں نے اپنے پروردگار سے مانگی کہ انہیں اولاد نصیب ہو اور اللہ تعالٰی نے انہیں عین بڑھاپے میں اولاد کی خوشخبری عطا کی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو جب اولاد کی نعمت ملنے کی خبر ملتی ہے تو وہ حیران ہوئے کہ اس بڑھاپے میں اولاد ملے گی؟ اللہ تعالٰی نے انہیں یحییٰ نام کا بیٹا عطا کیا جن کو منصبِ نبوت پر فائز کیا گیا۔

کتابِ الٰہی تھامنے کے لئے قوت کی ضرورت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝

"اے یحییٰ! یہ کتاب ہے' اس کو قوت سے پکڑنا" (مریم:12)

اس کتاب کو اپنانے کے لئے قوت چاہئے' اس کو نافذ کرنے کے لئے بھی قوت چاہئے۔ یہ بیٹھ کر دھیمے سروں میں آرام سے تلاوت کی جانے والی کتاب نہیں بلکہ یہ پوری قوت کے ساتھ معاشرے پر لاگو کرنے کی چیز ہے اور اس کے لئے حکم یہ ہے کہ قوت کے حصول میں پوری تیاری کریں۔ کیوں کہ اسلام غالب ہونے اور غالب کرنے کے لئے آیا ہے۔ یہ محکومیت اور پسپائی کا دین نہیں ہے۔

.com

پاک دامنی کیا ہے؟

یحیٰی علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ہی سیدہ مریم علیہا السلام کا ذکر ہے جس میں ان پاکدامن خاتون پر کیے گئے انعامات کا ذکر ہے۔ اس واقعے میں ایک بات خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ وہ یہ کہ ایک پاکدامن خاتون کا سامنا اگر کسی غیر مرد سے ہوتا ہے تو وہ اس سے بات چیت میں طوالت اختیار کرنے کی بجائے رب کی پناہ چاہتی ہے تاکہ شیطان گناہ کی جانب راغب نہ کر سکے یا تہمت کا موقع پیدا نہ ہو۔ حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان اسی ذیل میں ہے کہ

اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهَمِ

"تہمت کے مقام سے بھی بچو"

سیدہ مریم نے جب فرشتے کو انسانی شکل میں دیکھا تو فوراً کہا:

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝

"بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔" (مریم: 18)

اللہ تعالیٰ کی ایک خاص سنت

اس کے بعد اس نیک بی بی کی زندگی کے ایک نازک ترین لمحے کا ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بچے سے نوازا۔ اس کا یوں ذکر ہے:

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝

وَهُزِّیْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝

فَكُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَيْنًا ۚ

"مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔ پھر زچگی کے درد نے انہیں ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ (گھبرا کر) کہنے لگیں کاش! میں اس (حالت) سے پہلے ہی مر گئی ہوتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔ فرشتے نے پائنتی سے اُسے پکار کر کہا: غم نہ کر۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا۔ تیرے اوپر تر و تازہ

fat.com

کھجوریں جھڑیں گی پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔" (مریم:23-26)

یہ تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ایک واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے ایک ایسا بچہ دنیا میں پیدا کیا جس کا باپ نہیں تھا۔ صرف اللہ کے حکم سے سیدہ مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہر گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔

نصرتِ الٰہی کب اور کیسے؟---ایک اہم قاعدہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے معجزے کے طور پر بہت سے کام کر دیئے۔ کھجور کے درخت کو پکا دیا۔ اس کے خوشے جھکا دیئے۔ پانی کا چشمہ وہیں پیدا کر دیا جہاں انہوں نے پناہ لی تھی اور ان کی خدمت کے لئے جنت سے حوریں اور فرشتے بھیج دیئے۔ اب اتنے سارے معجزے تو اللہ تعالیٰ نے کر دیئے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تازہ اور پکی ہوئی کھجوریں توڑ کر سیدہ مریم کے منہ میں ڈال دی جاتیں؟ چشمے کا پانی انہیں پلا دیا جاتا؟ لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ چشمہ رواں کر دیا۔ پھل پکا دیئے۔ سب کچھ کر دیا اور فرمایا "یہ جو درخت کا تنا ہے' اسے خود ہلاؤ۔ پھل تمہارے اوپر گریں گے اور ان پھلوں کو کھاؤ۔"

ایسا کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درخت کے تنے کو لیٹے لیٹے ہلا لینا تو سیدہ مریم کے بس میں تھا اور جو کام انسان کے بس میں ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اسی سے کرواتے ہیں اور جو انسان کے بس میں نہیں' وہ معجزے کے طور پہ خود کر دیتے ہیں اور یہی قانونِ فطرت ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ایک شخص ہل نہ چلائے' نہ زمین کو نرم کرے' نہ اس میں بیج ڈالے' نہ کھاد ڈالے نہ کھیت کو پانی دے اور یہ کہے کہ "اے اللہ! مجھے اس کھیت سے مالا مال کر دے" ایسا نہیں ہو سکتا۔

قبولیتِ دُعا کے لئے اہم شرط

دعا ایک عجیب عمل ہے کیونکہ دعا اس وقت مانگی جاتی ہے جب انسان جو کچھ اس کے بس میں ہے' کر چکے کہ زمین کو نرم کرے' اس میں ہل چلا کر اس میں بیج اور کھاد ڈالے' وقت پر پانی دے اور پھر یوں دعا مانگے:

"اے اللہ! میں تو بس اتنا ہی کر سکتا ہوں' اب اس بیج کو پھاڑ کے اس میں سے کونپل اگا' یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ اے اللہ! یہ تو ہی کرے گا۔"

اسی طرح ایک اور مثال سمجھئے: ایک شخص شادی ہی نہ کرے اور کہے 'اے اللہ! مجھے اولاد عطا کر۔ وہ بڑا ہی بے وقوف آدمی ہے کیونکہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ ہاں! اس ضابطہ فطرت کے خلاف وہ کبھی کبھی معجزات ظاہر کرتا ہے مگر عمومی قاعدہ ایک ہی ہے کہ جس چیز کا انسان مکلف ہے اور وہ اس کے بس میں بھی ہے' وہ خود ہی کرے۔

Marf

عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کی گود میں بولنا

اس ساری تفصیل کے بعد پھر اصل واقعہ کی جانب لوٹتے ہیں کہ سیدہ مریم وضعِ حمل کے بعد نومولود کو لئے قوم کے پاس پہنچیں تو قوم نے الزام تراشی شروع کر دی۔ یہ سب کچھ سُن کر سیدہ مریم علیہا السلام نے خاموشی اختیار کی اور فرمانِ الٰہی کے مطابق اشارہ کیا جس کو قرآن نے یوں نقل کیا ہے:

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ‌ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ○
قَالَ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰٮنِىَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ○

"مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کہنے لگے کہ ہم ایسے شخص سے کیوں کر باتیں کریں جو ابھی گود کا بچہ ہے۔ وہ (بچہ خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب (یعنی انجیل) دی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔" (مریم: 29-30)

ان الفاظ سے گویا سیدہ مریم علیہا السلام کی پاکدامنی پر مہرِ تصدیق ثبت کرا دی گئی۔ اس کے بعد حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ‌ ۚ قَوۡلَ الۡحَـقِّ الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ○
مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ يَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ‌ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ○
وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ‌ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ○

"یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں اور یہی سچی بات ہے جس میں یہ لوگ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ بالکل پاک ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو ارشاد فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے۔" (مریم: 34-36)

یہ وہ سچائی ہے جس کو سن کر نجاشی بھی پھڑک اُٹھا تھا اور پھر اس نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ حقیقت یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی اس سے نہ ایک تنکا زیادہ تھے اور نہ کم۔

عالمگیر حقیقت ... ملکیت نہیں امانت!

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور مسلّمہ حقیقت کو واضح فرمایا اور یہ اس لئے کہ خود فریبی کا شکار انسان مثل

وشعور سے کام لے اور شیطانی جال سے نکل آئے۔ الفاظ کی بے ساختگی اور روانی ملاحظہ کریں۔

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ○

"بے شک ہم ہی زمین اور اس پر بسنے والوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہوگا۔"

(مریم:40)

اللہ تعالیٰ کے وارث ہونے سے مُراد یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ زمین پہ موجود ہرشے اسی کی اصل ملکیت ہے۔ یہاں پر رہنے والی مخلوقات اور خصوصاً انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ مال و متاع کچھ عرصہ کے لئے بطور امانت دیا ہے تاکہ وہ اس کی امانتداری کا امتحان لے سکے۔

در حقیقت مالک ہر شے خداست
ایں امانت چند روزہ نزد ماست

انسان دیکھنے میں کروڑپتی ہوتا ہے لیکن موت کے ایک ہی جھٹکے سے ہرشے حتیٰ کہ اس کی جان بھی اس سے چھین لی جاتی ہے اور انجام کار ہر چیز اصل وارث یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں دُنیوی زندگی کو ایک کھیل ' ایک تماشہ ' ایک طویل دورانئے کا ڈرامہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی کہ کوئی اپنے آپ کو بادشاہ بنائے بیٹھا ہے اور کوئی تیلی تنبولی مگر جونہی ڈرامہ ختم ہوتا ہے تو قبر میں اترتے وقت بادشاہ اور تیلی تنبولی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ابراہیم علیہ السلام کا ذکر

اس کے بعد کی آیات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ○
إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ○
يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ○
يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ○
يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ○
قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ○

.com

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ○ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ○

"اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجئے' بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔ (انہیں ذرا وہ موقعہ یاد دلاؤ) جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے (جو مشرک تھا) کہا کہ ابا جان! آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ ہی آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں۔ ابا جان میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا' آپ میرے پیچھے چلیں' میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں۔ شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ آپ کہیں رحمٰن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی نہ بن کر رہ جائیں۔ (باپ نے) کہا ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھ کو سنگسار کردوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے الگ ہو جا۔ ابراہیم نے کہا: سلام ہے آپ کو' میں اپنے رب سے آپ کے لئے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو معاف کردے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے سے نامراد نہ رہوں گا۔" (مریم: 41-48)

یہ مکالمہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے والد کے درمیان ہوا۔ والد کے حقوق اور آداب کے ساتھ انہوں نے توحید کی دعوت دی اور انہیں بت پرستی سے روکا' بت پرستی کے انجام بد سے ڈرایا' شیطان کی عبادت کا انجام بتایا۔ جب والد نہ مانے تو آپ بہت باادب طریقے سے یہ کہتے ہوئے والد سے الگ ہو گئے کہ "میں آپ کے لئے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگوں گا" گو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ وعدہ پورا کرنے سے روک دیا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اپنے والد کے لئے ہم سے مغفرت نہ مانگیں' ان کے لئے ہم سے دعا نہ کریں کیونکہ ہمارا فیصلہ ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں کریں گے۔ یہاں پھر وہ ایک بات جو پہلے بھی بیان کی گئی کہ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لئے دعا مانگنا چاہی تو انہیں روک دیا گیا۔ ایسے ہی ایک دوسرے اولوالعزم رسول سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے والد کے لئے مغفرت چاہی تو ان کو بھی روک دیا گیا کہ مشرک کے لئے کوئی مغفرت' شفاعت اور سفارش نہیں۔

اس کے بعد مختلف انبیاء علیہم السلام کا اجمالی ذکر ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: اسحٰق' یعقوب' موسیٰ' ہارون' اسمٰعیل علیہم السلام اور پھر اسمٰعیل علیہ السلام کی کوشش اور مشن کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا گیا:

Marfat.

إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۝ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝

"اور بے شک وہ وعدے کے سچے اور ہمارے نبی تھے! اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے۔" (مریم: 54-55)

ان آیات میں گویا رب کے پسندیدہ تین اعمال مذکور ہیں:

1- وعدے کی سچائی۔

2- نماز کی ادائیگی اور اس کی تلقین۔

3- زکوۃ کی ادائیگی۔

اس کے بعد ادریس علیہ السلام کے علوِ مرتبت کا ذکر ہے اور پھر انبیاء پر کئے گئے انعامات مذکور ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ؗ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْرٰٓءِيلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ۝

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝

إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۝

"یہ وہ پیغمبر ہیں جن پر اللہ نے آدم کی اولاد میں سے انعام فرمایا اور ان لوگوں کی نسل میں سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے' اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور برگزیدہ کیا۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب رحمٰن کی آیات ان کو سنائی جاتیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔ پھر ان کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی۔ پس عنقریب ایسے لوگ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔ البتہ جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک کام کرنے لگیں تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی۔" (مریم: 58-60)

ترکِ نماز کا نتیجہ شہوات کی پیروی

یہ سورۂ مریم میں انبیاء کا ذکر تھا۔ لیکن ان انبیاء کی جانشینی جن لوگوں نے کی' چاہئے تو یہ تھا کہ وہ نماز اور زکوۃ کو قائم رکھتے لیکن انہوں نے نماز چھوڑ دی اور جب نماز چھوڑی تو نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خواہشات نفسانی کی پیروی میں لگ گئے۔

نماز برائی سے روکتی ہے

قرآنی الفاظ سے ثابت ہے کہ نماز خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے روکتی ہے اور جب نماز چھوڑی تو خواہشاتِ نفس کی پیروی میں لگ گئے۔ خواہشات کی پیروی ایسی دلدل ہے جس سے نکلنا محال ہو جاتا ہے اور یوں ایک گمراہی دوسری گمراہی کو جنم دیتی چلی جاتی ہے۔ یہاں پر یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اگر کوئی شخص خدانخواستہ خواہشات نفس کی پیروی میں مبتلا ہو تو اس کا اصل علاج بھی نماز ہے مگر اس طرح کہ نماز کی صورت بھی حاصل ہو اور اس کی حقیقت بھی! نماز پورے اہتمام کے ساتھ سمجھ کر دل کی گہرائی سے بندگی کے جذبات میں ڈوب کر ادا کی جائے۔ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے' انسان کی نماز جس قدر سنورتی چلی جائے گی اس نسبت سے انسان نفس کی بندگی سے آزاد ہوتا چلا جائے گا۔

قیامت یقیناً آئے گی

ان ناخلف لوگوں کے ذکر کے بعد جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر ہے جو صرف متقی لوگوں کی میراث ہے اور یہ میراث میدانِ حشر میں جزا و سزا کے اعلان کے بعد ملے گی اور منکرینِ قیامت کو بتایا کہ حشر کا برپا ہونا ایک یقینی امر ہے۔ جس میں کوئی شبہ نہیں۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝

"تمہارے رب کی قسم ہم ان کو اور شیطانوں کو ضرور بالضرور جمع کریں گے پھر ان کو دوزخ کے گرداگرد اس حالت میں حاضر کریں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔" (مریم:68)

کافروں کو مہلت

گویا یہ وقوعِ حشر اس قدر یقینی ہے کہ ربِ کائنات اپنی ذات کی قسم کھا کر اس کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد اہلِ ایمان کے لئے مزید خوشخبری ہے اور خواہشاتِ نفس کے پیروکاروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ہماری مہلت کو بلاوجہ نہ سمجھو:

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُنْدًا ○

"(اے پیغمبر!) کہ دیں کہ جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے' اللہ اس کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ خواہ عذاب کو (دنیا میں) خواہ قیامت کو (دوسرے عالم میں) تو پھر جان لیں گے کہ انجام کس کا برا ہے اور کس کا لشکر کمزور ہے۔" (مریم:75)

حقیقت کو پھر یوں واضح فرمایا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيٰطِينَ عَلَى الْكٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ○
فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ○

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کفار پر (ابتلاء) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو (کفر و ضلال پر) خوب ابھارتے رہتے ہیں۔ آپ ان کے لئے جلدی نہ کریں۔ ہم تو ان کے لئے مہلت کے دن شمار کر رہے ہیں۔" (مریم:83-84)

نیک لوگوں کی عظمت

شیاطین کو تنبیہ کرنے کے ساتھ ہی مُتقین کی شان بیان فرمائی:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ○
وَّنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ○
لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ○

"وہ دن آنے والا ہے جب مُتقی لوگوں کو ہم مہمانوں کی طرح رحمٰن کے حضور پیش کریں گے اور مجرموں کو پیاسے جانوروں کی طرح جہنم کے طرف ہانک لے جائیں گے۔ اس وقت لوگ کوئی سفارش لانے پر قادر نہ ہوں گے۔ بجز اس کے کہ جس نے رحمٰن کے حضور سے پروانہ حاصل کر لیا۔" (مریم:85-87)

ان آیات میں قیامت کے دن کا نقشہ کھینچا کہ کچھ لوگ تو حساب دے رہے ہوں گے اور کچھ لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسا کہ مہمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بغیر حساب کے انہیں ایک معزز اور باوقار وفد کی شکل میں رحمٰن کے حضور پیش کیا جائے گا۔ ان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مہمانوں کی سی ہو گی جن کا استقبال ہو گا' کوئی حساب کتاب نہیں ہو گا' کیونکہ یہ پرہیزگار لوگ ہوں گے۔ اور دوسری جانب وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے مجرمانہ زندگی گزاری ہو گی۔ ان کو پیاسے جانوروں کی طرح جہنم میں ہانک دیا جائے گا۔ اور یہ بات بھی باور کرائی کہ اس دن

Marf

کسی کو سفارش کرنے کی مجال نہ ہو گی سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ خود اجازت عطا کریں گے کہ تم سفارش کر سکتے ہو۔ کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ انبیاء' اولیاء اور وہ فقراء جنہوں نے غربت کے عالم میں ایمان کی زندگی گزاری ہو گی' کو اجازت دیں گے کہ وہ ان لوگوں کی سفارش کریں جنہوں نے دنیا میں کبھی ان کی معاونت کی تھی۔ ایک روایت میں یوں بھی ذکر ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں غربت اور تنگی کی زندگی گزاری ہو گی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے یوں معذرت کریں گے جیسے کوئی روٹھے ہوئے دوست سے معذرت کرتا ہے کہ تم نے میری خاطر بہت مشکلات اور تکلیفیں اٹھائیں۔ میں تمہیں دیکھ رہا تھا لیکن آج میں تمہیں وہ اجر دوں گا کہ بڑے بڑے امراء جنہوں نے دنیا میں عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کی ہو گی' وہ ان پر رشک کریں گے۔

مشرکوں کے لئے دوزخ کیوں؟

حشر کے مناظر کے بعد مشرکوں اور کافروں کے جہنم میں دھکیلے جانے کی وجہ بھی بیان فرمائی تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝

"قریب ہے کہ اس جھوٹ کے باعث آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کیونکہ انہوں نے اللہ کے لئے بیٹا تجویز کیا۔" (مریم: 90-92)

اس مقام پر ایک وضاحت ضروری ہے کہ کوئی بھی کافر اللہ کے لئے نسبی اور صلبی بیٹا نہیں مانتا بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ایک وارث منتخب کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے معاملات میں دخیل اور مختار ہے اور یہ چیز آج بھی مختلف انداز اور طریقوں سے ہم میں مروج ہے۔

اور پھر اس کے بعد کی آیات میں حشر کے میدان میں لاچاری و عاجزی کا ذکر یوں ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝
لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝
فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝
وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝

Marfat.

"زمین اور آسمان کے اندر جو کچھ بھی ہے' سب بندوں کے طرح اللہ کے حضور پیش ہونے والے ہیں۔ وہ سب پر محیط ہے اور اس نے ان سب کو شمار کر رکھا ہے۔ قیامت کے روز سب اکیلے اکیلے (فرداً فرداً) اس کے سامنے حاضر ہوں گے یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عملِ صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کردے گا۔ پس (اے محمدؐ) اس قرآن کو ہم نے آسان کر کے آپ کی زبان میں اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ پرہیزگاروں کو خوشخبری سنا دیں اور ہٹ دھرم لوگوں کو ڈرا دیں۔ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو (عذاب و قہر سے) ہلاک کر چکے ہیں۔ پھر آج کہیں تم ان کا نشان پاتے ہو یا ان کی بھنک بھی کہیں سنائی دیتی ہے؟" (مریم:93-98)

تین اہم باتیں

سورۃ مریم کے آخر میں تین باتیں خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں:

(1) آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے' قیامت کے روز وہ سب اللہ تعالیٰ کے حضور غلامی اور بندگی کی شکل میں حاضر ہوں گے۔

(2) انسانوں میں ہر شخص تنہا اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہو گا۔ ایسا نہیں کہ ایک گروپ' ایک قبیلہ یا ملک کے لوگ جمع ہو کر آئیں بلکہ ہر شخص کا حساب اکیلے اکیلے ہو گا۔ والد کا الگ' بیٹے کا الگ' خاوند کا الگ' بیوی کا الگ' بہن کا الگ' بھائی کا الگ گویا ہر شخص اپنے اعمال کا خود اور تنہا ذمہ دار ہو گا اور خود ہی اپنے اعمال کا حساب دے گا۔

(3) ہر شخص یقیناً تنہا آئے گا مگر وہ لوگ جو ایمان دار ہیں اور انہوں نے اعمالِ صالحہ کئے' اُن کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دی جائے گی۔ آخرت میں بھی اور اس دنیا میں بھی۔ نیز فرمایا کہ قرآنِ مجید کو ہم نے بہت آسان پیرائے اور آسان زبان میں بھیجا ہے تاکہ سب لوگ اسے پڑھ سکیں نیز مُتقی لوگوں کے لئے جنّت کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔

غور کیجئے! کہ قرآن کو آسان اس لئے بنایا کہ سمجھنے اور عمل کرنے میں آسانی ہو اور وہ لوگ جو ہٹ دھرم ہیں' نہ قرآن کو پڑھتے ہیں' نہ اسے سمجھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں' ان کو قرآنِ پاک کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہئے اور سابقہ اُمتوں پر نافرمانی کے سبب ہونے والے عذاب سے ڈرنا چاہئے کیونکہ اللہ ربُّ العزت نے پہلے بھی کتنی ہی قوموں کو مثلاً عاد' ثمود وغیرہ کو ہلاک کر دیا اور آج ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ ان کی کوئی بھنک بھی کان میں نہیں پڑتی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ (آمین)

.com

سورہ طٰہٰ (۲۰)

نام

سورۃ کے آغاز میں مذکور حروفِ مقطعات ہی کو علامتی نام قرار دیا گیا۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ ہجرتِ حبشہ کے زمانے میں نازل ہوئی۔ سیدنا عُمر رضی اللہ عنہ کے ایمان سے قبل اس سورۃ کا ابتدائی حصّہ نازل ہو چکا تھا۔

سیدنا عُمر رضی اللہ عنہ کا اس سورۃ کی ابتدائی آیات سن کر متاثر ہونا اور ایمان لانا بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ ہجرتِ حبشہ سے پیدا شدہ صورتِ حال اور حبشہ سے وفد کی ناکامی پر اہلِ مکّہ نے مشورہ کیا کہ اب یہ لازم ہو چکا ہے کہ اس دین کے داعی سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے مسلح ہو کر چل نکلے۔ راستے میں اطلاع ملی کہ ان کی ہمشیرہ فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ وہ فوراً ان کے گھر پہنچے جہاں سیدنا خبابؓ ان دونوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ عمرؓ قرآن پڑھنے کی آواز سُن چکے تھے۔ مگر جب فاطمہؓ بنتِ خطاب کو عمر کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے وہ صحیفہ (جس پر آیات لکھی ہوئی تھیں) چھپا لیا۔ صورتِ حال کا جائزہ لے کر عُمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ بہن چھڑانے کو آگے بڑھیں تو ان کے سر پر چوٹ لگی اور خون بہنے لگا۔ عُمر رضی اللہ عنہ اس پر پشیمان ہوئے اور صحیفہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بہن نے صحیفہ نہ پھاڑنے کا عہد لے کر غُسل کیلئے کہا۔ جب عُمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کیا تو ان کی زبان پر اس کلام کی صداقت کی گواہی بے اختیار جاری ہو گئی۔ سیدنا خبابؓ نے آپ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اپنے دین کی نشر و اشاعت کا خوب کام لے گا کیونکہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی:

"اے اللہ! عُمر بن خطاب یا عَمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کے ساتھ اسلام کو قوّت بخش دے"

دُعا کو شرفِ قبولیت حاصل ہوئی۔ عُمر رضی اللہ عنہ دارِ ارقم پہنچے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ ہجرتِ حبشہ کے وقت آپ کے ایک رشتہ دار عامرؓ نے بھی اس خوشخبری کا ذکر اپنی اہلیہ کے ساتھ کیا تھا اور کہا تھا کہ عمرؓ بہت جلد حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے کیونکہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہدایت کے لئے دُعا فرمائی ہے۔

Marfat.

مضامین

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے رویّے اور ہٹ دھرمی کے باعث ہمیشہ دل گرفتہ رہتے جیسا کہ ہجرتِ حبشہ کے ذیل میں ذکر کیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لئے قرآن نازل نہیں کیا اور نہ آپ کے ذمّے یہ کام ہے کہ آپ ان لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کر کے دکھائیں بلکہ یہ تو ایک نصیحت اور یاددہانی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دلوں میں اس کلام الٰہی کے ذریعے سے اللہ کا خوف پیدا کیا جائے جو زمین و آسمان اور ساری کائنات کا مالک اور معبودِ حقیقی ہے۔

اس سورت میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ شروع کر کے اس کی بے شمار جزئیات کو ہدایت کے لئے تفصیلاً بیان کیا گیا۔ اگر مجموعی طور پر قرآنِ مجید کے مضامین کا مطالعہ کیا جائے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ بے شمار مقامات پر مختلف انداز سے ملے گا۔ اس کی ایک وجہ یہ نظر آتی ہے کہ جزیرۂ عرب کے اندر اور اردگرد یہودی آبادی کی وجہ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ذات اہلِ عرب میں بحیثیت نبی زیادہ متعارف تھی۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن اور نبوّت کے منصب پر فائز کیے جانے کے واقعات کے ضمن میں اہلِ مکہ کو سمجھایا گیا کہ آپ کو نبوّت و رسالت کے منصب پر فائز کرنا اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے تقاضوں پر مبنی ہے۔ وہ اپنی حکمت کے تحت جس کو چاہتا ہی' یہ منصب عطا کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو بھی عقیدۂ توحید و آخرت دے کے اس وقت کے جابر حکمران فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس وقت آپ کی معاونت آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ کوئی شخص بھی آپ کی حمایت کرنے والا نہ تھا۔ اسی طرح اللہ ربُّ العزت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی اعتقادات و نظریات کا امین بنا کر مشرکینِ مکّہ کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا۔ اس میں واقعاتی مناسبت کے اعتبار سے پیش گوئی کی گئی کہ جیسے فرعون کو انجامِ کار ذلّت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا' ایسے ہی تمہارا انجام بھی جلد ظاہر ہونے والا ہے۔ نیز سلیمُ الفطرت انسانوں کو کہا گیا کہ جیسے فرعون کی دعوت پر آئے ہوئے جادوگروں نے حق پہچاننے کے بعد تامّل نہ کیا' اسی طرح تم بھی حق ظاہر ہو جانے کے بعد بلا حیل و حجّت ایمان قبول کر لو۔

شرک و بت پرستی کے ذیل میں سامری کے بچھڑے کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہ اہلِ بصیرت کے لئے غور و فکر کا مقام ہے۔ اسی طرح قصہ آدم علیہ السلام و ابلیس کے ذیل میں ابلیس کی سرکشی اور مکر کا ذکر ہے کیوں کہ وقتی طور پر شیطانی و طاغوتی طاقتوں کے اثرات بد سے متاثر ہو جانا ایک عارضی کمزوری ہے مگر جوں ہی غلطی کا احساس ہو' آدمیت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی غلطی کا اقرار کر کے تائب ہو جائے۔

اس سورۃ میں تعلیمات و اخلاق کے ذیل میں ذکرِ الٰہی' خشیّت' ہدایت' عملِ صالح' تزکیۂ نفس' تسبیح اور اقامتِ صلوٰۃ کا حکم ہے جبکہ جھوٹ' سرکشی' اسراف' دین سے اعراض اور ہر قسم کی نافرمانی سے بچنے کی تلقین بھی کی

گئی ہے۔

سورۃ کا اختتام صبر و استقامت کی تلقین اور دعوت کا حق ادا کرنے کی نصیحت پر کیا گیا۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝

"طٰہٰ۔ (اے محمدؐ!) ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں اور یہ نصیحت ہے اس شخص کے لئے جو (اللہ) ڈرتا ہو۔" (طٰہٰ: 1-3)

قرآن کس لئے ہے؟

یہ قرآن اس شخص کے لئے تقویٰ کا سب سے بڑا سبب' نشانی اور یاددھانی ہے جو گناہوں سے بچنا چاہے اور جو شخص تقویٰ اختیار ہی نہ کرنا چاہے' اس کے لئے یہ قرآنِ مجید حجت ہے جو اسے باندھ کر جہنم میں لے جائے گا یہی بات قرآنِ مجید کے آغاز میں بیان ہوئی: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ "یہ ہدایت ہے متّقین کے لئے"۔ یعنی ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو تقویٰ اختیار کرنا چاہیں۔

مُبلّغ کے لئے نصیحت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہے کہ یہ دین ہم نے اس لئے نازل کیا کہ تم اتمامِ حجت کر دو۔ حکمت اور دردمندی کے ساتھ یہ بات لوگوں تک پہنچا دو اور بس۔ لیکن تم تو اپنی جان ہی گھلائے جا رہے ہو اور تم نے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال لیا ہے۔ اس میں دعوت دینے والوں کے لئے بھی ایک سبق ہے کہ وہ مسلسل کام کرتے رہیں اور اگر نتائج سامنے نہ بھی آئیں تو ان کو دل گرفتہ ہو کر کام نہیں چھوڑنا چاہئے۔

موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کو مار کر مصر سے نکلے۔ شہرِ مدین میں سیدنا شعیب علیہ السلام کے ہاں پہنچے' آٹھ دس سال وہاں قیام کیا' وہاں سے شادی کر کے چلے۔ راستے ہی میں منصبِ نبوت عطا کیا گیا اور معجزات عطا ہوئے۔ جن میں سے ایک یدِ بیضا کہ آپ ہاتھ اپنے پہلو میں ڈال کر نکالتے تو وہ اتنا روشن اور چمکدار ہو جاتا کہ اندھیرے کا احساس نہ رہتا اور نبی اندھیرے کو دور کرنے کے لئے ہی تشریف لاتے ہیں۔ دوسرا معجزہ یہ کہ ہاتھ میں جو لکڑی تھی' وہ زمین پر پھینکنے سے اژدھا بن جاتی۔ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو ڈر گئے' تو حکمِ الٰہی ہوا کہ اس اژدھے پر ہاتھ ڈال دیں۔ اژدھے پر ہاتھ ڈالا تو وہ ویسی ہی لکڑی نکلی۔

fat.com

معجزاتِ موسوی کی رمزی حقیقت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان دو معجزوں میں یہ ایک مخفی اشارہ ہے کہ رسولِ خدا کے دو بنیادی کام ہو
ہیں:

1- ید بیضا کی طرح روشنی لے آئیں۔ لوگوں کو جہالت اور ناانصافی کے اندھیروں سے نکال کر علم و عدل کی روشن
میں لے آنا۔

2- اپنے دور کے اژدھاؤں پر ہاتھ ڈال کر انہیں بے جان لکڑی بنا دینا اور انسانوں کو ان کے ظلم سے آزاد کروانا۔

فرعونوں کی حقیقت

اژدھے پر ہاتھ ڈالنے کی مشق اس لئے کروائی کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک بہت بڑے اژدھے (فرعون) کے
پاس بھیجا جا رہا تھا اور یہ تربیت دی جا رہی تھی کہ اژدھے پر ہاتھ کس طرح ڈالنا ہے۔ یہ فرعون جو دیکھنے میں اژد
نظر آتا ہے جب اس پر ہاتھ ڈالو گے تو یہ لکڑی ثابت ہو گا اور اشارے کنائے میں یہ بھی بتا دیا کہ یہ فرعون اور امی
وزیر وغیرہ قسم کے لوگ دیکھنے میں تو اژدھے سے نظر آتے ہیں لیکن اگر ان پر ہاتھ ڈال دو تو یہ لکڑی کی مانند بے جا
اور بے ضرر ہیں۔ آپ کا ساتھ دینے کے لئے سیدنا ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز کر کے دونوں کو حکم
گیا:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِیْ وَلَا تَنِيَا فِیْ ذِكْرِیْ ۝

"تم اور تمہارا بھائی دونوں میری ان نشانیوں اور معجزات کو لے کر جاؤ اور دیکھو میرے ذکر میں سستی نہ
کرنا۔" (طٰہٰ:42)

تبلیغ کے ساتھ ذکرِ الٰہی ضروری ہے

دین کی دعوت و تبلیغ اس وقت اپنا اثر دکھاتی ہے جب اندر ذکر کی گرمی موجود ہو۔ اگر ذکر کی گرمی نہیں تو با
منہ سے نکل کر کان تک پہنچے گی اور ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جائے گی۔ گویا بات بے اثر ر
گی لیکن اگر کچھ بھی ذکر کی گرمی موجود ہو تو

؎ از دل خیزد بر دل ریزد

یعنی بات دِل سے نکلے گی اور دِل پر اثر کرے گی۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ فرعون کے ساتھ ذرا نرم لہجے می
گفتگو کیجئے۔ حکمت، موعظہ حسنہ اور جدالِ احسن سے کام لیجئے۔ یہ ایک خوبصورت مثال ہمیں فرعون کے دربا
میں نظر آتی ہے کہ کس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور کس طرح فرعون کی چال
اور اس کے وار کو خطا کر دیتے ہیں۔ ذرا اس انداز کو قرآنی الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ○

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ○

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ○

"فرعون نے کہا: اے موسیٰؑ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ موسیٰؑ نے جواب دیا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی۔ پھر اس کو راستہ بتایا۔ فرعون بولا: وہ نسلیں جو پہلے گزر چکی ہیں ان کی حالت کیا ہوگی؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان کا حال اللہ ہی جانتا ہے جو نہ بھولتا ہے اور نہ چوکتا ہے۔"

(طٰہٰ:49-52)

فرعون یہ بات جانتا تھا کہ وہ جہنم میں ہیں لیکن وہ یہ بات موسیٰ علیہ السلام کی زبانی کہلوانا چاہتا تھا تاکہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے دشمن ہو جائیں۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے حکمت سے کام لیا اور جواب دیا کہ

"ان کا تو حال اللہ ہی جانتا ہے جو نہ بھولتا ہے نہ چوکتا ہے۔"

معرکہ حق و باطل

اسی خوبصورت اندازِ کلام کا نام تبلیغ کی حکمت ہے اس کلام پر فرعون کچھ سٹپٹایا اور موسیٰ علیہ السلام نے معجزات کے ذریعہ حق کو مزید واضح کیا۔ جس کو فرعون نے جادو کا نام دے کر اہلِ دربار کو کہا کہ ملک کے نامور جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرایا جائے چنانچہ مقررہ وقت پر پُرہجوم تقریب میں جادوگر مقابلے کے لئے آپہنچے اور جب مقابلے کا آغاز ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے جو الفاظ فرمائے وہ قرآنِ مجید میں یوں محفوظ ہیں:

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ○

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ

اَنَّهَا تَسْعٰى ○ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ○

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ○ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ

اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ○

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ○

"یہ جادوگر بولے، موسیٰ! تم پھینکتے ہو یا پہلے ہم پھینکیں؟ موسیٰ نے کہا، نہیں! پہلے تم ہی پھینکو یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ علیہ السلام کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے

Marfat.

لگیں اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا تو ہم نے کہا: مت ڈر تو ہی غالب ہے' تو ہی غالب رہے گا اور پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو یہ نگلے جاتا ہے یہ جادوگر جو کچھ بنا کر لائے ہیں' یہ تو جادو کا فریب ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا خواہ کسی شان سے بھی آئے۔ آخر کو یہی ہوا۔ سارے جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے اور وہ پکار اُٹھے کہ مان لیا ہم نے ہارون ؑ اور موسیٰ ؑ کے رب کو" (طٰہٰ:65-70)

اب اس مقام پر ذرا غور کیجئے کہ اس مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کو ایمان نصیب کر دیا کیونکہ انہیں اپنے علم کی وجہ سے پتا چل گیا تھا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے جو کیا ہے' وہ اور کچھ بھی ہو' جادو نہیں ہو سکتا ہے۔

باادب بانصیب

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک بہت خوب بات لکھی ہے کہ جادوگر ہرچند کہ فرعون کے بھیجے ہوئے ایجنٹ تھے لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جس انداز سے گفتگو کی' اس میں ادب اور احترام تھا اور اللہ تعالیٰ کو ان کی یہی بات پسند آ گئی۔ مثلاً یہ کہ انہوں نے کہا اگر اجازت ہو تو ہم پہل کریں یا آپ ہی پہل کر لیجئے۔ حالانکہ وہ بغیر پوچھے بھی اپنے فن کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے پہلے ادب و احترام کا معاملہ کیا اور یہ سبق ہمارے لئے بھی ہے کہ اللہ والوں کا ادب و احترام کریں کیونکہ یہی تعظیم' ادب اور محبت انسان کو ہدایت تک لے جاتی ہے اور جادوگروں کی ہدایت کا سبب بھی یہی ادب بنا۔

اس جگہ ایک اور اہم بات قرآنِ مجید بیان کرتا ہے جو اس دور کی ماڈرن سائیکالوجی نے بھی بتائی کہ جادو سے انسان کے خیالات ماؤف ہو جاتے ہیں اور انسان کے جذبات و خیالات اور دیکھنے کی قوّت متاثر ہوتی ہے اور قرآنِ مجید نے بھی یہی بات یوں کہہ دی کہ موسیٰ علیہ السلام کو یوں خیال ہو رہا تھا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر اِدھر اُدھر بھاگ رہی ہیں۔ یہی اصل حقیقت ہے کہ جادو انسان کی قوّتِ خیال کو متاثر کرتا ہے۔ فی الواقع اس کی اپنی کوئی حقیقت نہیں اور پھر قرآنِ مجید جس انداز سے جادو اور جادوگروں کو ذلیل کرتا ہے' اس سے سخت انداز میں کسی کو ذلیل نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً فرمایا جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا' خواہ وہ کسی شان سے آئے' خواہ وہ فرعون کا نمائندہ ہی کیوں نہ ہو۔

دنیا میں جادوگر کا انجام

میں نے بہت سے اور بڑے بڑے جادو کے تعویذ لکھنے والوں کو دیکھا جن کا دھندا یہی ہے کہ بیٹھ کے ٹونے ٹوٹکے اور تعویذ لکھتے رہتے ہیں اور پھر ساری زندگی ذلیل رہتے اور بے ایمان ہو کر مرتے ہیں۔ اسی لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**اَلسَّاحِرُ يُقْتَلُ وَ لَا يُسْتَتَابُ**" (جادوگر کو قتل کر دینا چاہئے اور توبہ کی مہلت نہیں دینی

.com

چاہئے۔) جبکہ مشرک کے لئے توبہ ہے' کافر کے لئے توبہ ہے بلکہ دنیا کے ہر گناہ کے لئے توبہ ہے مگر جادو اتنا بڑا گناہ ہے جس کے لئے توبہ کی مہلت ہی نہیں بلکہ قتل کا حکم ہے لیکن ہماری صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ اخباروں میں محبت اور نفرت کے تعویذ لکھنے والے "پروفیسوں" کے اشتہار چھپتے ہیں اور کوئی حکمران یا رعایا میں سے انہیں جوتے مارنے والا نہیں۔ محبت کا تعویذ کیا ہے؟ یہی نا کہ ایک شریف زادی گھر میں بیٹھی ہے۔ اس کو آپ نے تعویذ پلا دیا اور کسی آوارہ و بدمعاش کے ساتھ جادو کے زیر اثر اس کو اغوا کروا دیا۔ اس قدر بڑے جرم کو ہم معاشرے میں برداشت کرتے ہیں اور ان خبیث فطرت لوگوں کو ہم بزرگ اور پہنچا ہوا کہتے ہیں۔ یہ ان کی نہیں ہماری بے غیرتی ہے اور ہمیں ذرا بھر پہچان نہیں کہ یہ اللہ والا ہے یا مجسم شیطان۔ دیکھ لیجئے قرآنِ مجید ان لوگوں کو کس طرح ذلیل و رسوا کر رہا ہے۔

یہ سورہ ہدایت و موعظت کے ان گنت پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ان جادوگروں نے جب ایمان قبول کر لیا تو فرعون نے ان کو عبرت انگیز قتل کی دھمکی دی۔ انہوں نے اس کو بڑی حقارت سے کہا:

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ

"تو جو کر سکتا ہے کر گزر۔" (طٰہٰ:72)

جادوگروں نے ایمان کی قبولیت کے بعد پوری استقامت کا مظاہرہ کیا۔ پھر انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے فرعون کی ذلت و رسوائی کا مشاہدہ بھی کیا کہ وہ کس کسمپرسی کے عالم میں غرقاب ہوا۔

تورات کا ملنا اور بچھڑے کی پوجا

دریائے نیل پار کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے طور پر بلایا اور ان کو الواح عطا کیں۔ اسی دوران میں ایک انتہائی ہوشیار اور شعبدہ باز شخص نے جو مختلف قسم کی حیران کن حرکات کیا کرتا تھا' سونے کا ایک بچھڑا بنایا اور اس کی پوجا شروع کرا دی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے لوگوں کو منع فرمایا۔ کچھ لوگ باز آ گئے جبکہ کچھ اپنے عمل پر ڈٹے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم تو بچھڑے کی پوجا میں لگی ہے تو انہوں نے ہارون علیہ السلام کے ساتھ سختی کی۔ انہیں ڈانٹا بلکہ قرآن کے الفاظ میں ان کو سر سے پکڑ کر جھنجوڑنے لگے۔ ہارون علیہ السلام کا جواب ان کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ
اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ○
قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ○

"(موسیٰ علیہ السلام قوم کو ڈانٹنے کے بعد ہارون علیہ السلام کی طرف پلٹے اور) بولے ہارون! تم نے جب

fat.com

دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟ ہارون علیہ السلام نے جواب دیا: اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی نہ پکڑ! نہ میرے سر کے بال کھینچ! مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آکر کہے گا کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔" (طہٰ: 92-93)

اللہ کے نبی ہارون علیہ السلام نے اپنے سامنے بچھڑے کی پوجا ہوتے ہوئے دیکھی' بات کھول کر بیان کر دی' لیکن ڈنڈا لے کر پیچھے نہیں پڑے اور نہ ہی جتھے بازی کر کے قوم کو فرقوں میں بانٹ دیا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ جناب میں نے تبلیغ کر دی تھی اور ان کے سامنے حق بھی بیان کر دیا تھا لیکن اگر میں سختی کرتا تو آپ ہی مجھے کہتے کہ ہارون! تم نے بنی اسرائیل کو فرقہ فرقہ کر دیا' اور میری اُمت کا ستیاناس کر دیا۔

میدانِ حشر میں ظالموں کی رسوائی

اس واقعہ کی تفصیلات کے بعد قیامت اور وقوعِ قیامت کے مناظر پر مشرکینِ مکہ کے چند خدشات کا ازالہ اور پھر قیامت کے روز فیصلے کے بعد جو کیفیت ہوگی' اس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا:

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۗ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ○ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ○

"اس قائم اور زندہ رہنے والے کے حضور منہ لٹک جائیں گے اور جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا' وہ نامراد رہا۔ اور جس نے حالتِ ایمان میں نیک عمل کئے' تو اس کو ظلم اور نقصان کا ڈر نہ ہوگا اور ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا۔ اس میں طرح طرح کے ڈراوے بیان کئے تاکہ لوگ گناہوں سے بچیں۔ یا وہ ان کے لیے سامانِ نصیحت مہیا کرے" (طہٰ: 111-113)

آدم علیہ السلام اور پیغامِ الٰہی

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں چند جملے ارشاد ہیں:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ○ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○

.com

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○
قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ○
قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○

"آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گیا پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کرلی اور اسے ہدایت بخشی اور فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اب اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا' وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا اور جو میرے ذِکر یا پیغام سے منہ موڑے گا' اس کے لئے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا پروردگار! دنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا۔ مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسی طرح سے تو ہماری آیات کو جبکہ وہ تیرے پاس آئی تھیں تو نے بھلا دیا تھا' اسی طرح آج تجھے بھلایا جا رہا ہے۔" (طٰہٰ:121-126)

قرآنِ مجید کے ساتھ اندھاپن

اندھا اٹھائے جانے والی بات کا تعلق اس آیت سے بھی ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے پھر ملاحظہ فرمائیں:

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○

"دیکھو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے بصیرت کی روشنیاں پہنچ گئی ہیں جس نے ان کو آنکھیں کھول کر پڑھا' اس میں اس کا اپنا بھلا ہے اور جو اندھا ہو کر رہا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا اور میں تمہارا نگران نہیں ہو۔" (الانعام:106)

اوقاتِ نماز

سابقہ اُمتوں کی ہلاکت کے اجمالی ذکر کے بعد ایسا حکم دیا گیا ہے جس میں ایک مومن مبلغ کو روحانی قوت اور قلبی طمانینت و سکون ملتا ہے:

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○
وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ

"پس جو کچھ یہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو' اور سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح و حمد کیا کرو اور رات کی گھڑیوں میں بھی اس کی تسبیح کرو اور دن کے اطراف میں بھی' تاکہ تم خوش ہو جاؤ اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لئے دی ہے۔"
(طٰہٰ:131-130)

اس مقام پر اوقاتِ صلوٰۃ کی جانب واضح اشارہ ہے۔ طلوعِ آفتاب سے قبل فجر کی نماز' غروبِ آفتاب سے قبل عصر کی نماز' رات کے اوقات میں عشاء۔ دن کے تین کنارے ہیں۔ پہلا کنارہ صبح دوسرا کنارہ زوالِ آفتاب سے قبل اور تیسرا کنارہ شام۔ ان سے مراد فجر' ظہر اور مغرب ہے۔ گویا پانچ نمازوں کی ادائیگی اور اہتمام کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو سکون اور خوشی میسر رہے گی۔

اس کے بعد گناہوں کی طرف راغب کرنے والی ایک خرابی سے روکا گیا کہ کفار کو فائدہ اٹھانے کے لئے جو سامان زیست دیا گیا' مسلمان اس کی جانب التفات نہ کریں کیونکہ ان کو اس مال و دولت سے آزمایا جانا مقصود ہے اور یہ سامان ان کے لئے فتنے کا باعث ہے۔

اوپر جن نمازوں کی جانب اشارہ تھا' ان کی اہمیت کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ○

"اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو' ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے۔ رزق تو ہم ہی تمہیں دے رہے ہیں اور انجام کی بھلائی تقویٰ ہی کے لئے ہے۔" (طٰہٰ:132)

صلوٰۃ کے معنی

یہاں صلوٰۃ کا لفظ پورے دین کے معنی میں ہے۔ چونکہ دین میں نماز کی اہمیت سب سے زیادہ ہے' اس لئے اس کو دین کا ستون (Pillar of Islam) قرار دے کر فرمایا کہ یہ تمہارے کرنے کا کام ہے۔ دین کو آگے پہنچانا' اپنے گھر سے شروع کرنا اور اسی میں اپنی پوری زندگی کھپا دینا۔ رہ گیا رزق کا معاملہ تو اللہ نے ہمیں دنیا میں رزق کمانے کے لئے نہیں بھیجا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے۔ ہمیں رزق کو اپنی پہلی ترجیح نہیں بنانا چاہیے بلکہ اس کو دوسرے درجے کی ترجیح (Secondary Importance) پر رکھنا چاہیے۔ ہمارا کام دین کو سمجھنا اور سمجھانا ہونا چاہیے۔ یہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری نہیں تھی بلکہ تمام مومنین کی ذمہ داری ہے۔

Marf

دوسرے درجے کی ترجیح(Secondary Importance) پر رکھنا چاہئے۔ ہمارا کام دین کو سمجھنا اور سمجھانا ہونا چاہئے۔ یہ صرف نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذِمّہ داری نہیں تھی بلکہ تمام مومنین کی ذِمّہ داری ہے۔

ارشادِباری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○

"میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔" (الذاریات:56)

یہ نہیں کہ وہ رزق کماتے پھریں یا رزق کما کر مجھے کھلائیں۔ اللہ ہی رزق دینے والا' قوّت دینے والا اور زبردست ہے۔ نبی اور ولی بلکہ عام آدمی کی پہلی ترجیح یہ ہونی چاہئے کہ وہ دین کو سمجھے' سمجھائے اور پھیلائے۔ رزق کا معاملہ دوسری ترجیح ہونی چاہئے۔ حصول رزق کی وہ اہمیت نہیں ہے جو دین کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ ہے کہ جو شخص اپنی زندگی دین کے راستے میں کھپادے' دنیا کی ساری ضرورتیں ہاتھ باندھ کر خود ہی اس کے پیچھے پیچھے چلی آتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے طور پر ان کا بندوبست کردیتا ہے۔

اللہ ربُّ العزّت ہمیں حقیقی معنوں میں قرآن کا علم عطا فرمادے۔ اس کو ہمارے رگ و ریشہ میں اتار دے۔ اسے ہماری شخصیت کا حصہ بنادے اور اس کو قیامت کے دن ہمارا شفیع بنادے کہ اسی میں ہم سب کی فلاح ہے۔

آمین

fat.com

سورہ الانبیاء (۲۱)

نام

اس سورۃ میں بہت سے انبیاء کے تذکرے کی وجہ سے اس کا علامتی نام "الانبیاء" رکھا گیا۔

زمانۂ نزول

مکی زندگی کے دوسرے دور کا آخر اور تیسرے دور کا آغاز اس سورۃ کا زمانۂ نزول ہے۔

مضامین

قریشِ مکّہ کی جانب سے آپؐ کے پیغامِ رسالت (عقیدۂ توحید اور حیات بعدَ المُوت) پر مختلف و متضاد اعتراضات ہوا کرتے تھے۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے واقعاتی شہادتوں اور انفس و آفاق کے دلائل کی روشنی میں ان کے اعتراضات کا ازالہ کیا ہے اور اہلِ مکہ کو اس بات پر متنبہ بھی کیا ہے کہ جس انداز سے تم نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آرہے ہو' اس کا انجام ہمیشہ عبرت ناک ہوا۔

کُفارِ مکّہ کے اعتراضات کا اجمالی خاکہ یوں ہے:

(الف) انسان کبھی منصبِ رسالت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس کا تذکرہ اس سے قبل سورۃُ الانعام' بنی اسرائیل اور کہف میں بھی ہے۔

(ب) عقیدۂ آخرت کا وہ مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ عقیدہ محض واہمہ ہے۔ زندگی چند روزہ کھیل کود کا نام ہے اور جزاء و سزا وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں۔

عقیدۂ آخرت کا انکار تمام گمراہیوں اور بدعملیوں کی بنیاد بنتا ہے کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اسی غفلت کے باعث وہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو انتہائی تحقیر آمیز انداز سے دیکھتے اور قرآن کے بارے میں یوں کہتے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا کلام ہے جو وہ خود روزانہ گھڑ کر پیش کر دیتے ہیں۔ شرک (جو اہلِ مکہ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا) کی بابت وہ کسی بھی حقیقت پسندانہ گفتگو کو سننے کی تاب نہ رکھتے تھے اور اس کے ساتھ رسالت کے انکار پر ان کی یہ دلیل تھی کہ یہ نبی بارہا عذاب کی وعیدیں سنا چکے ہیں مگر آج تک وہ عذاب نہیں آیا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ محض دھمکیاں ہیں تاکہ ہمیں مرعوب کیا جاسکے۔

ان سب باتوں کے پیش نظر پہلے انبیاء کے حالاتِ زندگی کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا کہ انبیاء اپنی نوع کے

اعتبار سے انسان ہی ہوتے ہیں۔ الٰہی صفات میں سے کسی ایک علامت اور صفت کا ان میں شائبہ تک نہیں ہوتا۔ وہ خود اپنی ضروریات اور حاجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا رہتے ہیں۔ ان کی دعوت کے مخالف ان کے درپے آزار ہوتے ہیں تو نصرتِ الٰہی ان کے ساتھ شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کے پیغام کے امین ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اسی دین کو پیش کر رہے ہیں جو پہلے انبیاء پیش کر چکے ہیں اور یہی اصل دین ہے اور اس کے علاوہ جس قدر مذاہب اس دنیا میں موجود ہیں' وہ گمراہ اور بدباطن لوگوں کے اوہام کا مجموعہ ہیں۔

اس سورۃ میں اس مضمون کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ کامیابی و کامرانی انہی لوگوں کا مقدر ہوتی ہے جو اس دینِ برحق کو اپنی زندگی کے سارے معاملات میں راہنما بنالیں اور اس دین کو رد کرنے والوں کا انجام بدتر اور عبرت ناک ہوگا۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نبیوں کے ذریعے سے وقت سے پہلے بتا رہے ہیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کرکے اللہ کی رحمتوں کے حقدار بن سکیں۔

اخلاقی تعلیمات کے ضمن میں اس سورۃ میں خیرات' صبر' علم' نیکی اور انصاف کا خصوصی ذکر ہے جب کہ ظلم' کفر' غفلت اور دین کا مذاق اڑانے کی مذمت کی گئی ہے۔

Marfat.

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝

"لوگوں کا حساب نزدیک آپہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) منہ پھیر رہے ہیں۔" (الانبیاء: 1)

عقیدۂ آخرت

سورۃ کا آغاز قیامت کے تذکرے کے ساتھ ہے۔ جس سے انسان غافل بنا ہوا ہے جبکہ یہی غفلت اس کی تباہی و بربادی کا باعث ہے۔ کیونکہ اس غفلت کے باعث مشرکینِ مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ نبوت کو "پراگندہ خواب' من گھڑت کہاوتیں اور شاعری" قرار دے رہے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ آپ اپنی جسمانی ساخت اور حسب و نسب کے اعتبار سے انسان ہیں اور کوئی بھی انسان منصبِ رسالت کا اہل نہیں بن سکتا اور یہی غلط نظریہ ہر دور کے مشرکین کی حق سے دوری کا سبب بنتا رہا۔ جبکہ ہر دور کے مشرک پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی صداقت کو جزوی یا کلی طور پر تسلیم کرتے تھے اور یہی کیفیت مشرکینِ مکہ کی بھی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝
وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ ۝

"اور ہم نے آپ سے پہلے مرد (انسان) ہی نبی بنا کر بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو ذکر والوں (اہلِ کتاب) سے پوچھ لو۔ اور ہم نے اُن کے جسم ایسے بھی نہیں بنائے کہ ان کو کھانے کی ضرورت نہ ہو اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔" (الانبیاء: 7-8)

اسی طرح ایک اور مقام پر یہی بیان ہے کہ لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ شخص تو ہم جیسا انسان ہے' یہ رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ نیز یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔ یہ موضوع قرآنِ مجید میں کئی جگہوں پہ بیان ہوا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ جو بشر ہے' وہ رسول نہیں ہو سکتا اور اس لئے ہم آپ پر ایمان نہیں لائے۔ کئی مقامات پر اس کا رد کیا گیا کہ بشر کو ہم ہی نے نبی بنا کر بھیجا ہے کیونکہ اگر یہ دنیا فرشتوں کی

ہوتی تو ہم فرشتہ بطور نبی بھیج دیتے جبکہ تم انسان ہو اور تم کو اتباع بھی کرنا ہے' اس لئے ہم نے انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا بلکہ اب تک جتنے بھی رسول آئے' سب کے سب انسان اور بشر ہی تھے۔ یہ فتنہ ہمیشہ ہی لوگوں کے ذہنوں میں رہا کہ جو شخص بشر ہے' وہ رسول نہیں ہو سکتا۔ اب بالکل وہی فتنہ دوسرے رنگ میں آ گیا۔ پہلے تو رسول نہیں مانتے تھے' اس لئے کہ وہ بشر تھا۔ اب رسول مان لیا ہے تو بشر نہیں مانتے۔ فتنہ کا انداز وہی ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں بتاکید صراحت ہے کہ اب تک ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے' وہ سب بشر ہی تھے۔ بشریت نبوت کے منافی نہیں بلکہ اللہ (خالق) کے بعد مخلوقات میں بلند ترین مرتبہ بشر کا ہے' کسی اور مخلوق کا نہیں اور پھر انہی انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ نے چن کر نبوت و رسالت عطا کی۔ قرآن کو بعد کی آیت میں ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اس میں تدبر کرو۔ اس کے بعد بستیوں کی بربادی و ہلاکت کا سبب مذکور ہے اور وہ ہے "ظلم" یعنی حق کو نہ پہچاننا۔ اس بات کا اقرار مجرم خود اپنی زبان سے اس وقت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کو ان کی بداعمالیوں کے سبب گرفت میں لے لیتے ہیں۔

ایک سے زیادہ معبود فساد کا باعث!

توحیدِ الٰہی کے لئے آفاق کی شہادت کے بعد مشرکین کو ایک اور جانب توجہ دلائی کہ اگر اس کائنات میں ایک سے زائد معبود (الٰہ) ہوتے تو نظام کائنات فساد کا شکار ہو جاتا اور اگر اس مسلّمہ حقانیت کے باوجود بھی وہ شرک پر آمادہ ہیں تو اس کے لئے کوئی معقول دلیل پیش کریں۔ کیونکہ آج تک جس قدر رسول مبعوث کئے گئے' وہ سبھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔

اس کے مقابل مشرکوں کی بداعتقادی کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقرب بندوں کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے کر ان کی پوجا اس لئے کرتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے' ان کے اس باطل عقیدہ کو یوں رد کیا گیا:

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○

"اس کے آگے بڑھ کر نہیں بول سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔" (الانبیاء:27)

یعنی وہ اللہ کی مشیئت اور اجازت کے بغیر سفارش نہیں کریں گے۔

اظہارِ حقیقت کے بعد پھر غور و فکر کے لئے زمین' پہاڑوں' وادیوں' آسمانوں' رات اور دن کی تخلیق کو بطور گواہ بیان فرمایا اور ان کے مخلوق ہونے اور خالق نہ ہونے پر ارشاد فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ

اِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ○

"ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تم لوگوں کو تنگی اور فراخی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اور تم کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے" (الانبیاء:35)

اس تنبیہہ اور وعید کے بعد کُفارِ مکّہ کی خصلتِ بد کا ذکر ہے کہ وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر استہزاء کرتے۔ اللہ ربُّ العزت نے آپ کو تسلّی اور حوصلہ دلانے کے لئے فرمایا کہ آپ سے قبل بھی ہر دور کے کُفار نے انبیاء کے ساتھ مذاق کیا اور ان کی یہی بد عملی ان کے لئے عذاب کا سبب بنی اور اللہ کا عذاب اس قدر شدید ہوا کرتا ہے کہ اگر کسی انسان کو اس عذاب کا ایک جھونکا بھی چھولے تو وہ زندگی بھر کی مسرتوں اور شادمانیوں کو بھول جائے گا۔ ان باتوں کے لئے بطور دلیل پہلے انبیاء اور اُمتوں کے تذکرے فرمائے لیکن ان واقعات کی تفصیلات سے قبل میں ایک حیرت انگیزبات کی طرف آپ کی توجہ دلاؤں گا۔

ایک حیرت انگیز انکشاف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ كَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا ؕ وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ○
وَجَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِهِمۡ وَجَعَلۡنَا فِیۡهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمۡ یَهۡتَدُوۡنَ ○
وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۚۖ وَّهُمۡ عَنۡ اٰیٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَ ○
وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ○

"کیا وہ لوگ جنھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم کی) بات ماننے سے انکار کردیا ہے، غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں جُدا کیا اور پھر پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ اور ہم نے زمین میں پہاڑ جمادیئے تاکہ زمین انہیں لے کر ڈھلنے نہ لگ جائے اور ہم نے اس میں کُشادہ راہیں بنادیں شاید کہ لوگ اپنا راستہ معلوم کرلیں اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا مگر یہ ہیں کہ اس کی نشانیوں کی طرف توجّہ ہی نہیں کرتے اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو

بنایا۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں" (الانبیاء:30-33)

مذکورہ آیات میں قرآنِ مجید جس چیز کی جانب اشارہ کر رہا ہے' اس کو آج کی سائنس نے ڈیڑھ ہزار سال کے بعد ایک بہت بڑا انکشاف قرار دیا ہے۔ وہ یہ کہ زمین اور سیارگان بہت عرصہ پہلے اس انداز میں بنے کہ سورج کے قریب سے کوئی بہت بڑا سیارہ گزرا اور وہ اتنی تیزی سے گزرا کہ اس نے سورج میں سے بہت سے سیاروں کو جُدا کر دیا۔ یہ زمین بھی انہیں سیاروں میں سے ہے جو سورج سے جُدا ہوئے۔ پھر یہ زمین اور الگ ہونے والے سارے سیارے سورج کے اردگرد حرکت کرنے لگے۔ ابتداءً یہ سب سیارے اور زمین آگ کی شکل میں تھے۔ یہ آگ ٹھنڈی ہوتی گئی' اوپر کا حصہ ٹھنڈا ہو گیا جس کو قشرالارض یعنی زمینی چھلکا کہتے ہیں۔ زمین کے وسط میں اب بھی آگ موجود ہے۔ یہ وہی آگ ہے جو کبھی کبھی آتش فشاں پہاڑ بن کر نکلتی ہے اور لاوا جوں جوں زمین پر پڑتا ہے' ٹھنڈا ہو جاتا ہے اس کے سبب یہ زمین آہستہ آہستہ سکڑ رہی ہے۔ اس کا حجم کم ہو رہا ہے یہ اس دور کی مسلمہ حقیقت ہے' کوئی نظریہ (Theory) نہیں۔ پھر اس زمین پر پانی بنایا جو زمینی مخلوقات کے لئے مدارِ حیات ہے۔

اوپر ذکر ہوا کہ لاوا زمین میں سے نکل کر ٹھنڈا ہو رہا ہے جس کے باعث زمین سکڑ رہی ہے اور اس کا حجم کم ہو رہا ہے۔ اس دور کے اس انکشاف کو دوسرے مقام پر یوں واضح کیا:

اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

"کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے سکیڑ رہے ہیں پھر کیا یہ غالب آ جائیں گے؟"

(الانبیاء:۴۴)

یہ بات اتنے واضح الفاظ میں کہی کہ اس دور کا سائنس دان بھی پریشان ہو گیا کہ اتنی بڑی سائنسی حقیقت کا اظہار آج سے چودہ سو سال قبل کیسے کر دیا گیا؟ ظاہر ہے یہ انسانی علم نہیں تھا بلکہ وحیِ الٰہی تھی۔

انبیاء کا ذکر

اس لطیف بات کے بعد مختصراً موسیٰ وہارون علیہما السلام کو دی گئی نورانی ہدایت کا ذکر ہے اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذرا تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حدیث میں آنے والی ایک بات کا اضافہ ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو اس وقت سیدنا جبرائیل امین علیہ السلام نمودار ہوئے اور عرض کیا کہ ابراہیمؑ! میرے لائق کوئی خدمت' ضرورت اور حاجت ہو تو حکم دیں۔ اب اس نازک وقت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اسے کہہ سکتے تھے کہ یہاں ایک پَر مارو اور اس آگ کو بجھا دو۔ لیکن جبرائیل علیہ السلام کو انہوں نے ایک تاریخی جواب دیا:

fat.com

"حاجت تو ہے مگر تم سے نہیں۔"

؎ آنے دو اُسے جس کے لئے چاک کیا ہے
ناصح سے گریباں کو سلانے کے نہیں ہم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبرائیل کو درمیان سے ہٹا دیا کہ اگر آج اللہ تعالیٰ اس بات پر راضی ہے کہ میں آگ میں کود جاؤں تو میں بھی اس پر راضی ہوں لیکن اگر وہ اس بات پر راضی نہیں تو وہ خود جانے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کو گل و گلزار بنا دیا۔

اس کے بعد کی آیات میں ابراہیم علیہ السلام پر کئے گئے انعامات کا ذکر اور دوسرے انبیاء کے حالات ہیں۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام۔ ان تمام جلیل القدر پیغمبروں کے مختصر واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ ربُّ العزت نے قیامت کے روز ہونے والی زمینی کیفیت کا ذکر فرمایا:

قیامت کا ذکر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُۥ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَآ ۚ إِنَّا كُنَّا فَٰعِلِينَ ۝
وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنۢ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّٰلِحُونَ ۝
إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَٰغًا لِّقَوْمٍ عَٰبِدِينَ ۝

"(اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ کے رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلے تخلیق کی تھی، اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذِمّے ایک وعدہ ہے اور یہ کام ہمیں بہرحال کرنا ہے اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔ اس میں عبادت گزار بندوں کے لئے ایک بڑی خبر ہے۔

(الانبیاء:86-106)

اس سورت کی آخری آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی و عالمگیر نبوت کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء یا رسول آئے' وہ خاص قوم' خاص علاقے اور خاص وقت کے لئے تھے لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آپ کی رسالت آفاقی ہے۔

سورۃ کا اختتام ایک جامع دُعا پر ہے جس میں ربّ العالمین سے دُعا کی گئی ہے:

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○

"(آخر کار) رسولؐ نے کہا: اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور (لوگو!) تم جو باتیں بناتے ہو' اُن کے مقابلے میں ہمارا رب رحمٰن ہی ہمارا مددگار ہے۔" (الانبیاء:112)

Marfat.

سورہ الحج (۲۲)

نام

مناسک حج کی ادائیگی کے حکم کی مناسبت سے اس سورت کا علامتی نام "الحج" رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

اس سورۃ کی کچھ آیات مکہ معظمہ میں اور کچھ آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

مضامین

اس سورۃ میں مومنین، یہود، مجوس، کفارِ مکہ اور متردد و مذبذب نو مسلموں سے خطاب ہے۔ کفارِ مکہ، یہود و مجوس کو یہ کہا گیا کہ تم نبی آخر الزمان علیہ السلام کے سلسلے میں ہٹ دھرمی اور ضد کو ترک کر کے ان کے پیغامِ رحمت کو قبول کر لو۔ بصورت دیگر جب عذابِ الٰہی آئے گا تو اس وقت تمہیں تمہارے معبودانِ باطلہ کے عجز و درماندگی کا علم ہو گا اور اس وقت تم کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ گے لیکن اس وقت تمہارا افسوس و ندامت تمہارے لئے ہرگز سودمند نہ ہو گا۔ اس کے ساتھ قرآنِ مجید نے اپنے مخصوص انداز میں توحید و آخرت پر بھی مدلل اور بھرپور گفتگو کی ہے تاکہ سلیمُ الفطرت انسان پیغامِ ہدایت کے بارے میں غور و تدبر کرتے رہیں۔

کفار سے خطاب کے دوران میں ان کے اس رویّہ پر گرفت کی گئی ہے جس کے نتیجے میں انہوں نے مسجدِ حرام کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھ رکھا تھا اور بیتُ اللہ کی تولیت کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس موقع پر بیتُ اللہ کی تاریخ کا ذکر کر کے تنبیہہ کی گئی کہ اس گھر کی تعمیر ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی توحید کے اعلان اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کی تھی۔ اس لئے تمہیں قطعاً اس بات کی اجازت یا حق نہیں کہ اپنی ذاتی دشمنی کی بنا پر کسی فردِ بشر کو بیتُ اللہ میں داخلے کی اجازت نہ دو۔ نیز مکہ کے نواح میں بسنے والے کفار کو یہ سوچنے کی دعوت دی کہ اگر مستقبل میں تمہارے تعلقات اہلِ مکہ سے کشیدہ ہو گئے تو کیا تم ان کے روکنے پر بیتُ اللہ جانے اور حج و عمرہ ادا کرنے سے رک جاؤ گے؟ یقیناً یہ بات تمہیں گوارا نہ ہو گی۔ تو آج سے اس غلط رویّے کا تدارک کرو۔

کمزور اور مذبذب مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ تم نے جب ایمان قبول کر لیا ہے تو اس کے نتیجے میں ہر خطرہ برداشت کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو۔ مصلحت اور مداہنت کا رویّہ ترک کر کے میدانِ عمل میں اُترو گے تو رحمتِ الٰہی کا دامن تمہارے لئے کشادہ ہو گا۔

Marf

مومنین صادقین کو قریش کے ظلم و جور کا جواب طاقت سے دینے اور اس ظلم کا تدارک کرنے کا حکم ہے

کیونکہ اگر ظلم و جبر کا تدارک نہ کیا گیا تو اس دنیا میں عبادتِ الٰہی کے لئے تعمیر کی گئی تمام عبادت گاہیں جابروں کی دست برد سے محفوظ نہ رہیں گی اور اسی مقصد کے لئے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا گیا۔

مومنین صادقین کو یہ تلقین کی گئی کہ اللہ تعالیٰ جب تمہیں بطورِ نعمت غلبہ و اقتدار دے دیں تو تم ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی وارث بن کر اس دنیا میں امن و سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرنا تاکہ مخلوقِ الٰہی اس کائنات میں امن و سکون کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکے۔ نیز اقتدار و سلطنت مل جانے کے بعد جہاد' انفاق فی سبیل اللہ' اقامتِ صلوٰۃ' زکوٰۃ' امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور حج ایسے اعمال تمہارا وظیفہ حیات ہونے چاہئیں اور ان کی بنیاد تقویٰ یعنی خشیتِ الٰہی پر ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ فکر کے لئے چند نکات

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ○
يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ
كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ
بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ○
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَرِيدٍ ○
كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ○
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ
مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ
مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ
إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنْكُمْ
مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ
بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ○
ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ○
وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ○

"لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے جس روز تم

Marf

اسے دیکھو گے' حال یہ ہو گا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے بچے سے غافل ہو جائے گی' ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہو گا۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحث کرتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں حالانکہ اس کے تو نصیب ہی میں یہ لکھا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا' اسے وہ گمراہ کر کے چھوڑے گا اور عذابِ جہنم کا راستہ دکھائے گا۔ لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد از موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے اور پھر خون کے لوتھڑے سے' پھر خون کی بوٹی سے' جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ یہ ہم اس لئے بتا رہے ہیں تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں' ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں۔ پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے اور پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا تو یکایک وہ بھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اُگلنا شروع کر دیں۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور اللہ ضرور ان لوگوں کو اٹھائے گا جو قبروں میں جا چکے ہیں"

آیاتِ مندرجہ میں وقوعہ قیامت کے ذکر کے ساتھ انسان کو اپنی تخلیق کے مختلف مراحل اور کائنات کی مختلف انواع پر تدبر کی دعوت دی تاکہ انسان ان کے ذریعے سے یہ جان لے کہ جو اللہ ان تمام اشیاء کو مختلف انداز دے سکتا ہے' وہ انسان کو مار کر پھر پیدا بھی کر سکتا ہے اور دوبارہ پیدا کر کے وہ انسان کے اعمال کی جزا و سزا پر بھی قادر ہے۔

بد فطرت انسان کون؟

اس تذکرے کے بعد اس گروہ کے بد فطرت انسان کا ذکر ہے جو اپنے رب سے غفلت کے باعث شیطان مردود کی دی ہوئی سوچ کے تحت اللہ کی وحدانیت کے خلاف جدال کرتا ہے۔ اس کی بابت یہ بات فرمائی کہ اس شخص نے نقصان وہ راستے کا انتخاب کر لیا ہے جس میں نفع برائے نام ہے۔ اور اس گھاٹے کے سودے کے باوجود وہ اپنی ذات میں اس قدر مگن ہے کہ اسے احساس تک نہیں کیونکہ اس کو شیطان نے باور کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ کفر کے مقابل محمد

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا اور یہ اپنے پیغام سمیت عنقریب ختم ہو جائیں گے۔ ان کو تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ کائنات کے ہر ذرّے پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہے۔ آسمان کی بلندیوں پر چمکنے والا سورج اور زمین پر رینگنے والے حشرات الارض سبھی اللہ کے احکام کے تابع ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ

"جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے' اس کو عزت دینے والا کوئی نہیں" (الحج:18)

اس کے بعد اہلِ ایمان پر قیامت کے روز اور جنت میں ہونے والے انعامات کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔

تعمیرِ خانہ کعبہ کا مقصد

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

"ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کو مقرر کیا (اور فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ طواف کرنے والوں' قیام کرنے والوں' رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو صاف رکھا کرو۔" (الحج:26)

آیتِ مذکورہ میں بیت اللہ کی تعمیر و بنا کا مقصد بتایا کہ یہ اس لئے بنایا گیا تھا کہ انسان اللہ کے علاوہ کسی اور کے آگے سجدہ ریز نہ ہو۔ تعمیرِ بیت اللہ کا تفصیلی ذکر سورۃ بقرہ میں ہو چکا ہے۔

اعلانِ حج

جب بیت اللہ کی تعمیر و بنا مکمل ہو چکی تو اللہ ربّ العزت نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝

.com

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ○

"اور (ہم نے ابراہیمؑ سے بھی کہا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس (حج کے لئے) چلے آئیں گے۔ پیدل بھی اور ان دُبلی اونٹنیوں پر بھی (جو سفر کے مارے کمزور ہو گئی ہوں گی) جو دور دراز رستوں سے پہنچتی ہوں گی۔ تاکہ اپنے (دینی اور دُنیوی) فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں اور (قربانی کے) ایامِ معلوم میں مویشیوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ اس میں سے تم بھی کھاؤ اور فقیرِ درماندہ کو بھی کھلاؤ۔ پھر چاہئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانہ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں (یہ ہمارا حکم ہے) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ادب کی چیزوں کی عظمت رکھے تو یہ رب کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں۔ سوائے ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ بس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔" (الحج:27-33)

آیاتِ مذکورہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کے لئے حج کا اعلان کر دو۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ یہ اعلان کر رہے تھے تو وہاں ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ سننے والا کوئی نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اذان لوگوں کو سنوادی اگرچہ چند ہزار سالوں کا وقفہ آیا لیکن جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو لوگ اسی اعلان کے جواب میں "لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ" کہتے ہوئے حج اور عمرے پر مستقل چلے جا رہے ہیں اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔

شعائر اللہ کی تعظیم

اس کے بعد شرک اور شعائر اللہ کے موضوع پر قرآنِ مجید کی آیات ہیں۔ شعائر، شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں "محسوس علامات"۔ دین کی کچھ مخصوص علامات ہوتی ہیں:
ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا

fat.com

خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ○

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○

"یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو گویا وہ آسمانوں سے گر گیا (اب یا تو) اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو دور جگہ لے جا کر پھینک دے گی (جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔) یہ ہے اصل معاملہ! اس کو سمجھ لو اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام رکھے تو یہ (کام) دلوں کی پرہیزگاری سے ہے تم کو ان سے ایک وقت مقرر تک فوائد حاصل کرنا (جائز) ہے پھر اس کے (ذبح) حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے"

(الحج:31-32)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ کے شعائر یعنی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتائی جا رہی ہے جو حج کے دنوں میں نمودار ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قربانی کے اونٹوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے شعائر میں سے بنا دیا ہے کہ اب ان اونٹوں کی پٹائی نہیں کرنا ہے اور نہ ہی ان سے شدید مشقت لینا ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں اور ان کی تعظیم کا بھی حکم ہے تو یہ دینی ادارے، درسگاہیں، علم کے مراکز، علماء، اساتذہ وغیرہ جو دین کے پشتی بان ہیں۔ کیا یہ شعائر اللہ نہیں؟ کیا ہمارے مدارس اور جامعات ایسے شعائر نہیں جہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ اپنے دین و ملک کا دفاع کر سکیں؟ کیا ان شعائر کی تعظیم ہمارے طلبہ پر واجب نہیں؟

پیار بھرا خطاب

اس کے بعد ان شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والوں کی دل جوئی و حوصلہ افزائی کے لئے یوں فرمایا:

لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○

"اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جن

.com

میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے' سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقت ور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوۃ دیں گے' معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے" (الحج:40-41)

بات سمجھانے کے انداز پر غور کیجئے کہ جو اللہ کی مدد کرے گا' اللہ اس کی مدد کرے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ صمد یعنی بے نیاز ہے' کائنات کی ہر چیز کو اس کی ضرورت ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے جبکہ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے لیکن یہ اسلوب اختیار کیا کہ جو اللہ کی مدد کرے گا' اللہ اس کی مدد کرے گا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے فرمانِ الٰہی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً

"کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اُس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت زیادہ کر دے" (البقرۃ:245)

ذرا غور کیجئے! کہ اللہ کو کسی کی مالی اعانت اور قرض سے کیا سروکار؟ کیونکہ وہ تو خود ساری دنیا کو روزی بہم پہنچاتا ہے۔ یہ بالکل وہی اسلوب ہے جیسے ہم بچوں سے پیار کے انداز میں ان کی سطح پر اُتر کر گفتگو کرتے ہیں روٹی کو "چوچی" کہتے ہیں۔ خود اپنے بچوں کو جیب خرچ دیتے ہیں اور پھر ہاتھ پھیلا کر ان سے قرض مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی انداز میں ہم سے بات کر رہے ہیں جو ہماری سمجھ کے مطابق ہے کہ انسان بھی تو ایسا ہی کرتا ہے کہ جو تمہاری مدد کرتا ہے تم اس کی مدد کرتے ہو۔ جو تمہاری ضرورت کا خیال کرتا ہے تم ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہو تو ایسا ہی سودا ہمارے ساتھ کر لو کہ اللہ نے رسول بھیجا ہے تاکہ ہم اپنی زندگی اسی کی راہ پہ گزاریں اور یہی اللہ کی مدد ہے۔ ہم یہ کر لیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ہر موڑ پر ہماری مدد کرے گا کیونکہ وہ قوی و زبردست ہے۔ پھر اللہ کی مدد کرنے والوں کی چار صفات بیان کی ہیں۔

1- اقامتِ صلوٰۃ یعنی نماز کا نظام قائم کرتے ہیں۔

2- زکوۃ کا نظام قائم کرتے ہیں۔

3- نیکیوں کا حکم دیتے ہیں۔

4- بُرائیوں سے روکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مدد اللہ کرتا ہے۔

Marfat.

اسلامی حکومت کی ذِمّہ داری

اس مقام پر اسلامی حکومت کی یہی چار بُنیادی ذِمّہ داریاں مذکور ہیں اور کبھی غور کریں تو پتا چلے گا کہ انسان کی فلاح و بہبود انہی چار کاموں کے ذریعے ہوتی ہے گویا سیاسی‘ معاشی اور سماجی بہبود کا تحفظ انھیں چار کاموں کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ کام تدبیر اور نظم کے ساتھ کئے جائیں تو انسان کے سارے مسائل ختم ہو جائیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ○
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ○

”کتنی ہی نافرمان بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا اور آج وہ اپنی چھتوں پر اُلٹی پڑی ہیں۔ کتنے ہی کنویں بے کار ہیں اور کتنے ہی محل کھنڈر بن چکے ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے ہو جائیں اور ان کے کان سننے والے ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل جو سینوں میں ہیں‘ اندھے ہو جاتے ہیں“ (الحج:45-46)

یعنی اگر تم مذکورہ چار کام نہیں کرو گے تو پھر تمہاری تباہی ہے اور پھر ہم تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو عاد‘ ثمود‘ قومِ لوط اور اصحابِ مدین کے ساتھ کیا گیا۔ دنیا میں تمھیں بڑے بڑے محل کھنڈروں کی شکل میں نظر نہیں آتے؟ قومِ عاد اور ثمود کے لوگ کتنی قوّت والے لوگ تھے‘ ہم نے اُنھیں ختم کر دیا۔ تمہارے پاس چشمِ بصیرت ہے تو تمھیں پتا چل جائے گا کہ انسان کی فلاح کس کام میں ہے اور انسان کی بربادی کس کام میں۔ لیکن افسوس کہ تم غور کرتے ہو اور نہ تمہاری سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کو کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ تمہاری آنکھوں کی بصارت تو قائم ہے مگر بصیرت غائب اور دل اندھا ہو چکا ہے۔

ایک تمثیل

سورۃ الحج کے آخر میں ایک مثال پر غور کی دعوت ہے تاکہ شرک سے بچنے کی اصل وجہ ہر صاحبِ شعور کو

.com

معلوم ہو جائے۔

ارشادِ ربّانی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ○ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ○

"اے لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو! جن معبودوں کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے' وہ بھی کمزور! ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوّت اور عزّت والا تو اللہ ہی ہے۔" (الحج: 73-74)

اس مثال کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی عبادت' جہاد' شہادتِ حق' اقامتِ صلوٰۃ' ایتائے زکوٰۃ اور اپنی ذاتِ جلّ جلالہٗ سے ہی وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ○

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' رکوع اور سجدہ کرو' اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو' تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کے لئے

fat.com

چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر' اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مُسلم رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔ پس نماز قائم کرو' زکوۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ وہ ہے تمہارا مولا! بہت ہی اچھا ہے وہ مولا اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔" (الحج: 77-78)

سورہ المؤمنون (۲۳)

نام

سورۃ کے آغاز میں صاحبِ ایمان لوگوں کو فلاح و نجات کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اس مناسبت سے اس سورۃ کا عنوان "المؤمنون" قرار دیا گیا۔

زمانۂ نزول

سورۃ کے مضمون میں اس بات کی جانب اشارہ موجود ہے کہ اس سورۃ کا نزول اس دور میں ہوا جب مکّہ شدید قحط کی زد میں تھا۔ سیدنا عُروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو سیدنا عُمر رضی اللہ عنہ ایمان قبول کر چکے تھے۔

مضامین

سورۃ کے آغاز میں کامیاب و کامران لوگوں کے اوصاف اور اخلاق بطور ترغیب بیان کئے گئے ہیں۔ پھر آسمان و زمین، نباتات و حیوانات اور خود حضرت انسانؑ کی تخلیق کو عقیدۂ توحید و آخرت پر بطور گواہ بیان کیا گیا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کے ضمن میں چند باتیں سمجھانے کی کوشش کی گئی مثلاً:

1- تمہارا نبوت و رسالت پر اعتراض کوئی نیا نہیں۔ اس قسم کے اعتراضات پہلے انبیاء پر بھی ہوئے حالانکہ تم اب ان کو اللہ کا نمائندہ اور رسول تسلیم کر رہے ہو۔

2- جو حقائق و عقائد اس وقت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں، یہ وہی ہیں جو پہلے انبیاء پیش کر چکے ہیں اور ان کے انکار کی بنیاد پر ان لوگوں کی تباہی کے مناظر تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ کیونکہ دین برحق صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہی ہوا کرتا ہے۔ انسانوں کے اوہام جو آج مذہب کا روپ دھار چکے ہیں، یہ اللہ کی جانب سے نہیں۔

انبیاء کے واقعات کے ذیل میں ایک اور شُبہے کا ازالہ کیا گیا کہ گمراہ انسان اکثر اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ دنیا میں دولت، طاقت اور جتھہ بندی انعاماتِ الٰہی ہیں اور جس شخص کے پاس یہ نعمتیں موجود ہیں، وہ شخص یقینی طور پر اللہ کا محبوب و پسندیدہ ہے اور جو لوگ ان نعمتوں سے دنیا میں محروم ہیں، وہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔ حالانکہ اللہ کے ہاں محبوب یا مغضوب ہونے کا مدار ایمان اور اطاعت رسول ہے۔ نیز اہلِ مکّہ کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ قحط کی یہ صورت دراصل عذاب الٰہی ہے اور یہ تمہاری بداعمالیوں پر ایک تنبیہہ ہے۔ اگر اب

fat.com

بھی تم لوگ راہِ راست اختیار نہ کرو گے تو سخت عذاب نازل ہو گا اور تم اس کی تاب نہ لا سکو گے۔

اس سورۃ میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو و درگزر کی تلقین اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کی ہدایت کی گئی ہے اور اہلِ مکہ کو متنبہ کیا گیا کہ تم نے راہِ ہدایت اپنانے والوں کے ساتھ یہ ناروا سلوک جاری رکھا تو آخرت میں تم سے اس کی بازپرس ہو گی۔

اس سورۃ میں ظالم، متکبّر اور خاسر (نقصان اٹھانے) کے حالات اور انجامِ بد کے ساتھ بلا مقصد اعمال (لغو) زنا، سرکشی اور تکذیب سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں نماز، زکوٰۃ، عصمت کی حفاظت، توحید، ایفائے عہد اور امانت کی حفاظت کی عظمت کا تذکرہ ہے۔

Marf

تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝
اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

"یقیناً فلاح حاصل کر لی ان ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں' جو بے ہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں' جو زکوۃ ادا کرتے ہیں' جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے ان عورتوں کے جو ان کی ملکیت میں ہوں کہ ان پر اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں' البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں تو وہ حد سے آگے بڑھنے والے ہیں' اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں' اور جو نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں' یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں (جنت) فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔" (المؤمنون: 1-11)

قرآن اور سائنس

اس کے فوراً بعد انسان کی پیدائش کے ضمن میں ایسی باتیں کہی گئیں جن کو پڑھ کر آج کی سائنس انگشتِ بدنداں رہ جاتی ہے کہ یہ باتیں آج سے چودہ سو سال قبل کیسے معلوم ہو گئیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝
ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝

fat.com

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ○

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست (رس) سے بنایا' پھر اس کو ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا' پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی' پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا' پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں' پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا' پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے بڑا کاریگر۔ پھر اس کے بعد تم ضرور مرجاؤ گے۔ پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔"

(المؤمنون:12-16)

اہلِ ایمان کے اوصاف اور پہچان کے ساتھ ایسے دلائل کا ذکر تھا جو انسان کی تخلیق کے ساتھ متعلق ہیں اور ان میں تدبّر کی دعوت ہے جن کو دلائلِ انفس کہتے ہیں اور اس کے بعد دلائلِ آفاقی کا ذکر ہے جن میں سات آسمانوں کی تخلیق کا ذکر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ

"بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان پیدا کئے" (المؤمنون:17)

ان الفاظ میں آسمانوں کی تعداد واضح طور پر مذکور ہے۔ گو آج کی سائنس یہ دعویٰ کرتی ہے کہ آسمانوں کا وجود نہیں بس ایک منتہائے نظر ہے جو رنگوں کی رنگینی ہے۔ اس کو ہم لفظ آسمان کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور بس۔ لیکن قرآنِ مجید کی اس وضاحت کے بعد یہ نظریہ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے سائنس کے قدیم دعوے تھے اور پھر خود ہی سائنس نے اپنے ان دعوؤں کی تردید کی اور جدید نظریات پیش کر دیئے۔ اسی طرح یقیناً ایک وقت آئے گا جب سائنس آسمان کے وجود اور اس کی تعداد کا یقین کرلے گی۔

پانی کا ذخیرہ اور راشننگ

اس کے بعد اللہ کی قدرت سے پانی کا اترنا اور زمین میں جذب ہو کر رنگا رنگ باغات کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے کرۂ زمین پر آب رسانی کا ایسا انتظام کیا ہے کہ اگر انسان خود کرنا چاہتا تو نہ کرپاتا۔ سمندر سے کشید کر کے میٹھا پانی نکالا جاتا ہے' پھر یہ بادلوں کے ذریعے سے زمین کے جس حصے پر چاہا' برسا دیا جاتا ہے۔ وہی بارش کا پانی زمین میں جذب ہو گیا یا پھر دریاؤں کی صورت میں بہنے لگا اور اسی میں سے کچھ حصہ برف کی شکل میں پہاڑوں

Marf

پر گر گیا اور وہاں سینکڑوں فٹ برف کی شکل میں جمع ہو گیا۔ وہ برف گرمیوں میں پگھلنا شروع ہوئی اور تھوڑا تھوڑا پانی دریاؤں میں آنے لگا۔ پھر نہری نظام کے ذریعے سے مختلف علاقوں میں پہنچا دیا گیا۔ یوں لگتا ہے کہ پانی کے سٹاک اور راشننگ کا بڑا خوبصورت نظام رائج ہے۔ اگر اس میٹھے پانی کو کسی جگہ ذخیرہ کیا جاتا تو وہ بہت جلد خراب ہو جاتا لیکن سمندر میں پانی کو نمکین بنا کر سٹور کیا گیا کیونکہ میٹھا پانی اگر ویسے کہیں سٹور کیا جائے تو اس میں بو پیدا ہو جائے اور خراب ہو جائے۔ یہ ایسا انتظام ہے جو انسانی بس سے باہر ہے۔ قرآنِ مجید اس کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ یہاں پر بھی یہی ارشاد فرمایا کہ آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا۔ ہم اسے جس طرح چاہیں' غائب کر سکتے ہیں۔ جانوروں' چوپایوں کے فوائد کا ذکر کر کے سیدنا نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر کیا گیا ہے۔

رسالت اور بشریت

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○
فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ
يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا
بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ○
اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ○
قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ○

"اور ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا' اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں؟ پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے' جو تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کو اگر بھیجنا ہوتا تو فرشتے بھیجتا۔ یہ بات تو کبھی ہم نے اپنے باپ دادوں سے بھی نہیں سنی (کہ بشر رسول بن کر آئے۔) کچھ نہیں علاوہ اس کے کہ اس آدمی کو جنون لاحق ہو گیا ہے۔ کچھ مدت اور دیکھ لو (شاید افاقہ ہو جائے۔) نوحؑ نے کہا: اے میرے رب! ان لوگوں نے جو میری تکذیب کی ہے' اس پر تو ہی میری نصرت فرما" (مومنون: 23-26)

مذکورہ آیات میں وہی بات سامنے آ رہی ہے جو آج بھی فتنے کا باعث ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم کو بنیادی اعتراض ہی یہ تھا کہ یہ شخص انسانوں کی سی زندگی گزارتا ہے' بشر ہے تو رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ رسول ہوتا تو اس کے

پر ہوتے' اڑتا ہوا فرشتہ ہوتا' کھانے پینے سے اس کو غرض نہ ہوتی۔

یہاں بھی وہی بات کہی کہ اگر تم فرشتے ہوتے تو ہم فرشتوں کو بھیج دیتے۔ تم انسان ہو' اس لئے ہم نے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بات انسان کی قدیم ترین گمراہیوں میں سے ہے کہ نبوت اور بشریت کو ایک دوسرے کی ضد قرار دے دیا جائے اور اس بات پہ پچگانہ اصرار کیا جائے کہ ایک بشر یا انسان کسی طرح سے بھی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا۔ مندرجہ بالا آیات و واقعات کے علاوہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی کفار کو یہ اعتراض تھا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ

"یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ (عام انسان کی سی زندگی گزارتا ہے)"

(الفرقان: 7)

مطلب یہ ہے کہ اگر وہ انسان و بشر ہے تو پھر رسول کس طرح ہو سکتا ہے اور اگر وہ سچ مچ رسول ہے تو پھر اسے بشر ماننے کا کیا معنی؟

اس کے بعد ایک دوسری قوم کا ذکر ہے۔ اس میں بھی آپ الفاظ پر غور کیجئے کہ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (ان میں سے ایک رسول) کا ذکر ہے۔ یعنی اسی قوم کے ایک مرد کو ان میں رسول بنا کر بھیجا۔ ارشادِ ربانی ہے:

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۚ

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۙ

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۙ

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۙ

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۙ

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۙ

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۚ

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝
قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝
ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝
مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝
ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا
بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

"ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی' پھر ہم نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا جس نے انہیں دعوت دی کہ اللہ کی بندگی کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ ان کی قوم کے سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا۔ اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تم ہی جیسا آدمی ہے جو کچھ تم کھاتے ہو' وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو' وہی یہ پیتا ہے۔ اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت قبول کر لی تو تم گھاٹے ہی میں رہو گے۔ یہ تمہیں اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جاؤ گے تو اس وقت تم قبروں میں سے نکالے جاؤ گے۔ بعید بالکل بعید ہے یہ وعدہ جو تم سے کیا جا رہا ہے۔ وہ زندگی کچھ نہیں۔ بس یہی دنیا کی زندگی ہے' یہیں ہم کو مرنا اور جینا ہے اور ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔ یہ شخص خدا کے نام پہ محض جھوٹ گھڑ رہا ہے اور ہم اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ رسول نے کہا: اے میرے رب! ان لوگوں نے جو میری تکذیب کی ہے' اس پر بس تو ہی میری نصرت فرما۔ جواب میں ارشاد ہوا: قریب ہے وہ وقت جب یہ اپنے کیئے پر پچھتائیں گے۔ آخر کار ٹھیک وعدے کے مطابق ایک سخت آواز نے ان کو آلیا اور ہم نے ان کو کچرا بنا کر پھینک دیا۔ پس ظالموں پر خدا کی لعنت ہو! پھر ہم نے ان کے بعد دوسری اُمتیں پیدا کیں۔ کوئی اُمت نہ اپنے وقت سے پہلے ختم ہوئی اور نہ اس کے بعد ٹھہر سکی۔ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے۔ جس قوم کے پاس بھی اس کا رسول آیا' اس نے اسے جھٹلایا۔ اور ہم ایک کے بعد ایک قوم کو ہلاک کرتے چلے گئے اور ان پر عذاب لاتے رہے اور ان کے افسانے بناتے رہے۔ پس لعنت ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔"

(المؤمنون: 31-44)

قرآن فہمی کے لئے عربی سیکھنے کی ضرورت

قرآنِ مجید کا اپنا اسلوب ہے اور اس کی اپنی زبان میں بہت زور ہے۔ اگر ہم اصل زبان میں یہ آیات پڑھیں

اور مفہوم سمجھیں تو ایک وجد طاری ہو جاتا ہے۔ جب ہم ترجمہ کرتے ہیں تو 80% اس کی لذت ختم ہو جاتی ہے۔ میں آپ کو ایک نسخہ بتاتا ہوں' اس پر عمل کریں۔ قرآنِ مجید کا آخری نصف پارہ ترجمہ کے ساتھ زبانی یاد کریں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر احادیث میٹھے میٹھے بول دو سو تین سو کے قریب یا جتنا بھی کر سکیں' وہ بھی زبانی یاد کرلیں۔ ایسے ہی چند عام بول چال کے جملے بھی عربی میں یاد کریں۔ یہ ہزار ڈیڑھ ہزار جملے ہو جائیں گے۔ ان کا ذخیرہ آپ کے دماغ میں ہو گا۔ اب قرآنِ مجید کو کہیں سے بھی پڑھیں' آپ کی سمجھ میں آئے گا اور آپ قرآنِ مجید سے صحیح لذّت اُٹھائیں گے کیونکہ اس کا صحیح مفہوم اور صحیح پیغام آپ تک پہنچے گا۔ ایک عام سی مثال سمجھیں کہ کوئی دیوان غالب پڑھے اور پنجابی میں اس کا ترجمہ کرے تو کیا بات بنے گی؟ یا ہیر وارث شاہ اُردو میں سنانے کی کوشش کرے؟ مولانا روم کی مثنوی کے کئی ترجمے ہو چکے ہیں لیکن وہ پھیکی سی بات ہو کر رہ جاتی ہے۔ قرآنِ مجید اللہ کا کلام ہے جو عربی میں ہے۔ آپ اُردو میں پڑھیں گے تو وہ اللہ کا کلام نہیں ہو گا' وہ اس کا ایک مفہوم اور مطلب ہو گا یا اس کا عکس ہو گا' اصل نہیں ہو گا۔ اس لئے کوشش کریں کہ اللہ کے کلام کو عربی میں پڑھیں۔ اس کا اصل مفہوم (First hand knowledge) حاصل کریں۔

کسبِ حلال

پھر موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر ہے جن کے بارے میں فرعون کو یہی اعتراض تھا کہ اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا (کیا ہم اپنے ایسے دو انسانوں پر ایمان لائیں) اس کے بعد سیدہ مریمؑ پر کئے گئے احسانات کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہم نے سارے ہی رسولوں کو ایک اہم ترین حکم دیا تھا۔

ارشادِ ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا

"اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔" (المؤمنون: 51)

قرآنِ مجید نے کسبِ حلال پر بہت زور دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اعمال پر اس کے خورد و نوش کے اثرات لازماً پڑتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ کیا انبیاء علیہم السلام سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ناپاک یا حرام اشیاء کھائیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ کسبِ حلال کا مسئلہ انسانی زندگی میں اس قدر اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے معصوم بندوں کو بھی ان الفاظ میں خطاب کر کے اس مسئلے کی اہمیت و نزاکت بھرپور انداز سے واضح کی ہے۔

سِرِّ دیں صدقِ مقال' اکلِ حلال
خلوت و جلوت تماشائے جمال

انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی!

یہاں ایک مرتبہ پھر اللہ کے بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے اور ایک اشکال کا ازالہ کہ بندوں کو اسی قدر احکام دیئے گئے ہیں جس قدر ان کی قوتِ برداشت اور ان پر عمل کرنے کی ہمت اور صلاحیت ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

"اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے" (المؤمنون: 62)

یعنی انسان پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتے ہیں جو اس کے بس میں ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ہم بہت غلط باتیں کرتے ہیں مثلاً یہ کہ جب تک بے ایمانی نہ کرو' رشوت نہ لو' گزارہ نہیں ہوتا یا رشوت دیئے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔ رزقِ حلال حاصل کرنا ممکن نہیں رہا وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رزقِ حلال کمانے کی ذمہ داری ناقابلِ عمل اور فعلاً ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوئی کہ ہمیں رزقِ حلال کمانے کا حکم دیا۔ العیاذ باللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ رزقِ حلال کمانا اور حرام سے بچنا ہمارے بس میں ہے۔ اسی لئے ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے مزاج' طبیعت اور ہماری وسعت و طاقت کو ہم سے زیادہ اور بہتر جانتے ہیں۔ اسی لئے یہ حکم دیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ○

"آگاہ رہو! جس نے پیدا کیا ہے' وہ جانتا ہے کیونکہ وہ پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا اور باخبر ہے۔"

(الملک: 16)

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام ہم پہ فرض کئے' وہ اسی لئے کئے کہ ان پر عمل کرنا ہمارے بس میں ہے اور جو چیزیں حرام قرار دیں' وہ اس لئے کیں کہ ان کو چھوڑنا ہمارے بس میں ہے اور کسی حکم کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ تو بہت مشکل ہے اور ہمارے لئے ناممکن ہے' اللہ تعالیٰ پر الزام ہے (نعوذ باللہ من ذلک) کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم زیادہ جانتے ہیں اور اللہ کو اس کا علم نہیں۔ وہ ہماری فطرت اور وسعتِ عمل سے واقف نہیں اور ایسے احکام صادر کر دیتا ہے جن پر عمل کرنا انسان کے بس میں نہیں! (نعوذ باللہ)

اصل بات یہ ہے کہ ہم بے ایمانی کے بغیر گزارہ نہیں کرنا چاہتے۔ جیسا کہ یوم سبت کے واقعے میں ذکر ہو چکا ہے کہ انہوں نے حلال کو اپنے لئے کافی نہ سمجھا اور حرام کا دروازہ کھول لیا اور ہفتہ کے دن شکار کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ہفتہ کے دن مچھلیاں زیادہ کر دیں اور اتوار' سوموار' منگل' بدھ' جمعرات' جمعہ کو مچھلیاں کم اور اتنی کم ہوئیں کہ اس دن آتی ہی نہ تھیں۔ صرف ہفتے کے روز ہی آتیں کہ تمہیں حرام پسند ہے تو صرف حرام ہی لو اور یہ اس لئے کیونکہ حرام کی ابتدا ہم خود کرتے اور حرام کا راستہ ہم خود کھولتے ہیں اور جب حرام کا راستہ کھل جائے تو پھر حرام کے بغیر گزارہ ممکن نہیں ہوتا' اس لئے اللہ سے دعا کرنا چاہئے کہ ہمیں رزق حلال دے اور رزق حرام سے

Marfat.

بچائے رکھے۔ آمین

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ہمیشہ یہ کھٹکا لگا رہتا کہ ہم لوگ سچے مومن بھی ہیں یا نہیں؟ کہیں خدا نا خواستہ ہم منافق تو نہیں؟ ایک مرتبہ صحابی سیدنا حنظلہؓ سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے ملے اور کہنے لگے کہ حنظلہؓ تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا' اللہ رحم کرے۔ تم تو سچے مومن ہو۔ تو انہوں نے وجہ بیان کی کہ جب ہم حضور کی مجلس میں ہوتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ ہم اس دنیا سے لاتعلق اور اللہ والے ہیں جب وہاں سے اٹھ کر اپنے کاروبار اور بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو ہماری کیفیت بدل جاتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں منافقت کا شکار ہو رہا ہوں۔ تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ حال تو ہمارا بھی ایسا ہی ہے۔ دونوں حضرات مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اپنی اس کیفیت کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری یہ کیفیت جو اس مجلس میں ہوتی ہے' اگر ہر وقت رہے تو پھر گلی کوچوں میں فرشتے تمہارے سامنے آئیں اور تم سے مصافحہ کریں لیکن یہ کیفیت کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے۔ اور وہ بھی صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اور اللہ والوں کی صحبت میں بھی یہ کیفیت ایک درجہ نصیب ہوتی ہے مگر یہ ہر وقت نہیں رہا کرتی اور یہ منافقت بھی نہیں۔ اس ذکر کا مقصد یہ ہے کہ صحابہؓ کو یہی فکر لاحق رہتی کہ ان کا ایمان سچا بھی ہے یا نہیں اور یہ فکر ایمان کی سچائی کی علامت ہے اور جب ایمان نہ ہو تو آدمی بے فکرا ہو جاتا ہے۔ ہمیں جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ ہمارے ایمان کی کیفیت کیا ہے۔ یہ موجود بھی ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ بقول غالب

؎ ہر چند کہیں کہ ہے' نہیں ہے!

مشرکینِ مکّہ اور ہمارے عقائد کا تقابل

آئندہ آیات میں اہلِ مکّہ کے عقائد کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہ پڑھ کر شرم آتی ہے کہ توحید اور صحت عقیدہ میں ہم اس مقام پر بھی نہیں ہیں جس مقام پر اہلِ مکہ تھے' جن کے خلاف حضورؐ نے جنگیں کیں اور قتال کئے۔ اور جن کی کیفیت یہ تھی کہ وہ پیغامِ حق کو تکبر کی وجہ سے جُھٹلاتے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ و مجنوں کہتے اور یہ خواہش رکھتے تھے کہ یہ ایمان دار لوگ ہمارے تابع ہو جائیں۔ وہ پے در پے عذاب کا شکار ہوئے مگر مکمل توحید کی طرف مائل نہ ہوئے۔ مگر یہاں اس بات کا ضرور جائزہ لینا چاہئے کہ اہلِ مکّہ اپنی ناقص توحید کے باوجود ہم لوگوں سے بہتر تو نہیں تھے؟ ہم لوگ اپنے بلند بانگ دعووں کے باوجود کیا ابھی تک اپنے عقیدۂ توحید میں اس قدر پس ماندہ تو نہیں کہ مشرکینِ مکّہ کے مقام سے بھی پیچھے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو یاد دہانی کے طور پر فرماتے ہیں کہ جس اللہ کی عبادت کی طرف یہ نبی تم کو دعوت دیتا ہے اس اللہ ہی نے تم کو دل و دماغ اور قوت سماعت و بصارت سے نوازا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○

.com

"اور وہی تو ہے جس نے تمہارے کان' آنکھیں اور دل بنائے لیکن تم شکر گزاری کم کرتے ہو۔"

(المؤمنون:78)

اور اس کے ساتھ ہی زمین کی تخلیق اور انسانوں کی موت و حیات اور قیامت کا ذکر اور اہلِ مکہ سے کچھ سوالات ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○
قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○
قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

"آپ کہہ دیجئے کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے' وہ سب کس کا ہے' اگر تم جانتے ہو؟ وہ فوراً کہیں گے کہ اللہ کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم سوچتے کیوں نہیں! آپ پوچھیں کہ سات آسمانوں کا مالک کون ہے؟ اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ فوراً کہیں گے کہ اللہ کا ہے۔ آپ کہیں کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ آپ پوچھئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا' اگر تم جانتے ہو؟ وہ فوراً کہیں گے: ایسی بادشاہت تو اللہ کی ہے۔ آپ کہہ دیجئے' پھر تم پر جادو کہاں سے پڑ جاتا ہے؟" (المؤمنون:84-89)

اتنی ساری باتیں مانتے ہو کہ زمین میں جو کچھ ہے اس کا مالک اور خالق اللہ ہے اور اس کے سوا اس زمین کا اور زمین کی تمام چیزوں کا کوئی اور مالک نہیں ہے اور اتنا بھی جانتے ہو کہ سات آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا رب صرف اللہ ہے۔ یہ بھی مانتے ہو کہ ہر چیز کا اختیار و تصرف صرف اللہ کو حاصل ہے۔ یہ بھی مانتے ہو کہ اصل پناہ دینے والا وہی ہے۔ کوئی اور پناہ نہیں دے سکتا اور جب وہ ہاتھ ڈال دے' کسی کو گرفت میں لے لے تو پھر کوئی چھڑانے والا نہیں ہے۔ پھر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ یہ بھی مانتے ہو تو ظالمو! اتنا کچھ ماننے کے بعد تم سجدے "لات اور ہبل" کو کرتے ہو۔ مرادیں ان سے مانگتے ہو۔ اطاعت ان کی کرتے ہو۔ مانتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے اور جھکتے غیروں کے آگے ہو۔ کیا تم پہ جادو چل گیا ہے؟

قرآنِ مجید اتنی گواہی تو دے رہا ہے کہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا ایمان رکھتے ہیں کہ زمین و آسمان میں' عرش پہ جو کچھ ہے' وہ سب کا سب اللہ ربّ العزت کا ہے۔ اختیارات سارے اللہ کے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے' وہی

Marfat.

کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے' دیتا ہے اور روکتا ہے۔ وہ کسی کی گرفت کرے تو کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ یہ عقیدہ اہلِ مکہ سے منوا کر فرمایا کہ اس عقیدے کو تم بروئے عمل کیوں نہیں لاتے؟ اس کے بعد ایمان داری سے تجزیہ کیجئے کہ کیا یہی عقیدہ جو قرآنِ پاک میں کفار کے نام لکھا ہوا ہے' کیا ہم اس سے بھی کہیں پیچھے تو نہیں رہ گئے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کفارِ مکہ ذاتِ الٰہی اجل مجدہٗ کو جس قدر فاعلِ حقیقی اور صاحبِ اختیار و تصرف مانتے تھے' ہم اتنا بھی نہ مانتے ہوں؟ ہماری مساجد کے لاؤڈ سپیکرز سے جو عقیدہ پھیلایا جا رہا ہے' کیا وہ یہی عقیدہ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ یہاں تو یہ سننے میں آ رہا ہے کہ

ے جو پکڑے خدا تو چھڑائے محمدؐ
جو پکڑے محمدؐ چھڑا کوئی نہیں سکتا

اور

ے اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے' لے لیں گے محمدؐ سے

یہ نظریات ان مولوی نما لوگوں کے ہیں جو راہبری کے دعویدار ہیں۔ یقین کرلیں کہ جس قوم کا مذہبی راہنما نیم ملا و گمراہ ہو جائے۔ قوم کو گمراہی کے کھڈے میں دھکیل دے تو اس قوم کو بچانے والا کوئی نہیں۔ بس اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جاہل قسم کے مذہبی بہروپیوں (وہ نیم خواندہ ملا جو عالمِ دین نہیں) سے بچالے' جو منبر پر بلا استحقاق بیٹھ گئے ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہوا کہ ہم اور آپ لوگ غیر حاضر ہیں۔ آپ لوگ پروفیسر' انجینئر' کرنیل' بریگیڈیئر' جرنیل بن گئے اور ہوش ہی نہ رہا کہ قرآن' حدیث اور سیرت طیبہ کو بھی پڑھتے۔ یہ جگہ بہروپیوں کے لئے نہ چھوڑتے۔ یاد رکھئے کہ جب بہروپئے پکڑے جائیں گے تو آپ بھی پکڑے جائیں گے اور پھر یہ کہہ کر کہ ہم ناخواندہ لوگ تھے' عالمِ دین نہ تھے' ہماری جان نہیں چھوٹے گی کیونکہ ہم توحید کے اس ادنیٰ مقام پر بھی نہیں جس مقام پر کفارِ مکہ تھے۔ کفارِ مکہ کا عقیدہ تھا کہ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ "اسی (اللہ تعالیٰ) کے ہاتھ میں ہی ہر چیز کی طاقت اور اختیار و تصرف ہے" جب کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے:

ے اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے' لے لیں گے محمدؐ سے

گویا بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ کے خلاف بول رہے ہیں ہم تو "وَھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ" (وہی اللہ تعالیٰ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا) کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہم تو ہر روز لاؤڈ سپیکر سے سنتے ہیں:

.com

؎ جو پکڑے خدا تو چھڑائے محمدؐ
جو پکڑے محمدؐ چھڑا کوئی نہیں سکتا

گویا اب تجزیہ کرنا ہوگا کہ کہیں ہم کفر اور شرک کی اس گہرائی اور مقام تک تو نہیں گر گئے جو کفارِ مکہ اور جاہلینِ عرب سے بھی بہت گیا گزرا ہے۔ یہ ایک انتہائی تلخ حقیقت ہے۔ جس کا میں نے اپنی کتاب "وجودِ باری تعالیٰ اور توحید" میں تفصیلاً ذکر کیا ہے اس نظریاتی گمراہی کے ذکر کے بعد ایک دعا کی تلقین کی جا رہی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے، اے میرے رب! جس عذاب کے دن کا کفار سے وعدہ کیا گیا ہے اگر میری زندگی میں ان پر نازل ہو تو مجھے اس سے محفوظ رکھنا۔ اے میرے رب! مجھے ظالم شمار نہ کرنا۔"

(المؤمنون:93-94)

کیونکہ اس حد تک گری ہوئی گمراہی کا انجام عذاب کے علاوہ اور کچھ نہیں اور پھر ایک مبلغ کی حیثیت سے آپ کو حکمت بتائی کہ برائی کا جواب اچھائی ہی سے دیجئے اور جب ان مصائب میں ابلیسی افکار آپ کا پیچھا کرنے لگیں تو اس دعا کے ذریعے سے ان سے چھٹکارا حاصل کریں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝
وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝

"کہہ دیجئے! اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ وہ (وساوس و شیاطین) میرے پاس آ حاضر ہوں۔"

(المؤمنون:97-98)

اس مقام پر یہ یاد رکھئے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں مگر یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط ہی سے ہمیں تلقین کیا جا رہا ہے۔

قیامِ حشر کا منظر

اور قیامِ حشر کا ایک منظر یوں ذکر ہوا:

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝

Marfat.

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ○

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ○

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ○

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ○

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ○

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ○

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ○

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ○

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ
رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○

"پھر جب (قیامت میں) صور پھونکا جائے گا' تو ان میں (جو) باہمی رشتے ناطے (تھے) اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ اس وقت جن کے پلڑے بھاری ہوں گے' وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے' تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال لیا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے' آگ ان کے چہروں کی کھال چاٹ جائے گی اور ان کے جبڑے باہر نکل آئیں گے۔ (ارشاد ہو گا) کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جن کو میری آیات سنائی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی۔ ہم واقعی گمراہ لوگ تھے۔ اے پروردگار! اب ہمیں یہاں سے نکال دے۔ اگر پھر ہم ایسا قصور کریں تو ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جواب دے گا: اس میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ تم وہی لوگ ہو کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے: اے

ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے۔ ہمیں معاف کردے' ہم پر رحم کر اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے' تو تم نے ان کا مذاق بنا لیا۔ یہاں تک کہ ان کی ضد نے تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے۔ آج ان کے صبر کا میں نے یہ پھل دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا: بتاؤ زمین میں تم کتنے سال رہے؟ وہ کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا بھی کچھ کم حصہ رہے ہوں گے۔ آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔ اللہ فرمائے گا: تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہو نا؟ کاش تم نے یہ اس وقت جانا ہوتا۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں؟ بس بالا و برتر ہے اللہ کہ جو بادشاہ حقیقی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے کو پوچھے گا اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہے کہ جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے" (مؤمنون: 101-117)

آیاتِ مذکورہ میں ایک مقام پر اہلِ ایمان کے ساتھ تمسخر و استہزاء کو بھی جہنم میں جانے کا ایک سبب بیان کیا گیا ہے کیونکہ ایمان کی طرف دعوت دینے والے مبلغ اللہ کے ہاں بہت ہی محبوب و پسندیدہ ہیں۔

جو شخص اللہ کے علاوہ کسی اور معبود کی عبادت کرتا یا اس کو پکارتا ہے اور اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اللہ کے ہاں ہو گا اور بلاشبہ کافر کبھی کامیاب و کامران نہ ہوں گے۔

ایک انتہائی مفید دُعا

اس سورۃ کے آخر میں اللہ سے رحمت و مغفرت کی دُعا سکھائی گئی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

"(اے پیغمبرؐ) آپ کہہ دیجئے' اے میرے پروردگار! بخش دے اور رحم فرما اور آپ سب سے بہتر رحم کرنے والے ہیں۔" (مؤمنون:118)

fat.com

سورہ النور (۲۴)

نام

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر لفظِ نور کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا علامتی نام "النور" رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور تاریخی حالات

مضامین کی ترتیب کے اعتبار سے واضح ہے کہ یہ سورۃ مدنی دور میں نازل ہوئی۔ 5 ہجری اس کا زمانۂ نزول بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ غزوۂ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ کی شانِ نزول کے سلسلے میں مشہور تاریخی واقعہ "افک" کا ذکر ملتا ہے۔ جس کے بارے میں تفصیلات اس سورۃ کے ابتدائی حصے میں مذکور ہیں۔

اس واقعے کی تفصیلات کے لئے چند سطور بطور پس منظر مندرج ہیں۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد پے در پے جو واقعات پیش آئے' ان سے اہلِ عرب (مشرکین مکہ' یہود اور منافقین) یہ بات شدّت سے محسوس کرنے لگے کہ مسلمانوں کو ہتھیاروں اور افواج کے بل بوتے پر شکست نہیں دی جا سکتی کیونکہ کُفارِ مکہ ہر معرکے کے لئے پہلے معرکے سے زیادہ لاؤ لشکر اور ہتھیار جمع کر کے لاتے اور ہر مرتبہ ذلّت و رسوائی ان کا منہ چڑاتی۔ مسلمان ہر معرکے میں نہ صرف یہ کہ کُفار کے مقابل تعداد میں کم ہوتے بلکہ ہتھیاروں کے سلسلے میں مسلمان ہر معرکہ میں نسبتاً خالی ہاتھ نظر آتے لیکن اہلِ بصیرت اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی کامیابی افراد کی قلّت و کثرت یا ہتھیاروں کی مرہون نہیں بلکہ مسلمانوں کی کامیابی کی اصل وجہ ان کی اخلاقی عظمت و برتری ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و صداقت کا شہرہ تو قدیم زمانے ہی سے تھا مگر آپ کے متعلقین صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بے داغ کردار' ان کی اخلاقی پاکیزگی اور ان کی استقامت نے دلوں کو مسخر کرنے میں سونے پہ سہاگے کا کام کیا۔ اسی اخلاقی عظمت و طہارت نے مسلمانوں کے اندر جو کمال درجے کا اتحاد اور نظم و ضبط پیدا کیا تھا' اس کے مقابلے میں اہلِ مکہ یا دیگر معاندینِ اسلام (یہود وغیرہ) ان کے پاسنگ بھی نہ تھے۔

طاغوتی طاقتوں نے جب اپنی کمزوریوں اور اپنے مقابل مسلمانوں کی عظمت کا اندازہ کر لیا تو اپنے اخلاق و کردار کو بہتر بنانے کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ ان قدسی نفس افراد پر گندگی اچھالیں تاکہ لوگوں کو ان کی سیرت بے داغ اور خوش نُما نظر نہ آئے۔ اس مقصد کے لئے شعوری یا لاشعوری طور پر مدینے میں بسنے والے منافقین نے بڑھ چڑھ کر اسلام اور اہلِ اسلام کو بدنام کیا اور اگر ہم اپنی تاریخ کا بے لاگ تجزیہ کریں تو یہ بات باسانی ہر صاحب بصیرت

سمجھ لے گا کہ اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف جس قدر سازشیں ہوئیں یا اہلِ اسلام کو مٹانے کی کوششیں کی گ
اس سلسلے میں منافقین کا کردار بڑا واضح رہا۔

اس سلسلے میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تک کو نہ چھوڑا گیا۔ تعددِ ازواج اور خصوصاً
زینبؓ کے ساتھ نکاح کی وجہ سے (جس کا تفصیلی ذکر سورۂ احزاب میں ہے) منافقین اور بعد کے ادوار میں نام
محققین نے آپ کی ذاتِ گرامی پر ہمیشہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔

منافقین نے مسلمانوں کے درمیان نفاق اور نفرت کے بیج بونے کے لئے بھی سارے ہتھکنڈے استعمال ک
روایات میں غزوۂ مُریسیع کے دوران میں پیش آمدہ ایک واقعے کا تذکرہ ملتا ہے:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ''قُدَید'' کے علاقے میں بنو خزاعہ کے لوگ مسلمانوں کے خ
جنگی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ اس فتنے کی سرکوبی کے لئے ایک جماعت لے کر روانہ ہو گئے۔ اس جماعت
عبداللہ بن اُبَی بھی ایک بڑی تعداد کے ساتھ شریک ہو گیا، حالانکہ اس سے قبل منافقین اس قدر تعداد میں کبھ
غزوے کے لئے مسلمانوں کے ساتھ نہ نکلے تھے۔ ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد پورا قبیلہ مالؐ و اسباب
گرفتار کر لیا گیا۔ اس مہم سے فراغت کے بعد ابھی مسلمان مُریسیع ہی کے مقام پر پڑاؤ ڈالے بیٹھے تھے ک
مسلمان مجاہد جَہجاہ بن مسعودؓ (جو سیّدنا عمرؓ کے ملازم تھے) اور قبیلۂ خزرج کے ایک حلیف سنان کے درمیان
وجہ سے جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی تو سنان نے انصار کو پکارا جبکہ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے جہجا
مہاجرین کو داد رسی کے لئے آواز دی۔ لوگوں کے جمع ہونے کے بعد معاملہ ختم ہو گیا مگر عبداللہ بن اُبَی نے اس
کو بڑھانا شروع کیا اور انصار کو اُکسایا کہ تم نے ان لوگوں کو پناہ دے کر اس مقام تک پہنچا دیا ہے اور تمثیلی زبا
یہاں تک کہہ دیا کہ ''کیا کُتے کو تم نے اس لئے پالا تھا کہ وہ تمہی کو کاٹ کھائے'' اور یہ بھی کہہ دیا کہ

''اب واپسی پر مدینے پہنچ کر عزت والا ذلیل لوگوں کو نکال باہر کرے گا'' اس سارے واقعے کو اجمالاً
منافقون میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس معاملے کے بعد نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ طلب کیا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض ک

''ایسے شخص کو قتل کرا دینا چاہئے''

مگر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پھر لوگ پروپیگنڈہ کریں گے کہ محمدؐ تو اپنے ساتھیوں کو خود ہی قتل کرا رہا ہے'' اور فوراً ہی اس مقا
روانگی اور مسلسل سفر جاری رکھنے کا حکم دیا۔ راستے میں اُسید بن حضیرؓ نے دورانِ گفتگو میں عرض کیا کہ اے ا
حبیب! ''آج کوچ کا حکم اور سفر خلافِ معمول ہے''
آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے عبداللہ بن اُبَی کی باتیں نہیں سنیں؟ تو اُسیدؓ نے عرض کیا کہ یا رسولَ ا

محض رعایت کا مستحق ہے۔ کیونکہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت اس کو بادشاہت کا تاج پہنانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ آپ کی تشریف آوری کے باعث یہ معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا اور یہ سب کچھ وہی آتشِ انتقام ہے۔ اسی طرح کا ایک فتنہ ان منافقوں نے پھر پیدا کیا اور اگر مسلمان بردباری، تحمل اور حکمت کا مظاہرہ نہ کرتے تو مدینہ میں ایک خطرناک قسم کی خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور یہ فتنہ تھا زوجۂ رسول سیدہ عائشہؓ پر تہمت کا۔

اس واقعے کی تفصیلات تفسیر و حدیث کی کتب میں بھری پڑی ہیں۔ ہم اس وقت اس سورۃ کی شانِ نزول اور احکام کے ذیل میں ضروری مباحث کو بالاجمال بیان کریں گے۔ سیدہ عائشہؓ نے اس واقعے کا خود یوں ذکر فرمایا:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ سفر کا ارادہ فرماتے تو قرعہ اندازی کے ذریعے سے یہ طے کیا جاتا کہ ازواجِ مطہرات میں سے کون آپؐ کے ساتھ اس سفر میں شرکت کرے گی۔ غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر مجھے سفر میں ساتھ کا موقع ملا۔ سفر سے واپسی پر مدینے سے ایک منزل پر قافلے نے پڑاؤ کیا۔ رات کے آخری حصے میں روانگی کا حکم ہوا میں اس وقت قضائے حاجت کے لئے گئی ہوئی تھی۔ واپسی پر مجھے احساس ہوا کہ میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ میں نے اس کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں قافلہ روانہ ہو گیا اور میرا ہودہ اونٹ پر کس دیا گیا۔ اس دوران میں ان لوگوں کو میری غیر موجودگی کا احساس ہی نہ ہوا۔

میں جب واپس پہنچی تو قافلے کے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی وہاں موجود نہ تھا۔ میں اپنی اوڑھنی میں لپٹ کر وہیں لیٹ گئی کیونکہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب قافلے کو روانگی کا حکم دیتے تو ایک آدمی اس کام کے لئے متعین کر دیتے کہ روانگی کے بعد وہاں اگر کسی کا سامان ملے تو وہ سمیٹ کر قافلے کے ساتھ بعد میں آکر مل جائے۔

اس روز صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ذمے یہ کام تھا۔ جب کچھ روشنی پھیلی تو انہوں نے مجھے وہاں دیکھا۔ انہوں نے اونٹ کو روک کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ اس آواز پر میں چونک گئی۔ انہوں نے اپنا اونٹ لا کر میرے قریب بٹھا دیا۔ میں سوار ہو گئی تو وہ نکیل پکڑ کر چل پڑے۔ دوپہر کے قریب ہم نے لشکر کو جا لیا۔ قافلے والوں کو اب تک یہ پتا نہ تھا کہ میں پیچھے رہ گئی ہوں۔ جب ان لوگوں کو پتا چلا تو منافقوں نے بہتان تراشی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں عبداللہ بن اُبَی پیش پیش تھا۔

مدینے پہنچ کر میں بیمار ہو گئی۔ شہر بھر میں بہتان تراشی کی آگ پھیل رہی تھی اور میں ہر بات سے بے خبر اور بے نیاز بستر سے لگی پڑی تھی۔ یہ خبر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ گئی۔ میں نے اس بیماری کے دوران میں محسوس کیا کہ آپ میری طرف پہلے کی سی توجہ نہ فرماتے تھے جو پہلے علیل ہونے کے دوران میں ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ آپ جب تشریف لاتے، سرسری حالت پوچھتے اور واپس تشریف لے جاتے۔ میں اجازت لے کر میکے چلی آئی۔

ایک رات حسبِ دستور میں حاجت کے لئے مدینہ سے باہر گئی۔ میرے ہمراہ مسطح بن اثاثہ کی والدہ تھیں جو

fat.com

میرے والد کی خالہ زاد بہن تھی۔ راستے میں ان کو ٹھوکر لگی تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ
"مسطح غارت ہو"

مسطح بن اثاثہؓ بدری صحابی تھے۔ میں نے کہا کہ بیٹے کو کیوں اس طرح کوس رہی ہو؟ اس پر انہوں نے مجھے سارا قصہ سنایا۔ یہ سنتا تھا کہ میری حالت غیر ہو گئی۔ میں اسی حالت میں گھر آئی اور رات بھر روتے ہوئے کاٹ دی۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران میں مختلف صحابہؓ سے مشورے بھی کیئے۔ مختلف حضرات نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق رائے دی۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری براءت کے لئے سورۂ نور کی آیات نازل فرمائیں۔"

ان واقعات کی روشنی میں ہم جائزہ لے سکتے ہیں کہ منافقین کس طرح مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بچھاتے تھے۔

مضامین

واقعۂ افک کے بعد معاشرتی قوانین واخلاق پر مبنی احکام وہدایات سورۂ نور میں نازل کی گئیں تاکہ معاشرے کو برائیوں کی آماجگاہ بننے سے روکا جا سکے اور اگر بالفرض برائی کا اثر و نفوذ معاشرے میں ہو ہی جائے تو اس کے تدارک کے لئے بھرپور اقدامات کر کے اس برائی کا خاتمہ کیا جا سکے۔ آیئے اب سورۂ نور کی روشنی میں مضامین کا ترتیب وار جائزہ لیا جائے۔

1- زنا کو فوجداری جرم قرار دے کر کنوارے مجرم کے لئے سو کوڑے سزا مقرر کر دی گئی۔

2- زانی /زوزن سے توبہ تک معاشرتی مقاطعے کا حکم دیا گیا۔

3- اگر کوئی شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے جس کو قانون کے مطابق ثابت نہ کر سکے تو ایسے شخص کے لئے حدِ قذف مقرر کی گئی جس کی سزا اسی کوڑے ہے۔

اس قانونِ قذف کی وجہ سے ان لوگوں کی حوصلہ شکنی کی گئی جو معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو رواج دینے کے لئے افواہیں پھیلاتے ہیں اور ان کے لئے سزا بھی مقرر کی گئی۔

گویا مسلم معاشرے کے ہر فرد کو صالح اور بے گناہ قرار دیا گیا جب تک اس کے خلاف گناہ کا ثبوت نہ ملے۔ نیز معاشرتی تعلقات کی بنیاد حُسنِ ظن پر رکھی گئی۔

4- اگر خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو لعان کی صورت بتائی گئی۔

5- سیدہ عائشہؓ پر لگائے گئے جھوٹے الزام کی تردید کی اور اس کے ساتھ معاشرے کے شرفاء پر تہمت لگانے والوں کے لئے تعزیری قانون بھی بیان کیا۔ افواہوں کے سدِّباب کی تلقین کی گئی۔ اس ضمن میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اَطیَب (پاکیزہ ترین) انسان قرار دے کر آپ کی رفیقۂ حیات سیدہ عائشہؓ کو بھی اَطیَب قرار دیا گیا۔

.com

6- دوسرے گھروں میں بے تکلف آنے جانے اور تانک جھانک سے منع کیا اور حکم دیا گیا کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوا جائے۔

7- عورتوں کے لئے پردے کے احکام کے ساتھ حکم دیا گیا کہ اگر گھر سے باہر کسی ضرورت کے تحت جانا پڑے تو بن سنور کر نہ نکلیں اور گھر میں محرم رشتہ داروں اور خادموں کے علاوہ کسی کے سامنے نہ آئیں۔ حتیٰ کہ بوڑھی اور عمر رسیدہ عورتوں کو بھی بن سنور کر نکلنے سے منع فرمایا۔ البتہ اگر گھر میں اُوڑھنی کے بغیر رہیں تو اس میں عمر رسیدہ خواتین کو اجازت دی گئی گو یہ بات پسندیدہ قرار نہیں دی گئی۔

8- تجرّد (بلا نکاح) کی زندگی کو ناپسند کیا گیا حتیٰ کہ لونڈی اور غلام کو بھی نکاح کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح قحبہ گری کی روک تھام کے لئے لونڈیوں تک سے کسب کرانے کو جُرم قرار دیا گیا جو اس دور میں ایک عام رواج بن چکا تھا۔

9- معاشرتی بہتری اور بھلائی کے لئے لونڈی اور غلام کو آزاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی۔

10- خلوت کے اوقات میں داخلے کے لئے گھریلو ملازموں اور بچوں کو بھی ضابطے کا پابند بنایا گیا کہ آرام و خلوت کے اوقات (صبح، دوپہر اور رات) کسی کے بھی کمرے میں اچانک داخل نہ ہوں۔

11- معذور افراد (لولے، لنگڑے اور بیمار) کو رعایت دی گئی کہ وہ اگر کسی کے ہاں سے کھانے پینے کی اشیاء بلا اجازت بھی کھالیں تو اس کو چوری یا خیانت نہ شمار کیا جائے گا۔ نیز معاشرتی زندگی میں محبت اور قُرب پیدا کرنے کے لئے قریبی رشتہ داروں اور بے تکلف دوستوں کو بھی اپنے اعزّہ کے گھروں سے بلا اجازت کھانے پینے کی اجازت دی گئی۔

12- صاحبِ حیثیت اور صاحبِ فضیلت لوگوں کو ذاتی رنجش کی بنا پر احسان اور نیکی سے رکنے پر تنبیہ کی اور اخلاقِ عالیہ کا خوگر بننے کی تلقین کی گئی۔

ان احکام کے تفصیلی تذکرے کے ساتھ ساتھ زمین پر اہلِ ایمان کے غلبے اور اقتدار کی نوید سنائی گئی اور اہلِ ایمان کو اس موقع پر تلقین کی گئی کہ اس نعمت کے ملنے پر اللہ اور رسول کی اطاعت کو لازم سمجھیں۔ نیز صلوٰۃ و زکوٰۃ کے نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کریں تاکہ مسلم معاشرہ فلاحِ عامّہ کا امین بن سکے۔

آپ اس ساری سورۃ کے تجزیئے کے ساتھ ایک بات خاص طور پر محسوس کریں گے کہ اس قدر تلخ اور فتنہ انگیز حالات میں بھی قرآنِ کریم نے حکمت و مصلحت کے ساتھ عالی ظرفی اور تدبّر سے کام لینے کی تلقین کی۔ کیونکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ جب کسی شریف آدمی کی عزّت و ناموس کو یوں اچھالا جائے تو تلخی اس کے لب و لہجہ میں جھلک جاتی ہے مگر یہ کلامِ الٰہی ہے' اس میں ایسی کوئی تلخی نام کو بھی نہیں۔

Marfat.

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ کا آغاز اس سورۃ کے احکام کی ضرورت کے پیش نظر ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل تمہید میں بیان ہو چکا کہ اس سورۃ میں معاشرتی اصلاح کے چند احکام مذکور ہیں۔

حدود اللہ کا نفاذ اصل دین ہے

اس سے قبل سورۃ بنی اسرائیل میں بیان ہو چکا کہ معاشرتی اصلاح کے احکام کے ذیل میں زنا کی بابت فرمایا گیا تھا کہ "زنا کے قریب مت جاؤ" اور اب زنا کی حد کا ذکر ہے۔

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ص وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ

"زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو" (النور:2)

اس آیت میں ایک اہم بات یہ ہے کہ سو کوڑے مارنے کے کام کو قرآنِ مجید میں "اللہ کا دین" کہا جا رہا ہے کہ اس میں تم نرمی نہیں کرو گے اور اللہ کی حد جاری کرنے کے معاملے میں ترس نہیں کھاؤ گے۔ کیونکہ یہ حد جاری کرنا اللہ کا دین ہے۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حدود اللہ کا جاری کرنا اور شریعت کو نافذ کرنا ہی اصل دین ہے۔ یہاں پہ یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ دین کوئی ذاتی 'انفرادی یا پرائیویٹ معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک اجتماعی عمل ہے جو ایک قانون اور عدالتی ڈھانچے کا متقاضی ہے۔ دین پر عمل اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک ایک ایسا اجتماعی نظام نہ قائم کیا جائے جس میں دین کی اجتماعی شان جلوہ گر ہو۔ اسلام کا سیاسی 'معاشی' سماجی اور عدالتی نظام کوئی پرائیویٹ معاملہ نہیں بلکہ ایک عالمگیر نظام کا حصہ ہے۔

زنا شرک کے ہم پلہ ہے

زنا کی قباحت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ز وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ج

"زانی مرد و عورت کا نکاح زانی عورت اور مرد یا مشرک مرد اور عورت کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔"

(نور:3)

.com

گویا زنا اس قدر سنگین جرم ہے جس کو شرک کے ہم پلّہ قرار دیا گیا۔ یعنی بالکل اسی طرح جیسے مشرک مرد صرف مشرک عورتوں سے ہی شادی کر سکتے ہیں' اسی طرح زانی مرد زانیہ عورت سے اور زانی مرد کی زانیہ عورت ہی سے شادی ہو گی۔

تہمت کی سزا

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں' ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ وہ خود ہی فاسق ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں کہ اللہ ضرور ان کے حق میں غفور رحیم ہے۔" (نور: 4-5)

یہ حکم صرف خواتین ہی کے لئے نہیں بلکہ بہتان اور تہمت کسی پر بھی لگائی جائے' مرد ہو یا عورت' تہمت لگانے والے کی سزا اسی کوڑے ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

ایک آوارہ نوجوان نے کسی خاتون کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ میرا اس خاتون سے ناجائز تعلق ہے۔ بات اس خاتون تک پہنچی۔ اس نے عدالت میں شکایت کی بلکہ کسی اور کی طرف سے امیرالمؤمنین کو شکایت پہنچی تو اس نوجوان کو بلایا گیا اور پوچھا گیا: کیا تم نے یوں کہا ہے؟

اس نے اقرار کر لیا۔ تو اس کی وجہ سے اسے 100 کوڑے مارے گئے کیوں کہ اس نے اپنے طور پر زنا کا اعتراف کر لیا تھا۔

اس پر اُس نے کہا کہ یہ عجیب انصاف ہے۔ ایک خاتون نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور اُلٹا مجھے ہی سزا دی گئی۔ یہ بات پھر امیرالمؤمنین تک پہنچائی گئی۔ آپ نے اس نوجوان کو پھر بُلا بھیجا اور خاتون کو بھی بلایا اور کہا کہ یہ نوجوان تمہارے بارے میں اس قسم کی بات کہتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ اس نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے اور تہمت لگاتا ہے۔

اس خاتون کو واپس بھیج دیا گیا۔ وہ چلی گئی۔ امیرالمؤمنین نے حکم دیا کہ اس شخص کو 80 کوڑے اور لگائے جائیں کیونکہ اس نے الزام بھی لگایا ہے جو ثابت نہیں کر سکا۔ اس پر اس کو 80 کوڑے اور لگائے گئے۔

اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص اس طرح سے کسی کے بارے میں زبان کھولے۔

لعان

اس کے بعد لعان کا تذکرہ ہے یعنی اگر خاوند اپنی بیوی پر یا بیوی اپنے خاوند پر زنا کی تہمت لگائے اور گواہ میسّر

نہ ہو تو عدالت میں ان سے کیا برتاؤ ہوگا؟

ایسی صورت میں میاں بیوی دونوں سے چار مرتبہ حلف اور آخری بار لعنت اور بددُعا کے الفاظ کہلوائے جاتے ہیں اور ان کو ہمیشہ کے لئے جُدا کر دیا جاتا ہے۔

واقعۂ افک

اس کے بعد واقعۂ افک اور اس سے متعلقہ احکام ہیں۔ اس سے قبل ایک مقام پر ذکر ہو چکا کہ سیدہ عائشہؓ پر منافقین نے بہت بڑی تہمت لگا دی اور اہلِ ایمان میں سے چند سادہ لوح لوگوں نے ان کا ساتھ یوں دیا کہ سُنی سُنائی بات کو آگے بیان کر دیا اسی لئے حضورؐ نے فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ

"کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو بات کہیں سے سن لے وہ (بغیر تحقیق کے) آگے بیان کر دے۔"

اس بات کا قرآنِ مجید میں یوں ذکر فرمایا گیا:

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ○

"اے اہلِ ایمان! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو پہلے تحقیق کر لیا کرو۔ مبادا تم کسی قوم کے خلاف اس جہالت کی وجہ سے جھگڑ پڑو اور پھر اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔" (الحجرات:6)

چنانچہ ہر شخص کی بات کو مان کر بغیر کسی تحقیق کے اس کو پھیلانا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس افواہ سازی سے فتنے پیدا ہوتے ہیں گو کہ افواہ سازی کا کام "جمہوری معاشرے" میں بہت زیادہ ہوتا ہے مگر "اسلامی معاشرے" میں اس کی گنجائش نہیں۔ "جمہوری معاشرے" افواہوں، اخباروں اور سکینڈلوں کا سہارا لیتے اور ان کے بل بوتے پر چلتے ہیں۔

تو آیئے واقعۂ افک کے ثمرات و عواقب پر نظر ڈالیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ سیدہ عائشہؓ کے خلاف جھوٹ اور بہتان کا طوفان کھڑا کیا گیا۔ فطری بات یہ ہے کہ اس سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی متاثر ہوئے۔ سیدہ عائشہؓ اپنے والدین کے گھر چلی آئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک بعض صحابہ کرامؓ کے علاوہ سیدہ عائشہؓ کی بہن اور بعض رشتہ داروں سے حقیقتِ حال کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے رہے۔ افواہیں پھیلانے والوں میں سب سے آگے وہ شخص تھا جس کی سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے ساری عُمر مالی معاونت کی۔ اس کا نام مسطح بن اثاثہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ

کی اس قدر معاونت کے باوجود اس کو لحاظ نہ آیا کہ ان کی صاحبزادی کے بارے میں سُنی سُنائی بات پھیلانی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہؓ کی براءت کے بارے میں سورۂ نور کی آیات اتاریں اور اس شان سے کہ کائنات میں آج تک کسی الہامی کتاب میں اس طرح سے کسی خاتون کو یہ مقام نصیب نہ ہوا جو سیدہ عائشہؓ کو نصیب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی براءت کا اظہار کر کے مؤمنین کو "ڈانٹ" پلائی کہ میرے حبیب کی بیوی کے بارے میں تم یہ گمان کرتے رہے اور زبان سے ایسی باتیں کرتے رہے! کیا یہ نہ ہو سکتا تھا کہ تم یوں کہتے:

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○

"اے اللہ! تو پاک ہے بخدا یہ بہت بڑا بہتان ہے۔" (نور:16)

صرف یہی نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے قانون بنا دیا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی پاکدامن پر بہتان لگائے تو نیک گمان کیا جائے اور اس وقت تک اس کو مجرم نہ سمجھا جائے جب تک اس کے خلاف گواہی سے جرم ثابت نہ ہو جائے کیونکہ اسلامی معاشرے کا مزاج یہ ہے کہ ہر شخص کو اس وقت تک عادل سمجھا جائے جب تک اس کے خلاف جُرم ثابت نہ ہو جائے۔ بخلاف انگریز کے پیدا کردہ ہمارے موجودہ معاشرے کے کہ اس میں ہر شخص مجرم یا ملزم ہے اور اس کو اپنی بے گناہی ثابت کرنا پڑتی ہے۔ یہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ اُمّت کے سارے پاکدامن افراد' چاہے مرد ہوں یا عورتیں' ان کی عزّت و عصمت کی پاکدامنی کا قانون بنا دیا گیا نیز یہ کہ اس قسم کی باتیں کرنے یا سُننے سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہئے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ○

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○

fat.com

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○
وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

"جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا' اس وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریحاً بہتان ہے؟ وہ لوگ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے' ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ ذرا غور تو کرو اس وقت تم کیسی سخت غلطی کر رہے تھے جبکہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ ایک بہت بڑی بات تھی۔ کیوں نہ اسے سُنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔ سُبحان اللہ! یہ تو ایک بہتانِ عظیم ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ اللہ تمہیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحاشی پھیلے' وہ دنیا و آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"

(نور: 12-19)

بے نفسی و ایثار کی انتہا

اس واقعے کے بعد سیدنا ابوبکرؓ نے مسطحؓ بن اثاثہ کی مالی مدد بند کر دی۔ اس طرح اور صحابہؓ نے بھی ان لوگوں کی مالی مدد بند کر دی جو اس واقعے میں سیدہ عائشہؓ کے خلاف غیر ذمہ دارانہ گفتگو کے مرتکب ہوئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات بھی پسند نہ آئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَ
الْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا
تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

"تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضل اور صاحبِ وسعت ہیں' وہ اس بات کی قسم نہ کھالیں کہ رشتہ داروں'

محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو خرچ وغیرہ نہ دیں گے۔ ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تم کو بخش دے؟ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔" (نور: 22)

یعنی تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کردے تو تم بھی معاف کرنا سیکھو۔ تم بھی درگزر کیا کرو۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے مسطح کی مالی مدد دوگنی کردی۔

ے ما سلطنت بہ کوچہ جاناں فروختیم

ے جان سی شے بِک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی' ان داموں تو سستی ہے

پاکدامن مردوں کے لئے پاکدامن بیبیاں

پھر ایک ضابطہ بیان کیا کہ پاکدامن مردوں کے لئے پاکیزہ عورتیں اور بدخصلت لوگوں کے لئے بدکردار عورتیں ہی مناسبت رکھتی ہیں۔ گویا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اس بات کی علامت ہے کہ آپ پاکدامن اور بلند کردار ہیں۔

پرائیویسی کا تصور

اس کے بعد ایک معاشرتی قانون کا ذکر ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے گھروں میں ان کی اجازت لئے بغیر اور سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔" (نور: 27)

یعنی اگر کسی کے گھر میں جانا ہو تو اجازت لے کر جاؤ اور پھر داخل ہوتے وقت سلام کرکے داخل ہوں اور اگر اہلِ خانہ اجازت نہ دیں تو واپس ہو جانا چاہئے۔

پردے کا حکم

دوسرے معاشرتی قانون میں زنا کے پہلے سبب کا ذکر ہے اور وہ بری نظر ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت نے پردے کے احکامات نازل کئے۔ اس ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اے پیغمبر! اہلِ ایمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں' اللہ ان سے باخبر ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں۔ سوائے اس کے جو اس میں سے کھلا رہتا ہے اور اپنے سینوں کو اوڑھنی سے ڈھانک رکھیں۔ اپنے خاوند' باپ' خسر' بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں' بھائیوں' بھتیجوں' بھانجوں' عورتوں' لونڈی اور غلاموں کے علاوہ نیز ان خدام سے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں' ان لوگوں کے علاوہ کسی اور پر اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں (ایسے طور پر) نہ ماریں (کہ جھنکار کی آواز کانوں تک پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور ظاہر ہو جائے اور اے مومنو! سب اللہ کے حضور توبہ کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (نور:30-31)

شرم و حیا کی پابندی کے اس ضابطے کے بعد بالغ بچوں اور بچیوں کے ورثاء اور سرپرستوں کے لئے ایک حکم ہے کہ بالغ ہوتے ہی ان کا نکاح کر دیا جائے۔ اسی طرح لونڈی اور غلام کو بھی نکاح کے بندھن میں باندھ کر ان کی نفسانی خواہشات کو قابو کیا جائے اور جو لوگ اس کی استطاعت نہ رکھتے ہوں' وہ بھی اپنی ان خواہشات کو قابو میں

رکھیں۔ ایک حدیث مبارکہ اس مضمون کو مزید واضح کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے صاحبِ حیثیت لوگ شادی کرلیں اس لئے کہ نکاح نظر کو نیچا کرتا ہے اور شرمگاہ کو تحفظ عطا کرتا ہے اور جو شخص (اخراجات کی) طاقت نہ رکھتے ہوں' وہ روزے رکھا کریں۔ اس لئے کہ روزے اس کی جنسی شہوت کو کچل دیں گے۔ (بخاری و مسلم)

غلامی پر دائمی پابندی

غلاموں کا ذکر چھڑ گیا تو سورۂ نور میں ایک اہم معاملے (جسے ہم "مکاتبت" کہتے ہیں) کا ذکر ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ غلامی کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔ غلاموں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے آقاؤں سے لکھت پڑھت کرلیں اور اُن کو کچھ دے دلا کر آزادی حاصل کرکے رخصت ہو جائیں۔ اور آقا اس بات کے پابند تھے کہ وہ انہیں آزاد کردیں۔ یوں غلامی جو سیدنا عیسیٰؑ کے زمانے میں رومن امپائر کے اندر 90 فیصد موجود تھی اور حضور کے زمانے تک چلی آرہی تھی' وہ نوے فیصد سے کم ہو کر بالکل ختم ہو گئی۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ سیدنا عمر رضی اللہ کے زمانے تک اسلامی معاشرے میں کوئی مسلمان غلام موجود نہ تھا۔ اس کی وجہ اس آیت مبارکہ میں بیان فرمادی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ

"اور تمہارے مملوکوں میں سے جو "مکاتبت" کی درخواست کریں' ان سے "مکاتبت" کرلو' اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے" (النور 33)

یعنی پہلے تو ان کے ساتھ لکھت پڑھت کرو' انہیں آزاد کرنے کے لئے ان کے ساتھ شرائط لکھ کر طے کرلو۔ اور پھر جب وہ آزاد ہو جائیں تو انہیں اپنے رزق میں سے کچھ دے دلا کر رخصت کرو تاکہ انہیں جا کر دوبارہ معاشرے میں بطور آزاد و معزز فرد کے اپنا مقام حاصل کرنے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

لونڈیوں اور غلاموں کے نکاح اور مکاتبت کے احکام کے بعد یہ حکم الگ دیا کہ لونڈیوں کو کسبِ حرام پر مجبور نہ کیا جائے کیونکہ دورِ جاہلیت میں مالک اپنی لونڈیوں کو فحاشی اور کسبِ حرام کے لئے مجبور کرتے تھے اور اسلام میں تو رضا و رغبت سے بھی کسبِ حرام کی گنجائش نہیں۔

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے

قرآن مجید کی صداقت کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "نور" کا ذکر ہے جو ہر دل کی قندیل میں

fat.com

نورانیت بکھیر رہی ہے۔ اور پھر ان نورانی دل والے افراد کی صفات مذکور ہیں کہ

1- دنیا کی کوئی سی چیز ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

2- وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

3- زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

4- اور آخرت کے خوف سے ہروقت لرزاں رہتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی یہ آیات بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ان آیات میں سے ہیں کہ جن میں طلسم ربانی ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ کائنات میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہے۔ چراغ ایک فانوس میں ہو۔ فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارہ! اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہے چاہے آگ اس کو نہ لگے۔ اس طرح روشنی پر روشنی بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے راہنمائی فرما دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔ وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے" (النور-35)

ہر جلوے کو دیکھا تیرے جلووں سے منور
ہر بزم میں تو انجمن آرا نظر آیا

بدمست جہان ہو رہا ہے
ہے یار کی بو ہر ایک شے میں

اس آیت کی شرح چونکہ چند سطروں میں محال ہے' اس لئے اس ضمن میں راقم کی کتاب "شاہ ولی اللہ کا فلسفہ مابعد الطبیعات" دیکھی جا سکتی ہے۔

.com

کُفّار کے نیک اعمال کی مثال

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

"جن لوگوں نے کُفر کیا' ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسی دشت بے آب میں ریت کہ کوئی اُسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور اللہ ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اس کا حساب پورا پورا چکا دے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ یا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے گہرے دریا میں اندھیرے جس کی لہر پر لہر چڑھی چلی آتی ہو اور اس کے بعد دوسری لہر' پھر اوپر بادل ہوں غرض اندھیرے ہوں ایک کے اوپر ایک۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ اور جس کو اللہ روشنی عطا نہ کرے تو اس کو کہیں بھی روشنی نہیں ملتی" (نور:39-40)

یہ ان لوگوں کے اعمال کی مثال ہے جن کو اللہ نے نورِ ایمان نہیں بخشا۔ وہ محنت و مشقت کرتے ہیں مگر اللہ کی رضا کے بجائے ان کے مقاصد اور ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں پورا کر دیتے ہیں اُن کا مقصد شہرت' دولت اور اقتدار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا میں یہ سب عطا کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے زندہ باد کی پکار ہوتی ہے۔ دنیا میں ان کو بڑے بڑے تمغے اور شہرت مل جاتی ہے مگر جب وہ اللہ کے ہاں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا مقصد ہم نے دنیا میں پورا کر دیا۔ اب تم یہاں کیا چاہتے ہو؟

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص شہید ہو کر اللہ کے حضور پیش ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے لئے تم نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا: "اے اللہ! میں نے لڑتے لڑتے تیری راہ میں جان دے دی"۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ "تو جھوٹ بول رہا ہے۔ تو نے جان اس لئے دی کہ تو بہادر کہلائے۔ اور وہ کہا جا چکا۔ اب میرے یہاں تیرے لئے کوئی اجر نہیں ہے"۔ اس کے بعد ایک اور شخص آئے گا جو سخی تھا۔ اس کے ساتھ بھی وہی مکالمہ ہو گا اور پھر اس کا جواب ملے گا کہ تیرے لئے جہنّم کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کے بعد عالم کو پیش کیا جائے گا اور اسی مکالمہ کے بعد اس کا بھی یہی انجام ہو گا۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے یہ مثال بیان کی گئی کہ جنہوں نے کفر کیا' ان کے اعمال کی مثال ایسے ہے جیسے

fat.com

کوئی لق ودق صحرا میں جائے اور دور اس کو سراب نظر آئے اور وہ اس کی طرف بھاگتا چلا جائے مگر نامراد رہے۔

گویا وہ بہت سے اعمال کرنے کے باوجود اندھیروں ہی میں غرق رہا۔ اس کے آگے کوئی راستہ، کوئی روشنی، کو
منزل اور کوئی نشان نہیں! یہ مثال ان لوگوں کے اعمالِ خیر کی ہے جو کُفّار ہیں یا جو نام کے مسلمان ہیں مگر ان کی زند
کے سب کام اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ غیر اللہ کی خاطر ہیں۔

قُرآن کا ایک سائنسی اعجاز-پانی میں سے روشنی نہ گزر سکنا

اس آیت میں ایک سائنسی معجزہ بھی ہے جس کا اس کے نزول کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں تھا اور وہ
بات ہے کہ پانی میں سے روشنی کی لہریں نہیں گزر سکتیں۔

اس وقت سب لوگ یہی سمجھتے تھے اور ہم بھی عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ پانی میں سے روشنی گزرتی ہے جب
ایسا نہیں ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ گہرا سمندر ہو، ایک موج ہو، اس کے اوپر دوسری موج ہو اور اس کے اوپر بادل ہوں۔ نتی
سمندر میں اتنا اندھیرا ہو جائے گا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے گا اور یہ اس لئے کہ پانی میں سے روشنی نہیں گز
سکتی۔ یہ بات اب سائنس دانوں نے دریافت کی ہے۔ قرآنِ مجید نے صدیوں پہلے بیان کی کیونکہ جب بادل آئے گ
سورج کی روشنی کو تو بادل ہی روک لے گا جس میں پانی کے ذرات ہیں جو روشنی کو روک لیتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ
سمندر میں ایک موج، اس کے نیچے دوسری موج اور اس کے نیچے تیسری۔ جس سے شدید ترین اندھیرا ہو گیا یہ با
اس دور کے فلسفی، حکیم اور سائنس دان کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی جو آج طویل تحقیق کے بعد معلوم ہوئی۔

پانی مصدرِ حیات---ایک اور سائنسی اعجاز

ان تمثیلات کے بعد دعوائے توحید کے اثبات کے لئے آفاق کو شاہد بنایا گیا جس میں زمین اور آسمان کی حمد و
بادلوں سے برف کا گرنا اور رات دن کے بدل بدل کر آنے کا ذکر ہے۔ اور پھر پانی کی ایک صفت کا ذکر فرمایا:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ
اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ

"اللہ نے ہر جاندار چیز پانی سے پیدا کی۔ ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض دو پاؤں سے،
اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا پیدا کرتا ہے۔" (نور:45)

واضح ہوا کہ زندگی پانی سے نمودار ہوئی۔ جس زمانے میں قرآن نازل ہوا اس وقت سائنس میں یہ تصور بھی

موجود نہ تھا کہ حیات کا مصدر و منبع پانی ہے۔

اسی کو دوسری جگہ فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط

"ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا" (الانبیاء:30)

سچے اہلِ ایمان کی حالت

ان دلائل کو اس لئے بیان فرمایا کہ انسان عقل و شعور کو کام میں لا کر اپنے خالق کی وحدانیت پر ایمان لائے اور اس کے احکام کی روشنی میں زندگی بسر کرے۔ جبکہ ایک طبقہ ایسا ہے جو زبان سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر اس کا عمل ان کے خلاف ہے بلکہ ایسے لوگ اپنے مفادات کے پیچھے چلتے ہیں۔ اگر ان کا مفاد دین کے اپنانے میں ہے تو دیندار اور اگر دین چھوڑنے میں ہے تو ترقی پسند بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ "ظالم" کہتا ہے۔(نور-50)

اس آیت کے مفہوم اور الفاظ پر بار بار غور کیجئے کہ قرآن کہیں ہمارے بارے ہی میں تو یہ بات نہیں کہہ رہا۔ اگر تلخ گھونٹ نگل سکیں تو واقعتاً یہ ہمارے بارے ہی میں ہے کہ آزادی کے لئے ہم نے کلمہ طیبہ کو بطور نعرہ پیش کیا اور اس کے بعد روز بروز اس سے دوری ہوتی رہی۔ یہ تو اجتماعی معاملہ ہے۔ اگر انفرادی زندگی کا جائزہ لیں تو بھی یہی صورت حال ہوگی کہ ہم زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنے والے ہیں اور ہماری زندگی کے سارے مشاغل حتیٰ کہ ولادت سے موت تک کی رسوم و معاملات اپنی خواہشات کے تابع ہیں جبکہ اہلِ ایمان کی شان یہ نہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"مومنوں کی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان کے معاملات میں فیصلہ کریں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں" (نور:51)

اللہ تعالیٰ کے تین حسین وعدے

اس کے بعد کی آیات میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و عظمت کا ذکر ہے اور پھر اللہ ربّ العزت نے ایسے ہی لوگوں کے لئے ایک خوبصورت وعدہ بھی ارشاد فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ
الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ

"اللہ نے وعدہ کیا' ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے' اور جنھوں نے نیک اعمال کئے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا اور جو دین اللہ نے ان کے لئے پسند کیا' اس کو نافذ کرنے کے لئے تمام امکانی وسائل مہیا فرما دے گا۔ اور ان کے خوف کی حالت ختم کر کے امن و سعادت کی حالت عطا فرما دے گا۔" (نور:55)

یوں اللہ تعالیٰ کے یہ تین وعدے ہیں' یعنی حکومت' دولت اور امن۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا دنیا میں دراصل یہی تین نعمتیں ہیں' باقی سب ان کے ذیل میں آتی ہیں۔

اور ان تینوں نعمتوں کی بقاء کے لئے تین احکام ہیں۔

1۔ نماز قائم کرو

2۔ زکوۃ ادا کرو

3۔ رسول اللہ صلی اللہ کی اطاعت کرو۔ (نور-36)

پردے کے اوقات

ابتدا بیان ہو چکا کہ اس صورت میں معاشرتی احکام کا بھی ذکر ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ہے :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ
یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ
تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ۫
ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ
طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ○

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' لازم ہے کہ تمہارے لونڈی غلام اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں' تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں: صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لئے پردے کے ہیں۔ ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔ تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی

ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔"

(النور:58-59)

مندرجہ ذیل تین اوقات میں اگر کسی کے ہاں جانا ہو تو ان کی نجی نشست میں داخلے سے قبل اجازت لینا ضروری ہوگا:

1- نماز فجر سے پہلے۔

2- دوپہر کے آرام کے وقت۔

3- عشاء کی نماز کے بعد۔

مندرجہ بالا تین اوقات کو پردے کے اوقات قرار دیا گیا ہے۔

آیت 59 میں حکم ہے کہ جب لڑکے بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی دوسرے مردوں کی طرح اجازت لینا چاہئے۔

آیت 60 میں بوڑھی عورتوں کے لئے ایک استثناء ہے کہ وہ گھر میں کام کاج کے دوران میں اگر سر ننگا کر لیا کریں تو کوئی حرج نہیں مگر اعضائے زینت کا اظہار ان کو بھی جائز نہ ہوگا۔

اس حکم کی روشنی میں ہم اپنے گردو پیش اور گھروں کا جائزہ لیں کہ ہم پردے کے سلسلے میں کس قدر لاپروا اور آزاد واقع ہوئے ہیں اور دورِ حاضر کی فحاشی و عریانی یا اس کے بعد پیدا ہونے والی برائی مثلاً عورتوں کا اغواء اور زنا بالجبر اور عورتوں کو بلاوجہ سربازار تنگ کرنے جیسے واقعات وغیرہ اس حکم کی نافرمانی کا وبال ہی ہیں۔

اور آیت 61 میں مذکور حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ مریض و معذور افراد اور خود تم لوگ اپنے قریب کے رشتہ داروں اور اپنے بے تکلف دوستوں کے ہاں سے بلا اجازت کھا سکتے ہو مگر یہ خیال رہے کہ ان کے گھروں میں داخلے کے وقت سلام کرنا اور اجازت لینا لازم ہے۔

بارگاہِ نبوی میں ادب

اہلِ ایمان کے اوصاف کے بعد ایک بہت ہی نازک مرحلے کی بابت حکم ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

"(مسلمانو!) اپنے درمیان رسول ؐ کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو لوگ تم میں آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں۔ جو لوگ (رسول کے) حکم کی

fat.com

مخالفت کرتے ہیں' ان کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی آفت ہی آپڑے یا تکلیف دہ عذاب ان پر نازل ہو۔" (نور:63)

اس آیت میں پہلی بات یہ فرمائی کہ جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے بات کرلیتے ہو' آداب کا خیال نہیں کرتے ہو' اس طرح سے رسول ؐ کو نہ پکارا کرو۔ یہ ادب گاہ ہے۔ یہاں ادب ملحوظ رہے۔

ے اے زائر درگاہِ نبی! جائے ادب ہے
آئے نہ ترے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدو بایزید ایں جا

اے خاکِ در گہِ تو جبینِ نیازِ ما
قربانِ یک نگاہِ تو عمرِ درازِ ما

اس آیتِ کریمہ کو پڑھ کر اور موجودہ دور کے نعت خوانوں اور بعض بے باک واعظوں کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں گویا کسی عام آدمی سے مخاطب ہوں۔ خاص طور پر یا محمد کے نعرے تو عجیب ہی انداز سے لگائے جاتے ہیں جس میں چیخ' پکار اور توہین کا پہلو زیادہ واضح ہوتا ہے۔ ان سے بچنا لازم ہے۔ ذرا غور سے دیکھیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کہیں بھی نبیِؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ذاتی نام سے "یا محمد" کہہ کر نہیں پکارا ہے۔ بلکہ ہر جگہ محبت واحترام سے خوبصورت القاب (طٰہٰ' یٰسین' یَاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ' یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ وغیرہ) سے یاد فرمایا ہے۔

اور اس کے بعد آخرت کے محاسبے کے ذکر پر سورۃ کا اختتام ہوتا ہے۔

.com

سورہ الفرقان (۲۵)

نام

پہلی آیت میں لفظ الفُرقان کی وجہ سے بطور علامت یہی نام متعیّن کر دیا گیا۔

زمانہ نزول

ہجرتِ حبشہ کا دور ہی اس سورۃ کا زمانہ نزول ہے۔

مضامین

1- نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور قرآنِ کریم کی بابت کُفارِ مکہ کے اعتراضات کا جواب اس سورۃ کے ابتدائی حصے میں ہے۔

2- اقوامِ سابقہ کے ضمن میں قومِ عاد، ثمود، اصحابُ الرّس، قومِ موسیٰ، قومِ نوح اور بنی اسرائیل کے واقعات بیان کئے گئے ہیں اور دعوتِ حق سے اعراض کرنے والے کے انجام کو وضاحت کے ساتھ بیان کر کے اہلِ مکہ کو تنبیہہ کی گئی ہے۔

3- اخلاق و کردار کے حوالے سے مومن کے اوصاف اور کردار کو اس سورۃ کے آخری حصہ میں بیان کیا گیا۔ گویا ان اوصاف کا مالک ہی مومن کہلانے کا حق دار ہے۔

4- اخلاقی تعلیمات کے ضمن میں ایمان، عملِ صالح، توبہ، نیکی اور اللہ کی اطاعت کا حکم ہے جبکہ ظلم، کفر اور جہالت سے گریز کی تلقین بھی کی گئی ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقصدِ قرآن

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

"وہ بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) اہلِ زمانہ کو ہدایت کرے۔" (الفرقان: 1)

سورۃ کے آغاز میں قرآنِ مجید کے نزول کی حکمت اور ضرورت کا ذکر ہے تاکہ اس سے دنیا والوں کو آخرت کے عذاب اور اللہ کے حضور جوابدہی سے ڈرایا جائے اور اس کے بعد اللہ کی وحدانیت پر آفاق کو بطورِ دلیل پیش کیا۔ اور ان کے من گھڑت معبودوں کے عجز اور بے چارگی کا ذکر فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

"اور ان لوگوں نے اس کے علاوہ اور معبود بنالئے جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے گئے ہیں۔ اور نہ اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتے ہیں۔ اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ جینا اور نہ مر کر اٹھنا۔" (الفرقان: 3)

گویا اللہ کے علاوہ جن جن کی اس کائنات میں عبادت کی جا رہی ہے۔ وہ خود مخلوق اور عاجز ہیں جو دوسروں کا نفع و نقصان تو دور کی بات، وہ اپنے نفع و نقصان سے بھی بے خبر ہیں۔

اہلِ مکہ کے شبہات

اس کے بعد پھر ایک شبہ یا اشکال کا ذکر اور اس کا جواب ہے۔ جس کا ذکر اس سے قبل متعدد مقامات پر ہو چکا ہے کہ

1- یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا من گھڑت کلام ہے۔
2- چونکہ یہ کھاتے پیتے اور بازاروں میں کاروبار کرتے ہیں، اس لئے رسول نہیں۔
3- رسالت کے لئے کسی نوری مخلوق یعنی فرشتے کا انتخاب کیوں نہ کیا گیا یا ایک فرشتہ آپ کے ساتھ آپ کی

تصدیق کے لئے کیوں مقرر نہیں؟

اہلِ مکہ کا تصور یہ تھا کہ انسان کو رسول نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ نُوری وجود کو رسول ہونا چاہئے۔ ان اشکالات ہی کو ان کی گمراہی کا سبب قرار دیا۔

فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝

"پس وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور راہِ راست نہیں پا سکتے۔" (الفرقان:9)

اہلِ مکہ کا انکارِ آخرت

رسالت کے انکار کے بعد اہلِ مکہ کے آخرت سے انکار کا ذکر فرمایا اور ان کا انجام بھی واضح کر دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝
لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۝
قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ
لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ۝

"جب یہ دوزخ کی تنگ وادی میں قید کئے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔ (فرشتے جواب میں کہیں گے کہ) آج ایک موت کو نہیں، بے شمار موتوں کو پکارو۔ ان سے پوچھیں کہ یہ (دوزخ) بہتر ہے یا وہ ہمیشہ رہنے کی جنت جس کا متقی لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے؟ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے اور رہنے کا ٹھکانا"

(الفرقان:13-15)

میدانِ حشر میں ایک مکالمہ

دوزخ میں ڈالنے سے قبل میدانِ حشر میں ان مشرکوں اور ان نیک لوگوں کے درمیان ایک مکالمہ ہوگا جس کا ذکر یہاں بطور عبرت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَأَنْتُمْ
أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝
قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ
وَلَٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ۝

"اور جس دن (اللہ) ان (کافروں) کو اور ان کو جن کو یہ اللہ کے علاوہ پوجتے تھے، جمع کرے گا تو پوچھے گا (ان نیک بندوں انبیا اور اولیاء سے) کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود گمراہ ہو گئے تھے؟ وہ

Marfat.

کہیں گے۔ تو پاک ہے۔ ہمیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تیرے علاوہ دوسروں کو دوست بناتے البتہ تو نے ہی ان کو اور ان کے باپ دادا کو نعمتیں عطا کیں یہاں تک کہ وہ تیری یاد کو بھول گئے اور یہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔" (الفرقان:17-18)

گمراہی کیا ہے؟

ایسا ہی ایک تذکرہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق' سورۃ المائدہ' سورۃ یونس اور سورۃ ابراہیم میں بھی ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے جو دنیا میں راہِ حق کے داعی تھے مگر ان کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کی عبادت شروع کر دی' سوال کریں گے تو وہ اپنی برأت کا اعلان کریں گے اور ان لوگوں سے لاتعلقی کا اظہار کریں گے۔ اسی لئے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گمراہی کے عمل سے بچنے کے لئے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاۤءِهِمْ وَصٰلِحِيْهِمْ مَسٰجِدًا

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔" (ترمذی)

حالانکہ ان کی تعلیم صرف اسی قدر تھی کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جائے دورِ حاضر میں بھی اولیاء کے مزارات و مقابر پر بعض جگہ ایک تختی آویزاں ہوتی ہے جس پر درج ہوتا ہے:

"سجدۂ تعظیم کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے"

مگر اس کے باوجود ان اولیاءِ کرام کے مزارات پر لوگ سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ ان نیک لوگوں کو اس عمل سے کس قدر اذیت پہنچتی ہو گی مگر ہم عقیدت کے نام پر عقیدہ ترک کر چکے ہیں۔

نبیوں کے روزمرہ معمولات

پھر اہلِ مکہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ

"اور ہم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے' سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے" (الفرقان:20)

یعنی یہ بات شانِ نبوت کے خلاف نہیں کہ نبی یا رسول بشر ہو' اس کے بشری تقاضے ہوں اور ان کو پورا کرنے کے لئے اسے عام انسانوں کی طرح شہر و بازار میں چلت پھرت کرنی پڑے۔ بشریت نبوت کے منافی نہیں بلکہ نبوت کا تقاضا ہے کیونکہ تمام رسول بشر ہی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ نوعِ بشر سے باہر رسالت ثابت نہیں ہے۔ ہاں رسالت اپنی

جگہ پر عظیم ترین منصب ہے کہ کائنات کی کوئی ہستی اس کی دھول کو بھی نہیں پہنچ پاتی۔

؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حشر کا ایک منظر

اس کے بعد قیامت کا منظر اس قدر حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝
وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝
وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝
اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝
وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝
يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝
لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝
وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝

"جس روز یہ فرشتوں کو دیکھیں گے، وہ مجرموں کے لئے کسی بشارت کا دن نہ ہو گا۔ وہ چیخ اٹھیں گے کہ پناہ بخدا۔ اور جو کچھ ان کا کیا دھرا ہے، اسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے۔ بس وہی لوگ جو جنت کے مستحق ہیں اس دن اچھی جگہ ٹھہریں گے اور دوپہر گزارنے کا عمدہ مقام پائیں گے۔ آسمان کو چیرتا ہوا ایک بادل اس روز نمودار ہو گا اور فرشتوں کے پرے کے پرے اتار دیئے جائیں گے۔ اس روز حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہو گی۔ اور وہ منکرین کے لئے بڑا سخت دن ہو گا۔ ظالم انسان اپنا ہاتھ چبائے گا اور کہے گا کہ کاش! میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی کاش! میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے بہکاوے میں آ کر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی۔ شیطان انسان کے حق میں بڑا ہی بے وفا نکلا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یوں کہیں گے: اے میرے رب! میری قوم کے لوگوں نے اِس قرآن کو چھوڑ دیا تھا" (الفرقان:22-30)

fat.com

حشر میں انتہائی مایوس کن صورتحال

قیامت کا منظر تو اپنی جگہ لیکن اس آیت پر اپنی خصوصی توجہ مرکوز کیجئے گا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم یوں کہیں گے کہ یہ ہیں میری قوم کے وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے کون بچائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت برحق! آپ کا شَفِیعُ الْمُذْنِبِیْن ہونا بھی برحق! مگر وہ بدنصیب جن کے خلاف آپؐ خود اتنی بڑی شکایت اور گواہی ارشاد فرمادیں، انہیں کون عذابِ الٰہی سے بچا سکتا ہے؟ ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ اس زمرہ سے باہر نکلنے کی سرتوڑ کوشش کریں۔ علامہ اقبالؒ نے اس آیت کا ترجمہ اپنے شعر میں یوں پیش کیا:

؎ خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شُدی

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مختلف اسباب کی وجہ سے دنیا میں تم ذِلّت و پستی کا شکار ہو؟ ہرگز نہیں بلکہ تم صرف قرآن چھوڑنے کی وجہ سے خوار ہو۔ تم خوامخواہ دُنیوی اسباب کے پیچھے بھاگتے ہو اور گردشِ دوراں کا گلہ کرتے ہو۔

؎ سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

ذِلّت بے زری سے نہیں بلکہ مہجوریِ قرآن کی وجہ سے ہے۔

گمراہی کا سب سے بڑا سبب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط

"تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنالیا۔" (الفرقان:43)

دراصل ہم جس چیز کو بھی اپنی اول ترجیح قرار دے دیں، وہی ہمارا معبود ہے۔ اگر ہم اپنی خواہشِ نفس کو اپنی ترجیحِ اول قرار دے دیں تو وہ معبود بن گئی۔ حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"درہم کا بندہ ہلاک ہوگیا، دینار کا بندہ ہلاک ہوگیا، جُبّہ و دستار کا بندہ ہلاک ہوگیا، کُرسی کا بندہ ہلاک ہوگیا"

جس چیز کو ہم اتنی اہمیت دے دیں کہ وہ ہم سے دین و مذہب ہی چھڑوادے، وہی ہمارا معبودِ باطل ہے۔

اہلِ مکّہ کا ایک بھونڈا اعتراض

جب قرآن کی حقّانیت اور مسئلۂ رسالت کے سلسلے میں کُفّارِ مکّہ لاجواب ہوگئے تو ایک اور بھونڈا سا اعتراض گھڑ کر لے آئے یعنی یہ کہ قرآن یکبارگی کیوں نازل نہ ہوا؟ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ واقعی ہم نے قرآن کو

.com

یکبارگی نہ اتارا بلکہ مختلف اجزاء کی صورت میں اتارا ہے اور اس کی حکمت بھی بیان کر دی۔

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝

"تاکہ تمہارے دِل کو مضبوط رکھے اور یہ کہ ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں" (الفرقان:32)

آدابِ تلاوت

مذکورہ آیت میں تلاوت کے ادب کا ذکر ہوا۔ کہ قرآنِ مجید کو اس طرح ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے کہ حروف نہ کٹنے پائیں۔ ہر ہر حرف الگ الگ اور واضح پڑھا جائے۔ اسی طرح کی ایک آیت سورۃ المزمل میں بھی ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝

"قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔" (المزمل:4)

اب ہمارے ہاں جو تراویح کے دوران میں بعض جگہ حُفّاظِ کرام قرآن کے الفاظ کے ساتھ جو معاملہ کرتے ہیں، وہ بھی محلِ نظر ہے۔

اس کے بعد حشر کی منظر کشی اور سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی رسالت کا ذکر ہے اور اہلِ مکہ کے تجارتی راستوں کی ان بستیوں کا ذکر ہے جہاں اللہ کا عذاب آیا اور ان بستیوں کو غارت کر دیا گیا۔

نفسانی خواہش

قومِ نوح، عاد و ثمود اور اصحابُ الرّس کی ہلاکت اور ان کی قوموں کے تمسخر و استہزاء کا ذکر بھی ہے۔ وہ یہ سب کچھ اس لئے کیا کرتے تھے کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کے غلام تھے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنے نفس کی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے؟ کیا تم اس کے نگہبان ہو سکتے ہو؟ یا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں (نہیں) یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ تر ہیں۔" (الفرقان:43-44)

آساں نہیں مجدِ مسلسل سے گزرنا
ہر گام یہاں مرحلہ خود شکنی ہے

بس اسی کی ہے زندگی جس نے
آپ اپنے پہ فتح پائی ہے

توحید اور اس پہ دلائل

ان کی اس حالتِ زار کی اصلاح کے لئے روز مرہ مشاہدے کو بطور دلیل بیان فرمایا جس میں سورج کی روشنی، نیند کے سکون اور دن کے کام کاج کا ذکر ہے پھر گرم سرد ہواؤں اور بنجر زمین میں سبزہ و نباتات اُگانے کا ذکر شامل ہے اور جب پانی کا ذکر چھڑ گیا تو پانی کی ان دو دھاروں کا ذکر فرمایا کہ ایک کھارا پانی کی اور دوسرا میٹھا پانی ہے جو باہم ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر اپنے ذائقے کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ نیز یہ کہ

خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ط

"اللہ ہی نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا اور پھر اس کو صاحبِ نسب اور صاحبِ قرابت دامادی بنایا۔"
(الفرقان: 54)

اس قدر احسانات کے باوجود یہ انسان اس قدر ناقدر شناس ہے کہ؛

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ط وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ○

"یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ فائدہ پہنچا سکے اور نہ نقصان۔ اور کافر اپنے رب کی مخالفت میں بڑا زور لگاتا ہے۔" (الفرقان: 55)

لیکن ان سب کی اس سرکشی کے باوجود اللہ اس قدر رحمٰن و رحیم ہے کہ وہ ان انسانوں کی ہدایت کے واسطے نبی مبعوث کرتا ہے اور سیدُ الانبیاء خاتم المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○
قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○
وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ط وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ○ لا

"اور ہم نے آپ کو صرف خوشی اور عذاب کی خبر سنانے کو بھیجا ہے۔ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کی اُجرت نہیں مانگتا۔ ہاں جو شخص چاہے، اپنے رب کی طرف جانے کا رستہ اختیار کر لے اور اس زندہ پر بھروسا کرے جو کبھی نہ مرے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتا رہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے" (الفرقان: 56-58)

.com

کامل مومن کے اوصاف

اور جو لوگ آپ کی عالمگیر رسالت پر ایمان لے آتے ہیں' ان کے اوصاف قرآنِ مجید میں یوں بیان کئے گئے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○
وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ○
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○
اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ○
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○
وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○
يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ○
اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ
سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○
وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○
وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○
وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ○
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ
وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ○
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ○
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○
قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ○

"رحمٰن کے اصل بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ جو اپنے رب کے حضور سجدے کرتے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں جہنّم کے عذاب سے بچالے۔ اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے (جہنّم) تو بڑا ہی

برائے مستقر ہے۔ جو خرچ میں نہ فضول خرچ اور نہ بخیل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں میں اعتدال پر رہتا ہے۔ وہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں پکارتے۔ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔ اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے' وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا قیامت کے روز اس کو مقرر عذاب دیا جائے گا۔ پھر اس میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ سوائے اس کے کہ کوئی ان گناہوں کے بعد توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اور وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے' وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔ اور رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں' جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔ جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے۔ اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی صورت میں پائیں گے۔ آداب و تسلیمات سے ان کا استقبال ہو گا' وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ کیا ہی اچھا ہے وہ مستقر اور وہ مقام۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے کہو: میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے اگر تم اس کو نہ پکارو۔ اب جبکہ تم نے جھٹلا دیا ہے' عنقریب تم وہ سزا پاؤ گے کہ جان چھڑانا مشکل ہو گی۔"

Marf

سورہ الشعراء (۲۶)

نام

اس سورۃ کے آخر میں "شُعَراء" کے ذکر کی وجہ سے یہی اس سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما کے فرمان کے مطابق یہ سورۃ سورۂ طٰہٰ کے بعد نازل ہوئی اور یہ یقینی بات ہے کہ سیّدنا عُمر رضی اللہ عنہ اس وقت اسلام قبول کر چکے تھے۔

مضامین

اس سورۃ کا آغاز نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حوصلہ افزائی اور تسلّی کے الفاظ سے ہے کیونکہ کُفّار کے مسلسل انکار کے باعث آپ ان کو مطمئن کرنے کے لئے تگ و دو کرتے اور وہ مسلسل انکار کرتے اور کہتے کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ شعر، کہانت وغیرہ ہے اور اس تعلیم میں عظمت والی کوئی بات نہیں۔ اسی لئے قوم کے جوان اور معاشرتی اعتبار سے کمزور افراد اس کو قبول کرتے ہیں اور اشرافِ قوم اس سے گریزاں ہیں۔ کفار کی اس بات کے جواب میں اس سورۃ کا نزول ہوا۔

اس سورت کے ابتدا ہی میں اللہ ربُّ العزّت کی طرف سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلّی و تشفّی کے لئے ارشاد ہے کہ آپ ان کے لئے اس قدر رنج و غم نہ کریں کہ آپ اپنی جان ہی کھو دیں کیونکہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں کہ ان لوگوں نے کوئی نشانی نہیں دیکھی۔ بلکہ ان کے کفر پر اڑے رہنے کی اصل وجہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ ہاں! اس کے بعد اب ان کو ایسی نشانی دیکھنے کی آرزو ہے جو زبردستی ان کی گردنوں کو جھکا دے اور وہ نشانی یقیناً آکر رہے گی۔ البتہ اس کے لئے وقت متعیّن ہے اِس سلسلے میں اقوامِ سابقہ کے معاملات و واقعات کو بطور شاہد پیش کیا۔

ان واقعات کے ذیل میں دو باتوں کو بطور خاص ذہن نشین کرایا گیا۔ اوّل وہ نشانیاں جو ہر صاحبِ عقل کے گرد و پیش میں اس کو دعوت دے رہی ہیں۔ دوسری وہ نشانیاں جو فرعون، قومِ نوح، عاد و ثمود، قومِ لوط اور اصحابُ الایکہ نے دیکھیں اور اس کے نتیجے میں ان کا انجام تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔

انہی واقعات کے ضمن میں یہ بات بھی بتائی کہ ہر دور کے کُفّار کی ذہنیت اور ان کی حُجّتیں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں۔ ان سب کے بہانے اور انجام یکساں ہیں۔ اسی طرح سبھی انبیاء کی تعلیمات، مومنوں کی سیرت و کردار اور ان

کے ساتھ اللہ کی رحمت کا معاملہ بھی ایک جیسا ہی رہا۔ اب تمام لوگ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کی تصویر کس خاکے
موجود ہے۔

ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بھی ذکر کیا گیا۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ زبردست' قادرِ مطلق' رحیم و ک
اور جبار و قہار ہے۔

سورۃ کے آخر میں کُفّار کو تنبیہہ کی گئی کہ تم لوگ نشانیاں دیکھنے پر اصرار نہ کرو اور اگر تم لوگوں کو اس
اصرار ہے تو سابقہ تباہ شُدہ اقوام کے حالات پر ایک نظر ڈالو نیز قرآنِ کریم کا بلیغ انداز اس بات کا شاہد ہے کہ یہ انس
کلام نہیں کیونکہ کاہن اور اکثر و بیشتر شعراء کا کلام ظن و تخمین اور وہم پر مبنی ہوتا ہے۔ ان دونوں کلاموں کے
موازنے کے بعد تمہارے دل یقیناً اس بات کی شہادت دیں گے کہ یہ کہانت یا شاعری نہیں اور اگر اس کے باوج
بھی تم اس حقیقت کا اعتراف نہیں کرو گے تو پھر یقینی طور پر تم ظالم ہو اور ظلم کا انجام اس سے قبل سابقہ اقوام کے
احوال میں تم مشاہدہ کر چکے ہو۔

سورۃ الشُّعراء میں اخلاقِ حسنہ کی تلقین کرتے ہوئے توکل' ناپ تول کو پورا رکھنا اور عقیدہ و عمل کی اصلاح
خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔ جبکہ گمراہی' دین کے ساتھ مذاق' انبیاء کو جھٹلانا اور زمین میں فساد کی شدید مذمت کی گ
ہے۔

اس صورت میں معجزات کے ضمن میں موسیٰ علیہ السلام کے یدِ بیضا کا تذکرہ اور سمندر کے اندر راستے بنا
کا واقعہ ہے نیز نباتات پر غور و تدبر کی دعوت بھی دی گئی ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰسٓمٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○
لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○
اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ○
وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ○
فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

"یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ (اے نبی!) شاید آپ اس غم سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے' اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتاریں' پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔ ان کے پاس (اللہ) رحمٰن کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں آتی مگر یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ پس یہ تو جھٹلا چکے اب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔"

(الشعراء:1-6)

عظمتِ کتاب

کتاب اللہ کی عظمت کے ذکر کے بعد فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو ان سب کو زبردستی ایمان قبول کرنے پر مجبور کر دیتے مگر ہمیں جبری ایمان کی ضرورت نہیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ لوگ حقیقت کو سمجھ کر اپنے اختیار سے ایمان قبول کریں۔ اگر ان نصیحت بھری باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تو ہم ان کو ان جیسے منکرین اور دین کا مذاق اڑانے والے لوگوں کا حال سناتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے ذکر کے بعد اقوامِ ماضیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور قومِ فرعون کا ذکر ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

موسیٰ علیہ السلام کو نبوت دے کر فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کی غرض سے بھیجا گیا۔ تائید کے لئے دو معجزات بھی عطا کئے گئے اور حالات کے پیشِ نظر آپ کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا کر معاونت کے

لئے ساتھ روانہ کیا۔ فرعون نے معجزات دیکھ کر مناظرہ شروع کر دیا اور پوچھا:
تمہارا رب کون ہے؟
موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ میرا رب وہ ہے جو آسمان، زمین اور ان کے درمیان موجود ہر چیز کا مالک ہے۔
فرعون چونکہ خود فریبی کا شکار ہو کر اپنے آپ کو رب کہلاتا تھا تو اس نے اس بات کو آپ کے جنون کا سبب بتایا اور
معجزات سے متاثرہ لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے جادوگروں کے ساتھ مقابلے کے لئے کہا۔ وقتِ مقررہ پر جادوگر
آئے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان قبول کر لیا۔
اس مقام پر یہ ایک حقیقت جان لیجئے کہ ان جادوگروں کے پاس ایک فن تھا جس کو ہر شریعت نے گمراہی کہا مگر
جب جادوگروں نے اس کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کے کمال کا مشاہدہ کیا تو بے ساختہ ایمان قبول کر لیا۔ فرعون
نے ان کو دھمکایا مگر ان لوگوں کو عین الیقین حاصل ہو چکا تھا۔ انہوں نے فرعون کی ان دھمکیوں کا نوٹس نہ لیا اور ایمان
پر ثابت قدم رہے۔ فرعون زچ ہو گیا۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ملا کہ قوم سمیت راتوں
رات یہ علاقہ چھوڑ جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے اپنے اسباب جمع کئے اور رات کو پہلے پہر رختِ سفر
باندھ نکل کھڑے ہوئے۔ صبح جب فرعون کو خبر ہوئی تو پیچھا کرنے نکلا۔ ایک پانی کی گزرگاہ پر ان کو جا لیا۔ موسیٰ علیہ
السلام نے پانی پر لاٹھی ماری۔ راستہ بنا اور آپ پار جا اترے۔ فرعون نے جب تعاقب کیا تو عین بیچ دریا پانی میں غوطے
کھانے لگا اور اپنی قوم سمیت غرقاب ہوا اور اللہ رب العزت نے اس کی لاش کو بطورِ عبرت قیامت تک محفوظ کر دیا۔
اس سارے قصے کے بعد فرمایا:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ○

"بے شک اس واقعے میں نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں" (الشعراء:63)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا جس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو ان لوگوں کے ساتھ
ہے جو ان کے دور میں بت پرستی کرتے تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے کبھی دیکھو تو سہی
ان کی حیثیت کیا ہے؟ میں تو صرف ایک رب العالمین کا ہو کر رہ گیا ہوں اور ان بتوں کو میں اپنا دشمن شمار کرتا ہوں۔
آپ نے اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کیں کہ اس نے مجھے پیدا کیا ہے اور مجھے ہدایت دی ہے۔

ہدایت کے معنی

ہدایت کے کئی معنی ہیں۔
اللہ رب العزت انسانوں کے ساتھ جانوروں کو بھی ہدایت عطا کرتا ہے۔ جانور کا بچہ پیدا ہونے کے فوراً بعد ماں

.com

کے پستانوں سے چپک کر دودھ پینا شروع کر دیتا ہے۔ اگر دودھ پینے کا یہ فن اللہ تعالیٰ نہ سکھائے اور ہم سکھانے لگیں تو کیا ہو گا؟ دنیا کے سارے استاد' پروفیسر' اور ماہرین نفسیات مل کر یہ چاہیں کہ کسی بچے کو دودھ چوسنے کا فن سکھا دیں تو کیا یہ ان کے بس میں ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ وہ ہدایت ہے جو الہامی طور پر اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے بھی اسی طرح کے الفاظ ادا ہوئے۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝

"اُس نے پیدا کیا ہے اور راہنمائی کرتا ہے۔ وہی کھلاتا ہے' وہی پلاتا ہے' اور جب میں (اپنی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے) بیمار پڑ جاتا ہوں تو شفا بھی دیتا ہے۔" (الشعراء:78-80)

ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیمار کرتا ہے بلکہ بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کا مقام ادب دیکھیں کہ انہوں نے تمام باتیں اللہ کی طرف منسوب کیں مگر جہاں بیماری کا معاملہ آیا تو کہا جب میں (اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے) بیمار پڑ جاتا ہوں تو شفا وہی دیتا ہے۔ یہ ہے وہ ادب جو ہمیں نبی سکھاتا ہے۔

عاجزی و بے نفسی کی انتہا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ کہ "اے اللہ! مجھے نیک لوگوں میں شامل کرنا" اس دُعا میں کتنی تواضع و عاجزی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر نیک کون ہو گا؟ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دُعا تلقین فرمائی کہ اے اللہ! مجھ پر یوں درود بھیج جیسے ابراہیم پر بھیجا اور میری آل پر یوں درود بھیج جیسے آل ابراہیم پر درود بھیجا۔ کہاں یہ مقام اور کہاں یہ عاجزی کہ "**اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ**" مجھے نیک لوگوں میں شامل کر دے۔ یہ تواضع اور عاجزی ضرور سیکھنی چاہئے۔

حضرت بُو علی قلندرؒ اپنے دیوان میں لکھتے ہیں:

؎ بجز عجز و نیاز آں جا نمی پُرسند چیزے را
بفیض خاکساری با تواں حل کرد مشکل ہا

اللہ تعالیٰ کے دربار میں سوائے عجز و نیاز کے کسی اور چیز کی کوئی قدر نہیں۔ اور ہم نے جتنی خاکساری اختیار کی' اتنی ہی مشکلات اس نے آسان کر دیں۔

یہ ابراہیم علیہ السلام کی خاکساری ہے کہ وہ اولُوالعزم رسول ہوتے ہوئے بھی یہ دُعا کرتے ہیں "اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ" مجھے نیک لوگوں میں شامل کر دے۔

یہ دُعا حضرت یوسف نے بھی کی تھی:

fat.com

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا
وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○

"آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ مجھے اس حال میں موت دے کہ میں فرماں بردار ہوں اور مجھے نیکو کاروں کے ساتھ شامل کر دے۔" (یوسف: 101)

یہ بھی تواضع ہے حالانکہ دُنیا کے سارے صالحین کو یہ دعا کرنی چاہئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ساتھ نصیب فرما۔ تمام انبیاء یہ دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم علیہ السلام کا ساتھ عطا فرما اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہ دعا کرتے ہیں کہ مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما!

جنت و دوزخ کی منظر کشی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد جنت دوزخ کی منظر کشی ان الفاظ میں ہے:

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ○
وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ○ وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ○
فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ○ وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ○
قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ○ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○
اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ○
فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ○ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ○
فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

"اس روز جنت پرہیز گاروں کے قریب کی جائے گی۔ اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ جن کو تم پوجتے تھے' وہ کہاں ہیں؟ یعنی اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے تھے' کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا خود بدلہ لے سکتے ہیں؟ تو گمراہ لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور شیطان کے سب لشکر بھی۔ وہاں یہ آپس میں لڑیں گے اور کہیں گے کہ "اللہ کی قسم! ہم تو کھلی گمراہی میں تھے۔ کہ تمہیں ربُّ العالمین کے برابر شریک ٹھہراتے رہے۔ ہم کو ان گناہگاروں ہی نے گمراہ کیا۔ تو آج نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے نہ ہمدرد دوست۔ اے کاش! ہمیں دوبارہ دنیا میں جانا ہوتا تو ہم یقیناً اہلِ ایمان میں سے ہوتے۔" (الشعراء: 90-102)

.com

اللہ تعالیٰ کے برابر کسی سے محبت کرنا

قرآنِ مجید میں جنّت اور دوزخ کے نظارے ایسے ہیں کہ انسان کا دل دہل جاتا ہے۔ مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم قرآن سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ وہاں بار بار پوچھے گا کہ بلاؤ ان ساتھیوں کو جن کو تم دنیا میں پکارا کرتے تھے۔ ان کا بھی حال دیکھیں کہ وہ اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں یا نہیں! اُن کو پکارا جائے گا' وہ آئیں گے اور پھر آپس میں ان کا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔ یہ دوزخ میں اپنے معبودوں سے جھگڑا کریں گے۔ معبود جنہوں نے اپنی عبادت کرائی ہوگی' وہ بھی دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اس وقت لوگ اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ اللہ کی قسم! ہم تو صریح گمراہی میں تھے جب ہم تمہیں ربُّ العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے۔

سوچنے کی بات ہے کہ کوئی شخص کسی کو خواہ وہ بت ہو یا کوئی جن و انس' اسے اللہ کی برابری کا درجہ تو نہیں دیتا! بات یہ ہے کہ کسی کی محبت میں اس طرح گرفتار ہو جانا کہ اللہ کی محبت کے برابر ہو جائے یا اللہ کی محبت پیچھے رہ جائے' یہ اس کو اللہ کے برابر قرار دے دینا ہے۔ یہاں یہی بات کہی جا رہی ہے کہ ہم تمہاری محبت میں اتنے گرفتار ہوئے کہ ہم نے تمہیں اللہ کا درجہ دے دیا! اور ربُّ العالمین کی برابری کا مرتبہ دے دیا۔ ہم بہت گمراہ لوگ تھے۔ آج کوئی بھی ہماری مدد کرنے والا نہیں ہے۔

سیّدنا نوح علیہ السلام کا ذکر

اس کے بعد سیّدنا نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر ہے۔ جب نُوح علیہ السلام نے قوم کو راہِ ہدایت کی دعوت دی تو انہوں نے کہا:

"کیا ہم تم پر ایمان لائیں جبکہ تمہارے پیروکار تو رذیل لوگ ہوتے ہیں" (الشعراء:112)

کُفّار کا ایک وہم

یہ واہمہ بھی ہر دور کے کُفّار کو رہا کہ وہ اہلِ ایمان کو رَذیل سمجھتے رہے۔ کیونکہ ان کے ہاں اصل وقار دولت' جاگیر اور عزّت و شہرت کے باعث ہوتا ہے اور اسی نخوت و غرور کے باعث وہ اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے اور ان کو دھمکیاں دیتے تھے۔ نوح علیہ السلام کو بھی قوم کے وڈیروں نے ایک دھمکی دی:

یٰنُوۡحُ لَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِیۡنَ ۝

"اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو تو سنگسار کر دیا جائے گا" (الشعراء:116)

اس کے جواب میں نوح علیہ السلام نے اللہ کے حضور یہ دُعا کی:

فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِي وَ مَنْ مَّعِيَ

"(اے اللہ) میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں، ان کو بچا لے" (الشعرا:118)

اس کے بعد ایک عذاب آیا اور اہلِ ایمان کے علاوہ ساری قوم غرق ہو گئی حتیٰ کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی، جس کا ذکر اس سے قبل سورۂ ہود میں ہو چکا ہے۔

قومِ عاد

قومِ عاد کا تذکرہ شروع کیا گیا۔ سیدنا ہود علیہ السلام نے قوم کو سمجھانے کے لئے ہر طریق اختیار کیا۔ قوم کی اپنی ٹیکنالوجی، قوت و طاقت، مال و اولاد اور جاگیر و زراعت غرض ہر بڑائی کی حقیقت کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان سب کے چھن جانے کے باوجود آخرت میں بھی عذاب ہو گا۔ اس پر قوم کے سرکش سردار کہنے لگے:

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝
اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝

"ہمیں نصیحت کریں یا نہ کریں، ہمارے لئے برابر ہے۔ یہ تو پہلے لوگوں کی باتیں اور راستے ہیں۔ ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا" (الشعراء:136-138)

قومِ عاد کو بھی اللہ تعالیٰ نے نیست و نابود کر دیا اور فرمایا کہ اس واقعے کے اندر بھی اہلِ بصیرت کے لئے ایک نشانی موجود ہے۔

قومِ ثمود کی ہٹ دھرمی

اس کے بعد قومِ ثمود کی ہٹ دھرمی کو عبرت کے لئے بیان فرمایا جن کو سیدنا صالح علیہ السلام نے یوں دعوتِ حق دی:

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝
وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝

"کیا جو چیزیں موجود ہیں، تم ان ہی میں بے خوف چھوڑ دیے جاؤ گے یعنی باغ، چشمے، کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف اور نازک ہوتے ہیں اور تکلیف سے پہاڑوں میں تراش کر بنائے گئے مکان۔ پس

اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے" (الشعراء:146-152)

ان حقیقت افروز باتوں کو سن کر ماننے کی بجائے قوم ثمود کے لوگ کہنے لگے:

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

"تم تو جادو زدہ ہو۔ تم اور کچھ نہیں بس ہماری طرح کے آدمی ہو۔ اگر سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔"

(الشعراء:153-154)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے مطالبے کے مطابق معینہ پہاڑی چٹان میں سے ایک اونٹنی کو ظاہر کیا اور اس کی بابت ان پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں۔ جن کی خلاف ورزی پر ان کو سخت عذاب کی لپیٹ میں لیا گیا اور ان کا نشان تک اس دنیا میں نہ چھوڑا گیا۔

قومِ لوط

اسی طرح قومِ لوط کی ہدایت و راہنمائی کے لئے لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ اس قوم میں شرک کے ساتھ ہم جنسی کا بھی مرض تھا۔ لوط علیہ السلام نے اُن کو سمجھایا مگر وہ ہرگز نہ مانے اور پھر ان کو ایسا عذاب دیا گیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

"ان پر ہم نے بارش برسائی۔ پس جو بارش ان لوگوں پر برسی 'وہ ڈرائے گئے لوگوں پر بدترین بارش تھی"

(الشعراء:173)

احادیث میں ہے کہ ساری بستی کو فرشتوں نے فضا میں معلق کر کے زمین پر اُلٹا دیا اور پھر ان پر پتھر برسائے گئے۔ جس کے باعث ان کے سارے آثار ختم ہو کر رہ گئے۔ اور یہ ان کی اس اخلاقی برائی کے باعث تھا۔

قومِ شعیب کا ذکر

اسی قسم کی ایک اخلاقی اور معاشرتی بُرائی سیدنا شعیب علیہ السلام کی اُمت میں بھی تھی کہ وہ کم تولتے اور کم ماپ کر دیتے تھے۔ شعیب علیہ السلام نے قوم کو بہت سمجھایا مگر قوم نے وہی جواب دیا جو عام گمراہ قومیں دیتی ہیں کہ آپ پر سحر کے آثار ہیں' آپ تو انسان ہیں' نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو کر گزرو:

fat.com

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ

"ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا کر دکھاؤ۔" (الشعراء:187)

اس قوم پر عذاب آسمان ہی سے اُترا کہ ایک بادل کا ٹکڑا آیا اور اس میں سے آگ برسا کر ان کو نابود کر دیا گیا۔

شیطانی الہام کی حقیقت

ان سب گمراہ قوموں کے تذکرے کے بعد سبق حاصل کرنے کی دعوت ہے کہ راہِ راست پر آجاؤ ورنہ تمہارا حشر ان سے مختلف نہ ہو گا۔ پھر اہلِ مکہ کے ایک پروپیگنڈے کو گمراہ کُن قرار دیا کہ اہلِ مکہ کہتے کہ نعوذُباللہ اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر شیطان اُترتا ہے اور وہ جو خیالات اس کو دیتا ہے' یہ ہمیں سُنا دیتا ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝

"کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ ہر جھوٹے گناہ گار پر اترتے ہیں' جو سنی ہوئی بات اس کے کان میں لا ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرمارتے پھرتے ہیں اور وہ ایسی بات کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے؟ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں اور اپنے پر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیتے ہیں اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کونسی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔"

(الشعراء:221-227)

نفسِ انسانی کی تین حالتیں

ان آیات میں پہلی اہم بات یہ ہے کہ شیطان کس پر اُترا کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ انسان کو چار قسم کی طاقتوں سے واسطہ پڑا ہوا ہے۔ دو اس کے اندر ہیں اور دو باہر۔ اندر کی دو طاقتیں نفسِ امّارہ اور نفسِ لوّامہ ہیں۔ وہ نفس جو انسان کو گناہ پر ابھارتا ہے۔ زیادہ کھانے پینے' زیادہ عیش پرستی' زیادہ لذت پرستی' نہ صرف اپنا بلکہ دوسروں کا حق بھی

کھانے پر ابھارتا ہے۔ یہ نفسِ امارہ ہے۔ جو انسان کے اپنے اندر موجود ہے۔

اندر کی ایک اور طاقت ہے جس کو نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔ یہ اللہ کو بہت پیارا لگتا ہے۔ اللہ نے ایک جگہ اس کی قسم کھائی ہے۔ "لَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ۔" اور میں "نفسِ لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔" اس کو اردو زبان میں "ضمیر" بھی کہتے ہیں۔ یہی رُوح بھی کہلاتا ہے۔ یہ آپ کے اندر ہی اندر ایک قاضی' کوتوال' سپاہی اور آڈیٹر (Auditor) بیٹھا ہے جو انسان کو بُری باتوں پر ٹوکتا اور نیکی پر ابھارتا اور شاباش دیتا ہے۔ یہ دو طاقتیں انسان کے اندر ہیں۔ ان کی جنگ ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ یہ جنگ کبھی ختم نہیں ہوتی۔

روح ہے اک نغمۂ سازِ الست
جسم خاکی پردۂ آواز ہے

اس کے علاوہ انسان کے باہر دو طاقتیں ہیں' جیسے اندر نفسِ امارہ ہے اسی طرح باہر شیاطین ہیں' ابلیس کی ذُرّیت اور اس کی اولاد ہے۔ ان کا ایک پورا جال اور نظام ہے جو انسان کو نفسِ امارہ کی مدد سے جکڑتا ہے۔ باہر کی دوسری قوت انبیاء' علماء' اولیاء اللہ اور فرشتوں کی ہے۔ جو انسان کو نیکی پر ابھارتے ہیں۔ ان کا تعلق نفسِ لوامہ یعنی ضمیر اور رُوح سے ہے۔ اس طرح دو طاقتیں اندر لڑ رہی ہیں اور دو طاقتیں باہر جنگ کر رہی ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ ہم کبھی ادھر ہوتے ہیں کبھی ادھر۔ اندر ہی اندر کبھی غزوۂ بدر ہوتا ہے اور کبھی سقوطِ بغداد۔ کبھی سقوطِ غرناطہ اور کبھی سقوطِ ڈھاکہ ہوتا ہے۔

ے بس اسی کی ہے زندگی جس نے
آپ اپنے پہ فتح پائی ہے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پناہ مانگو ان شیاطین سے جو جنوں کی اور انسانوں کی شکل میں بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے نفس کے شر سے پناہ مانگو۔ اور جو شخص ان دونوں سے پناہ نہیں مانگتا ہے' وہ اپنے آپ کو نفسِ امارہ اور شیاطین کے سپرد کر دیتا ہے۔ اندر نفس امارہ اور باہر شیاطین اور اسی میں وہ خود بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کا شیطانی قوتیں بھرپور ساتھ دیتی ہیں۔ اگر وہ پڑھا لکھا آدمی ہے تو ایک خاص قسم کا شر پرست عبقری (Evil Genious) بن جاتا ہے۔ شیطانی قوتیں اس کو اتنا اونچا لے جاتی ہیں کہ وہ نبوت کا دعویٰ بھی کر دیتا ہے۔ اس طرح بعض اور لوگ ــــــ بڑے بڑے کرتب دکھا دیتے ہیں۔ آپ کے "دِل کی بات" بتا دیتے ہیں۔ جوگی بن جاتے ہیں۔ ان پر "القائے شیطانی" ہوتا ہے۔

ے جس پہ بہت ناز ہے آہ تجھے بو الہوس
ننگ ہے وہ زندگی اہلِ نظر کے لئے

ان پر شیاطین نازل ہو کر ان کو ادھر ادھر کی باتیں بتاتے ہیں جن میں سے اکثر جھوٹی ہوتی ہیں اور اسی سبب وہ

Marfat.

ذلیل و خوار رہتے ہیں اور پھر ان کے بارے میں قرآنِ پاک کہتا ہے:

"شیاطین ہر جھوٹے گناہگار پر اترتے ہیں۔" (الشعراء:222)

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ ہے عورت سوار

شعراء کی حقیقت

اکثر شعراء پر شیاطین نازل ہوتے ہیں۔ اور ان کو ادھر ادھر کی باتیں سناتے ہیں جو اکثر جھوٹی ہوتی ہیں۔ ان کی اتباع کرنے والے بھی بھٹکے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کو شراب کباب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر ان کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو شیطان سہارا نہیں دیتا۔ اگر وہ شراب نہ پئیں تو پھر اچھے شعر بر آمد نہیں ہوتے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ ہر میدان میں یہ علم کے دعویدار ہوتے ہیں۔ ہر میدان میں گفتگو کرتے ہیں اور جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ ان کے قول اور عمل میں تضاد ہوتا ہے۔ ہاں! وہ شاعر جن میں چار صفات ہوں وہ مستثنیٰ ہیں۔

نمبر1- اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ وہ جو ایمان لے آئے۔

نمبر2- وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک اعمال کرنے والے لوگ۔

نمبر3- وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا ہر دم اللہ کو یاد کرنے والے لوگ اور

نمبر4- کسی پر زیادتی کرنے والے نہیں۔

اگر ایسے شاعر ہوں تو ان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ پھر شیاطین ان پر نازل نہیں ہوتے بلکہ الہامِ ربانی ہوتا ہے۔

.com

سورہ النمل (۲۷)

نام

سلیمان علیہ السلام کے تذکرے میں "چیونٹیوں" کے ذکر کی مناسبت سے اس سورۃ کا علامتی نام "النمل" رکھا گیا۔

زمانہ نزول

یہ سورۃ مکی زندگی کے آخری دور کے ساتھ متعلق ہے۔

مضامین

سورۃ کا آغاز قرآن کریم کی عظمت اور مُنزلٌ مّن اللہ (اللہ کی طرف سے نازل شدہ) ہونے کے ذکر کے ساتھ ہے اور اس حقیقت کا ذکر واشگاف الفاظ میں کیا گیا ہے کہ اس قرآن سے فائدہ صرف انہی لوگوں کو پہنچ سکتا ہے جو قرآنی تعلیمات پر ایمان لاکر اپنی عملی زندگی میں اس کی ہدایات اور احکام پر عمل پیرا ہوں۔

ایمانیات کے سلسلے میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ آخرت پر ایمان اور جوابدہی کا عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور اگر یہ عقیدہ کمزور پڑ جائے تو انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو کر اپنے نفس کا غلام بن جاتا ہے جس کا لازم اثر یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص میں احساس ذمہ داری نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

آسمانی تعلیمات کے نزول کے بعد زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے انسانوں کی زندگی مختلف طبقوں میں ڈھل جاتی ہے جن کو اس سورۃ میں عبرت و نصیحت کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

فرعون، قوم ثمود اور قوم لوط کا ذکر اس سورۃ میں ہوا تاکہ اہل مکہ کو خبردار کیا جا سکے کہ بتاؤ کہ یہ اللہ کے غضب کا شکار قومیں جن نظریات پر قائم تھیں کیا تم خود انہی میں مبتلا نہیں ہو؟

اسباب ضلالت و گمراہی کے ضمن میں شرک اور آخرت سے بے نیازی کے نظریے کا ذکر بھی ہوا کیونکہ جب کوئی شخص اس نظریے پر کاربند ہو جائے کہ زندگی یہی ہے اور اس کے بعد جوابدہی یا احتساب نام کی کوئی چیز نہیں ہو گی تو ایسے شخص میں حق و باطل کے امتیاز کی صلاحیت ہی نہیں رہتی اور انجام کار وہ اصلاح کی دعوت دینے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور اپنی بدکاریوں پر مصر رہتا ہے اور پھر عذاب الٰہی ایسے شخص کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ زمین کو اس کے فساد سے پاک کر دیتا ہے۔

ایسے لوگوں کو ان کی اس غفلت اور ہٹ دھرمی کے باوجود راہ راست کی دعوت دینا آخرت کا خوف دلانے

fat.com

رکھنا اور اس کو متنبہ کرنا اس سورت کا خاصہ ہے۔

(ب) سلیمان علیہ السلام کی نبوت و حکومت ' جلالتِ شان اور دولت کے ذکر میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں سے نوازا تھا جس کا تصور بھی اس دور کے لوگوں کے لئے ممکن نہیں۔ بایں ہمہ وہ آخرت کی جوابدہی سے ہروقت خوف زدہ رہتے تھے اور اپنے رب کے حضور سربسجود ہو کر اس کی حمد و ثنا اور شکر ادا کرتے تھے۔ ان کے نفس میں دنیا کی آلائشوں اور اس میں انہماک کا شائبہ تک نہ تھا۔

(ج) اس سورۃ میں ملکۂ سبا کا ذکر بھی ہے جو عرب کی دولت مند قوم کی حکمران تھی۔ عقیدے کے اعتبار سے وہ مشرک تھی۔ اس کے لئے اپنے آبائی نظریات و عقائد کو ترک کر کے اپنی سرداری اور حکمرانی کو باقی رکھنا بھی ممکن نہ تھا مگر جب حقائق سامنے آگئے تو اس سچائی کو قبول کرنے کی راہ میں کوئی چیز بھی رکاوٹ نہ بن سکی اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ شرک کے باوجود ملکۂ سبا کو آخرت کی جوابدہی کا احساس تھا۔

سورۃ کا اختتام توحید اور عقیدۂ آخرت کے تذکرے پر ہے اور اس کے ساتھ یہ وُضاحت موجود ہے کہ اس پیغامِ حق کا قبول کرنا تمہارے لئے فائدہ مند ہے اور نہ ماننا تمہارے ہی نقصان اور خسارے کا سبب ہوگا۔

اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں اعمالِ صالح، صلوٰۃ و زکوٰۃ، اصلاحِ نفس اور اصلاحِ معاشرہ کی تلقین کے ساتھ برائی کے فروغ، فسادفی الارض اور اَغلام ایسے قبیح افعال کی مذمت بھی موجود ہے۔

Marf

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰسٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۝ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

"یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیات ہیں جو ہدایت ہے اور مومنین کے لئے خوشخبری ہے۔"

(النمل:1-2)

سورۃ کے آغاز میں کتاب اللہ کی عظمت اور مُتّقین کے لئے اس کے مفید ہونے کا ذکر ہے اور اس کے بعد مُتّقین کے اوصاف و کمالات کا ذکر ہے جس سے مُتّقی کی پہچان آسان ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کا ذکر ہے جو کتابُ اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ بلاشبہ ان کا انجام دردناک عذاب ہے۔

قِصّۂِ موسیٰ علیہ السلام

اس کے بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے منصبِ رسالت پر فائز کئے جانے، معجزات اور فرعون کے دربار میں پیغامِ حق پہنچانے کا ذکر ہے جس کی تفصیلات دوسرے مقامات پر بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں صرف یہ بتایا گیا کہ اس سرکش قوم کا انجام تمہارے لئے باعثِ عبرت ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا شُکر ادا کرنا

اس کے بعد سیدنا داؤد علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کو دی گئی نعمتوں کا تذکرہ ہے۔ جس پر سلیمان علیہ السلام نے یہ الفاظ ادا کئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

"اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی۔" (النمل:15)

قانونِ الٰہی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نعمتوں میں برکت عطا کرتا ہے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کو مختلف جانوروں کی گُفتگو سمجھنے کا ملکہ عطا کیا گیا۔ جس کے باعث آپ مختلف جانوروں کا باہمی کلام سمجھ لیتے تھے۔ اسی سلسلے میں آپ کے ایک سفر کا ذکر ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک چیونٹی کا کلام سنا جو یوں اپنی قوم کو کہہ رہی تھی:

ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

"اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے اور انہیں اس کی خبر تک نہ ہو۔" (النمل:18)

عاجزی و انکسار

آپ نے یہ سنا تو فرطِ جذبات سے اللہ کے حضور سربسجود ہو گئے اور عرض کی:

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

"اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کیں اور اس بات کی توفیق دے کہ میں ایسے اچھے اعمال کروں جو تیری رضا کا باعث ہوں اور مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے نیکوکار بندوں میں داخل کر دے۔" (النمل:19)

اس دُعا میں نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ عجز و انکسار کا بڑا ہی دلنشین انداز اختیار کیا گیا ہے کہ اے میرے رب! مجھے اس بات کی توفیق دے کہ میں ایسے اعمال کروں جو تیری رضا کا باعث ہوں کیونکہ انسان اگر از خود چاہے بھی تو نیک اعمال کی ادائیگی میں شیطانی طاقتیں حائل ہو کر اس کو راہِ حق سے بہکانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس موقع پر اگر توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہو تو انسان راہِ ہدایت پر قائم رہ سکتا ہے ورنہ بھٹک جانے کا سخت اندیشہ ہے۔ نیز یہ دُعا ہے کہ مجھے اپنے نیکوکار بندوں میں داخل کر لے۔ غور کیجئے! کہ اللہ کا ایک جلیلُ القدر نبی یہ دُعا کر رہا ہے!!

ایک عبرت انگیز واقعہ

اس موقع پر ایک مشہور واقعہ دہرانا مزید فائدے کا باعث ہو گا۔ اولیائے کرامؒ کے حالات میں ذکر ہے کہ ایک مرتبہ محبوبِ سُبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃُ اللہ علیہ عبادت میں مشغول تھے کہ غیب سے آواز آئی:

"اے عبدالقادر! ہم نے تیری اس عبادت اور عجز و نیاز سے خوش ہو کر تیری مغفرت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب تجھے نماز معاف کر دی گئی۔" حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جب یہ سنا تو فوراً **لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ** پڑھا اور فرمایا کہ اے ابلیس! میرے نانا خاتمُ المعصُومین علیہ التحیۃ و التسلیم کو مقامِ محمود کی بشارت دے کر نماز تو قطعاً معاف نہ کی گئی اور میری اس میدان میں کیا حیثیت ہے؟ غیب سے پھر آواز آئی کہ اے عبدالقادر! تو اپنے علم کی طاقت سے بچ گیا ہے۔ ورنہ اس طرح میں نے بہت سے عابدوں کو گمراہ کیا ہے۔ اس پر انہوں نے پھر **لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ** پڑھا اور فرمایا کہ لعنتی! دور ہو جا تو مجھے اب علم کے زعم میں مبتلا کر کے بہکانا چاہتا ہے۔ میں علم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بدولت تجھ سے بچ سکا

ہوں۔ یہ جواب سن کر ابلیس افسوس کرتا ہوا چلا گیا۔

اب ہم غور کریں کہ ہم محبوبِ سُبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃُ اللہ علیہ کی عظمت کے معترف تو ہیں مگر اپنی نیکی و پارسائی پر اس قدر نازاں و خود فراموش ہیں کہ ہمیں فرائض اور واجبات کا خیال تک نہیں آتا۔ اور پھر نام نہاد علماء کا معاملہ تو اور بھی دگرگوں ہے کہ وہ علم کے زعم میں اس قدر مگن ہوتے ہیں کہ اور کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے۔ علماء کی پوری قدر دانی اور حدیث شریف میں ان کی عظمت کے ذکر کے باوصف ایسے لوگ قابلِ رحم ہیں جو دین کا واجبی سا علم حاصل کر کے علماء کے گروہ میں تو شامل ہو جاتے ہیں مگر ان کی نیک نامی کی بجائے ان کی رسوائی کا سامان زیادہ مہیا کرتے ہیں اور اُمّت میں فساد ایسے ہی لوگوں کے باعث ہے۔

تو ذکر تھا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے علم اور دیگر نعمتوں کا شکریہ بھی ادا کیا اور آپ کا سر عجز و نیاز سے اور جھک گیا۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام اور ہُدہُد کا قصہ

دورانِ سفر میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں سے ہُدہُد غائب پایا گیا۔ انہیں اس پر شدید غُصّہ آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ واپسی پر اگر اس نے غیر حاضری کی معقول وجہ نہ بتائی تو میں اس کو ذبح کر دوں گا۔ جب ہُدہُد واپس پہنچا تو اس نے ایک ملک کی ملکہ کے حالات اور اس کی قوم کے عقائد و نظریات کی بابت ذکر کیا۔ اس ملکہ کا نام بلقیس تھا' ان کی قوم سورج کی پرستش کرتی تھی۔ حضرت سلیمان نے اُن کو خط لکھا اور دین کی دعوت دی۔

قرآنِ حکیم اس واقعہ کی یوں حکایت کرتا ہے:

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ○ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ○
قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ○
قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ○
قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ وَ اِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ○
فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ○

fat.com

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ○

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ○

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ○

"ملکہ بولی: اے اہلِ دربار! میری طرف ایک خط بھیجا گیا ہے۔ وہ سلیمان کی طرف سے ہے۔ اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ مضمون یہ ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے حضور حاضر ہو جاؤ۔ خط سُنا کر ملکہ نے کہا: اے سردارانِ قوم! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو۔ میں کسی معاملے کا فیصلہ تمہارے مشورے کے بغیر نہیں کرتی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم طاقتور اور لڑنے والے لوگ ہیں' آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حُکم دینا ہے۔ ملکہ نے کہا کہ بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اس کے عزّت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ میں ان لوگوں کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں اور پھر دیکھتی ہوں کہ میرے ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں۔ جب ملکہ کا سفیر سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچا تو اُس نے کہا کہ کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے' وہ اس سے زیادہ ہے جو تمہیں دیا ہے۔ تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک ہو۔ (اے سفیر!) واپس جا۔ ہم ان پر اپنے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں ایسی ذِلّت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے اہلِ دربار! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آئیں۔ جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا: میں اسے حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اُٹھیں' میں اس کی طاقت رکھتا ہوں۔ (یعنی آپ اُٹھ کر بیٹھیں اتنی دیر میں اس کا تخت یہاں پہنچ جائے گا۔) میں امانت دار ہوں۔ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا' وہ بولا: آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے میں اُسے لائے دیتا ہوں۔ جوں ہی سلیمان علیہ السلام نے وہ تخت اپنے پاس رکھے

.com

ہوئے دیکھا' وہ پکار اٹھا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے' اس کا شکر اس کے اپنے ہی لئے مفید ہے۔ اور اگر کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز ہے۔" (النمل:29-40)

اب اس طویل قصے میں دو تین باتیں غور طلب ہیں۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے دین کی دعوت دی تو ملکہ ہچکچائی لیکن جب وہ آئی تو اس نے اسلام قبول کیا اور جب اپنا ہی تخت سلیمان علیہ السلام کے ہاں پڑا ہوا دیکھا تو حیران رہ گئی اور ایمان لے آئی۔

مومن اور کافر میں فرق

اس میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جب سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اتنی نعمتیں دیکھیں تو فرمایا هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ کہ یہ میرے رب کا فضل اور انعام ہے۔ میری اپنی ذات کا کوئی کرشمہ نہیں ہے۔ مومن اور کافر میں یہی فرق ہے۔ ایک تلنگا آدمی جو کہ فقیر تھا' اس کے پاس پیسہ وغیرہ کچھ نہ تھا' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے باعث دولت مل گئی تو کہنے لگا کہ یہ میرا ذاتی علم اور کمال ہے جس کی بدولت یہ سب کچھ ملا ہے۔ کافر کو جب چیز ملتی ہے' وہ اس کو اپنا ذاتی استحقاق سمجھتا اور اپنی صلاحیت کا نتیجہ سمجھتا ہے اور جب مومن کو وہی چیز ملتی ہے تو اس کو فضلِ ربّی قرار دیتا اور کہتا ہے کہ میرے پروردگار کا مجھ پر فضل ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ مجھے اس لئے دیا گیا ہے تاکہ دیکھا جا سکے کہ میں خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں یا نہیں۔

یہاں ایک شخص کا ذکر آیا۔ جس کی صفت یہ ہے کہ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اب پتا نہیں چلتا کہ یہ جنات میں سے تھا یا انسانوں میں سے۔ لیکن اس کو اللہ کی طرف سے الکتاب یعنی آسمانی کتاب کا خاص علم عطا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے خاص کرامات بھی عطا کیں۔ اس سے زیادہ قرآنِ مجید میں وضاحت نہیں ہے۔ نیز ایک اور اہم بات جو ہم اس قصے میں پڑھتے ہیں' وہ یہ ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو دین کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئی تو آپ نے اس کا احترام کیا۔ قرآنِ مجید میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کا صرف اتنا ہی ذکر ہے۔

سلیمان علیہ السلام اور یہودی یاوہ گوئی

جیوش Jewish انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو چھوڑا نہیں' (نعوذ باللہ) ان سے گناہ کیا اور ان سے ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ انہی میں سے بختِ نصر بھی ہے یعنی اس ناجائز بچے کا بھی ذکر کیا۔ اسی نے آگے چل کر بیتُ المقدس کو لوٹا اور تورات کی ساری کتابیں اکٹھی کر کے آگ لگا دی۔ اس کا حکم تھا کہ اگر کسی گھر میں تورات کا ایک بھی صفحہ مل گیا تو گھر جلا دیا جائے گا۔

یہ تاریخی واقعہ ہے جس کی بابت یہودیوں نے یہ ثابت کیا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کو نبی بھی مانتے ہیں اور ان

کا ملکہ سبا کے ساتھ ناجائز تعلق بھی بتاتے ہیں۔ مزید یہ روایات ملتی ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں اور داؤد علیہ السلام کی 300 بیویاں تھیں۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ معلومات کہاں سے لی گئی ہیں۔ قرآن و حدیث میں اس کی بابت کوئی ذکر نہیں ہے۔ جہاں بھی سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کا ذکر ہے وہاں کس خوبصورتی، عزت و وقار کے ساتھ دونوں شخصیتوں کا نام لیا گیا ہے اور ذرا یہودی لٹریچر (Jewish Literature) پڑھ کر دیکھیں تو پتا چلے گا کہ انہوں نے نبیوں کا ذکر کس تحقیر آمیز انداز سے کیا ہے۔ ایسا ہی ایک الزام انہوں نے داؤد علیہ السلام پر بھی لگایا جس کی تفصیل آگے سورۂ ص میں آئے گی اور دیگر بہت سے انبیاء پر بھی انہوں نے الزام تراشی کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام برائیاں انہوں نے خود کرنی ہوتی ہیں، اس لئے انبیاء کو بھی اس لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

قصہ لوط علیہ السلام

اہلِ مکہ کو تنبیہ کے لئے، قومِ لوط کی بدکرداری اور لوط علیہ السلام پر کی گئی زیادتی کا ذکر ہے کہ اس قوم کے صرف نو فسادی آدمیوں نے کس طرح اپنی بدعملی کے باعث پوری قوم کو عذاب کی بھٹی میں دھکیلا کہ ان کے گھروں کو اُلٹا دیا گیا اور وہ خطہ آج تک عبرت و موعظت کی تصویر بنا ہوا اہلِ جہاں کو یہ بتاتا ہے کہ نبی کی مخالفت کا انجام کیا ہوا کرتا ہے۔ اس واقعے کی تفصیلات اس سے قبل مختلف مقامات پر بیان ہو چکی ہیں۔

توحید پر دلائل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے لئے کائنات کے آفاقی نظام کو بطور دلیل بیان کیا اور فرمایا کہ غور کرو تاکہ حق شناسی کی نعمت کے حق دار بن سکو۔

ارشادِ ربانی ہے:

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

أَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ

Marf

بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○
اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

"بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس کے ذریعے سے وہ خوشنما باغ اگائے جن کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی ان کاموں میں شامل ہے؟ نہیں۔ بلکہ یہی لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کئے اور اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیئے۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی خدا بھی ان کاموں میں شامل ہے؟ نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ناداں ہیں۔ کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب اسے پکارے اور کون ہے وہ جو اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی یہ کام کرنے والا ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تمہیں راستہ دکھاتا ہے؟ کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کی خوشخبری لے کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی یہ کام کرتا ہے؟ بہت بالا و برتر ہے وہ اللہ' اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور وہ کون ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی ان کاموں میں حصہ دار ہے؟ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔" (النمل:60-64)

ان آیات میں ہمیں اس دنیا میں مشاہدے پر اکسایا گیا ہے کہ دیکھو یہ پانی' یہ پودے' یہ درخت' یہ باغ' یہ پہاڑ۔ کس طرح پیدا ہو رہے ہیں اور پھر ان ساری قوتوں میں ایک ربط' (Co-ordination) ضبط اور تنظیم ہے۔ کیا یہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی کر سکتا ہے؟ یعنی قرآنِ مجید پہلی آسمانی کتاب ہے جس کا مزاج سائنسی ہے جو مشاہدے پر اکساتا ہے۔ اس کو ہم استقراء (Induction) کہتے ہیں اور یہی اس کا مزاج ہے کہ استخراج (Deduction) کی بجائے اس میں استقراء ہے۔ ایک ایک چیز کا مشاہدہ کروا کے ان میں رابطہ پیدا کرنا اور کلیہ تلاش کروانا۔ اس لئے زمین' آسمان اور مختلف چیزوں کا ذکر کر کے آخر میں یوں کہا کہ "کون ہے کہ جب کوئی مضطرب و پریشان حال آدمی اس کو پکارتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے' اس کی سنتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے۔"

تین اہم وظائف

ایک واقعہ ملاحظہ کریں' میں سعودی عرب جامعہ کنگ فیصل یونیورسٹی میں تھا وہاں ایک استاد حدیث پڑھاتے

fat.com

تھے ان کا نام شیخ جابر حیاری تھا۔ وہ حدیث کے استاد تھے جن کو حافظ الاسد نے سزائے موت سنادی اور وہ جیل میں بند کر دیئے گئے تھے۔ وہاں سے وہ جیل توڑ کر بھاگ نکلے اور یہاں استاد متعین ہوئے۔ ایک دفعہ ہم اکٹھے سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ دمہ کی وجہ سے ان کا سانس پھول گیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ جابر! تم جیل توڑ کر کس طرح بھاگے؟ تمہارا تو یہ حال ہے کہ تم سیڑھیاں بھی آرام سے نہیں چڑھ سکتے ہو۔ وہ کہنے لگے آرام سے بیٹھ جاؤ' میں تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ حدیث کے استاد اور بہت لائق آدمی تھے۔ میں نے بھی اپنے بچوں کو ان کے حوالے کر رکھا تھا کہ ان سے حدیث پڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ سجدے میں میں 3 دعائیں مانگا کرتا تھا اور روتا تھا اس لئے کہ میں حافظ الاسد کے ہاتھوں نہیں مرنا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کا رتبہ دے لیکن اس وقت میں کم عمر تھا اور ابھی کچھ عرصہ دین کا کام کرنا چاہتا تھا۔ میں روتا اور یہ دعا مانگتا تھا:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

"اے وہ ذات جو بے قرار شخص کی دعا کو جب وہ اسے پکارتا ہے' سنتا ہے' اسے قبول کرتا ہے اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے۔"

انہوں نے مزید کہا کہ میں سجدے میں دعا کرتا تھا "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ" یعنی رو رو کر اللہ کے اس اسم اعظم کا ورد کرتا۔ آیت کریمہ کثرت سے پڑھتا تھا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ﷺ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

کیونکہ یونس علیہ السلام بھی تو مچھلی کے پیٹ میں پھنس گئے تھے۔ ان کی جیل تو تنگ تھی نہ اٹھ سکتے تھے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ انہوں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ نے فضل کیا اور رہائی مل گئی اور اس طرح اللہ نے مجھے رہائی دلائی۔

ے جس دل میں تیری یاد ہے تو صدرِ نشیں ہے
وہ دل بھی حسیں اس کی محبت بھی حسیں ہے

مسئلہ علم غیب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُؕ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝

"اے نبی! ان سے کہہ دیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں سوائے اللہ کے اور کوئی غیب کا علم نہیں جانتا ہے۔ (تم جن کے بارے میں سمجھتے ہو کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں) ان کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ (ان کا انجام کیا ہوگا)"

Marf

معلوم ہوا کہ علمِ غیب اللہ کی خاص صفت ہے اور اس صفت میں کسی اور کو شریک کرنا شرک ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ اس کائنات کا آغاز بھی ہم نے کیا اور انجام بھی ہم ہی کریں گے کیونکہ اہلِ مکہ نے یہ کہا تھا:

آخرت پہ دلائل

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ○ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○

"جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر (قبروں سے) نکالے جائیں گے۔ یہ وعدہ ہم سے اور ہمارے آباء و اجداد سے پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہے اور یہ تو صرف لوگوں کی (من گھڑت) کہانیاں ہیں۔" (النمل: 67-68)

ان کے جواب میں پھر دعوتِ فکر ہے کہ

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ○

"زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ گناہگاروں کا انجام کیسا ہوا؟" (النمل: 69)

اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی کے الفاظ بیان فرمائے۔

لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ یعنی آپ ان کے اس حال پر غم نہ کریں کیونکہ آپ پیغامِ حق پہنچا رہے ہیں۔ آپ سے قبل بنی اسرائیل کو بھی اختلاف اور انتشار سے روکا گیا مگر وہ نہ مانے۔ پہلے کی طرح اب بھی اللہ تعالیٰ حق و باطل کو الگ الگ کر کے دکھا دے گا۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ○

"بے شک آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا اور وہ زبردست اور علم والا ہے۔" (النمل: 78)

اس کے بعد حشر کے ایک منظر کا ذکر فرمایا کہ ہم ہر مجرم طبقے کو الگ الگ جماعتوں میں بانٹ دیں گے اور پھر ان سے باز پرس کی جائے گی۔

اہلِ بصیرت کے لئے زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کر کے فرمایا کہ جب صور پھونکا جائے گا تو پھر سبھی عاجز ہو کر اس کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔ اس موقع پر نیک اعمال کی جزا دس گنا اور اس سے بھی زیادہ بڑھا کر دی جائے گی اور بدکار لوگ اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیئے جائیں گے۔

عظمتِ کعبہ

اس کے بعد کی آیات میں ایک عالمگیر اور مسلّمہ حقیقت کو ذکر کیا جس کو اہلِ مکہ بھی تسلیم کرتے تھے۔ یعنی

fat.com

بیتُ اللہ اور حرمِ کعبہ کی عظمت کا ذکر ہے۔

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ○ وَأَنْ أَتْلُوَا الْقُرْآنَ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ○ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○

"بے شک مجھ کو ارشاد ہوا ہے کہ اس شہرِ (مکہ) کے مالک کی عبادت کروں جس نے اس کو محترم بنایا اور سب چیزیں اس کی ہیں اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اس کا حکم بردار ہوں اور یہ بھی کہ قرآن پڑھا کروں۔ تو جو شخص راہِ راست اختیار کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے! اور جو گمراہ رہتا ہے تو کہ دیجئے کہ میں تو صرف نصیحت کرنے والا ہوں اور کہ دیجئے کہ اللہ کا شکر ہے۔ وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لوگے اور جو کام تم کرتے ہو، تمہارا رب ان سے بے خبر نہیں۔" (النمل: 91-93)

Marf

سورہ القصص (۲۸)

نام

سورۃ میں ایک مقام پر لفظ "القصص" کے ذکر کی مناسبت سے یہ اس کا علامتی نام قرار دیا گیا۔

زمانۂ نزول

شعبِ ابی طالب کے محاصرے کا دور اس سورۃ کا زمانۂ نزول بیان کیا گیا ہے۔

مضامین

اس سورۃ میں اہلِ مکہ کے چند شبہات و اعتراضات کا ازالہ کیا گیا ہے اور بطور تمثیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے جس میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موجودہ دور کی مماثلت اور دیگر اعتراضات کا از خود جواب ہو جاتا ہے مثلاً:

(الف) آغاز میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے قصے کا ذکر کیا اور آپؑ کی تربیت کے دور کی جانب اشارہ کر کے یہ فرمایا کہ قادرِ مطلق کے ہاں جب کسی بات کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو حالات لاکھ ناموافق اور ناساعد ہوں، وہ کام ہو کر رہتا ہے۔ مثلاً اس دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ رب العزت نے خاص حفاظت فرمائی اور وہ زندہ بچ گئے جب بنی اسرائیل کے ہر مذکر نومولود کو ولادت کے فوراً بعد قتل کر دیا جاتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اس دشمن کے گھر میں کرانا جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل ہی موسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے لرزاں و ترساں تھا۔ جیسے یہ سب کچھ ہو کر رہا، اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا فیصلہ اللہ کے ہاں اٹل تھا۔ اس وقت کے ناساعد حالات اس میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

(ب) جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے منصبِ نبوت پر فائز ہونے کا وقت آیا تو اس وقت کسی بڑے جشن کا اہتمام نہیں کیا گیا بلکہ مسافرت کی زندگی میں جب آگ کی ضرورت پڑی اور آپ آگ کی تلاش میں پہاڑ پر پہنچے تو وہیں نبوت سے سرفراز کر دیئے گئے۔

(ج) جب اللہ تعالیٰ کسی فرد سے کام لینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے پاس قوت و طاقت اور لاؤ لشکر ایسے اسباب کا موجود ہونا اس کے لئے ضروری نہیں رہتا اور اسباب و وسائل کی کمیابی اس کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ بطور شاہد ذکر کیا گیا ہے۔

(د) اہلِ مکہ کا مطالبہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات (عصا اور یدِ بیضا) کیوں نہیں دکھاتے؟

اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ معجزات دیکھے تھے، وہ لوگ بھی تو موسیٰ علیہ السلام پر

ایمان نہ لائے تھے۔ کیا ضروری ہے کہ تم اس قسم کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آؤ؟

موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان معجزات کو جادو قرار دیا اور اسی لئے ساری قوم غرقاب ہو گئی۔ اب تم لوگ معجزات مانگ کر اپنی بربادی کو خود دعوت کیوں دے رہے ہو؟ کیوں کہ جب کوئی قوم معجزات کا مطالبہ کرے اور پھر معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو ان کی ہلاکت و بربادی یقینی ہو جاتی ہے۔

(ہ) کفارِ مکہ کو عیسائیوں کے تذکرے سے شرم دلائی کہ وہ باہر سے آکر مکہ میں ایمان قبول کر کے رحمتِ الٰہی کے مستحق بن رہے ہیں اور تم اپنے گھر میں موجود رحمت کو بھی نہ سمیٹ سکے حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہی سراپا رحمت ہے۔

(و) اس سورت میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل ہے کہ ہزاروں برس قبل رونما ہونے والا واقعہ من و عن سنا رہے ہیں۔ جبکہ اہلِ مکہ اور خود یہودی بھی اس سارے واقعہ کی تفصیلات سے بے بہرہ ہیں۔ نہ کوئی اور ایسا ذریعہ علم ہے جس کے سبب یہ ساری معلومات اکٹھی ہو سکیں۔ یہ خبر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مالکِ حقیقی اپنے نبی کو یہ ساری تفصیلات بذریعہ وحی بتا رہے ہیں۔

(ز) سورۃ کے آخر میں اہلِ مکہ کے ایک عذر کا ازالہ کیا گیا ہے۔

"اگر ہم ایک دم اپنے آبائی دین کو ترک کر کے اس نئے دین کو اپنا لیں گے تو اس سے ملک عرب میں جو ہماری شہرت اور عقیدت کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے' وہ یک لخت ختم ہو جائے گی"

اس واہمے کے جواب کے طور پر واضح کیا کہ حق و باطل کا فیصلہ دنیوی مفادات کے پیشِ نظر نہیں بلکہ اخروی زندگی کی بہتری کی بنیاد پر ہونا چاہئے جو حقیقی زندگی ہے۔

اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں اعمالِ صالحہ اور انفاق فی سبیلِ اللہ کی رغبت دلائی اور مومنین کے وصف کامل کے ذیل میں فرمایا کہ وہ بے کار اور بیہودہ اعمال سے اعراض کرتے ہیں اور سلامتی کی راہ پر چلتے ہیں۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موسیٰ علیہ السلام کی ولادت

سورۃ کے آغاز میں فرعون کے ظلم و ستم کا ذکر ہے۔ جس نے حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہر نرینہ نومولود کو قتل کر دیا جائے۔ ایسے ہی دور میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور آپ کی والدہ کو یہ ترکیب سجھائی گئی کہ لکڑی کے ایک صندوق میں آپ کو بٹھا کر دریا کے حوالے کر دیں۔ ماں کی ممتا یہ کیسے گوارا کرتی؟ مگر اس کے علاوہ بچاؤ کا چارۂ کار بھی نہ تھا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ صندوق اس نہر کے ذریعے سے فرعون کے محل میں جا پہنچا۔ فرعون کی اہلیہ نے اس تابوت میں جب ایک خوبرو اور خوبصورت بچے کو دیکھا تو اپنی محرومی اور بے بسی پر اس کو بہت رونا آیا اور دل میں ٹھان لی کہ اس بچے کی پرورش وہ اپنی نگرانی میں کرائے گی۔ یوں آپ قتل ہونے سے بچ گئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ آپ اپنی ماں ہی کی گود میں پرورش کے لئے لوٹا دیئے گئے۔ یعنی ماں کی ممتا کی تسکین بھی ہو گئی اور فرعون کی شر کا ڈر بھی دل سے نکل گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○
نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○
اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○
وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○
وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ○

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○

fat.com

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ
وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ○
وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى
اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○
وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا
عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○
وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ؗ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○
وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى
اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ○
فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ع

"یہ روشن کتاب کی آیات ہیں' ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات مومن لوگوں کو (سنانے) کے لئے بتاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کردیا۔ اس میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا' اس کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور اس کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ ان لوگوں پر مہربانی کریں جو زمین میں ذلیل کرکے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنادیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلادیں جس کا انہیں ڈر تھا۔ ہم نے موسیٰؑ کی ماں کو اشارہ کیا کہ اس کو دودھ پلا۔ پھر جب تجھے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر۔ ہم اسے تیرے ہی پاس واپس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔ آخر کار فرعون کے گھر والوں نے اسے (دریا سے) نکال لیا تاکہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لئے سبب رنج بنے۔ واقعی فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر (اپنی تدبیر میں) بڑے غلط کار تھے۔ فرعون کی بیوی نے (اس سے) کہا: یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اسے قتل نہ کرو۔ کیا عجیب کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو۔ یا ہم اسے اپنا لڑکا ہی بنالیں اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔ ادھر موسیٰؑ کی ماں کا دل اڑا جارہا تھا۔ وہ اس کا راز فاش کربیٹھتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) ایمان لانے والوں میں سے ہو۔ اس نے بچے کی بہن سے کہا: اس کے

.com

پیچھے پیچھے جا۔ چنانچہ وہ الگ سے اس کو اس طرح دیکھتی رہی کہ (دشمنوں کو) اس کا پتہ نہ چلا اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کی چھاتیاں حرام کر رکھی تھیں۔ (یہ حالت دیکھ کر) اس لڑکی نے ان سے کہا: میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ اسے رکھیں؟ اس طرح ہم (موسیٰؑ) کو اس کی ماں کے پاس پلٹا لائے تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔"

(القصص:1-13)

ظلم کی حکمرانی اور اس کے خلاف جہاد

آپ جوانی اور شعور کے دور میں داخل ہوئے تو آپ نے ہر طرف ظلم و جور کی حکمرانی دیکھی جس سے آپ کو شدید نفرت ہوئی۔ اس ظلم کے خاتمے کی تدبیریں آپ سوچتے۔ ایک روز آپ نے سربازار ایک قبطی شخص کو دیکھا کہ وہ ایک بنی اسرائیلی پر زیادتی کر رہا تھا۔ اس بنی اسرائیلی آدمی نے آپ کو دیکھا تو امداد طلب کی۔ آپ نے قبطی آدمی کو دھکا دے کر الگ کرنا چاہا تو اس پر ہاتھ اٹھ گیا۔ اس سے اس قبطی کی موت واقع ہوگئی۔ اس خبر کے ساتھ ہی دربار میں بل چل مچ گئی مگر قاتل کا کھوج نہ مل سکا۔ دوسرے روز آپ پھر بازار کی جانب نکلے تو دیکھا کہ وہی بنی اسرائیلی پھر ایک اور قبطی کے ساتھ برسرپیکار ہے۔ اس نے آپ کو دیکھ کر پھر مدد چاہی۔ آپ ان کو چھڑانے کے لئے آگے بڑھے تو وہ سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام آج مجھ پر ناراض ہوں گے۔ تو اس کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے:۔

اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ

"جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا اسی طرح چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو" (القصص:19)

ہجرت

ان الفاظ کی بازگشت دربار میں سنی گئی اور بھرے دربار میں اس بات پر غور و فکر شروع ہوگیا اور پھر فیصلہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو گرفت میں لے کر حالات درست کئے جائیں۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام کے کسی خیر خواہ نے یہ بات ان تک پہنچادی۔ موسیٰ علیہ السلام فوراً ہی شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔

مدین میں قیام اور روزگار

آپ ہجرت کر کے مدین پہنچے اور وہاں آپ نے دو بچیوں کو کنویں میں سے پانی نکال کر دیا تو مدین کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کی بچیوں میں سے ایک نے ان الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش کی:

يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○

fat.com

"ابا جان! اس کو اپنے ہاں ملازم رکھ لیجئے کہ ملازمت کے لئے بہترین شخص وہ ہوتا ہے جو قوی اور امین ہو۔"

(القصص:26)

قوی کا مطلب ہے کہ اس میں کام کرنے کی قوت ہو۔ فنی مہارت وصلاحیت ہو اور امین سے مراد یہ ہے کہ وہ ایماندار بھی ہو۔ جب انسان کے اندر یہ دو صلاحیتیں ہوں تو وہ بہترین شخص بن جاتا ہے۔ یہی بات حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی کہی تھی:

قَالَ اجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ○

"مجھے اپنی زمین کے خزانوں پر نگران بنادو کیونکہ میں حفاظت کرنے والا اور علم رکھنے والا ہوں۔"

(یوسف:55)

وہ معاشرہ جس میں صرف فنی مہارت کی تربیت دی جائے اور امانت و دیانت کی تربیت نہ دی جائے تو وہ رشوت' بددیانتی اور کرپشن کا شکار ہو جاتا ہے۔

منصب نبوت

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں قیام کیا اور شعیب علیہ السلام کے وہاں رہنے لگے۔ جس مدت تک کے لئے معاہدہ ہوا تھا' اس کے مکمل ہونے کے بعد آپ کی شادی حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی سے کردی گئی۔ چنانچہ آپ اپنی اہلیہ کو لے کر اپنے وطن کی جانب چلے۔ راستے میں ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ سردی کے باعث آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو دور پہاڑ کی چوٹی پر آگ دہکتی نظر آئی۔ آپ اس آگ کی تلاش میں چل نکلے جب اس جگہ پہنچے تو غیب سے ندا آئی جس کا ذکر یوں ہے:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِىَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِى الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○

"جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ پر ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ ربّ العالمین ہوں۔" (القصص:30)

گویا شرفِ ہمکلامی کے بعد منصبِ رسالت پر فائز کردیا گیا اور تائید کے لئے معجزات عطا ہوئے۔ اور آپ کو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سمیت فرعون کے پاس جانے کا حکم ملا اور پیغامِ حق سنانے کے لئے ہدایات دی گئیں۔

فرعون کی جہالت

فرعون نے بھرے دربار میں سب کچھ دیکھا اور سنا تو اس کو جواب بن نہ پڑا اور اس نے اپنی خفت و شرمندگی مٹانے کے لئے اہلِ دربار کو یوں مخاطب کیا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○

"اور فرعون نے کہا کہ اے اہلِ دربار! میں تو اپنے سوا تمہارے کسی معبود کو نہیں جانتا۔ اے ہامان! ذرا اینٹیں پکوا کر میرے لئے ایک اونچی عمارت تو بنواؤ۔ شاید کہ اس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے معبود کو دیکھ سکوں۔ میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔" (القصص:38)

موجودہ دور کی جہالت

فرعون کا یہ ایک انداز تھا جس میں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑا رہا تھا۔ یہ ساڑھے 3 ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے۔ یہ اس دور کی جہالت تھی۔ لیکن موجودہ دور کی جہالت بھی کچھ کم نہیں ہے۔

ماسکو سے اوپر آسمان کی طرف سپٹنک بھیجے گئے۔ جب خلاء میں گئے تو کہنے لگے کہ اوپر اللہ تو کہیں نظر نہیں آیا۔ ہم نے خلاء میں اسے ڈھونڈا مگر نہیں ملا۔ معلوم ہوا کہ جاہل انسان کی جو ذہنیت ساڑھے تین ہزار سال پہلے تھی، سائنس پڑھنے کے باوجود آج بھی وہی ہے۔

؎ علم ہی ٹھہرا علم کا باغی
عقل ہی ٹھہری عقل کی دشمن

فرعون کا انجامِ بد

فرعون اپنی انانیت کے زعم میں غرقاب ہوا اور رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بنا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ○

"اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی۔ اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال ہوں گے۔"

(القصص:42)

قرآن کی تمام الہامی کتب پر برتری

فرعون کی ہٹ دھرمی کا انجام بیان کر کے موسیٰ علیہ السلام کے متفرق حالات مذکور ہیں اور پھر اہلِ مکہ کو مقصد نبوّت سمجھانے کے لئے یوں ارشاد فرمایا:

fat.com

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"(اور اے رسول! ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ) کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر ان کے اعمال کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں' ان پر کوئی مصیبت واقع کریں تو یہ کہنے لگیں کہ ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا گیا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے۔"

(القصص:47)

لیکن یہ اہلِ مکہ اس قدر ہٹ دھرم تھے کہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود ہر روز نیا عذر اور نئی فرمائش لے کر حاضر ہوتے۔ اس موقع پر بھی ایسا ہی ہوا کہ قرآنِ مجید کو سن کر کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام پر جیسی کتاب اتری تھی' ایسی کتاب کیوں نہیں؟ یعنی یکبارگی اور تختیوں پر کندہ حسی شکل میں کتاب نازل کیوں نہیں ہوتی۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا:

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم!) ان سے کہو کہ اچھا تو لاؤ اللہ کی طرف سے کوئی کتاب جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو' اگر تم سچے ہو' میں اسی کی پیروی اختیار کروں گا۔ اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو گا جو خدائی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں بخشتا۔" (القصص:49-50)

پہلی بات تو یہ کہ اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہ چیلنج دیتے ہیں کہ تمہارے پاس توریت تھی اور اب اس کا آخری ایڈیشن قرآن کی شکل میں آگیا ہے۔ اب دیکھو! ان دونوں سے بڑھ کر اچھی' صحیح اور ہادی کتاب تمہارے پاس ہے تو لے آؤ' میں اس کی پیروی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا نہ کر سکیں گے اور اگر یہ ایسا نہ کر سکیں تو پھر ایک بات یہ ہے کہ پیروی یا تو اللہ کی کتاب کی ہوتی ہے یا خواہشاتِ نفس کی۔ اس کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں ہوتی۔

Marf

اہلِ کتاب میں مومنوں کا ایک طبقہ

اس وضاحت کے بعد اہلِ کتاب کے اس طبقے کا ذکر ہے، جو قرآن کی حقانیت کو دیکھ کر ایمان قبول کر چکے تھے۔ ان کے انجام کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ○
وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ○

"ان لوگوں کو دگنا بدلہ دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ صبر کرتے رہے اور نیکی کے ساتھ برائی کو دور کرتے رہے۔ اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ تم کو سلام اور ہم جاہلوں کے چاہنے والے نہیں۔" (القصص: 54-55)

اہلِ ایمان کی صفات

آیاتِ مذکورہ میں ان نیک فطرت اہلِ کتاب کی چند صفات مذکور ہیں جس کے باعث ان کو اجر و ثواب دیا جائے گا۔

1- صبر۔
2- برائی کو احسن طریقے سے دور کرنا۔
3- اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مال کو اس کی راہ میں خرچ کرنا۔
4- بے ہودہ گفتگو سے پرہیز۔
5- جہالت اور جاہلوں سے کنارہ کشی۔

قیامت کے روز نسبی تعلق کام نہ آئے گا

اس کے بعد ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی نسبی تعلق رکھتا تھا مگر ایمان اس کے نصیب میں نہ تھا۔ ارشادِ باری ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○

"اے نبی! تم جسے چاہو' اسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے' ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔" (القصص:56)

اس آیت کی شانِ نزول میں لکھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ خواہش تھی کہ ان کے چچا ابو طالب کم از کم مرتے وقت اسلام قبول کر لیں۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ چچا! میرے کان ہی میں کہ دیں کہ میں نے اسلام قبول کیا اور کلمہ پڑھ لیں تاکہ میں اللہ کے سامنے تمہارے اس کلمے کی وجہ سے شفاعت تو کر سکوں۔ ابو جہل اور دوسرے لوگ بھی اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے کہا' ابو طالب! کیا مرتے وقت باپ دادا کے دین کو چھوڑ دو گے؟

ہدایت دینا یک طرفہ کارروائی نہیں

ابو طالب اسی دین پر فوت ہو گئے جو ان کے باپ دادا کا دین تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر بے حد غم ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ

"اے محمدؐ! آپ جسے چاہیں' ہدایت اس کے دل میں نہیں ڈال سکتے' ہاں! اللہ جسے چاہتا ہے' ہدایت دے دیتا ہے۔" (القصص:56)

تو اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت یک طرفہ کارروائی کا نام نہیں ہے۔ اللہ کا رسول' اللہ کا نبی چاہے بھی تو اپنے چچا کو' اپنے والد کو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ ہے یا اپنے بیٹے کو جیسا کہ نوح علیہ السلام کا معاملہ ہے' ان کی خواہش اور طلب کے بغیر انہیں ہدایت پر عملی طور پر نہیں ڈال سکتا' کیونکہ ہدایت دو طرفہ کارروائی ہے۔ دوسری طرف سے طلب ہو گی تو اس طرف سے ہدایت پہنچ جائے گی۔ اگر طلب نہیں ہے تو ہدایت نہیں پہنچے گی خواہ وہ سگا بیٹا ہو' سگا والد ہو یا سگا چچا۔ اس کی ایک مثال پر غور کریں:

ہدایت طلبی پہ اہم مثال

آپ کے پاس ایک ریڈیو سیٹ ہے۔ جب آپ اس کا سوئچ آن کر دیں تو ریڈیو اسٹیشن سے آواز آنے لگے گی۔ اس لئے کہ اس کرے کی فضاء میں ریڈیائی لہریں موجود ہیں۔ جونہی ہم سوئچ آن کریں گے' آواز آجائے گی۔ آپ ریڈیو اسٹیشن کے بالکل بغل میں ہوں اور آپ نے ریڈیو کا سوئچ آف کیا ہوا ہو تو آواز نہیں آئے گی۔ بالکل یہی نظام ادھر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت فضاء میں ہر سو چھائی ہوئی ہے۔ اگر ہم ہی دل کا دروازہ بند کر دیں تو اس رحمت سے محروم ہی رہیں گے۔ اسی طرح اگر موسلا دار بارش ہو لیکن ہم نے برتن اوندھا رکھا ہوا ہو تو ایک قطرہ بھی اس کے اندر نہیں آئے گا۔ اسی طرح اللہ کی رحمت آفتابِ رسالت کی شکل میں ہو' یعنی ختم المرسلین علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں ہو اور دوسری طرف دل ابوجہل کا ہو جس کا فیصلہ یہ ہے کہ نہیں مانیں گے' تو آفتابِ رسالت چمکتا دمکتا رہے گا مگر روشنی اندر نہیں جائے گی کیونکہ یہ دو طرفہ معاملہ ہے۔ ایک طرف سے طلب ہو اور دوسری طرف نشر کرنے والے ہوں تو کام بنے گا' پیغام پہنچ جائے گا۔ یہاں پر یہی بات بتائی گئی ہے کہ جب تک طلب صادق نہیں ہو گی' اللہ کا نبی اور اللہ کا رسول بھی اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد پھر پہلی ہلاک شدہ بستیوں کا اجمالی ذکر ہے اور یہ وضاحت بھی کہ ہم ہلاکت سے قبل ہر قوم کو حقائق سمجھانے کے لئے رسول ضرور بھیجا کرتے ہیں تاکہ وہ دنیا والوں کو اس دنیا کی بے ثباتی کا ذکر سنا دے۔

دنیوی اسباب کی حقیقت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ط

"تمہیں اس دنیا میں جو کچھ دیا گیا ہے' یہ چند روزہ استعمال کی چیز ہے۔ یہ بہت جلد تم سے چھن جانے والی ہے اور اللہ کے ہاں تمہارے لئے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا اجر ہے" (القصص:60)

اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور اس کی لذتوں کو چھوڑنے کا حکم نہیں دے رہے بس اتنی موٹی سی بات سمجھ لینا چاہئے کہ یہ دنیا عارضی متاع ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے' اس لئے آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا ہے اور اس دنیا کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا ہے جیسا کہ آگے چل کر اس کا ذکر ہے۔ قارون سے یہی بات کہی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا میں جو کچھ دے رکھا ہے' اس کو دارِ آخرت کے حصول کا ذریعہ بناؤ۔

رہبانیت و ترکِ دنیا کی ممانعت

دنیا کو چھوڑنا نہیں کیونکہ آخرت کی راہ اسی دنیا کے اندر سے گزر کے جاتی ہے۔ دنیا کو آخرت کے حصول کا ذریعہ بنانا ہے کیونکہ کسی پہاڑ کی کھوہ یا کسی غار میں سے آخرت کو کوئی راستہ نہیں جاتا۔ آخرت کا راستہ اسی دنیا کے اندر سے جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیت اور ترک دنیا نہیں' اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو ذرائع دے رکھے ہیں' ان کو یوں استعمال کرو کہ دارِ آخرت پا جاؤ اور دنیا سے بدنصیب ہو کر نہ جاؤ۔ اس آیت سے لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ دنیا میں اپنے نصیب کو خوب حاصل کرو حالانکہ دنیا میں تمہارا نصیب وہ ہے جو تم نے کھا لیا' پہن لیا۔ اور جو تم نے آگے بھیج دیا' وہ باقی رہ گیا۔

قارون کون تھا؟

روایات میں ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد یا خالہ زاد بھائی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص ابتداء

میں نیک تھا اور اپنی خوبصورتی کی وجہ سے "منور" کے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن جب اس کا مال زیادہ ہوا تو اس کے
اندر نفاق اور سرکشی پیدا ہوئی اور وہ مرتد اور باغی ہو گیا۔

درج ذیل آیاتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے قارون کی خصلت' اس کے وافر مال اور اس کی بداعمالیوں
تذکرہ کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ
مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۖ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ
لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ○
وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○

"بلاشبہ قارون موسیٰؑ کی قوم میں سے تھا۔ وہ (مال کی کثرت کی وجہ سے) لوگوں پر زیادتی کرنے لگا اور ہم نے اسے خزانے دیے تھے کہ ان کی چابیاں (اٹھاتے وقت) ایک طاقت ور جماعت کو بھی تھکا دیتی تھیں۔ ان کی قوم نے کہا کہ (اس دولت پر) مت فخر کر کیوں اللہ تعالیٰ فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو مال اللہ نے تجھ کو دیا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی اسی طرح تو بھی لوگوں کے ساتھ بھلائی کر اور ملک میں فساد پھیلانے کا ارادہ مت کر کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(القصص:76-77)

موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے قارون کو دعوتِ حق

حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے قارون کے پاس اللہ رب العزت کا پیغام پیش کیا جس میں حکمت و نصیحت کے ساتھ دین کی دعوت تھی لیکن قارون نے اس سے راہِ فرار اختیار کی۔ قارون کا اپنا لاؤ لشکر تھا اور دولت کی ریل پیل تھی۔ اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے انتہائی دلیری اور ڈھٹائی سے دعوتِ الٰہی کو ٹھکرا دیا اور باغی ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف بغاوت کا انجام بہت برا ہے۔ جو شخص اللہ کے احکامات کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتا ہے وہ واجب القتل ہوتا ہے اور جو شخص اوروں کے لئے کنواں کھودتا ہے تو وہ سب سے پہلے اس میں خود گرتا ہے بالفاظِ دیگر سرکش اور باغی کو اس کا انجام دنیا میں ہی نظر آ جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

.com

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى

"مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان سرکشی کرنے لگتا جب وہ اپنے آپ کو مالدار پاتا ہے۔ بلاشبہ (سبھی کو) تمہارے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(العلق:6-7)

ایک اشکال اور اس کا جواب

روز مرہ کی زندگی میں اگر ہم مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی سرکشی 'بغاوت اور گناہ کے باوجود بھی اس پر نعمتوں کی بارش کر رہا ہے تو یہ نرمی اللہ کی طرف سے ایک طرح کی ڈھیل ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

"جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر طرح کی خوشحالی کے دروازے کھول دیئے تھے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو ان کو دی گئی تھیں وہ خوشیاں منانے لگے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ پس وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔ غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور ہر طرح کی تعریف خاص اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔

(الانعام:44-45)

نظامِ کائنات --- آفاقی ممتا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ان صفات کا تذکرہ ہے جن کے روز مرہ مشاہدے کے ذریعے سے آدمی کو غور و تدبر کی دولت نصیب ہوئی اور پھر یہ غور و فکر ایمان کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۭ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ○

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○
وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

"اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے' منتخب کر لیتا ہے۔ ان کو (معبودانِ باطل) اس کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں' وہ اس سے پاک و بلند تر ہے۔ اور ان کے سینے میں جو کچھ پوشیدہ ہے اور جو یہ ظاہر کرتے ہیں' تمہارا رب اس کو جانتا ہے اور وہی اللہ ہے' اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کے لئے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔ اے نبیؐ ان سے کہو: کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لئے رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ان سے پوچھو کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لئے دن طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے' جو تمہیں رات دے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو؟ کیا تمہیں سوجھتا نہیں؟ یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ تم رات میں سکون حاصل کرو' اور دن میں اپنے رب کا فضل حاصل کیا کرو' شاید کہ تم شکر گزار بنو۔ (القصص: 68-73)

اللہ تعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے جو اللہ کی رحمت کا بہت بڑا کرشمہ ہے' رات آتی ہے اور ہر شخص کو پتا ہوتا ہے کہ آرام کرنا ہے۔ سورج طلوع ہوتے ہی ہر ایک کو پتا ہوتا ہے کہ اب کام کرنے کا وقت ہے۔ اگر یہ رات اور دن نہ ہوتے تو ہم کبھی کسی وقت پہ متفق نہ ہوتے کہ کب دفتر جانا ہے' کب سونا اور کب جاگنا ہے۔ آپ کسی سے ملنے جاتے' وہ سویا ہوا ہوتا' آپ کسی دفتر میں جاتے' پتا چلتا یہ تو اس کی چھٹی کا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں اتفاقِ رائے پیدا کر دیا کہ اب سارے ہی سو جاؤ اور اب سارے ہی جاگ اٹھو۔ اب کام کرو اور اب آرام کرو۔

تو رازِ محبت کو سمجھتا ہی نہیں ورنہ
بندیِ انساں ہی آزادیِ انساں ہے

اللہ کی رحمت اور ماں کی ممتا --- ایک عمدہ مثال

جب میں بچپن میں پڑھتا تھا تو مجھے عادت تھی کہ کسی کام میں لگ جاتا تو جب تک وہ ختم نہ ہو جاتا' مجھ پہ ایک جنون سا طاری رہتا۔ دیر ہو جاتی' رات کو گیارہ' بارہ ایک بج جاتا تو امی جان رحمۃ اللہ علیہا پریشان ہو کر بتی بجھا دیتیں تاکہ میں جبراً آرام کروں۔ یہ جو اللہ تعالیٰ رات کے وقت بتی بجھا دیتے ہیں یعنی سورج غروب ہو جاتا ہے' یہ ممتا کی رحمت کا ایک عکس ہے کہ دن کی روشنی میں تم نے بہت کام کیا' تمہارے اعضاء اب تھک گئے' اب آرام کرو۔ یہ اس کا نظام ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ نہ کرے تو اللہ کے سوا کون ہے جو رات اور دن کو بدل بدل کے لے آتا ہے؟ خدانا خواستہ وہ رات لمبی کر دے' دن آنے نہ پائے تو کیا کرو گے؟

آسمانی روشنی کی قیمت!

یہ جو روشنی آسمان سے آتی ہے۔ یہ بڑی قیمتی چیز ہے۔ آپ بجلی کا بل دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو روشنی سورج سے روزانہ بھیجتے ہیں اور وہ دس ارب سال سے آ رہی ہے اور آئندہ نامعلوم کتنے سال تک آتی رہے گی' اللہ تعالیٰ نے کبھی اس کا بل نہیں مانگا۔ دنیا والے تو عدم ادائیگی کے باعث روشنی بند کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے کہ اس نے نہ کبھی اپنی روشنی کے لئے کسی بل کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور نہ عدم ادائیگی کی صورت میں روشنی بند کی۔ اسی لئے فرمایا:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار میں نہ لا سکو گے۔"

قارون کی مذمت

قارون نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ تمام نعمتیں اور مال و دولت میری ذاتی مہارت' چالاکی اور ہوشیاری کا نتیجہ ہے کہ میں مال کمانے کے طریقے سے واقف تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا اور جو کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے تو اس سے نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ اسی سبب اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر قارون کی مذمت فرمائی:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ○

"قارون (یہ سن کر) کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے۔ کیا اس کو معلوم نہیں

Marfat.

کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جو قارون سے قوت میں سخت اور جمعیت میں بہت زیادہ تھیں اور گناہگاروں سے ان کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے۔

(القصص:78)

قارون کی سرکشی

اس عبرت آموز ذکر کے بعد قارون کی سرکشی کا بیان عبرت کے لئے ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسے راہِ ہدایت بجھائی تو اس نے سرکشی کی۔ دراصل اس کو اپنی بے انداز دولت کا غرور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

1- غرور مت کر کیونکہ یہ بات اللہ کو ناپسند ہے۔

2- اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے ذریعے سے آخرت کی بھلائی تلاش کر۔

3- دنیا سے بے نصیب اور خالی ہاتھ نہ جا۔

4- لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کے ساتھ پیش آ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔ دنیا میں فساد نہ پھیلا۔

ان نصیحتوں کو سن کر وہ شیخی بگھارنے لگا کہ یہ مال تو میرے زور بازو اور محنت کا ثمر ہے۔ اس کو بھی عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ○
وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا

"پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہو سکی اور نہ وہ بدلے لے سکا اور وہ لوگ جو کل اس کے اجر کی تمنا کیا کرتے تھے، صبح کو کہنے لگے 'بے شک اللہ ہی جس کے لئے چاہتا ہے' اس کا رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے' تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم کو بھی زمین میں دھنسا دیتا۔" (القصص:81-82)

اللہ تعالیٰ نے قارون اور اس کی دولت کو زمین میں دھنسا دیا۔ اس واقعہ میں قارون کی قماش کے لوگوں کے

لیئے سامانِ عبرت ہے اور خاص طور پر وہ تاجر حضرات جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھولے بیٹھے ہیں' وہ نہ زکوۃ دیتے ہیں اور نہ ہی آخرت کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔ ایسے تمام لوگوں کو زمین کے اندر دھنسا دینا اللہ کے لئے کوئی بعید نہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمانوں کے پاس لاکھوں اور کروڑوں روپے موجود ہے لیکن اس کے باوجود وہ زکوۃ ادا نہیں کرتے۔ اللہ ربّ العزت ہمیں اپنی پناہ میں رکھے اور اس عذاب سے محفوظ فرمائے اور اپنی یاد' اپنی شکرگذاری اور اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔

مومن و کافر کی ذہنیتوں کا بنیادی فرق

قارون بدبخت تھا۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے جو دولت بھی کمائی ہے' یہ میری اپنی مہارت اور علم کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنی محنت اور سعی سے یہ سب کچھ حاصل کیا ہے' میں نے اللہ سے کوئی بھیک نہیں مانگی۔ دراصل قارون اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے شخص میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ قارون دولت کو اپنی ذاتی کاوش کا نتیجہ کہتا ہے تو دوسری طرف سلیمان علیہ السلام کہ جنہیں اللہ تعالیٰ دولت' ثروت' عزت اور جاہ و جلال سے نوازتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں:

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي

"یہ میرے پروردگار کی دین ہے۔"

یوں کہہ لیں کہ یہ ایک بنیادی فرق ہے مومن اور کافر کی ذہنیت میں۔ مومن ہر شے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہے اور کسی چیز کا کریڈٹ خود نہیں لیتا۔ اس کے برعکس کافر ہر نعمتِ الٰہی کو اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے اور کہیں بھی اللہ تعالیٰ کے شکر کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

دارِ آخرت کا وارث کون؟

یہ سارا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نتیجہ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

"آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لئے ہے۔" (القصص:83)

یعنی دارِ آخرت' ہامان اور قارون جیسے لوگوں کے لئے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جو زمین میں اقتدار کی ہوس نہیں رکھتے اور دنگا فساد سے بچتے ہیں۔

کامیابی کی شرائط

اس کے بعد آخرت کے چند مناظر عبرت کے لئے بیان کئے گئے ہیں کہ مشرک اس روز اندھے ہو جائیں گے اور کامیابی و کامرانی ان لوگوں کا مقدر ہو گی جو

1- شرک سے تائب ہوئے۔

2- ایمان لائے۔

3- ایمان کے بعد نیک عمل کرتے رہے۔

ہوسِ اقتدار فساد کا اصلی سبب

ان آیات سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دنیا میں فساد کا اصلی سبب ہوسِ اقتدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "علو" اور "فساد" دونوں لفظوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ اگر ہوسِ اقتدار نہ ہو اور اخلاص کے عالم میں اجتماعی کام کیے جائیں تو پھر عام سادہ سی نیکیوں کا اجر بھی آخرت میں کئی کئی گنا زیادہ ہو کر ملے گا۔

اس سورۃ کے اختتام سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝
وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝
وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

"اور تمہیں امید نہ تھی کو تم پر کتاب نازل کی جائے گی۔ مگر تمہارے رب کی مہربانی ہے۔ اب تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ بننا۔ وہ آپ کو اللہ کی آیات کی تبلیغ سے روک نہ دیں حالانکہ وہ آپ پر نازل ہو چکی ہیں۔ اور اپنے رب کو پکارتے رہو۔ اور مشرکوں سے ہرگز نہ ہونا اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارنا۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔" (القصص: 86-88)

سورہ العنکبوت (۲۹)

نام

اس سورت میں "مکڑی" کے ذکر کی مناسبت سے "العنکبوت" نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

یہ سورت ہجرت کے دور کے ساتھ متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ ہجرت کا آغاز ہجرتِ حبشہ سے ہو چکا تھا۔

مضامین

اس سورۃ کا نزول جس دور میں ہوا' وہ دور مسلمانوں کے لئے مصائب' مشکلات اور شدائد کا دور کہلاتا ہے۔ مسلمانوں کو ایمان سے باز رکھنے کے لئے ایک طرف ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے اور دوسری طرف ایمان سے دور رکھنے کے لئے خاندانی دباؤ اور والدین کے حقوق کا حربہ بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اس سلسلے میں فرمایا کہ والدین کے بہت سے حقوق ہیں۔ لیکن اگر والدین شرک پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت لازم نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص آخرت کے عذاب و ثواب کی ذِمّہ داری قبول کرے تو اس کی بات بھی قابلِ قبول نہیں کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود جوابدہ ہو گا۔

ان باتوں کی وضاحت کے لئے انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں وہ پہلو نمایاں کئے جن میں ان پر کی گئی سختیوں کا ذکر ہے۔ نیز ان انبیاء کو لمبی مدت تک ستایا گیا مگر وہ اس آزمائش کی گھڑی میں ثابت قدم رہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدد کی گئی۔ کفّارِ مکہ کو انہی واقعات کے ذیل میں متنبہ کیا کہ جیسے پہلی قومیں آسمانی تعلیمات کی مخالفت کے باعث برباد ہوئیں' تمہارا انجام ان سے مختلف نہ ہو گا۔

ضعیفُ الایمان لوگوں کو انبیاء کے واقعات سے حوصلہ دلا کر یہ کہا گیا کہ اگر سختیاں ناقابلِ برداشت ہو چکی ہیں تو زمین و وطن اور گھربار چھوڑ کر اللہ کی وسیع زمین میں کسی امن والے مقام کی طرف ہجرت کر جاؤ۔

انبیاء علیہم السلام اور اقوام سابقہ کے ذکر میں ابراہیم' لوط' اسحٰق' یعقوب اور شعیب علیہم السلام کے حالات ہیں۔ قوم ثمود و عاد اور طوفانِ نوح کے ذکر کے ساتھ فرعون' قارون اور ہارون کے عبرت ناک انجام کا ذکر ہے۔ انہی آیات میں حکم دیا کہ اللہ کی زمین پر نکل کر اللہ کی نشانیوں میں غور و تدبر کرو۔

اخلاقِ حسنہ میں سے ایمان' اعمالِ صالحہ' والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک' صبر' اقامتِ صلوٰۃ اور توحید کی عظمت کا ذکر ہے۔ جبکہ برے اعمال' فسق اور ظلم وغیرہ ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٓمّٓ ۝

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا
وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۝

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس اتنا کہنے پہ چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔" (العنکبوت: 1-3)

لوگ آسان سمجھتے ہیں مُسلماں ہونا

بات تو یہ ہے کہ یہ کہنا کہ "اٰمَنَّا" ہم ایمان لائے' اس سے انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے لیکن یہی سب کچھ نہیں ہے۔ ایسا کہنے سے انسان کی جان نہیں چھوٹتی بلکہ پھنس جاتی ہے۔ عام طور پہ ہمارے ہاں مشہور یہ ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھ لے' وہ دین میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔

دین میں داخل ہونا تو درست! مگر کیا یہی کچھ کافی ہے؟ کیا اس کے بعد کسی جدوجہد کی ضرورت نہیں؟

ایک مثال

اس بات کی وضاحت کے لئے ایک مثال پیش خدمت ہے۔ ایک شخص نکاح کرتا ہے۔ ایجاب و قبول کر لیتا ہے' تو کیا اس نکاح کے بعد قصّہ ختم ہو گیا؟ نہیں ہرگز نہیں یہ تو ابتدائے عشق ہے۔ اب تو پھنس گئے' اب تو بے شمار ذِمّہ داریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا (بیوی کا نان نفقہ' بچوں کی تربیت' رشتہ داروں سے صلۂ رحمی اور ان سب کے ساتھ ربط میں ایک خاص توازن وغیرہ)۔ اس لئے نکاح اور ایجاب قبول سے معاملہ ختم نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح سے کلمۂ شہادت پڑھ لینے کے بعد ایک شخص دین سے فارغ نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اب بات شروع ہوئی ہے۔ جب آپ نے کہہ دیا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تو اب اللہ تعالیٰ کے احکام شروع ہو گئے۔ جیسے ایک طالب علم یونیورسٹی میں داخلہ لے لے تو ٹیکسٹ بک خریدنی پڑے گی' کلاس روم میں بیٹھنا پڑے گا' روزانہ کلاسوں کی تیاری کرنی پڑے گی اور پھر امتحان بھی ہو گا اور یہی ارشادِ باری ہے:

.com

"ہم آزمایا کرتے ہیں۔ ہم نے تم سے پہلے بھی لوگوں کو آزمایا۔"

حدیث شریف میں ہے:

سیدنا خباب بن ارتؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کی دیوار کے ساتھ سہارا لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ عرض کیا: یا رسولَ اللہ! آپ ہمارے لئے دُعا فرمائیں، ہم تو بہت مُشکل میں ہیں۔ سخت آزمائش ہو رہی ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا۔ فرمایا: "تم سے پہلے جو اہلِ ایمان گزر چکے ہیں، ان پر اس سے زیادہ سختیاں کی گئیں۔ ان میں سے کسی کو زمین میں گڑھا کھود کر گاڑ دیا جاتا اور کسی کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کیے گئے۔ کسی کے جوڑوں اور کولھوں پر لوہے کے کنگھے کسے گئے تاکہ وہ ایمان سے باز آجائیں۔ خدا کی قسم یہ کام پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک شخص صنعاء سے حضرموت تک بلا کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا کوئی نہ ہو گا جس کا وہ خوف کرے۔"

اہلِ ایمان کی اس طرح کی آزمائش کے بعد ہی نصرت کا فیصلہ ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے تو پھر وہ سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیا کرتا ہے۔

ماں باپ سے حُسنِ سلوک

مکّہ کے نوجوان جب ایمان کی طرف راغب ہونے لگے تو ان کو ایک دھوکا دے کر بہکانے کی کوشش کی گئی کہ ماں باپ کے حقوق اولاد پر بے حد و حساب ہیں، اس لئے اپنے آبائی دین سے بغاوت کر کے والدین کو اذیت نہ دینا چاہئے۔ اس کے بارے میں فرمایا:

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے جس کی حقیقت سے تجھے آگاہی نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا" (العنکبوت:8)

یہ بات درست ہے کہ دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں لیکن اللہ کا حق ان سے بھی زیادہ ہے کہ ایک مسلمان والدین کی خاطر دینِ حق کو ترک نہ کرے۔

دنیا میں آزمائش

اس کے بعد ذکر فرمایا کہ ہم ایمان کے دعوے دار لوگوں کو کبھی کبھی آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ ایک تو یہ کہ اس سے مخلص مومن کے درجات بلند کئے جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس آزمائش کی

گھڑی میں مفاد پرست اور منافق لوگ جب اہلِ ایمان سے الگ روش اختیار کرتے ہیں تو ان کا پول خود ان کے کردار سے کھل جاتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ○

''اللہ ان کو ضرور ظاہر کرے گا جو مومن ہیں اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا۔'' (العنکبوت:11)

اہلِ باطل کا ایک فریب

جب اہلِ ایمان کی تعداد روز افزوں تھی تو اہلِ باطل نے کمزور اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو یوں بہکانا شروع کیا کہ تم اس نئے دین کو بے شک ترک کر دو۔ رہا معاملہ آخرت کا تو اس روز ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائیں گے۔ اس فریب سے آگاہی کے لئے فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

''اور جو کافر ہیں، وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے دین کی پیروی کرو۔ ہم تمہارے گناہ اٹھا لیں گے حالانکہ وہ ان گناہوں کا بوجھ اٹھانے والے نہیں۔ بلاشبہ یہ جھوٹے ہیں اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ اور لوگوں کے بوجھ بھی۔ اور جو بہتان یہ باندھتے رہے، قیامت کے دن ان سے ضرور ان کی پوچھ گچھ ہو گی۔'' (العنکبوت:12-13)

یہ صرف اس دور کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس دور میں بھی اہلِ باطل اس قسم کا دھوکا دیتے ہیں۔ اور سادہ لوح لوگوں کو اسی آخرت کی بازپرس سے نجات کا دھوکا دے کر دنیا میں ان کو لوٹتے ہیں۔

نوح علیہ السلام کا ذکر

نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک قوم کو سمجھاتے رہے۔ جب قوم نہ مانی تو غرقاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو سفینۂ نوح کے ذریعے سے نجات دلا دی۔

ابراہیم علیہ السلام

ابراہیم علیہ السلام نے بھی قوم کو راہِ ہدایت دکھائی اور شرک کی ناپائداری کا ذکر یوں کیا:

.com

إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○

"تم جن کو اللہ کے علاوہ پوجتے ہو' وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس اللہ کے ہاں ہی سے رزق طلب کرو۔ اسی کی عبادت کرو۔ اسی کا شکر ادا کرو۔ تم کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔" (العنکبوت:17)

اہلِ مکہ کے لئے خصوصاً ابراہیم علیہ السلام کے پیغام کا یوں ذکر اس لئے کیا گیا کہ وہ بھی ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ان کو بتایا کہ آپ لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات تو یہ تھیں:

1- شرک سے بچو۔

2- رزق اللہ ہی سے مانگو کہ یہ اس کا فضل و انعام ہے۔

3- اللہ ہی کی عبادت کرو۔

4- اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

5- موت برحق ہے۔ اس کے بعد اللہ کے پاس حاضری ضرور ہو گی۔

ہجرت و استقامت

اس کے بعد عقیدہ حیات بعد الموت کے لئے بطور دلیل مشاہدے کا حکم دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ

"کہہ دیجئے کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا پھر اللہ ہی آخری مرتبہ پیدا کرے گا۔" (العنکبوت:20)

جب یہ سارے حقائق سنتے سنتے قوم سے جواب نہ بن پڑا تو فیصلہ کیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر کے یا جلا کر ان سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔ اور اس مقصد کے لئے آگ کی چتا بنا کر ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال بھی دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس آگ کو گل و گلزار بنا دیا اور ابراہیم علیہ السلام کو نجات دلا دی۔

اہلِ ایمان کے سامنے اس واقعے کا ذکر ان کو استقامت کی تعلیم دینے کے لئے ہے کہ دین حق کی راہ میں مصائب ضرور آتے ہیں مگر ذرا دیکھو تو ابراہیم علیہ السلام نے جب ہٹ دھرم اور بدکار قوم کے ساتھ نباہ نہ ہوتے دیکھا تو فرمایا:

Marfat.

إِنِّيْ مُهَاجِرٌ إِلٰى رَبِّيْ ط

"میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔" (العنکبوت:26)

یعنی اس ظلمت کدے کو چھوڑ کر اللہ کی وسیع و عریض زمین میں ہجرت کی ٹھان لی۔ اگر تم بھی مکہ میں گھٹن محسوس کرتے ہو تو یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اور دارِ ہجرت میں آزادی سے احکامِ الٰہی پر عمل کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی نعمتوں سے نوازے گا جس کا تصور بھی تم نہ کر سکو۔ اللہ تعالیٰ نے استقامتِ دینی کے بعد ابراہیم علیہ السلام پر بے شمار انعامات کئے۔ آپ کو ایسی عظیم المرتبت اولاد عطا کی جو منصبِ نبوت کی حامل تھی۔

لوط علیہ السلام کا ذکر

لوط علیہ السلام نے جب قوم کو شرک اور غیر فطری فعل سے روکا تو وہ بدکار قوم رکنے کی بجائے آپ کے درپئے آزار ہو گئی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ یوں کیا کہ عذاب کی تمنا بلکہ مطالبہ کر ڈالا لیکن لوط علیہ السلام استقامت کے پہاڑ بنے رہے اور اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ سے مدد مانگی:

رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

"اے میرے رب! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔" (العنکبوت:30)

ظالم کون؟

لوط علیہ السلام کی قوم پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ایسا عذاب آیا کہ ان کا نام و نشان اس دنیا سے مٹ گیا۔ ان کے بعد اسی قسم کی سرکشی کی علمبردار اقوام عاد و ثمود کو بھی غارت کر دیا گیا۔ ان تباہ شدہ اقوام کے بعد سرکش اور مغرور افراد قارون، فرعون اور ہامان کی ہلاکت کی مثال بیان کی اور فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

"اور اللہ تعالیٰ ان پر کوئی ظلم نہیں کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔" (العنکبوت:40)

پھر اس ظلم کی بدترین شکل یعنی شرک کی حقیقت کا ذکر کیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ
اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝
اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ط وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ

"جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز بنا رکھے ہیں' ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بناتی ہے اور بلاشبہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ جانتے! بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جن چیزوں کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں۔ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں۔" (العنکبوت:41-43)

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مکڑی کا گھر بے بنیاد ہے' اسی طرح ان لوگوں کا دین بھی بے بنیاد ہے۔ کاش یہ لوگ عقل و شعور سے کام لیتے!

نفسِ انسانی کا سب سے بڑا مسئلہ

ان ساری باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین پر استقامت لازم ہے مگر انسانی شخصیت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ حق کو حق جاننے کے بعد انسان اس کے خلاف عمل کرتا ہے اور باطل کو باطل جاننے کے باوجود اس سے بچ نہیں پاتا جیسا کہ غالب نے کہا:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اس طبیعت کے میلان کے علاج کے لئے استقامت ضروری ہے کیونکہ

اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ

"دین پر استقامت اختیار کرنا کرامت سے بلند ہے"

استقامت کا نسخہ

اس لحاظ سے دین پر استقامت کا جو نسخہ عطا کیا گیا ہے' اس کے چار اجزاء ہیں اور وہ سب ایک ہی آیت میں بیان کر دیئے گئے اور یہیں سے قرآنِ مجید کا اکیسواں پارہ شروع ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۭ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ۭ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○

"کتاب میں جو کچھ تمہاری طرف پیغام آیا ہے' اس کی تلاوت کرو۔ اور نماز کے پابند رہو کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور خدا کا ذکر سب سے بڑا (عمل) ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو' خدا اسے جانتا ہے۔" (العنکبوت:45)

پہلی بات یہ کہ کتاب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہاری طرف پیغام بھیجا ہے' اس کو وصول کرو' سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ جب تک پیغام وصول نہیں ہو گا' اس وقت تک اس پر ایمان حاصل نہیں ہو گا۔

جب کلمۂ طیبہ پڑھا' ایمان میں داخل ہو گئے' اب تفصیلی ایمان کے لئے ٹیکسٹ بک حاصل کرنا پڑے گی۔ ایک طالب علم یونیورسٹی میں داخل ہو جائے' اسے رول نمبر مل جائے لیکن نصاب کی کتابیں نہ خریدے اور کلاس میں نہ بیٹھے اور پھر امتحان کی تیاری بھی نہ کرے تو اسے ہم جعلی طالب علم ہی کہیں گے۔ بالکل اسی طرح اگر ایک شخص توحید و رسالت کی شہادت دینے کے بعد اسلام میں داخل تو ہو جائے مگر اس ڈسپلن سے گزرنے کو تیار نہ ہو جس سے اللہ کا دین اسے لامحالہ گزارنا چاہتا ہے' تو ایسا شخص بھی حقیقی مسلمان نہیں بلکہ بناوٹی اور ملاوٹی مسلمان ہو گا۔ آیئے اب نسخۂ استقامت کے اجزاء پر غور کریں:

1-تلاوت

ارشاد فرمایا کہ کتاب کو سمجھ کر اس کی تلاوت کرو اور تلاوت کے ساتھ تدبّر اور تذکّر بھی۔ سوچ سمجھ کر پڑھنا اور اس نیت سے کہ اس پر عمل کرنا ہے' اس سے نصیحت حاصل کرنا ہے اور پوری زندگی کو اس کے رنگ میں رنگنا ہے۔ واضح رہے کہ تلاوت کا لفظی معنی پیروی کرنا ہے۔

2-نماز

نماز قائم کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ہر ذہنی کیفیت کے ساتھ ساتھ جسمانی عمل بھی درکار ہے جو اس ذہنی اور قلبی کیفیت کو دوام بخشے۔ صرف ایک مرتبہ سوچ لینا کافی نہیں بلکہ دوام لازم ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ رات کو کھڑے ہو کر ٹھہر ٹھہر کر نماز میں تلاوت کرنے کی توفیق عطا کر دے تو اس کا لطف دوچند ہو جائے گا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی رکعتیں تو آٹھ ہی ہوا کرتی تھیں لیکن تلاوت بہت طویل ہوتی۔ دورانِ تلاوت میں جب رحمت کی آیات آتی تھیں تو آپ رحمت کی دُعا مانگتے اور جب اللہ کے غضب کی آیات آتی تھیں تو اس کے غضب سے پناہ کے طالب ہوتے اور دُعا اور تلاوت باہم دیگر مدغم ہو جاتیں اور آپ پر اس کیفیت میں اس قدر گریہ طاری ہوتا گویا سینہ مبارک سے چکی کے چلنے یا دیگ کے ابلنے کی آواز آرہی ہو۔ اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر کا وظیفہ رہا۔ اگر اس سے بہتر کوئی عمل ہوتا تو آپ نہ صرف خود ہی کرتے بلکہ صحابہؓ سے بھی وہی کراتے۔ یہی سب سے بڑا عمل ہے اور جتنی روحانیّت اس عمل سے حاصل ہوتی ہے اور کسی عمل سے نہیں ہوتی۔

3-ذکر

اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے' چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور یاد رکھیں۔ یہ

.com

سب سے بڑا عمل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر لمحے اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔"

یادِ محبوب فراموش نہ ہووے اے دل
حُسنِ نیت نے مجھے عشق سی نعمت دی ہے

گوش پیدا کئے سُننے کو ترا ذکر جمال
دیکھنے کو ترے آنکھوں میں بصارت دی ہے

دخل ہے اس کو بہت کچھ مرے تڑپانے میں
وہ جو لذت ہے ترے نام کے دہرانے میں

4- فکر

اس بات کا فکر کہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ ہر وقت ذہن میں اسی کا دھیان اور خیال رہے اور یہ خیال ذہن میں راسخ ہو کہ ہماری ہر ہر حرکت کو وہ دیکھ رہا ہے۔ ہر دم اس کے قرب کا احساس ہو کہ وہ تو ہماری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بقول شاعر

شہ رگ تو بہت دور ہے اے جانِ تمنّا!
آ میرے قریں اور قریں اور قریں اور

جب تیرا ذکر چھڑ گیا صبح مہک مہک اُٹھی
جب تیرا غم جگا لیا، شام مچل مچل گئی

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، ترے فکر سے، تیری یاد سے، تیرے نام سے

مراقبہ حضوری

اس استقامت کے نسخے کو تصوف کی اصطلاح میں "مراقبہ حضوری" کہتے ہیں یعنی ہر دم یہ دھیان رکھنا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہیں اور وہ ہماری طرف رحمت اور پیار محبت کے ساتھ متوجہ ہے۔ اس ناطے سے یہ چاروں کام ہوں گے تو پھر انشاء اللہ اعضاء و جوارح حق کا ساتھ دیں گے۔ پھر طبیعت ادھر نہ آنے کا شکوہ نہیں ہو گا۔ پھر اس کے ہاں سے آنے کو دل نہیں چاہے گا پھر تو دل چاہے گا کہ

fat.com

ع بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کئے ہوئے

لیکن صرف تصوّرِ جاناں نہیں بلکہ دورانِ کار میں تصوّرِ جاناں' پنجابی کی ضرب المثل ہے کہ

ع دل یار ولے' ہتھ کار ولے
دل بیار' دست بکار

ہاتھ کام کرتے رہیں اور دل اسی کی طرف لگا رہے بقول شاعر:

ع گفتگو کسی سے ہو تیرا دھیان رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے۔ سلسلۂ تکلم کا

ع زندگی کا خلاصہ وہی اِک لمحۂ شوق
جو تری یاد میں اے جانِ جہاں گزرا ہے

ع ان کا ذکر' ان کی تمنّا' اُن کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے' آج کل

ع یاد میں تیری دو عالم کو بھلانا ہے ہمیں
عمر بھر اب کہیں آنا ہے' نہ جانا ہے ہمیں

ان چاروں اعمال کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے ایک خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں اس کی درگا
میں حاضر رہنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کے کوچہ سے بتقاضائے بشریت لوٹ کے آنے پڑے تو دل پہ بوجھ ہوتا ہے:

ع داغِ وارفتہ کو ہم رات ترے کوچے سے
اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے

ع یوں اُٹھے آہ اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

یہی بات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ مومن مسجد میں اس طرح سے ہوتا ہے جیسا کہ پانی
مچھلی میں اور منافق مسجد میں اس طرح سے ہوتا ہے جیسے قفس میں پرندہ!

استقامت کے اس نسخے کے بعد فرمایا کہ جنگ و جدل سے بچنے کی کوشش کریں۔ اگر مجبوراً کسی موقع پر اس
کے بغیر چارۂ کار نہ ہو تو جدالِ اَحْسَنْ سے کام لیجئے۔

Marf

ایک شبہے کا ازالہ

اہلِ مکہ کے ایک اور شبے کو زائل کرنے کے لئے فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○
بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ○

"اے نبیؐ! تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔ دراصل یہ روشن نشانیاں ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم بخشا گیا ہے اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہی جو ظالم ہیں۔" (العنکبوت: 48-49)

نبوّتِ محمدیؐ کا ایک کھلا ثبوت

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ آپ پڑھے لکھے نہیں تھے یعنی آپ نے کسی مکتب سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کی تھی، بلکہ جس قدر بھی انبیاء گزرے ہیں سب اُمّی (ناخواندہ) تھے۔ انہوں نے کسی انسان سے یا کسی انسانی ادارے سے کبھی تعلیم نہیں پائی۔ یہ تو بیسویں صدی کے جھوٹے نبی ہوتے ہیں جو پرائمری سکول میں پڑھتے ہیں۔ پھر فیل ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کا سنک ماسٹران کو مرغا بناتا اور ان کو ڈنڈے مارتا ہے۔ لیکن خاتم المعصومین علیہ التحیۃ والتسلیم نے کسی ادارے سے تعلیم حاصل نہ کی اور آج آپ کے پاس ایسی کتاب ہے جس کو پڑھ کے لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ ہر نبی کی شان ہوتی ہے کہ نبوّت سے پہلے ان کی زندگی کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے۔ جونہی نبوّت آتی ہے تو بالکل دوسرا رنگ ہو جاتا ہے۔ اچانک انقلاب آجاتا ہے کیونکہ آپؐ نے اس سے پہلے کسی شخص کو نہ ٹوکا نہ خیر و شر کے مسئلے پر کہیں لیکچر دیا اور نہ توحید و شرک کی بات کی بلکہ آپ نے صرف تجارت کی اور تجارت میں صادق اور امین تھے۔ بلکہ کبھی میدانِ جنگ میں بھی نہ اترے۔ کبھی تلوار چلانا، تیر چلانا بھی نہ سیکھا۔ بس ایک خاموش تاجر! لیکن نبوّت کے فوراً بعد دنیا نے دیکھا کہ وہ شخص جس نے کبھی تین آدمیوں کو بٹھا کے کبھی گفتگو بھی نہیں کی تھی، وہ بڑے بڑے مجمعوں کو خطاب کرتا ہے۔ وہ انسان جس نے ہاتھ میں کبھی تلوار نہیں پکڑی تھی، وہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا جرنیل ہے۔ آپ نے زندگی میں 83 جنگیں لڑیں اور ان 83 جنگوں میں دونوں طرف سے مسلمانوں اور کفّار کی طرف سے جو قتل ہوئے، ان کی تعداد 533 ہے یعنی 83 جنگوں میں 533 مقتولین! اور ان سب کے نام بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ کچھ شک و شبہ والی بات نہیں ہے انسانی

fat.com

تاریخ میں اتنا پر امن (Bloodless) انقلاب اور اتنی تعداد میں جنگیں اور اتنی کم تعداد مقتولین (casualties) آج تک دیکھنے میں نہیں آئیں اور ایسی ایسی جنگی چالیں چلیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ فتح مکّہ کا ایک واقعہ ہی کافی ہے جو تورات میں بھی اشارۃً لکھا ہوا ہے:۔

حضورِ اکرمؐ مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے۔ اب جانا مکّہ مکرمہ کو تھا۔ وہ جنوب میں ہے آپ شمال کو چل پڑے۔ لوگ سمجھے کہ شاید تبوک کی طرف جا رہے ہیں' خیبر کی طرف جا رہے ہیں۔ شمال کی طرف چلے۔ پھر دائیں پھر بائیں پھر ادھر پھر ادھر کسی شخص کو پتا نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدھر جا رہے ہیں' آپ کا دس ہزار کا لشکر کہاں جا رہا ہے۔ اور اچانک لوگوں کو پتا چلا کہ مکّہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں۔ آپ نے وہاں پہنچ کر ایک حکم صادر فرمایا کہ دیکھو کوئی شخص کسی دوسرے سے کھانا نہ مانگے بلکہ الگ الگ اپنا کھانا خود پکاؤ۔ جبکہ پہلے ایک باورچی کھانا پکاتا تھا' تین سو آدمی کھاتے تھے۔ اب جہاں ایک چولہا جلتا تھا' وہاں تین سو چولہے جلے۔ لوگوں نے اسی سے اندازہ کیا کہ اتنے چولہے جلے ہیں تو اتنا بڑا لشکر بھی ہو گا۔ اب دس ہزار چولہے دیکھ کر اہلِ مکّہ کا پتا پانی ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ اب تو لڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہتھیار ڈال دیئے اور یوں مکہ بغیر جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس جنگ میں انسان سے محبت ہے کہ انسان کی جان ضائع نہ ہو۔ وہ شخص جس نے کہ فن سپہ گری میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ وہ آج انسانی تاریخ کا سب سے بڑا جرنیل نظر آتا ہے۔ اور پھر ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص میدان میں کہتا ہے 'محمدؐ ساری دنیا کو لڑاتے پھرتے ہو' بہادر ہو تو خود میرے مقابلے میں آؤ۔ میں کسی اور سے نہیں لڑنا چاہتا ہوں۔ صرف تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔ تو آپ نے صحابہؓ سے کہا کہ ہٹ جاؤ' اس کو میرے پاس آنے دو۔ اور اس نے حضورؐ پر حملہ کیا۔ آپ نے صرف نیزہ آگے کیا اور نیزہ اس کو ہلکا سا چبھا اور اس کو اتنا درد ہوا کہ وہ چیخ چیخ کر مر گیا۔ اور لوگوں نے دیکھا کہ یہ نیزے سے نہیں مرا بلکہ کسی اور چیز سے مرا ہے۔ اسی طرح ساری زندگی میں کبھی آپ نے کشتی کا فن نہیں سیکھا۔ جزیرۂ عرب میں ایک پہلوان نے کہا: ہمیں صرف کشتی آتی ہے' ہم کسی اور چیز کو نہیں جانتے۔ جو ہمیں کشتی میں ہرا لے گا' ہم اس کے مرید ہیں۔ آپ نبیؐ ہیں تو مجھے کشتی میں ہرا دیں۔ اب ہے نا یہ بچوں والی بات! بھلا نبوّت کہاں اور پہلوانی کہاں۔ آپ نے کہا اچھا کوئی بات نہیں۔ ہم کشتی لڑ لیتے ہیں۔ آپ میدان میں آگئے اور وہ جب قریب آیا تو آپ نے اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اس کو یقین نہیں آیا۔ اس نے کہا نہیں نہیں' ابھی نہیں۔ میں پھر لڑوں گا۔ ایک سیکنڈ میں آپ نے اس کو پھر زمین پر پٹخا۔ چاروں شانے چت! دوسری مرتبہ ذرا زور سے اٹھا کر پٹخا تو وہ کہہ رہا تھا **اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ** اب یہ کیا ہے کہ نبوت سے پہلے ان میں سے کوئی چیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں نظر نہیں آتی اور نہ ماحول ایسا ہے کہ معاشرہ ایسی شخصیت کو جنم دے۔

آپؐ انٹرنیشنل لاء کے بانی ہیں

انٹرنیشنل لاء کو سب سے پہلے مرتب کرنے والے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ انسانی تاریخ شاہد

.com

ہے کہ اس سے پہلے جنگل کا قانون تھا اور یہ بات مسلم تھی کہ فاتح کو حق ہے کہ وہ عورتوں کو لونڈیاں اور مردوں کو غلام بنالے' جس کو چاہیں قتل کر لیں۔ جتنا چاہیں مال لوٹ لیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بین الاقوامی قانون دیا کہ جب جنگ کرو تو بوڑھوں پر ہاتھ نہیں اٹھانا' جو شخص عبادت گاہ میں عبادت کر رہا ہے' اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا۔ بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھانا۔ درختوں' فصلوں کو برباد نہیں کرنا اور یہ چیلنج ہے کہ آپؐ سے پہلے یہ اقوال آپ کو ہرگز نہ ملیں گے اور ایسا یقیناً ممکن نہیں تو پھر ایمانداری کے ساتھ غور کریں کہ خطابت' علم' حکمت اور فراست یہ سب چیزیں یکایک کیسے آگئیں؟ بغیر کسی پس منظر (Back ground) کے! تو یہ کھلی کھلی اور روشن نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جنہیں علم بخشا گیا ہے۔ اور جو اس کے باوجود ان واضح آیتوں سے انکار کرتے ہیں' وہ ظالم ہیں۔

اہل ایمان کے لئے ہجرت کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ○
كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○
وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

"اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو۔ میری زمین وسیع ہے پس تم میری ہی بندگی بجا لاؤ۔ ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے پھر تم سب ہماری طرف ہی پلٹ کر لائے جاؤ گے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں' ان کو ہم جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی عمدہ اجر ملے گا عمل کرنے والوں کے لئے۔ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رازق بھی وہی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

(العنکبوت:56-60)

حق کے مقابلے میں جو چیز انسان کو عام طور پر پریشان کرتی ہے' وہ یہ ہے کہ میں حق کا ساتھ تو دوں لیکن حالات' بچوں کا مستقبل' رزق' فلاں فلاں چیزیں' فلاں فلاں مسئلے اور مشکلات آڑے آجاتی ہیں جس کی وجہ سے انسان کمزور پڑ جاتا ہے۔ اپنی جان' مال' بچوں کی محبت اور رزق کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ملازمت ہی نہ چھوٹ

fat.com

جائے، تجارت میں فرق نہ آجائے۔ یہ سب باتیں انسان کو چاروں شانے چت گرا دیتی ہیں اور انسان حق کی بجائے جھوٹ، اور باطل کا ساتھ دیتا ہے۔ یہاں اس کا حل مذکور ہے کہ اگر ایک جگہ رہتے ہوئے تمہیں دشواریاں پیش آتی ہیں تو میری زمین بہت وسیع ہے تم میرے دین کی خاطر کہیں ہجرت کر جاؤ لیکن دین کو نہ چھوڑو کیونکہ وقت تو گزر جائے گا اور زندگی ختم ہو گی اور موت آکر رہے گی اور موت کے بعد کا وقت بہت سخت ہے۔ اگر تم نے زندگی اس ڈھب سے گزاری کہ حق کو نہ چھوڑا تو پھر جنت کے باغات اور محلات میں تمہیں ٹھہرائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں یہ کھٹکا بھی نہ ہو گا کہ میرا مکان، میری ملازمت، میرا مال یا میری نعمتیں چھن جائیں گی بلکہ تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ ایک مرتبہ جو نعمت مل جائے گی، وہ ہمیشہ رہے گی۔ موت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی لیکن اس دنیا اور آخرت میں بہتر انجام ان لوگوں کا ہے جن میں دو صفتیں ہوں، صبر اور توکل۔ صبر حق کے راستے میں ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کرنے اور حق پر جمے رہنے کا نام ہے اور توکل یہ ہے کہ اللہ پر مکمل بھروسا کیا جائے کیونکہ جب ہم اسباب اختیار کرتے ہیں تو اسباب پر بھروسا نہیں کرتے بلکہ اسباب کو پیدا کرنے والے پر بھروسا کرتے ہیں اور پھر کہا کہ جانوروں کو غور سے دیکھو۔ پرندے صبح گھر سے نکلتے ہیں۔ اپنا رزق اور توشہ دان ساتھ اٹھا کر نہیں چلتے ہیں۔ خالی پیٹ نکلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں رزق دے دیتا ہے۔ اگر تم اللہ پر بھروسا کرو تو اللہ تمہاری بے قدری نہیں کرے گا۔

دُنیوی زندگی کی حقیقت

دنیا کی زندگی بڑی عارضی اور ناپائیدار چیز ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ

"اور یہ (چند روزہ) زندگی صرف ایک غفلت اور کھیل کا سامان ہے اور اُخروی زندگی کا گھر ہی در حقیقت اصل زندگی کا گھر کہلا سکتا ہے۔ کاش کہ لوگ جانتے ہوتے۔" (العنکبوت:64)

یعنی یہ زندگی تو ایک کھیل تماشا ہے یعنی ڈرامہ ہے۔ اس کے دوران میں کوئی بادشاہ کا بہروپ بھرتا ہے اور کوئی وزیر کا۔ لیکن ہوتا سب کچھ وہی ہے جو ہدایت کار چاہے۔ ڈرامے کے اختتام پر پوشاک، تاج وغیرہ سب چیزوں سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ اس دنیا کی کیفیت صرف اتنی سی ہے کہ عام تھیٹر کا ڈرامہ ذرا مختصر ہوتا ہے اور موجودہ دنیا طویل دورانیے کا ڈرامہ ہے۔ اس میں اگرچہ وقت زیادہ لگتا ہے، لیکن موت کے ایک ہی جھٹکے سے پتا چلتا ہے کہ کھیل ختم ہو گیا ہے اور جب قبر میں اتارا جاتا ہے تو ایک بادشاہ اور ایک عام آدمی میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

ے ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

.com

کیجئے کیا اور شرحِ زندگی
کچھ سحر، کچھ دوپہر، کچھ شام ہے

کوئی سوتا ہو جیسے ڈوبتی کشتی کے تختے پر
اگر کچھ ہے تو بس اتنی سی دنیا کی حقیقت ہے

اہلِ مکہ کی نصیحت کے لئے ذکر کیا کہ حرم کو ہم نے امن و آشتی کا گہوارہ بنایا ہے۔ بایں ہمہ جو حق کا منکر ہے
اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ ہاں! اہلِ ایمان پر ہمارے مسلسل احسان ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ساتھ
ہے۔

fat.com

.com

سورہ الروم (۳۰)

نام

پہلی آیت میں غُلِبَتِ الرُّوْمُ سے اس سورۃ کا علامتی نام اخذ کیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ بھی ہجرتِ حبشہ ہی کے زمانے میں نازل ہوئی۔

پس منظر

اس سورۃ کی ابتدائی آیات قرآنِ مجید کے مُنَزَّلٌ مِّنَ اللہ (اللہ کی طرف سے نازل شُدہ) ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر واضح دلیل ہیں۔ اس سلسلہ مضامین سے قبل اس سورۃ میں مذکور واقعے کا تاریخی پس منظر جاننا ازحد ضروری ہے۔

نبوت سے چند سال قبل روم میں بغاوت ہوئی۔ قیصرِ روم ماریس (Mauric) کی جگہ فوکاس (Phocas) نامی ایک شخص تخت نشین ہوا اور اس نے ماریس کے بیٹوں کو باپ کی موجودگی میں قتل کر دیا۔ پھر ماریس کو قتل کرا کے اس کا سر قسطنطنیہ میں لٹکوا دیا۔ بعد ازاں اس کی بیوی اور بیٹیوں کو بھی قتل کر کے اس خاندان کا نام و نشان مٹا ڈالا۔

ان دنوں فارس (ایران) پر خسرو پرویز حکمران تھا جس پر ماریس کے بے حد احسانات تھے اور اسی باعث پرویز ماریس کو باپ کہتا تھا۔ فوکاس کی اس بربریت اور سفاکی پر پرویز نے فوکاس کے خلاف جنگ کا فیصلہ کر لیا اور روم کو فتح کر لیا۔ فتحِ روم کے بعد پرویز نے فوکاس کو گرفتار کر کے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو فوکاس نے ماریس کے ساتھ کیا تھا۔ اس جنگ میں یہود نے مکمل طور پر اور نصرانیوں میں سے نسطوری اور یعقوبی فرقوں نے بھی پرویز کا ساتھ دیا۔ فارسی فوجوں نے فتح روم کے بعد پیش قدمی جاری رکھی اور اردن، فلسطین اور صحرائے سینا کے علاقوں سے ہوتے ہوئے مصر کی حدود تک جا پہنچیں۔

جب عیسائیوں کو شکست ہوئی تو اہلِ مکّہ نے کہا کہ آتش پرست ایرانی غلبہ حاصل کر رہے ہیں جبکہ اللہ کی توحید کے قائل عیسائی ذلّت و رسوائی کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہم عرب بُت پرست بھی ان مسلمانوں کو ملیامیٹ کر دیں گے۔ قرآنِ مجید ایسے کڑے اور نازک حالات میں پیش گوئی کر رہا ہے جو اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں مذکور ہے کہ اس مغلوبیت کے بعد غلبہ اور اقتدار جلد رومیوں کو واپس مل جائے گا۔ ان آیات کے نزول کے وقت کفارِ مکّہ نے خُوب مذاق اُڑایا۔ اس پر اُبَیّ بن خلف نے سیدنا ابوبکرؓ سے شرط باندھ لی۔ یہ طے ہوا کہ

اگر تین سال کے اندر رومی غالب آگئے تو شرط ابوبکرؓ کے حق میں ہو گی۔ جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پتا چلا تو آپ نے فرمایا کہ لفظ "بِضْع" کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے۔ اس شرط میں یوں ترمیم کرلو کہ دس سال کے اندر اندر غلبہ رومیوں کو حاصل ہو گا اور شرط کے اونٹوں کی تعداد سو ہو گی۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد دوسرے ہی سال ہرقل نے حملے کا آغاز کیا۔ آرمینیا کے راستے آذربائی جان میں داخل ہو کر روسیاہ کو تباہ کیا اور فارسی آتش کدے کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ادھر اسی سال معرکۂ بدر میں کُفارِ مکہ کو ذِلت و رسوائی کے داغ چاٹنے پڑے۔ گویا ایک ہی دور میں دو پیش گوئیاں پوری ہوئیں۔ قرآنِ مجید کی اس پیش گوئی کے پورے ہونے پر اُبَی بن خلف کے ورثاء نے 100 اونٹ دے کر اس شرط کو پورا کیا۔ اس دور میں شرط کی حرمت کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارے اونٹ صدقہ کر دینے کا حکم دیا۔

مضامین

سورۃ کا آغاز رومیوں کی مغلوبیت اور پھر ان کے غلبے کی پیش گوئی کے ساتھ ہے۔ اس میں انسان کو یہ بتایا گیا کہ "آدمی غلط اندازہ لگاتا ہے اور پھر اپنی ظاہری زندگی میں ان اندازوں پر اس قدر اعتماد کرلیتا ہے کہ پوری زندگی داؤ پر لگانے کو تیار ہو جاتا ہے"۔ یہ سب کچھ عقیدۂ آخرت سے لاتعلقی کا نتیجہ ہے جبکہ انسانی زندگی کا قبلہ درست رکھنے کے لئے عقیدۂ آخرت کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے بعد فطری دین یعنی توحید کا ذکر ہے جس میں شرک کا بطلان از خود ہو رہا ہے۔ کیونکہ شرک فطرتِ سلیمہ کے برعکس ہے اور موجودہ دور کی دو قومیں اسی شرک کے باعث باہم جنگ و جدال کا شکار ہیں۔

اواخر سورۃ میں بارش کی تمثیل کا ذکر کر کے بتایا کہ جس طرح بارش کے بعد زمین پر آثارِ حیات نمایاں ہوتے ہیں اور ہر سُو سبزہ لہلہانے لگتا ہے' اسی طرح جب زمین پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو انسانیت کی خفیہ صلاحیتیں بے نقاب ہو کر ہر سُو نیکی اور خیر پھیلاتی ہیں۔ اس لئے اس ابرِ رحمت کے حصول کے لئے دورِ جاہلیت کے اعمال سے توبہ کرلینی چاہئے کیونکہ موت کے بعد اس کی تلافی ممکن نہیں۔

اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں ایمان' اعمالِ صالحہ' صبر' مسکین و یتیم اور اہلِ قرابت کے حقوق کی ادائیگی کی وضاحت کے ساتھ کفریہ اور باطل اعمال سے بچنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔

.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓـمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝

فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"الف۔ لام۔ میم' رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے' اللہ ہی کا اختیار ہے۔ پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور وہ دن وہ ہو گا جب اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اور وہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔" (الروم: 1-6)

غلبۂ روم اور غلبۂ اسلام کے بیک وقت ہونے کی دو معجزاتی پیش گوئیاں

قریش نے اس پیش گوئی کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض لوگوں سے شرط بد گئی تھی کہ اگر نو سال کے اندر اندر جیسا کہ آیت میں تھا' ایران کو شکست نہ ہوئی تو ابو بکرؓ شرط ہار جائیں گے۔ نو سال کے اندر اندر رومی بھی جاگے اور انہوں نے نہ صرف ایران کو پسپا کیا بلکہ روند ڈالا اور یہ وہی سال تھا جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی بھی فتح ہوئی۔ یوں دونوں پیش گوئیاں بیک وقت پوری ہو گئیں اور یہ قرآنِ مجید کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

آخرت پہ دلائل

یہاں سے آخرت کا موضوع شروع ہوتا ہے۔ یہاں پر ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ آخرت کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس پہ ایمان لانا آسان نہیں لگتا۔ دل چاہتا ہے کہ یہیں کھائیں اور یہیں' بوڑھے ہوں اور

مٹی کی خوراک بن جائیں، کہیں بھی جوابدہی نہ ہو اور اپنے اعمال کا حساب نہ دینا پڑے۔

قرآنِ مجید میں آخرت کے متعلق بے پناہ دلائل ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ

"انہوں نے اپنے اندر جھانک کر نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، وہ حق کے ساتھ پیدا کیا اور ایک مقررہ مدت تک کے لئے پیدا کیا ہے۔" (الروم: 7)

انسان کی امتیازی خصوصیات اور عقیدۂ آخرت

انسان کے اندر تین امتیازی خصوصیات ہیں:

ایک تو یہ کہ اس کو اس دنیا کے اندر تسخیر و تصرف کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا کہ انسان کو اس دنیا کے اندر پیدا کیا گیا کیونکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے انسان کے لئے پیدا کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آزادی فکر و عمل اور ارادے کی صلاحیت بخشی ہے۔

اور تیسری چیز یہ کہ اس کو اخلاقی حس بھی عطا کر دی۔ اس کے اندر ایک پہریدار بٹھا دیا جو اسے اچھے اور برے کی تمیز بتاتا ہے۔

ان تینوں باتوں کو باہم ملا کر سوچا جائے تو پتا چلتا ہے کہ محاسبہ ضروری ہے۔ اتنے زیادہ اختیارات دینے اور اخلاقی حس عطا کرنے کے بعد انبیاء اور ہدایت کرنے والے بھی بھیج دیئے۔ اب ظاہر ہے کہ اس بات کا محاسبہ ضرور ہو گا کہ ان سارے اختیارات کو اخلاقی حس اور انبیاء کی تعلیمات کے مطابق کام میں لائے یا نہیں۔

کائنات کے غیر دائمی ہونے پہ حرکیاتِ حرارہ کے دوسرے قانون کی حتمی دلیل

دوسری دلیل یہ ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "ہم نے انسان کو ایک مقررہ میعاد تک کے لئے پیدا کیا۔" فلسفے میں سینکڑوں سال یہ بحث رہی کہ موجودہ کائنات ازلی اور ابدی ہے یا کچھ عرصے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس میدان میں یہ بحث شاید صدیوں جاری رہتی لیکن موجودہ دور کی سائنس نے اس بحث کو ختم کر دیا ہے۔ خصوصاً حرکیاتِ حرارہ کے دوسرے قانون نے یہ بات طے کر دی کہ یہ کائنات ایک مقررہ وقت میں پہلے پیدا کی گئی اور اس کو آخر میں لازماً ختم ہو جانا ہے۔

.com

عدلِ کامل صرف آخرت میں ممکن ہے

یہ طے ہے کہ اس دنیا کو ختم ہونا ہے اور اس کی جگہ نئی کائنات کا ظہور ہونا ہے اور یہ بھی طے ہے کہ یہ دنیا دارُالجزاء نہیں بلکہ دارُالعمل ہے اور نہ یہاں عدل ممکن ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک صاحب قتل کرتے ہیں، عدالت اسے سزائے موت دیتی ہے۔ دوسرے شخص نے اگر سو قتل کئے ہیں تو اسے بھی فقط ایک ہی سزائے موت دی جائے گی۔ حالانکہ اصل سزا تو یہ تھی کہ جس شخص نے سو مرتبہ قتل کیا تھا، اسے اتنی ہی مرتبہ زندہ کیا جاتا، اتنی ہی مرتبہ قتل کا مزا چکھایا جاتا لیکن دنیا میں یہ ممکن نہیں تھا اور نہ ہے۔ یہ آخرت ہی میں ہو سکے گا۔

اس واضح دلیل کے باوجود کچھ لوگ آخرت کے وجود اور اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے لئے اس کائنات میں گھومنے اور اقوامِ سابقہ کے احوال کے مشاہدے کا حکم دیا اور بتایا کہ ان ہلاک شدگان کے پاس بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر انبیاء علیہم السلام تشریف لائے مگر ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ کفر و انکار پر اَڑے رہے اور ان کے اسی ظلم کے باعث ان کو نیست و نابود کر دیا گیا اور یہ ہلاکت احکامِ الٰہی کا مذاق اڑانے کے باعث ہوئی۔

حشر کے میدان میں انسان کی رسوائی کا باعث

اللہ تعالیٰ کی کارسازی کے ذکر میں اس کائنات کے آغاز کا ذکر ہے اور اس کے منکروں کے لئے قیامت کے دن ذِلّت و رسوائی کا ذکر ہے کہ اس روز ان کا دنیوی جاہ و جلال اور عزت و قار کچھ بھی کام نہ آئے گا۔

وَلَمْ يَكُن لَّهُم مِّن شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ۝

"ان کے (من گھڑت) شریکوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا۔ اور وہ اپنے شریکوں سے بیزار ہو جائیں گے۔" (الروم:13)

مشرکین کو شرک کے باعث عذابِ جہنم میں جھونک دیا جائے گا جب کہ ان کے مقابل اہلِ ایمان کی عزت و تکریم کی جائے گی اور وہ جنّت کے باغات میں خوش ہوں گے۔ کیونکہ دنیا میں صبح و شام وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد کرتے تھے۔

دلائلِ توحید

اس ذکر کے ساتھ ہی توحید کے موضوع پر دلائل کا سلسلہ ہے۔ آغاز میں ذکر ہو چکا کہ کُفّارِ مکّہ نے رومیوں کی مغلوبیت کو اللہ کے وجود کے انکار پر بطورِ دلیل پیش کیا تھا۔ یہاں اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا ایک طویل ذکر ہے۔ جس کا اجمالی خاکہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے۔ اس نے انسان کو

ابتداءً مٹی سے پیدا کیا اور پھر اسی کے وجود سے اس کا "زوج" (جوڑا) بنا کر اس کے لئے محبت و سکون کا سامان بہم پہنچایا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ

"اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت کو پیدا کیا۔" (الروم: 21)

اس کے بعد اسی سورۂ روم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ایک نشانی بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ "ہم نے تمہارے درمیان دوستی اور رحمت کی کیفیت کو پیدا کیا ہے۔" اور تمہارے درمیان زبان، رنگ اور ثقافت کا اتنا تفرقہ ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ پر ایک دنیا ہے۔ ذرا غور کریں کہ ایک فیکٹری جب کوئی پراڈکٹ بناتی ہے تو ایک برانڈ اور ایک ہی طرح کی ہزاروں چیزیں بن جاتی ہیں۔ لیکن خالقِ کائنات نے ایک چیز بنائی ہے تو دوسری اس سے نہیں ملتی، ایک درخت کا پتا دوسرے درخت کے پتے سے نہیں ملتا۔ اتنی زیادہ اور بڑی ورائٹی کے لئے تو اسی احسن الخالقین کی حکمت چاہئے۔ پھر زمین و آسمان کی تخلیق اور زبان اور نسل کے اعتبار سے اختلاف، رات اور دن کے فوائد و ثمرات، آسمان سے پانی کا برسانا اور اس کے ذریعے سے دُنیوی حیات کی بقاء کے اسباب مہیا کرنا وغیرہ پر غور کی دعوت دے کر فرمایا کہ وہی ہستی یہ سب کچھ کر سکتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ

"اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔" (الروم: 27)

شرک کی تردید کے لئے ایک مثال

گویا کارخانہ عالم اللہ کی قدرت کا مظہر ہے اور وہ اپنی قدرت کے ذریعے سے تم کو مٹا کر دوبارہ پیدا کرنے پر بہت قادر ہے۔ اور پھر ایک سادہ سی مثال بیان کر کے شرک کی قباحت واضح کی۔ خلاصہ یہ کہ تم اپنے لونڈی غلام کے بارے میں یہ گوارا نہیں کرتے کہ وہ تمہارے کسی حکم میں کسی اور کو ترجیح دیں بلکہ تم ان پر عارضی ملکیت کے باعث مکمل اختیار کے خواہاں ہو۔ بھلا اللہ تعالیٰ جو سچا مالک ہے، وہ کیسے گوارا کرے گا کہ اس کے حکم میں کسی کو شریک کیا جائے؟

اس لئے ارشاد ہوا:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ

.com

"تم یکسو ہو کر اللہ کے دین پر سیدھے چلتے رہو۔" (الروم:30)

اور اس کی مزید تشریح یہ کہ

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○

"اُسی کی طرف رجوع کرو۔ اسی سے ڈرتے رہو' نماز پڑھتے رہو' اور مشرکوں میں سے نہ ہونا۔"

(الروم:31)

خیالِ غیر سے نفرت' دلِ عاشق کو لازم ہے

محبت ان کی کہتی ہے کہ ترکِ ماسوا کر دوں

مشرکین کی ایک خاص صفت کہ وہ فرقہ واریت کے علمبردار ہوتے ہیں

اس آیت میں "دینِ حنیف" کی وضاحت کے بعد نماز پڑھنے والوں کو خاص طور پر وصیت کی کہ

"مشرکوں میں نہ ہونا"

قرآنی انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازیوں کو خاص طور پر یہ کہنا اس لئے ہے کہ شیطان ان لوگوں پر زیادہ حملہ آور ہوتا ہے جو نیکی کی راہ پر چلتے ہیں۔ اور اسی طرح فرمایا کہ

مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○

"اور نہ ان لوگوں میں سے ہونا کہ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر ڈالا اور خود فرقہ فرقہ ہو گئے۔ سب فرقے اسی سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔" (الروم:32)

گویا شیطان نماز قائم کرنے والوں کو ٹکڑوں میں بانٹ کر دنیا میں اہلِ دین کو بدنام کرانا چاہتا ہے' اس لئے اہلِ دین کو یہ دونوں نصیحتیں خاص طور پر کیں اور اس دور میں آپ غور کریں کہ شیطان نے نمازیوں ہی کو تقسیم در تقسیم کے چکر میں ڈالا ہوا ہے۔ اس آیت میں ایک نہایت اہم بات کی طرف اشارہ ہے اور وہ تفرقہ کا اصل سبب ہے کہ جو لوگ فرقہ فرقہ بنتے ہیں اور فرقہ واریت کا پرچار اس دھوم دھڑکے سے کرتے ہیں کہ دین کی بنیادی دعوت بھی اس میں دب کر رہ جاتی ہے' ایسے لوگ دراصل مشرک ہیں۔ ان لوگوں کی خصوصی علامت یہ ہوتی ہے کہ یہ فروعی اور فرقہ وارانہ مسائل کو جو دراصل زیادہ تر غیر حقیقی بلکہ وہمی مسائل ہیں' دین کی اصل دعوت سے بھی زیادہ اہمیت دے دیتے ہیں اور یہی بات تفرقہ و انتشار کا سبب بنتی ہے۔

اس بارے میں ایک اہم بات ملحوظِ خاطر رہنی چاہئے' وہ یہ کہ اہلِ توحید کا تو ایک ہی راستہ ہوتا ہے: ایک اللہ کی عبادت' ایک رسول ﷺ کا اتباع' بس ایک ہی صراطِ مستقیم جو جنت تک جانے کا ایک ہی انتہائی مختصر راستہ ہے۔ اس کے برعکس اہلِ شرک کو ایک اللہ کی عبادت کے علاوہ دیگر کئی معبودوں کے لئے گنجائش رکھنا پڑتی ہے۔ اس طرح

Marfat.

سے ایک راستہ اختیار کرنے کی بجائے انہیں "کئی راستے" اختیار کرنا پڑتے ہیں اور یہی بات کئی فرقوں کی پیدائش
باعث بن جاتی ہے۔

مالی حقوق کی ادائیگی کا حکم

دین داری کے ذکر کے ساتھ ساتھ دُنیوی ضروریات کی تکمیل کے لئے دن رات سرگرداں رہنے والے انسا
کو فرمایا جو روزی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے:

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○
فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی جس کے لئے چاہے، رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اہلِ قرابت، محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتے رہو۔ جو لوگ رضائے الٰہی کے طالب ہیں، ان کے لئے یہ بہتر ہے اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔" (الروم: 37-38)

قومی معیشت پہ اثر

ان آیات میں حقوقِ مالیہ کی ادائیگی کا حکم ہے کیونکہ جب تک مال گردش میں رہتا ہے، معاشرہ خوشحال ہو
ہے اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بہت سا مال ایسا ہوتا ہے جسے بینک میں رکھنا پڑتا ہے۔ کچھ مال ایسا ہوتا ہے
زیورات کی شکل میں رکھنا پڑتا ہے۔ یہ مال مردہ Dead Property ہے۔ وہ مال جو کہ تجارت پہ نہیں لگایا جا
(Invest) نہیں کیا جاتا، جو معاشرے کے اندر ایسے گردش نہیں کرتا جیسے انسانی جسم میں خون گردش کرتا ہے تو
مال مردہ ہوتا ہے۔ اسلام اس مالِ مردہ کا دشمن ہے۔ اسی لئے حکم دیا کہ اپنے مال میں سے اڑھائی فیصد سالانہ زکو
دو۔ اب جو شخص اڑھائی فیصد زکوٰۃ دے گا، کس میں سے دے گا؟ اسی مالِ مردہ میں سے کیونکہ یہ مال اس کے پاس
بے کار پڑا ہوتا ہے اور درحقیقت انسان کے جرائم کا اصل سبب یہی مالِ مردہ ہے۔ جؤا اسی مال سے کھیلا جاتا ہے
رشوت، نشہ، شراب نوشی گویا تمام خرابیوں کی جڑ یہی مردہ مال ہوتا ہے جو بیکار رکھا رہتا ہے۔ اسلام اس مال کو
سے کم کرنا چاہتا ہے۔ ایک شخص اپنے کارخانہ، کاروبار، جائیداد، دوکان غرض جو اس کے پاس ہے، اس میں سے زکو
دیتا ہے۔ اب جب یہ مال غریب کے ہاتھ میں جائے گا تو غریب اس سے ضرورت کی چیزیں خریدے گا۔ اناج، کپڑ

جوتے' دوا وغیرہ۔ تو اب یہ مال زندہ ہو گیا اور پھر یہ مال اسی دوکان پر پہنچ جائے گا جہاں سے بطور زکوٰۃ نکلا گیا تھا مگر غریب کو نفع پہنچا کر۔ لیکن دیکھئے کہ مالِ مردہ کم ہوتا چلا گیا اور زندہ مال بڑھ گیا۔ معاشیات کا اصول یہ ہے کہ جس معاشرے میں مردہ مال کم سے کم اور زندہ مال زیادہ سے زیادہ ہو گا' اس کی معیشت میں ترقی اسی تیزی سے آئے گی۔ اس کو قرآن مجید نے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ تعبیر کیا۔ گویا مال کی گردش اتنی تیز ہونی چاہیے۔ بارانِ رحمت کی طرح کہ غریب اور امیر کا فرق نہ ہو۔

زکوٰۃ اور سود کی تاثیر کا موازنہ

ماہرینِ معاشیات سمجھتے ہیں کہ جو زکوٰۃ کی تاثیر (Activity) اور عمل ہے' سود کا عمل اس کے برعکس ہے۔ سود مالِ زندہ کو کم سے کم تر اور مالِ مردہ کو زیادہ سے زیادہ کرتا ہے۔ کیونکہ جس شخص نے سود دینا ہوتا ہے' وہ اپنی جائیداد اور کاروبار سے پیسہ نکال کر مہاجن کو دیتا ہے۔ اور مہاجن اس مال کو تجوری میں جمع کرتا ہے۔ تو مال زندہ معاشرے سے نکلا اور مہاجن کی تجوری میں چلا گیا جس سے مردہ مال بڑھتا گیا اور زندہ مال کم ہو گیا۔ نتیجۃً ملک کی معیشت مسلسل خسارے میں چلی جاتی ہے۔ اور اسی کو قرآن نے یوں تعبیر کیا:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○

"اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو' اس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو ایسے ہی لوگ اپنے مال کو دگنا اور سہ گنا کرنے والے ہیں۔" (الروم:39)

اس فلسفے کے بعد کفر کے وبال کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں بندوں کو داخل ہونے کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت میں بازپُرس کی حقیقت واضح فرماتے ہیں۔

مجرم حشر کے میدان میں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ○

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ

fat.com

إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَٰكِنَّكُمْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○
فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ○
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِن جِئْتَهُم
بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ○
كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ○
فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ○

''اور جب ساعت برپا ہوگی یعنی قیامت کی گھڑی جب آجائے گی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی بھر سے زیادہ دنیا میں نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں بھی دھوکا کھایا کرتے تھے۔ مگر جو علم اور ایمان سے بہرہ مند کئے گئے تھے۔ وہ کہیں گے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق تو تم روزِ حشر تک پڑے رہے ہو۔ سو یہ وہی روز حشر ہے لیکن تم جانتے نہ تھے۔ پس وہ دن ہو گا جس میں ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی۔ اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لئے کہا جائے گا۔ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا ہے۔ تم خواہ کوئی نشانی لے آؤ' جن لوگوں نے ماننے سے انکار کردیا ہے' وہ یہی کہیں گے کہ تم باطل پر ہو۔ اس طرح اللہ مہر لگا دیتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو بے علم ہیں۔ پس اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) صبر کرو۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور وہ لوگ آپ کو ہرگز ہلکا نہ پائیں جو یقین نہیں لاتے۔'' (الروم:55-60)

قیامت کے روز یہ منظر ہو گا کہ اللہ کے سامنے مجرم لوگ قسمیں کھائیں گے کہ ہم تو دنیا میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نہیں رہے۔ یہ نہیں کہ وہ اللہ کے سامنے جھوٹ بول رہے ہوں گے یا جھوٹی قسمیں کھا رہے ہوں گے۔ بلکہ دنیا کی زندگی' عیش و آرام اور ساری آسائشیں وہاں خواب ہو کر رہ جائیں گی۔ اور زندگی کے ساٹھ' ستر' اسی' نوّے سال انہیں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نظر نہیں آئیں گے۔

ساز ہستی کی صدا غور سے سن
کیوں ہے یہ شور بپا غور سے سن

دن کے ہنگاموں کو بیکار نہ جان
شب کے پردوں میں ہے کیا؟ غور سے سن

چڑھتے سورج کی ادا کو پہچان
ڈوبتے دن کی ندا غور سے سن

Marf

اکثر اہلِ شرک، شرک کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر شرک کرتے ہیں

ایک اور بات وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ دنیا میں انہوں نے کبھی شرک نہیں کیا:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○

"اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہ تھے۔"

وہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم سے اور گناہ یقیناً ہوئے مگر ہم نے شرک کبھی نہیں کیا۔ کیونکہ جس قدر شرک انہوں نے زندگی بھر میں کیا، وہ اس کو شرک سمجھتے ہی نہ تھے۔ اس جہالت کے باعث انہیں آخرت میں ندامت نہ ہوگی۔ بلکہ اس کو عین توحید سمجھتے رہے اور یہ بات اس وقت سمجھ میں آئے گی جب وہاں بازپرس ہوگی۔ اور پھر فرمایا کہ دیکھو صبر کرو اور کوئی ایسا عمل نہ کرنا کہ بے ایمان لوگوں کے سامنے تم ہلکے پڑ جاؤ یا تمہاری شخصیت بے وزن ہو جائے۔ بلکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان نہیں ہے، وہ اپنے آپ کو تمہارے سامنے ہلکا اور بے وزن محسوس کریں۔

Marfat.

Marf

سورہ لقمان (۳۱)

نام

سیدنا لقمان کی نصیحتوں کا تذکرہ اس سورۃ میں ہے۔ اسی مناسبت سے لقمان نام قرار دیا گیا۔

زمانۂ نزول

اس سورۃ کا نزول اس دور میں ہوا جو مکہ میں مسلمانوں پر مصائب کا دور تھا اور والدین کے حقوق کے حوالے سے نوجوانوں کو دینِ اسلام سے روکنے کی سازش تیار کی گئی تھی۔ اس سورۃ میں بتایا گیا کہ والدین کے سارے حقوق ادا کرنا مومن پر لازم ہے مگر والدین کے حکم پر شرک نہیں اپنایا جا سکتا۔

مضامین

توحید کی سچائی اور معقولیت، شرک کی نامعقولیت و لغویت کے ذکر کے بعد آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے روکا گیا اور ان تعلیمات پر غور و تدبر کی دعوت دی گئی جو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں قدیم فلسفی سیدنا لقمان کے اقوال کا ذکر کیا گیا کیونکہ واقعاتِ گزشتہ اور ضرب الامثال بات کی وضاحت میں مفید کردار ادا کرتے ہیں۔ اور اس دور میں لقمان کی حکمت و دانش کا ذکر اس دور کے شعراء و خطباء کے ہاں مروج بھی تھا۔
اخلاقیات کے ضمن میں اقامتِ صلوٰۃ، زکوٰۃ کی ادائیگی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، صبر و شکر، اعمال صالحہ اور اطاعت والدین کا ذکر ہے جبکہ تکبر، شرک، کفر، گمراہی اور دین کے استہزاء سے رکنے کی تلقین کی گئی ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝
هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ نیکو کاروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ جو نماز کی پابندی کرتے' زکوٰۃ ادا کرتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔" (لقمان: 1-5)

نیکو کار کون؟

سورۃ کا آغاز قرآنِ مجید کی عظمت اور ثمرات کے ذکر کے ساتھ ہے کہ یہ کتاب صرف نیکو کاروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس مقام پر ایک وضاحت ضروری ہے کہ نیکو کار کون ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ نیکو کار ایک مافوق الفطرت قسم کا انسان ہوتا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا حالانکہ نیکو کار سے مراد وہ شخص ہے کہ جو نیکی کے کاموں کا عزم کرلے اور اس کے مختلف درجات ہیں:

1- ایک کافر کی نیکی یہ ہے کہ وہ ہدایت کی تلاش میں نکل کھڑا ہو۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔

2- ایمان کی قبولیت کے بعد نیکی یہ ہے کہ آدمی ارکان اسلام پر کاربند ہو جائے۔

3- اور پھر ہر لمحہ سُنّت و مستحبات کا اہتمام اس انداز سے کرے کہ اس کی اپنی شخصیت وذات فنا ہو جائے اور وہ خالق کے احکام اور سُنّتِ نبوی کا ایک چلتا پھرتا نمونہ نظر آئے۔

عام طور پر ہم نیکو کار کے آخری معنی کو لے لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ نیکو کار کو مزید کیا ہدایت ملے گی؟ یہ بات اس انداز سے درست نہیں۔ اس لئے قرآنِ مجید ہر انسان کے لئے وہ چاہے جس درجہ اور جس مقام پر بھی ہے' ہدایت اور رحمت ہے۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی طلب پیدا ہو جائے اور پھر یہی طلب کامیابی کی تمام

.com

منازل سے ہمکنار کرے گی۔

بدکرداری کے علمبردار

اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس طلبِ رحمت کے جذبہ کو ختم کرنے یا کم از کم بھکانے کے لئے مختلف حربے اختیار کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِىْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

"اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو بے ہودہ حکایات (و آلات) خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کی جہالت کے سبب اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اس سے استہزاء کریں۔ یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا اور جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر منہ پھیر لیتے ہیں۔ گویا ان کو اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں بوجھ ہو۔ ان کو درد دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔" (لقمان: 6-7)

اس میں وہ سارے لوگ شامل ہیں جو ایسے آلات بناتے' خریدتے اور استعمال کرتے ہیں جن کے باعث انسان کو گمراہی کے راستوں پر دھکیلا جا سکے۔ اس آیت کے ذیل میں مفسرین و محدثین نے آلاتِ مزامیر (گانے بجانے کے آلات) اور ان حکایات اور کہاوتوں کو شمار کیا ہے جن کی لذت و سرور میں عام انسان بہ جاتا اور احکامِ الٰہی سے دور ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کے لئے دو قسم کے عذاب کا ذکر ہوا ہے:

نمبر1- ذلیل کرنے والا عذاب۔

نمبر2- دردناک عذاب۔

اور آج ہماری اکثریت اسی گمراہی و ضلالت کی راہ پر چلتی ہوئی اپنے عبرتناک انجام کو قریب کر رہی ہے۔

اثباتِ توحید اور لقمان

اس ذکر کے بعد توحید کے اثبات اور شرک کی تردید پر دلائل ہیں اور پھر سیدنا لقمان کی نصیحتیں ہیں۔ یہ لقمان کون تھے؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے دور میں یہ حبشی غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت و دانش سے نوازا تھا۔ یہاں ان کی ان نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

Marfat.

لقمان کی نصیحتیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ ○

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ○

"یاد کرو جب لُقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضُعف پر ضُعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا۔ اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے' اور ہم نے اس کو یہ تاکید کی کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے لیکن والدین اگر تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر۔ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے۔ اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ

تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔ اور لقمان نے کہا تھا کہ بیٹا کوئی چیز رائی کے دانہ برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو' اللہ اسے نکال لائے گا' وہ باخبر ہے۔ بیٹا نماز قائم کرنے کا حکم دے۔ بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے' اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ لوگوں سے منہ پھلا کر بات نہ کر۔ نہ زمین پر اکڑ کر چل۔ اللہ کسی خود غرض اور فخر کرنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال پیدا کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ اور سب آوازوں سے زیادہ بُری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔" (لقمان: 13-19)

یہ لقمان کی نصیحتیں ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی ہیں۔ اس میں شرک سے روکنا اور توحید کی طرف بلاتا ہے۔ اس کے فوراً بعد والدین کے حقوق اور ان سے نرمی کا حکم ہے اور فرمایا کہ خدانخواستہ وہ تجھے دینِ حق سے ہٹائیں تو دُنیوی معاملے میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ لیکن پیروی ان کی بجائے اللہ والوں کی کرو اور فرمایا کہ تم جیسے بھی اعمال کرو گے' جہاں کہیں بھی کرو گے' وہ اعمال آسمانوں میں ہوں' زمین میں ہوں یا کسی چٹان میں ہوں' وہ نہ اللہ تعالیٰ سے چھپے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ انہیں بھولے گا' وہ انہیں نکال کر لے آئے گا۔

نماز' امر بالمعروف' نہی عن المنکر' صبر اور اخلاقِ حسنہ کی تلقین کی کہ لوگوں کے ساتھ بات کریں تو اس طرح سے نہیں کہ اس میں تکبر کا پہلو ہو اور چال ڈھال بھی ایسی نہ ہو جس میں تکبر کا پہلو ہو۔

؎ بات اتنی سی ہے اے واعظِ افلاک نشیں
کیا ملے گا اسے یزداں جسے انسان نہ ملا

توحید اور روایت پرست جاہلوں کا کردار

ان نصیحتوں کے بعد پھر مسئلہ توحید کی عظمت کو اجاگر کیا اور روایت پرست جاہلوں کی ایک بات بیان فرمائی:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی' اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگر شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی؟)" (لقمان: 21)

کُفّار کسی بھی دور کے ہوں' وہ تعلیماتِ حق کے مقابلے میں ہمیشہ یہی بات کہتے ہیں کہ ہم ان روایات اور قدروں کو نہیں چھوڑ سکتے جو ہمارے باپ دادا کی ہیں۔ ان کو سمجھایا گیا کہ غور کرو کہ اگر تمہارے باپ دادا کو شیطان نے بھکا رکھا ہو اور وہ دوزخ کے عذاب کی جانب بڑھ رہے ہوں اور تمہیں اس بات کا پتا بھی چل جائے تو پھر کیا کرو گے؟

Marfat.

~ تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی چھوڑ خضر کا، دریا بھی چھوڑ دے

نیکوکاروں کا انجام

اس کے بعد راہِ حق کو اپنانے والوں کا انجام مذکور ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ

"اور جس شخص نے اپنا آپ اللہ کے حوالے کر دیا اور نیکوکار بھی رہا تو اس نے مضبوط دستاویز ہاتھ میں لے لی۔" (لقمان:22)

گویا نجات کا راستہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ مضبوط دلائل والی کتاب پر گامزن ہو جاؤ۔ اور بایں ہمہ اگر کچھ لوگ کفر پر اڑے رہیں تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ خود نبٹ لے گا۔ کیونکہ جب ان سے آسمان و زمین اور دیگر مخلوقات کی تخلیق کی بابت سوال کیا جاتا ہے تو وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری کے نمونے ہیں۔ مگر عبادت میں شرک کرتے اور گمراہی اپناتے ہیں۔

صفاتِ الٰہیہ کا لامتناہی ہونا

پھر بتایا کہ زمین کے سارے درخت قلم اور سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ زمین و آسمان اور ساری مخلوق کی تخلیق اللہ کے ہاں اس قدر ہی ہے جیسے ایک انسان کا پیدا کرنا۔

~ ہم خاک کے پتلوں نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے
تو اس سے بھی برتر ہے، تو اس سے بھی اعلیٰ ہے

وہ قادرِ مطلق ہے اس نے رات، دن، سورج، چاند، کشتی، دریا، سمندر سبھی کچھ ہمارے تابع کر دیا ہے تاکہ ہم ان سے فوائد حاصل کریں۔ لیکن انسان ناشکرا اور ناقدرا ہے۔ وہ جب مصائب و مشکلات میں گھر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگتا ہے اور جب نجات مل جاتی ہے تو پھر بہک جاتا ہے۔

برائی سے بچنے کے لئے ڈھال

ان حقائق کے اظہار کے بعد انسان کو ایک ایسی بات کہی جو انسان کو گمراہی و ضلالت سے بچنے میں حد درجہ معاونت بہم پہنچاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا

.com

مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○

"لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو اور ڈرو اس دن سے جب کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہو گا۔ فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ اور نہ دھوکہ باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے پائے۔" (لقمان: 33)

دھوکا باز سے مراد انسان کا کھلا دشمن یعنی شیطان ہے جو انسان کو بے بنیاد اُمیدیں فراہم کر کے عمل اور جدوجہد سے غافل کر دیتا ہے۔ ایک خطرناک دھوکا یہ ہوتا ہے کہ فلاں حضرت کی ارادت کام آئے گی' وہ آخرت میں دستگیری فرمائیں گے اور حساب و کتاب کی نوبت ہی نہ آنے دیں گے۔ آیتِ مذکورہ میں اس بات پہ زور دیا گیا ہے کہ پیر صاحب کا رشتہ تو بہت دور کا ہے' یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے اور بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آ سکے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا خود ذِمّہ دار ہو گا۔ ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔

ایسی صورتِ حال میں بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی کے آنے کی مجال نہیں الآیہ کہ اللہ تعالیٰ خود چاہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تن تنہا خود جواب دہ ہے۔ چنانچہ ایک ہی حل ہے کہ ہر شخص الگ الگ خود اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ سیدھا کر لے اور اپنے رب کے غضب سے ڈر کر رہے۔

قیامت

قیامت کے بارے میں فرمایا کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ کوئی کسی کا بدلہ نہیں بنے گا۔ کسی کے عمل کی سزا کوئی اور شخص نہیں اٹھائے گا۔ کسی شخص کا عمل کسی دوسرے شخص کے عمل کے لئے گناہ کے لئے کفارہ نہیں بنے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے عمل کا خود ذِمّہ دار ہو گا اور تنہا اللہ کے سامنے پیش ہو گا۔ یہاں عیسائیت کا وہ مشہور عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر لٹک کر خود جان دے کر سب لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا' غلط ثابت کیا گیا۔

اسی لئے فرمایا کہ یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہاں کے غلط عقائد تمہیں دھوکے میں نہ ڈالیں۔ یہ غلط عقائد گھڑنے والا شیطان ہے جو دھوکے باز ہے اور تمہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے کہ میرے گناہوں کا کفارہ یا کسی کی سفارش یا کسی کا آستانہ میرے کام آجائے گا۔ یقین کر لیجئے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ صرف اپنے عمل اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کام آئے گی۔

حقیقی اور کامل علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

اس سورۃ کی آخری آیت میں ان پانچ چیزوں کا ذکر ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

"بلاشبہ اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بلاشبہ اللہ سب باتوں کو جاننے والا باخبر ہے۔" (لقمان:34)

1- قیامت

2- بارش کا اترنا۔ یہاں یہ اعتراض ممکن ہے کہ محکمہ موسمیات والے کچھ پیش گوئیاں کرتے ہیں تو یاد رکھئے کہ بارش کے نازل ہونے کے ذکر میں صرف بارش کے نزول کی خبر اور پیش گوئی نہیں بلکہ بارش کی مقدار، مقام، وقت بارش کے پانی کے فوائد و نقصانات اور اس کے اثرات سبھی کچھ مراد ہیں۔

3- حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ اس سلسلے میں بھی الٹراساؤنڈ (Ulterasound) ایک جدید طبی آلہ ہے جس سے جنین کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں مگر یہاں مراد یہ ہے کہ اس حاملہ سے پیدا ہونے والا نر ہے یا مادہ، زندہ رہے گا یا نہیں۔ کتنی زندگی پائے گا، کیا عمل کرے گا؟ کیا کمائے گا اور کیا کھائے گا۔ اس کا نزول و قیام کتنا، کہاں کیسے اور کب ہو گا وغیرہ! یہ سبھی چیزیں مراد ہیں۔

4- کل کیا ہونے والا ہے؟ ہر متنفس کے آئندہ دن اور زندگی کے معمولات کیا ہوں گے؟ گو کہ ہم پروگرام مرتب کرتے ہیں مگر وہ پروگرام اکثر خراب بھی تو ہو جاتے ہیں گویا ہم اپنے پروگرام حتمی طور پر ترتیب نہیں دے سکتے۔ اسی لئے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عَرَفْتُ رَبِّي بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ "میں نے عزائم کے پورا نہ ہو سکنے سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔"

یعنی ہم نے پروگرام بھی ٹھیک ٹھاک بنایا تھا۔ عزم بھی پختہ تھا۔ اسباب بھی فراہم کر لئے تھے۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم اپنے عزم میں کامیاب نہ ہوتے مگر عملاً یہ دیکھا کہ کسی غیبی طاقت نے سارا کھیل بگاڑ دیا، اسباب بے وقعت ہو کر رہ گئے، پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا اور عزم پورا نہ ہوا۔ یہ غیبی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

5- کسی متنفس کی موت کہاں آئے گی؟

اس کا علم حاصل کرنے میں تو انسان مکمل طور پر عاجز ہے۔

.com

سورہ الٓم السجدہ (۳۲)

نام

مضمون سجدہ کی مناسبت سے یہی نام قرار دیا گیا۔

زمانۂ نزول

مکّی زندگی کا دورِ متوسط اس سورۃ کا زمانۂ نزول ہے۔

مضامین

توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق اہلِ مکّہ کے شکوک و شبہات کا ازالہ اور دعوتِ ایمان اس کا مرکزی نکتہ ہے۔ اہلِ مکّہ جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت سوچتے تھے کہ یہ شخص بھی عجیب احوال کا مالک ہے۔ جنّت و دوزخ، رسالت اور محاسبۂ آخرت وغیرہ کا ذکر کرتا ہے۔ ایسا کیونکر ممکن ہے جب کہ انسان تو مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا؟

اس سلسلے میں فرمایا کہ یہ سب کچھ افتراء نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ ان قرآنی حقائق کے بعد اپنی اور اس کائنات کی تخلیق پر غور کرو گے تو تمہاری عقل بھی یہی فیصلہ دے گی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ فرما رہے ہیں۔

عالمِ آخرت کا ایک نقشہ دکھا کر ایمان کے ثمرات اور نتائج کا ذکر کیا گیا ہے اور جس عذاب کا مطالبہ اہلِ مکّہ کر رہے ہیں، اس کے لئے اہلِ مکّہ کی تجارتی گزرگاہوں پر تباہ شدہ بستیوں کو بطور گواہ پیش کیا اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا عذاب اتارنے سے قبل تنبیہہ فرمایا کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ واضح کیا کہ اگر آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چند غلام اور نوجوان سن رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ معاملہ جلد نپٹ جانے والا ہے بلکہ یہ غلام اور نوجوان اس زمین پر ایک بڑے انقلاب کا ہراول دستہ ہیں۔

سورۃ کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ سن کر فیصلہ کُن گھڑی کی بابت پوچھتے ہیں تو فرما دیں کہ جب وہ فیصلہ کُن گھڑی آجائے گی تو اس وقت تم کوئی فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔

اس سورۃ میں سجدہ، تسبیح اور انفاق فی سبیل اللہ کی عظمت اور فسق و تکذیب سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

Marfat.

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓ ۝ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ۚ بَلۡ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ۝

"اس میں شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا تمام جہان کی رب کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے از خود بنا لیا ہے؟ (نہیں) بلکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے تاکہ تم لوگوں کو ہدایت کرو جن کے پاس پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا شاید کہ وہ ہدایت پا جائیں۔"

(السجدہ:1-3)

اس آیت میں وضاحت کردی گئی کہ یہ کتاب بلاشبہ ربُّ العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور یہ پیغمبرِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی من گھڑت نہیں بلکہ اللہ نے اس کو اس لئے نازل فرمایا کہ اہلِ مکہ جن کے پاس اب تک کوئی آسمانی کتاب نہ آئی تھی، ان کو راہِ ہدایت دکھا دی جائے۔ پھر اس کتاب کے نازل کرنے والے کی عظمت کا ذکر ہے۔

متشابہ آیت

اس میں ایک لفظ ایسا ہے جس کو متشابہات میں سے شمار کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ

"پھر وہ عرش پر جا ٹھہرا" (السجدہ:4)

اس "اِستوی" کی کیفیت کیا ہے؟ اور عرش کی ہیئت کیسی ہے؟ اس کا ذکر نہ قرآنِ مجید میں ہے اور نہ کُتبِ حدیث میں اس کی صراحت ملتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی کیونکہ جو چیزیں انسانی عقل و شعور سے ماوراء ہیں اور ہدایت کے لئے ان کا علم ضروری نہیں، ان کے بارے میں بس اجمالی ایمان کافی ہے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے اور بس! اور اسی ذکر میں فرمایا کہ زمین و آسمان کے تمام امور کی تدبیر اور انتظام اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

.com

ایک شاعرانہ تخیل کی تردید

اس موقع پر ایک شاعرانہ تخیل کا ازالہ ازبس ضروری ہے کیونکہ شاعر لوگ اکثر اوقات ترنگ میں ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اعتقادی خرابی کا سبب بنتے ہیں۔ ایسا ہی ایک شعر ہے:۔

احد سے احمد کو احمد سے تجھ کو
اب سب کن مکن تجھ کو حاصل ہے یا غوث

اس شعر میں بڑی وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اختیارات کا مالک محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا گیا ہے۔ اور اس میں واسطہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بتایا گیا۔ اور کہا گیا کہ اب اس کائنات میں تمام امور کے کرنے یا نہ کرنے کے اختیارات شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہیں۔ معاذ اللہ اس قسم کی خرافات شاعر لوگ گھڑتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن واضح طور پر اعلان کر رہا ہے کہ زمین و آسمان کا سارا انتظام اسی کے پاس ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ

"وہی آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔" (السجدہ:5)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات میں وحدانیت کا ذکر ہے کہ

1- ظاہر و پوشیدہ ہر چیز کا عالم وہی ہے۔
2- انسان کو اس نے بہترین انداز سے پیدا کیا ہے۔
3- انسان کی تخلیق کے بعد اس کی نسل کی بقاء کا سامان پیدا کیا۔
4- انسان کو کان، آنکھ اور دل عطا کئے تاکہ انسان غور و تدبر کر کے اپنے خالق کو پہچانے۔

زندگی ایک ہی مرتبہ ملتی ہے

اسلام کے بنیادی عقائد میں توحید کے بعد موت کے بعد کی زندگی کا معاملہ آتا ہے۔ اس سلسلے میں کُفار مکہ کے اعتراضات کا ازالہ کیا گیا اور بتایا کہ یہ لوگ جب قیامت کے روز اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو اس وقت یہ التجا کریں گے کہ ہمیں صرف ایک مرتبہ دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ ہم ایمان و یقین کے ساتھ اعمال صالح کریں اور نجات کا سامان لے کر آئیں۔ لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ازلی فیصلہ یہ ہے کہ زندگی اور اس کی نعمتیں صرف ایک مرتبہ ہی عطا کی جائیں گی اور اس زندگی میں عقل مند انسان وہی ہے جو اللہ کا ذکر اور حکم سن کر سر تسلیم خم کرلے اور اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جائے۔ اس سورۃ میں یہ حکم اسی آیتِ سجدہ میں مذکور ہے۔ جس میں

fat.com

اہلِ دانش اور اہلِ ایمان کی یہ علامت بیان کی گئی۔

اہلِ دانش کی علامات

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩

"ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور غرور نہیں کرتے۔" (سجدہ:15)

نیز فرمایا کہ اہلِ ایمان کی یہ بھی علامت ہے کہ

1- وہ رات کو بچھونوں سے نکل کر امید و خوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔

2- اللہ کی دی ہوئی دولت اور صلاحیتوں کو اس رضا کے حصول کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

جو تیری یاد سے معمور و نغمہ خواں گزرے
وہ لمحے کتنے حسین، کس قدر جواں گزرے
کہاں وہ جائے تیری بزمِ ناز سے اٹھ کر
تیرے بغیر جسے زندگی گراں گزرے

سرکش کون؟

ان کے مقابل سرکش لوگوں کا ایک طبقہ ہے۔ ان کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ۝

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیت سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ پھیر لے؟ ہم گناہ گاروں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔" (السجدہ:22)

اس نصیحت کی ایک مثال سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات ہیں جن کو اہلِ مکہ یہود کے کہنے پر حق سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان تعلیمات کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل مذکور تھے مگر سرکش و متکبر کافر پھر یہ سوال کرتے کہ جس عذاب کا وعدہ ہے، وہ کب آئے گا۔

.com

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○
قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ○

"اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہو گا؟ کہ دیجئے کہ فیصلے کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ پس تو ان سے منہ پھیر لے اور انتظار کر۔ یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔" (السجدہ:28-30)

fat.com

Marf

سورہ الاحزاب (۳۳)

نام

کُفّارِ عرب کے سبھی گروہوں نے مل کر مدینے پر یلغار کر دی۔ اس ضمن میں اس سورۃ میں احکام و تفصیلات مندرج ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورۃ کا نام "الاحزاب" رکھا گیا جس کا معنی ہے "بہت سے گروہ" احزاب کا واحد حِزْبٌ ہے۔

زمانہِ نزول

5 ہجری اس سورۃ کا زمانہِ نزول ہے۔

تاریخی پسِ منظر

شوال 3 ہجری میں اُحد کے مقام پر معرکہ ہوا جس میں گھاٹی پر متعین تیر اندازوں کی غلطی سے مسلمانوں کو بہت سا جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس سے مشرکین عرب، یہود اور منافقوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ مسلمانوں کو مٹانے کے لئے تجویزیں طے کرنے لگے۔ نجد کے بنی اسد نے مدینے پر چھاپہ مارنے کا پروگرام بنایا۔ جس کی سرکوبی کے لئے ابو سلمہؓ کی سرکردگی میں مہم روانہ کی گئی۔ اس کے بعد نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل کو دینِ حق کی تعلیم دینے کے لئے مبلغین کے جو وفود روانہ کئے، ان کو دھوکے سے یا یلغار کر کے شہید کر دیا گیا۔

خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بنو نضیر نے سازش کی اور نعوذ باللہ آپؐ کے قتل کا پروگرام بنایا۔ جب آپؐ کو علم ہوا تو آپؐ نے اس قبیلہ کے سارے افراد کو مدینہ بدر کر دیا۔ غزوہٗ ذات الرقاع بھی اس دور میں ہوا۔ ان چھوٹے اور مختلف واقعات نے کُفّارِ عرب پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ اور کُفّار کو یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کو یوں آسانی سے نہیں مٹایا جا سکتا۔ انہوں نے ایک بڑے اور بھرپور حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شوال 5 ہجری میں دس ہزار سے زائد کُفّار جمع ہو کر مدینے پر غارت گری کے لئے روانہ ہوئے۔

ادھر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سارے معاملات سے بے خبر نہ تھے۔ آپ دشمنوں کی نقل و حرکت سے مکمل طور پر باخبر اور آگاہ تھے۔ آپؐ نے فوراً مقابلے کی تیاری کا حکم دے دیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مشورے سے اس بار یہ طے پایا کہ مدینے کے اندر رہ کر کُفّار کا مقابلہ کیا جائے۔ مدینے کی جغرافیائی صورت حال یوں تھی کہ جنوب میں باغات کا ایک سلسلہ تھا۔ مشرق کی طرف (لاوے کی چٹانیں) پہاڑی سلسلہ اور اسی طرح مغرب کی طرف بھی کچھ اسی قسم کے سلسلوں سے محفوظ تھی۔ حملے کے لئے صرف شمال کی جانب سے خطرہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانب خندق کھود کر دفاع کا فیصلہ کیا۔ خندق کھودنے کے سلسلے میں آپؐ نے خود صحابہؓ کے ساتھ مل

کر کام کیا۔ عرب لڑائی کے اس انداز سے بالکل ناواقف تھے۔ خندق دیکھ کر ٹھٹک گئے اور مجبوراً انہوں نے محاصرے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ محاصرہ طول پکڑ تا گیا اور 25 روز تک سخت سردی کے موسم میں ان لوگوں کو خیموں میں ٹھہرنا پڑا۔ محاصرے کی اس طوالت نے کُفّار کے قبائل اور گروہوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ جس کے باعث سپاہیوں میں بے دلی پیدا ہو گئی۔ کھانے پینے کا سامان اور جانوروں کا چارہ ختم ہونے لگا۔ ایک رات شدید طوفان بادوباراں نے ان کو آلیا۔ کڑک' چمک کے ساتھ آندھی اس قدر شدید تھی کہ خیمے اُڑنے لگے۔ اس افراتفری میں ہر شخص نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ صبح کی روشنی میں مسلمانوں نے اللہ کی اس قدرت کا مشاہدہ کیا۔ دشمن میدان خالی چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اس پر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خوشخبری سنائی:

لَنْ تَغْزُوْكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ

"تمہارے اس سال (لڑائی) کے بعد قریش تم پر حملہ آور نہ ہوں گے بلکہ تم ان پر حملہ آور ہو گے۔"

(بخاری)

غزوۂ خندق (الاحزاب) کے بعد غزوۂ بنی قریظہ بھی اسی دور میں ہُوا جس کا سبب یہ بنا کہ جن یہودی قبائل کو مدینے سے سازشیں کرنے کی وجہ سے نکالا گیا تھا' انہوں نے مدینے کے گردونواح میں رہائش اختیار کر کے جوڑتوڑ اور سازشیں شروع کر دیں۔ غزوۂ خندق کے دوران میں بھی بنو قریظہ نے بدعہدی کی۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے 15 سو تلواریں' 3 سو زرہیں' دو ہزار نیزے اور 15 سو ڈھالیں جمع کر رکھی تھیں تاکہ جب کُفّار اہلِ مدینہ پر یلغار کریں تو مدینے کے اندر سے یہود بھی مسلمانوں کے خلاف لڑائی کا آغاز کر کے مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کر دیں۔ غزوۂ خندق کے بعد فیصلے کے لئے یہ طے پایا کہ قبیلہ اوس کے سردار سعدؓ بن مُعاذ اس موقع پر جو فیصلہ کریں گے' بنو قریظہ کو یہ منظور ہو گا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ نے یوں اپنا تاریخی فیصلہ سنایا:

"ان کے سارے مرد قتل کر دیئے جائیں' عورتیں اور بچے غلام بنا لئے جائیں اور ان کی املاک ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں۔"

اس تاریخی پسِ منظر کے بعد سورۃ کے مضامین سے قبل اس دور کی معاشرتی اصلاحات کا ایک جائزہ لینا بھی ضروری ہے کیونکہ اس دور کی معاشرتی اصلاحات تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس عرصے میں نکاح و طلاق کے احکام و قوانین کی تکمیل' قانون میراث کی تفصیلات' شراب اور جوئے کی حُرمت وغیرہ جیسی معاشرتی اصلاحات ہو چکی تھیں ----- اسی دور میں ایک اور معاشرتی مسئلہ مُتبنّیٰ بچہ گود لے کر پالنے کی بابت بھی اہم اقدام ہوا۔ اہلِ عرب اگر کسی بچے کو گود لیتے تو اس کے ساتھ بالکل حقیقی بیٹے جیسا سلوک کیا جاتا مثلاً وہ بچہ وراثت کا حقدار بنتا' اس کی منکوحہ کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا جو حقیقی بیٹے کی منکوحہ کا ہے یعنی اگر اس کو طلاق ہو جاتی تو وہ اس شخص کے لئے جس نے اس بچہ کو گود لیا تھا' اسی طرح حرام کہلاتی جیسے حقیقی بیٹے کی منکوحہ ---- اس سورۃ میں اس تخیل اور رواج کو بھی

.com

زائل کیا گیا۔ اس رسم کو توڑنے کے لئے خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اقدام کرنا پڑا جس کی صورت یوں بنی:

"حضرت زینبؓ (جو حضورؐ کی پھوپھی زاد تھیں) کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے کر دیا تھا جو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اہلِ خاندان نے اس بات کو ناپسند کیا لیکن اس فیصلے کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ اس لئے سبھی لوگ خاموش رہے لیکن جب عائلی اور گھریلو حالات کی بنا پر حضرت زیدؓ نے اپنی اہلیہ حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تو بحکمِ الٰہی آپؐ نے اُن سے نکاح کر لیا۔ شرعاً و اخلاقاً یہ بات قابلِ اعتراض نہ تھی مگر مشرکین اور منافقین جو سبھی میدانوں میں مسلمانوں سے پٹ چکے تھے انہوں نے اس مسئلے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اسلام کی انقلابی دعوت کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہا۔ اس سورت میں اس مسئلے کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ شرعی طور پر اس مسئلے کی حقیقت کیا ہے؟

اس پر مستزاد یہ کہ آپؐ نے جب حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا تو اس سے قبل آپؐ کے عقد میں چار ازواج موجود تھیں۔ بعض مسلمانوں کو اس پر وہم ہوا کہ شاید نکاح کے سلسلے میں چار سے زائد بیویوں کی اجازت ہو گئی ہے۔ اگر نہیں تو آپؐ کے اس نکاح کی بابت حقیقت کیا ہے؟ اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی:

خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

"یہ اجازت خاص آپؐ کے لئے ہے اور مسلمانوں کے لئے نہیں۔"

مضامین

گزشتہ صفحات میں اس سورۃ کے تاریخی اور معاشرتی پس منظر کا ایک جائزہ لیا گیا ہے۔ آیئے اب اس کے احکام و مضامین پر ایک نظر ڈالی جائے۔

(الف) حضرت زیدؓ کی تبنّیت (منہ بولا بیٹا ہونا) اور ان کے نکاح کے سلسلے میں یہ بتایا گیا کہ یہ جاہلیت کی رسم ہے جس کی شرعی طور پر کوئی بنیاد نہیں۔ اس رسم کا توڑنا آسان نہ تھا' اس لئے جوں ہی موقع ملا' ارشادِ ربانی کے تحت آپؐ نے اس رسم کو خود توڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مُتبنّٰی حضرت زیدؓ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کر کے اس رسم کو توڑ ڈالا۔

(ب) غزوات (الاحزاب و بنو قریظہ) کے دوران میں مختلف قبائل کے کردار پر روشنی ڈالی گئی اور آدابِ جنگ و صلح حسبِ ضرورت بیان کئے گئے۔

(ج) خانگی اور عائلی زندگی میں تنگ دستی و عسرت کے سلسلے میں ازواجِ مطہرات کو تنبیہہ کی گئی اور اختیار دیا گیا کہ اگر آپ (ازواج) اس عسرت و تنگ دستی پر صابر و شاکر نہیں تو دنیا اور اس کی زینت یا اللہ اور اس کے رسول میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کر لو۔

عائلی زندگی میں دوسرا اہم پہلو وہ ہے جس کی جانب حضرت عمرؓ بہت دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو توجہ دلا چکے

تھے کہ مسلم خواتین کی بلا پردہ آمد روفت سے منع کردیا جائے۔ اس کے لئے خاندانِ نبویؐ سے آغاز کیا گیا اور جاہلیت کے دور کے لباس و انداز اور غیر مردوں سے گفتگو اور میل جول سے منع کیا گیا۔

(ز) تعددِ ازواجِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں آپ کی خصوصیت اور منافقین کے پراپیگنڈے سے متاثر نہ ہونے کی تلقین کی گئی۔ اسی ذیل میں طلاق کی ایک شق کا بھی ذکر ہوا۔ نیز مسلمانوں کو عام زندگی میں تہمت و افتراء سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

(ح) خاندانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں آدابِ ملاقات، گھر میں غیر مردوں کی آمد روفت کا طریقہ اور سوال کے آداب بیان ہوئے۔ نیز اُمہات المؤمنین کو مسلمانوں کی مائیں کہا گیا اور ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نکاح کی حُرمت کا ذکر کیا گیا۔

(ط) افتراء و افواہ سازی پر فہمائش و تنبیہہ کے ساتھ مسلم خواتین کو حکم دیا گیا کہ جب گھر سے باہر کسی ضرورت کے تحت جائیں تو بلا پردہ نہ جایا کریں۔

.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چار اہم کام

سورہ کا آغاز نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے ساتھ ہے کیونکہ یہ ساری سورہ ہی اہم ترین معاملات زندگی سے متعلقہ احکام پر مشتمل ہے۔ آغاز میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے احکام دیئے گئے مگر یاد رہے کہ یہ احکام آپؐ کے توسط سے اُمّتِ مسلمہ کے ہر فرد کے لئے ہیں اور آپؐ سے خصوصی خطاب ان احکام کی عظمت کے پیشِ نظر ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝
وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝
وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

"اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں کا اور منافقوں کا کہنا نہ مانیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی برکت والا ہے اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلیے۔ بلاشبہ تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور اللہ کافی کارساز ہے۔"

(الاحزاب: 1-3)

اس آیتِ مبارکہ میں درج ذیل چار احکامات ہیں:

1- اِتَّقِ اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرتے رہیں۔
2- وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ۔ کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانا جائے۔
3- وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى ۔جو آپ پر وحی کی گئی اس کی اطاعت کیجئے۔
4- وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اللہ پر بھروسا کیجئے۔

مذکورہ بالا احکامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزول سے قبل بھی بطور خاص عمل پیرا تھے۔ مگر ان کی اہمیت

fat.com

کے پیشِ نظران کو دہرایا گیا تاکہ اُمت کے افراد ان کی عظمت کو جان لیں۔

معاشرتی رسوم کی اصلاح

اس تاکید کے بعد چند معاشرتی رسوم کی اصلاح کے لئے حکم ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کہ دیتا تو وہ اس سے ساری عمر کے لئے جُدا ہو جاتی اور اس کا کوئی کفّارہ وغیرہ نہ تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تو اس پر سارے احکام حقیقی بیٹے کی طرح ہی لاگو ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں احکام تبدیل کر دیئے۔ بیوی کے بارے میں ایسے کلمات کا کفّارہ اور تفصیل سورۂ مجادلہ میں اور منہ بولے بیٹے کے بارے میں اس کے بعد کی آیات میں تفصیل ہے۔

الف۔ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں اور نہ اس جیسے احکام اس پر نافذ ہوں گے۔

ب۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپ کی نسبت اور ولایت کے ساتھ ہی یاد کرو۔

اس حکم کا مختصر پسِ منظر اس سورۃ کے ابتدائیہ میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت زیدؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے' آپؐ کے ساتھ ان کی محبت وانس کے باعث بعض لوگوں نے ان کو زید بن محمدؐ کہنا شروع کیا تو اس پر یہ حکم نازل ہوا:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

"لے پالکوں کو ان کے اصلی باپ کے نام کے ساتھ پکارا کرو۔ یہی بات اللہ کے نزدیک درست ہے۔"

(الاحزاب:5)

مقام رسالت

البتہ یہ معاملہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ باپ کے ہیں تو فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ تو باپ سے بھی بڑھ کر ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

"نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔" (الاحزاب:6)

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

"اس وقت تک تم میں کوئی صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (مومن کو) اس کی اولاد' والدین اور سارے لوگوں سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" (بخاری)

نماز اچھی، روزہ اچھا، حج اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے، کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

ازواجِ مطہرات کا مقام

اس کے بعد اسی مناسبت سے نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی عظمت کو یوں اجاگر فرمایا:

وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ

"اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔" (الاحزاب:6)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ایسی مائیں ہیں جن کی عظمت و حرمت اور تقدس کی گو
خود قرآنِ کریم دے رہا ہے۔

ایک اہم حکم

اس مقام پر ایک بات بہت ہی احتیاط کے ساتھ یاد رکھنے کی ہے، فقہاء نے جس کی صراحت کی ہے کہ
اشخاص کی عظمت نصِ قرآنی سے ثابت ہے ان کی بابت گستاخانہ کلمات اور گفتگو کفر ہے۔ اس لئے بحیثیت مسلم
ہم کو اس مقام پر بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور اگر کوئی شخص ان ازواجِ مطہرات صلوٰت اللہ علیہن کی بابت
کلمات کہتا ہے تو وہ خود اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھے کیونکہ آگے چل کر اسی سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان ازواجِ مطہ
کی راحت و آرام کے لئے مسلمانوں کو کئی احکام کا پابند بنایا ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ان دو احکام کے بعد عام مومنوں کے حقوق کی حفاظت کا ذکر ہے۔

غزوہ الاحزاب کے موقع پر انعامات

ہم اس سے قبل ایک مقام پر ذکر کر چکے ہیں کہ کفارِ عرب مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کے لئے ہر وقت سو
رہتے تھے۔ غزوۂ بدر، اُحد اور دیگر سرایا اس بات کے شاہد ہیں مگر جب ہر دفعہ ناکامی ان کے گلے کا طوق بنی تو ان
نے یکبارگی زبردست تیاریوں کے ساتھ حملے کا تہیہ کیا اور ہزاروں نفوس کے ہمراہ مدینے پر حملہ آور ہوئے۔ اس
کچھ ذکر ہم اس سورۃ کے ابتدائیہ میں کر چکے ہیں۔ جب کفار نے اہلِ مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو ایک روز زبردست طوف
باد و باراں نے ان کو اپنا سامان لپیٹ کر واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ یہاں اس انعام کا ذکر فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا

عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا وَّجُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا ؕ

"اے ایمان والو! اس مہربانی کو یاد کرو جو تم پر اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی جب فوجیں تم پر حملہ آور ہوئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر نازل کئے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔" (الاحزاب:9)

اور اس کے بعد کی آیت میں کُفّارِ عرب کی تیاریوں اور محاصرے کا یوں ذکر فرمایا:

اِذۡ جَآءُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ وَاِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا ○

"جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی جانب سے تم پر چڑھائی کر آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل خوف کے مارے گلے تک آپہنچے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔" (الاحزاب:10)

یعنی اس وقت کفّار خوف و دہشت طاری کرنے کے سارے حربے اور سامان حرب جمع کر کے لے آئے تھے۔ ر اس وقت ان کی مکمل نمائش جاری تھی۔ ادھر تو مسلم حضرات کو شیطان طرح طرح کے خیالات کے ذریعے یشان کرنے لگا۔ کیونکہ وہ کیفیت ہی کچھ ایسی تھی:

هُنَالِكَ ابۡتُلِىَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِيۡدًا ○

"وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔" (الاحزاب:11)

ادھر منافقین حسبِ عادت اہلِ ایمان کے حوصلے پست کرنے کے لئے پراپیگنڈا کر رہے تھے:

الف۔ اب اللہ کی مدد نہ آسکے گی۔ کیونکہ پہلی فتوحات حادثاتی تھیں اور اللہ کی مدد و نصرت کا وعدہ محض فریب ہے۔

ب۔ اس موقع پر اہلِ مدینہ سے یہ بھی کہا گیا کہ تم سابق دین کی جانب پلٹ جاؤ۔

ج۔ اس صورتِ حال میں کچھ لوگ گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے۔

منافقین کے احوال

اس جگہ ان منافقین کے چند احوال بطورِ خاص عبرت کے لئے مذکور ہیں اور پھر ان کو اس دنیا کی ناپائیداری کی طرف یوں توجہ دلائی:

قُلۡ لَّنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡفِرَارُ اِنۡ فَرَرۡتُمۡ مِّنَ الۡمَوۡتِ اَوِ الۡقَتۡلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ○

قُلۡ مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَعۡصِمُكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ سُوۡٓءًا اَوۡ اَرَادَ بِكُمۡ رَحۡمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ○

.com

"اگر تم مرنے مارنے سے بھاگتے ہو تو تم کو یہ فائدہ نہ دے گا اور اس وقت تم بہت کم فائدہ اٹھاؤ گے۔ کہہ دیجئے! اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرلے تو کون تم کو اس سے بچا سکتا ہے یا اگر تم پر مہربانی کرنی چاہے (تو اس کو کون روک سکتا ہے؟) اور یہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست یا مددگار نہ پائیں گے۔"

(الاحزاب:16-17)

مقامِ نبوت

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝

"درحقیقت اللہ کے ہاں رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں' ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔" (الاحزاب:21)

قرآنِ مجید اللہ تعالٰی کا پیغام ہے اور رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغام لانے والے پیغامبر ہیں اور اس پیغام کو جو شخص قبول کرلے' وہ مسلم اور مومن ہے۔ اس پیغام قرآنِ مجید کو سب سے زیادہ قبول کرنے والے اور سب سے پہلے وصول کرنے والے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس پر سب سے زیادہ عمل کرنے والے بھی۔ اس لئے تلقین کی گئی کہ جو شخص قرآنِ مجید پر عمل کرتا ہے' اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو اور آپؐ کی زندگی کو پوری طرح اپنالے۔ اور اس میں کوئی جھول اور خرابی نہ رہنے دے۔

اتباع کے لئے ایک مثال

میں اس کی ایک مثال عرض کیا کرتا ہوں کہ ہم درزی کو کپڑا دیتے ہیں کہ بھئی ہمیں ایک سوٹ سی دو۔ اور پھر ایک سلا سلایا سوٹ بطور نمونہ دیتے ہیں۔ اب اگر درزی اس نمونے کی بجائے اپنی پسند سے کوئی اور چیز بنا کردے یا ناپ وغیرہ بدل دے تو جب وہ سوٹ آپؐ کے پاس آئے گا تو آپؐ یہی کہیں گے کہ یہ ہماری پسند اور ہمارے دیئے ہوئے نمونے کے مطابق نہیں ہے بلکہ تم نے ہمارا کپڑا بھی خراب کردیا ہے اور اب تم اس کا ہرجانہ ادا کرو۔

تو ایسی ہی بات قیامت کے دن ہمارے ساتھ بھی ہوگی۔ اللہ تعالٰی نے ہمیں زندگی' قوت' صلاحیت اور وقت دیا۔ یہ ساری چیزیں بطور امانت ہیں۔ اور ان سب چیزوں کو استعمال کرنے کے لئے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بطور نمونہ ہمیں عطا کی۔ اب جتنی زندگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہوگی' وہ تو ساری قبول اور باقی ساری اٹھا کر ہمارے منہ پر دے ماری جائے گی۔

علامہ اقبال نے یہی کہا کہ

؎ بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(ترجمہ) اپنے آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچا دو کہ سارے کا سارا دین آپ کی ذاتِ گرامی ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تم نہیں پہنچ پائے، اُن کا اتباع نہیں کیا، ان کی زندگی کو نہیں اپنایا تو پھر باقی سارے دعوے بولہبی ہیں۔

؎ عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفیٰ

(ترجمہ) عقل کی عیاری میں نہ آؤ۔ اسے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قدموں میں قربان کر ڈالو۔

چیونٹی کا شوق---اتباع وحُبِ رسول کی عُمدہ مثال

اس سلسلے میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی میں ایک دلچسپ قصّہ لکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی کو حرم پاک جانے کا شوق پیدا ہوا کسی نے بتایا کہ یہ حرم پاک کا کبوتر بیٹھا ہے، اس کے پاؤں سے لپٹ جاؤ جب یہ حرم میں جائے گا تو تم بھی پہنچ جاؤ گی۔

؎ بود مورے، ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

اس مثال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اگر آپ بھی پہنچنا چاہتے ہیں تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قدموں سے لپٹ جائیے۔ وہ خدا کے حضور پہنچیں گے تو آپ بھی پہنچ جائیں گے اور اگر اس راہ میں جان بھی قربان کرنا پڑے تو کر گزرو۔ قرآن کی آیت کہتی ہے کہ نبی مومنین کے لئے اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز تر ہیں اور اگر یہ نہیں تو ایمان ہی نہیں۔

؎ اے خاکِ درگہِ تو جبینِ نیازِ ما
قربانِ یک نگاہِ تو عمرِ درازِ ما

حیدر آباد دکن کے نواب عثمان علی خان نے اسی مضمون کو ایک اور رنگ میں یوں کہا ہے:

؎ تھوڑی سی اگر خاک تری راہ گزر کی
مل جاتی تو بن جاتی دوا دردِ جگر کی

دراصل ایمان کی بنیاد محبت ہے۔ اگر محبت کا درجہ حرارت دھیما پڑ جائے تو ایمان کمزور پڑ جاتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

"لوگو! تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے باپ' اپنی اولاد' تمام احباب اور اقربا' مال و جان (حتیٰ کہ اپنی جان) کے مقابلے میں محبوب ترین نہ ہو جاؤں۔"

(بخاری)

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے' کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

کرنے کے دو اہم کام

یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک تعلق کی بات ہے۔ اس تعلق کی بنا پر ہمیں یہ عہد کرنا چاہئے کہ ایک تو اللہ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ چند دن لگا کر عربی زبان پڑھیں تاکہ قرآنِ پاک کو سمجھنے میں آسانی ہو اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو گم کر دیں بلکہ آپؐ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے کی کوشش کریں۔

اہلِ ایمان کی فتح

اہلِ ایمان کی روحانی بالیدگی اور تر و تازگی کے اسباب اور کفّار کی ناکامی و مایوسی کا ذکر یوں کیا:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝

"اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا۔ وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اپنے دل کی جلن لئے یوں ہی پلٹ گئے اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لئے کافی ہو گیا۔ اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔"

(الاحزاب:25)

یہ بات غزوۂ الاحزاب یعنی غزوۂ خندق کے بعد کی ہے۔ اس سے قبل غزوۂ اُحد اور متعدد چھوٹی موٹی جنگیں ہو چکی تھیں مگر وہاں کسی موقع پر یہ بشارت نہ دی گئی بلکہ پہلے اہلِ ایمان کے عزم و حوصلہ کو آزمایا گیا کہ سیدُ الانبیاء اور خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی قربانی کے کس قدر جذبے سے سرشار ہیں۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو بشریت کے بلند ترین مقام یعنی منصب رسالت پر فائز تھے۔

Marfat.

دُعا کا طریق اور اس کا اصل مقام

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں بیٹھے ہوئے دُعا مانگتے کہ اے اللہ! یہ قریش کے جو لوگ چلے آ رہے ہیں' تعداد ایک ہزار ہے' لوہے میں غرق ہیں۔ ان کے پاس اتنا راشن ہے کہ روزانہ 100 اُونٹ ذبح کر ڈالتے ہیں' شراب پی رہے ہیں' رقص کرتے ہوئے اور جنگ سے پہلے سے فتح کا جشن منا رہے ہیں۔ اے اللہ! اس وقت جہاں پر بھی ان کا پڑاؤ ہے' وہیں پر زلزلہ آجائے اور سارے تباہ و برباد ہو جائیں۔ ایسا ہو سکتا تھا۔ اگر آپ یہ دُعا مانگتے تو یہ دُعا قبول ہو سکتی تھی' بغیر کسی جنگ اور جہاد کے بہت سی منزلیں طے کی جا سکتی تھیں لیکن آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت رکھتے تھے۔ جو کچھ اپنے پاس تھا' وہ تو لگا دیا یعنی سر پر کفن باندھ کر میدان میں آئے۔ اور اپنی ساری کمائی 313 آدمی' چھ سات تلواریں' چند گھوڑے اور چند اُونٹ ساتھ لئے۔ باری باری سب پیدل سفر کرتے۔ حتیٰ کہ اللہ کے رسول کی بھی باری مقرر تھی۔ صحابہؓ نے اپنی سواری پیش کی تو فرمایا کہ میں تو عدل قائم کرنے آیا ہوں۔ میں اپنی باری میں پیدل چلوں گا۔ تم سوار ہو گے۔ باگ پکڑ کر آپ پیدل اور اُمتی سوار جا رہے ہیں۔ یہ نظارہ بھی اللہ تعالیٰ نے دکھایا۔ کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ فاقہ کئے میدان جنگ میں آگئے اور اپنی ساری پونجی وہاں اکٹھی کر کے کہا: اے اللہ! میرے پاس جو کچھ بھی تھا' میں میدان میں لے آیا ہوں آج انہیں شکست ہو گئی تو پھر قیامت تک دنیا میں تیری عبادت نہ ہو گی۔ اس لئے کہ میں آخری رسول ہوں اور یہ میری آخری اُمت اور میرا کل سرمایہ ہے۔ آج اگر اس سرمائے کو شیطان چاٹ جاتا ہے' قریش کے لوگ انہیں ختم کر دیتے ہیں تو تیرا دین ختم ہو جائے گا۔ اس لئے آج تو فتح عطا کر دے اور سجدے میں گر گئے لیکن یہ سجدے میں گرنا میدانِ بدر میں اس جگہ ہوا' جہاں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ تھا۔ جہاں اللہ کی رحمت آج تک برس رہی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گھنٹوں سجدے میں پڑے رہے اور یا حَیُّ یَا قَیُّوْم کا ورد کرتے رہے اور ایسا ہی غزوۂ اُحد میں بھی ہوا۔ وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک بھی شہید ہوا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا شہید ہوئے' ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے اور پھر غزوۂ الاحزاب ہوا کیونکہ اب قریش سمجھ چکے تھے کہ مسلمانوں کو ختم کرنا تنہا ہمارے بس کی بات نہیں۔ انہوں نے عرب کے قبائل میں دورہ کیا۔ وفد بھیجے اور ایک لشکرِ جرار اکٹھا کیا جس کی تعداد بعض روایات میں 10 ہزار اور بعض روایات میں 15 ہزار ہے۔ مزید یہ کہ انہوں نے مدینے کے اندر رہنے والے یہودی قبیلے بنی قریظہ کو بھی درپردہ اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ وہ موقع تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے مدینے کے باہر خندق کھودی اور مدینے میں محصور ہو کر جنگ لڑی۔

اللہ کے راستے میں قربانی کی ایک مثال اور معجزہ

اسی موقع پر ایک اہم واقعہ بھی پیش آیا کہ سب لوگ خندق کھود رہے تھے اور محاصرے کے باعث کھانا باہر سے انہیں نہیں مل سکتا تھا اور بھوک کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ ایک صحابی نے

.com

آپ کو اپنے پیٹ کا پتھر دکھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا کہ میرے پیٹ پر تو دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر اس ضُعف کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معجزہ صادر ہوا۔ ایک پتھر تھا جس کو تمام صحابہؓ توڑ توڑ کر تھک گئے مگر پتھر ٹس سے مس نہ ہوتا تھا اور پتھر بھی اتنا بڑا تھا کہ اگر وہ اس میں موجود رہتا تو خندق کے اندر سے دشمن کے آنے کا راستہ بن جاتا۔ اس لئے اس کو توڑنا ضروری تھا۔ صحابہؓ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماجرا عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال ہاتھ میں لی اور ایک زوردار ضرب لگائی۔ اس پتھر میں سے ایک شرارہ نکلا اور پتھر کا ایک بہت بڑا ٹکڑا ٹوٹ کر ایک طرف جا گرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ روم کی سلطنت گئی۔ ایک اور ضرب لگائی اور پتھر میں سے ایک اور روشنی نکلی اور وہ چور چور ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ایران کی سلطنت گئی۔ یہاں منافقین بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں کھڑے کھڑے روم اور ایران کو فتح کر رہے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ پیشاب پاخانے کے لئے تو باہر جا نہیں سکتے۔ 21 دن تک یہ محاصرہ رہا۔ صحابہؓ بلکہ سارے ہی اہلِ مدینہ کو بڑی پریشانیاں آئیں۔ اسی دوران میں یہودیوں نے بھی اندر سے حملے کیے مگر مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک زوردار طوفان بھیجا' ٹھنڈی یخ ہوا اور طوفان نے قریش اور دیگر سب لشکر کا سامان' ان کے پکے ہوئے کھانے وغیرہ کو ہوا میں اُڑا دیا اور مجبوراً ابوسفیان کو اعلان کرنا پڑا کہ ہم یک طرفہ طور پر جنگ بند کرتے ہیں اور محاصرہ ختم کر کے واپس جاتے ہیں حالانکہ انہیں ذلیل و خوار ہو کر واپس جانا پڑا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ مومنوں کی طرف سے خود ہی لڑنے کے لئے کافی ہے۔" (الاحزاب:25)

خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ سمیت غزوۂ بدر' غزوۂ اُحد بھی سر کر چکے اور غزوۂ الاحزاب میں پوری پوری جواں مردی کا مظاہرہ کر چکے تو اللہ تعالیٰ کی مدد آئی۔

مولانا ظفر علی خان کیا خوب کہتے ہیں:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر یہ انعامات کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَؤُهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ○

"اور اللہ نے ان کی زمین اور اُن کے گھروں اور ان کے مال اور اس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہ

رکھا تھا' تم کو وارث بنا دیا' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔" (الاحزاب:27)

مسلمان اس کے بعد جزیرۂ عرب پر بہت جلد قابض ہو گئے مگر اس کے بلاوجود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی اس طرح تھی کہ آپؐ کے گھر میں دو دو ماہ تک چولہا ہی نہ جلتا تھا۔ بہت عسرت' فقر اور زہد کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ غربت تھی یا ذرائع اور وسائل میانہ تھے' سب کچھ موجود تھا خصوصاً جب یہود مدینہ کے چلے جانے کے بعد اموالِ فئے مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئے اور خیبر کے فتح ہونے پر مسلمانوں کے ہاتھوں ان گنت غنائم لگے۔

ازواجِ مطہراتؓ کی ایک خواہش

اس وقت ایک مسئلہ پیدا ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو دے رہے ہیں جبکہ ان کے اپنے گھر میں نان و نفقہ کا معاملہ بھی مشکل ہوتا ہے۔ سب نے مل کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نان و نفقہ کا مطالبہ کر دیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے بہت رنج ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک تمام بیویوں سے مقاطعہ کر لیا۔ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ انہیں دولت چاہئے تو ایک ہی مرتبہ ڈھیروں دولت لے لیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلی جائیں اور اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں تو پھر ایسے ہی عسرت اور تنگ دستی میں گزارا کرنا ہو گا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی گزار رہے ہیں۔

ایک عظیم معجزہ ----- واقعۂ تخییر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝

وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلْآخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دے کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دارِ آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار اور احسان والی ہیں' اللہ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔" (الاحزاب:28-29)

تمام ازواجِ مطہرات کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہیں تو دنیا اور کی زینت اختیار کریں اور چاہیں تو اللہ اور رسول کو اسی عسرت اور تنگی کے اندازِ زندگی کے ساتھ اختیار کریں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے

کسی ایک نے بھی دنیا کی دولت کو اختیار نہیں کیا اور آخر وقت تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زہد و تقویٰ سے مزین زندگی کو اختیار کیا حتیٰ کہ وہ رات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری رات تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالقِ حقیقی سے مل رہے تھے' اس رات آپؐ کے گھر میں بتی جلانے کو دیئے میں تیل موجود نہیں تھا اور آپؐ کی ذاتی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔

ازواجِ مُطہرات سے خصوصی خطاب

اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے خطاب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۟ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۟ وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۟

"اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح سے نہیں ہو! اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے باتیں نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے۔ بلکہ صاف سیدھی بات کرو' اپنے گھروں میں ٹک کر رہو' اور دورِ جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاؤ' نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے تم اہلِ بیت سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کردے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔ بے شک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔" (الاحزاب: 32-34)

مقبول اعمال

ازواجِ رسولؐ کی عظمت اور بڑائی کے ذکر کے بعد عام اہلِ ایمان کے اُن اعمالِ حسنہ کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں یقیناً مقبولیت کا درجہ رکھتے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ

fat.com

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"بے شک اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور عورتیں اور مومن مرد اور عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں' بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔" (الاحزاب:35)

ایک قانون---- نبی کی کامل اطاعت ایمان کی بنیاد ہے

اس کے بعد ایک قانون کا ذکر ہے جس میں سارے اہلِ ایمان سے خطاب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جب کسی چیز کے بارے میں فیصلہ کر دیں تو پھر کسی کو بھی دم مارنے کی مجال نہیں اس سے میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ؕ

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔" (الاحزاب:36)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر دل سے راضی ہوں

اس کے بعد ایک اور اہم بات کہی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کردے تو کسی مومن مرد اور مومن عورت کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس فیصلے کو ناپسند کرے یا اس فیصلے کے مقابلے میں خود کوئی فیصلہ کرنے لگیں یا اس فیصلے پر تنقید کریں بلکہ اس کو دل سے ماننا پڑے گا۔ اور اگر یہاں دل راضی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں ایمان نہیں!

حضرت زینبؓ سے نکاح

اس خوبصورت تمہید کے بعد پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے معاملے کا ذکر کیا جس کو ہم اس سورۃ کی ابتدا میں قدرے تفصیل کے ساتھ تحریر کر چکے ہیں۔ اس پر جب اہلِ عرب نے ایک طوفان برپا کیا یعنی آپؐ کے خلاف پراپیگنڈہ کیا گیا تو فرمایا کہ آپؐ اس سے پریشان نہ ہوں کیونکہ ازل سے یہ معاملہ یوں ہی جاری ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کے دینِ حق کو مِنْ و عَنْ پہنچاتا ہے تو نفس کے غلام بندے ان پر طعن و تعریض ضرور کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر ان اہلِ عزیمت کی شان یہ ہوتی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

"اور جو لوگ اللہ کا پیغام جوں کا توں پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں' وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ خود ہی حساب کرنے والا کافی ہے۔" (الاحزاب:39)

مسئلہ ختمِ نبوت

اس کے بعد ایک اہم ترین مسئلے کی جانب توجہ دلائی کہ یہ سارا طوفان اس وجہ سے ہے کہ حضرت زیدؓ کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کی جاتی ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور وہ یہ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ۧ

"اور محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے نبی اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے" (الاحزاب:40)

آیتِ مذکورہ میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیّن ہونے یعنی آخری رسول ہونے کا ذکر ہے۔ آپؐ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعیِ نبوت کا کاذب و کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔

مدعیِ نبوت سے دلیل مانگنا کفر ہے

امام ابو حنیفہ رحمۃُ اللہ علیہ کا فرمان تو یہاں تک واضح ہے کہ اگر کوئی شخص آپؐ کے بعد کسی مدعیِ نبوت سے اس کی نبوت پر دلیل طلب کرے تو کافر ہو جائے گا کیونکہ دلیل طلب کرنا شک و شبہ کے باعث ہوتا ہے اور آپؐ کے

خاتم النبین ہونے میں تو شک کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مقام پر اس بحث کی تفصیل کی گنجائش نہیں' بس ایک حدیث کا ذکر ہی کافی ہو گا۔ البتہ جو حضرات اس مسئلے کی تمام تر تفصیلات جاننا چاہیں' انہیں مفتیِ اعظم پاکستان جناب مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "ختم نبوت" کا مطالعہ کرنا چاہئے جس میں کم از کم ایک صد آیات قرآنی اور بے شمار احادیث سے اس مسئلے کی حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک متواتر حدیث ہے:

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

"میں خاتم النبین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔" (بخاری)

اس کے بعد اہلِ ایمان کو ہر وقت اللہ کی یاد کی تلقین کی گئی اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کا ذکر کیا اور اسی ذکر کے دوران میں معاشرتی مسائل کے ضمن میں "طلاق" کے ایک مسئلے کی وضاحت کی گئی جس کی تفصیلات سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں اور اس ذیل میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور معاشرتی خصوصیت کا یوں ذکر فرمایا:

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ٘ وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا٘ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ط

"اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی بیویاں جن کو آپ نے مہر دے دیئے ہیں' حلال کر دی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈیاں جو اللہ نے آپ کو بطور مالِ غنیمت دلوائی ہیں۔ آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموؤں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جو آپ کے ساتھ وطن چھوڑ کر آئی ہیں (سب حلال ہیں) اور کوئی مومن عورت اگر اپنا آپ نبی کو ہبہ کر دے بشرطیکہ نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ بھی حلال ہیں اور یہ اجازت خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہے' سب مسلمانوں کے لئے نہیں۔" (الاحزاب:5)

کثرتِ ازواج کی مصلحتیں

آیتِ مذکورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید نکاح کی اجازت مشروط طور پر دے دی گئی۔ اس آیت کی بنیاد پر مستشرقین اور اہلِ مغرب نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ اللہ ربُّ العزت کی طرف سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر نکاحوں کی اجازت اور ازواج کی کثرت کی اجازت کیوں دی گئی؟ اس سلسلے میں ایک مفصّل اور مبسوط تحریر کی ضرورت ہے۔ جس کا اجمال یوں ہے:

آپؐ کی ذات سراپا رحمت تھی اور آپؐ کی زندگی کا بنیادی مقصد قرآنی تعلیمات کا عام کرنا اور دینِ حق قبول کرنے والے لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کرنا تھا۔ اور زندگی کے ہر شعبے میں آپؐ کی تعلیمات اور راہنمائی کی ضرورت تھی۔ خواتین کے مسائل، بیویوں کے حقوق و فرائض، اولاد کی تربیت و پرورش اور عائلی زندگی کے دیگر معاملات کی راہنمائی کے لئے آپؐ کو تعددِ ازواج کی اجازت دی گئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی جوانی کا سارا عرصہ اپنی غمگسار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزارا۔ حضرت خدیجہؓ پینسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوئیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر 50 برس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینسٹھ سالہ ضعیف خاتون کے ساتھ نباہ کیا اور دوسری شادی نہ فرمائی۔ انؓ کے انتقال کے بعد آپؐ نے جن خواتین سے نکاح کیا وہ اکثر بیوگان اور عُمر رسیدہ تھیں۔ ان میں سے اکثر کی عمر 55 سال سے بھی متجاوز تھی۔ اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان شادیوں کا اصلی مقصد تبلیغِ دین تھا۔ کہیں کہیں سماجی اور سیاسی مقاصد بھی نظر آتے ہیں۔ اس موضوع پر راقم کی کتاب ''خطباتِ حرم'' میں ایک مبسوط مقالہ موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ازواجِ مطہّرات نے علم و تربیت کے میدان میں شاندار خدمات بھی سرانجام دیں۔ بطورِ مثال دو ازواجِ مطہّرات کا ذکر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکام و مسائل، اخلاق و آداب اور سیرت سے متعلق دو ہزار سے زائد احادیث مروی ہیں اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپؐ کو روایت و درایت اور فقہ و فتاویٰ میں ایک بلند ترین مقام حاصل تھا۔ جبکہ دو صد سے زائد انؓ کے شاگرد ہیں اور آپ نے وفاتِ نبویؐ کے بعد اڑتالیس برس تک علومِ نبوّت کی شمع کو روشن کیے رکھا۔

اس طرح حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی احادیث کی تعداد تین سو سے زائد ہے جبکہ حافظ ابنِ قیم کے بقول ''اگر اُمِّ سلمہؓ کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔''

اس کے علاوہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض نکاح سیاسی و معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں معاون ثابت ہوئے۔ مثال کے طور پر حضرت اُمِّ حبیبہؓ (رملہ بنتِ ابی سفیان) سے نکاح کے بعد ابو سفیان اور قریشِ اہلِ مدینہ پر حملہ کرتے نظر نہیں آتے۔ یہودی سردار کی بیٹی حضرت صفیہؓ سے نکاح کے بعد یہود مدینے پر فوج کشی کرتے نظر نہیں آتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 70 علماء اور حُفّاظِ قرآن کو نجد میں تبلیغ و تعلیم کے لئے بھیجا۔ ان

fat.com

ظالموں نے سب کو قتل کر دیا۔ سردارِ نجد کی بہن حضرت میمونہؓ سے نکاح کے بعد اہلِ نجد ایسی حرکت دوبارہ کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

الحاصل آپؐ کے تعددِ ازدواج کا مسئلہ ذاتی نہیں بلکہ اُمتِ مسلمہ کی فلاح اور علم و عرفان پھیلانے کے لئے تھا۔

ایک معاشرتی ادب

قرآنِ مجید کے مضامین پر غور کرتے وقت اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ہر قدم پر ہمیں زندگی کے پیچیدہ مسائل و معاملات میں راہنمائی حاصل ہوگی۔ آدابِ معاشرت کے ذیل میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا چاہئے لیکن جب تمہاری دعوت کی جائے تو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو۔ یہ بات نبیؐ کو ایذا دیتی ہے اور وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرم کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سچی بات کہنے میں شرم نہیں کرتا اور جب نبی کے اہلِ خانہ سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔ یہ تمہارے اور ان کے دونوں کے دلوں کے لئے بہت پاکیزگی کی بات ہے۔ اور تم کو یہ مناسب نہیں کہ تم نبی کو تکلیف دو اور نہ ہی ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرنا۔" (الاحزاب:52)

جس کام کو جہان میں آیا تھا تو نظیر
خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

ہم اس سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں کہ ہم پہ اللہ کی یہ وعید صادر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بارِ امانت اٹھانے کی توفیق اور قرآنِ مجید کی معرفت نصیب فرمائے۔ (آمین)

.com

درود شریف سے متعلق ایک اہم نکتہ

اس کے بعد ایک بہت دلچسپ موضوع ہے۔ راقم اپنے دوست علماء سے اکثر پوچھتا ہے کہ ہم جو درود شریف پڑھتے ہیں اس کا فائدہ کیا ہوتا ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ اس پہ دس مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ اس کا فائدہ کیا ہے؟ اس سورۃ الاحزاب کی دو آیتوں کو ایک ساتھ پڑھیں۔ دیکھیں کتنی اہم بات سامنے آتی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں مومنو! تم بھی اُن پر درود و سلام بھیجا کرو۔"

(الاحزاب:56)

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝

"(اے نبیؐ) اللہ وہ ذاتِ گرامی ہے کہ وہ تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کے روشنی میں لے آئے۔" (الاحزاب:43)

معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اندھیروں میں پڑا ہے اور روشنی کا طالب ہے تو اُسے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی تعلق پیدا کرنا چاہئے اور اس کام کے لئے اسے درود شریف کی کثرت کرنا چاہئے۔ وہ شخص جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر درود بھیجیں گے (فرشتے بھی)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رحمانی درود کے ذریعے اسے ظلمت سے نکال کر روشنی میں لے آیا جائے گا۔

پردے کا حکم

اسی سورہ میں پردے کے احکام ہیں۔ کیونکہ منافق مومن عورتوں کو ایذا دیتے اور راستہ چلتے تنگ کرتے ان حالات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعدد مرتبہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر چکے تھے کہ اہل ایمان عورتوں کو ضرورت کی غرض سے نکلنا پڑے تو پردے میں نکلنا چاہئے تاکہ پہچان رہے کہ یہ پردہ دار خواتین اہل ایمان میں سے ہیں۔ اس پر حکم نازل ہوا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ

fat.com

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں۔ یہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں۔" (الاحزاب:59)

اس سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ سر اور سینے کے ساتھ ساتھ چہرے کا پردہ بھی ضروری ہے۔

اس حکم کے نزول کے بعد اہلِ ایمان عورتوں کو پردے کا پابند بنایا تو منافقوں کو بھی تنبیہہ کر دی کہ اگر اب پہچان کے باوجود بھی تم نے مومن عورتوں کو ستایا تو تم مدینے میں نہ رہ سکو گے نیز یہ کہ شہر بدر کرنے کے علاوہ ہم تمہیں یہ بھی سزا دیں گے:

مَلۡعُوۡنِيۡنَ ۛ اَيۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا

"پھٹکارے ہوئے ہوں گے۔ جہاں پائے جاؤ گے، پکڑے جاؤ گے۔" (الاحزاب:61)

آیت کے اس حصے میں تو جوانوں کو خصوصاً تنبیہہ ہے کہ مومن عورتوں کو سرِ راہ چھیڑنے اور تنگ کرنے کی سزا اللہ تعالیٰ نے لعنت اور پھٹکار بتائی ہے۔ دورِ حاضر میں جہاں عورتوں کے پردے کے سلسلے میں ہم سے مسلسل خطاء سرزد ہو رہی ہے، وہاں نوجوانوں کی اکثریت بھی عورتوں کو تنگ کرنے کی عادی اور مجرم بنتی جا رہی ہے اور دونوں کا نتیجہ اللہ کی ناراضگی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔

جہنّم میں ایک بد دُعا

اس کے بعد کُفّار کے دیرینہ سوال کا ذکر فرمایا کہ وہ قیامت کا حتمی اور یقینی علم اور وقت آپؐ سے پوچھتے ہیں جو اللہ کے علاوہ کسی کے علم میں نہیں اور اس کے بعد جہنّم کی سزا کا ذکر ہے۔ اس مقام پر ایک بڑا ہی نازک معاملہ بیان کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِيۡلَا ○
رَبَّنَاۤ اٰتِهِمۡ ضِعۡفَيۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ وَالۡعَنۡهُمۡ لَعۡنًا كَبِيۡرًا ○

"(اہلِ دوزخ) کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے رب! ان کو دُگنا عذاب دے اور اُن پر بڑی لعنت کرنا۔"

(الاحزاب:68)

یہ دُعا اور پکار اہلِ دوزخ کی ہے جو اپنے برے اعمال اور بروں کی تربیت کے باعث دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ وہاں وہ اللہ سے عرض کریں گے کہ اے باری تعالیٰ! ہمارے جن بڑوں نے ہمیں راہِ راست نہ دکھائی اور ہمیں بھٹکایا ان کو دُگنا عذاب دے۔ اب غور کیجئے کہ یہ بڑے کون لوگ ہیں؟

1- والدین

2- اساتذہ

3- مشائخ و علماء

4- حکمران

5- سیاستدان وغیرہ

یہ لوگ قوم کی تربیت اور قوم کے کردار کو درست کرنے یا بگاڑنے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر مذکورہ طبقات سے کوئی طبقہ یا کسی طبقے کا کوئی فرد قوم کے ساتھ اپنے مفاد کی خاطر غلط معاملہ کرتا ہے یا قوم کے لئے راہ راست سے دوری کا باعث بنتا ہے تو اس کو اسی دنیا میں اپنے زیر دستوں کی اس پکار اور دعا کو دل کے کانوں سے سن کر اپنے آپ کو درست کرلینا چاہئے ورنہ کل قیامت کے دن اس پر ندامت اور خجالت کے ساتھ ساتھ لعنت بھی ڈالی جائے گی۔

ایک اہم ترین بات--اعمال درست کرنے کا بہترین ذریعہ

اس ذکر کے بعد ایک بڑی ہی سیدھی بات فرمائی۔ جو دین کا جوہر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝
يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔" (الاحزاب:70-71)

اس آیت میں چند احکام ہیں:

1- اللہ سے ڈرو (یہ تعلیماتِ اسلامی کا جوہر اور مقصد ہے۔)

2- سیدھی بات کہا کرو۔

جب اللہ کا خوف دل میں ہو تو انسان جھوٹ سے از خود متنفر ہو جاتا ہے اور پھر اس سیدھی بات کا اثر و نتیجہ لازماً نکلتا ہے کہ انعاماتِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے۔

پہلا انعام یہ کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ہمارے اعمال اور ہمارے معاملات کو از خود درست فرما دیتے ہیں اور آخرت میں ایسے انسانوں کو بخش دیا جاتا ہے اور مومن پر تو ویسے ہی لازم ہے کہ وہ سیدھی بات کہے کیونکہ اس نے اللہ کی امانت اٹھا رکھی ہے۔

انسان کا بارِ امانت اٹھانا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ

"ہم نے اپنی ایک امانت آسمانوں' زمین' پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔ سب ڈر گئے اور اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکاری ہو گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔" (الاحزاب:71)

انسان نے بارِ امانت اٹھا تو لیا لیکن ظالم اور جاہل نکلا۔ اٹھانے کا حق ادا نہیں کیا اور اس امانت کی حقیقت سمجھنے سے بھی گریز کیا۔ یہی بات سورۃ الجمعہ میں ایک اور انداز میں بیان فرمائی گئی۔

"ان لوگوں کی مثال کہ جنہوں نے توریت کا بوجھ اٹھا لیا لیکن پھر اٹھانے کا حق ادا نہیں کر سکے' ان کی مثال اس گدھے کی ہے جو مقدس کتابیں لادے پھرے۔"

آں محقق بود' نہ دانشمند
چارپائے براو کتابے چند

اگر گدھے کے اوپر بھی توریت' زبور اور انجیل کے بڑے بڑے نسخے لاد دیئے جائیں تو وہ گدھا نہ تو حاملِ توریت بنے گا' نہ صاحبِ انجیل اور نہ ہی صاحبِ زبور بن سکے گا۔ اگر ایسے ہی کوئی مسلمان گھروں میں قرآن کو سبز غلافوں میں سجا سجا کے رکھیں تو اس سے وہ نہ صاحبِ قرآن بن سکیں گے اور نہ ہی صاحبِ ایمان۔ اس لئے کہ ایمان کا مصدر و منبع تو قرآن کی بامعنی تلاوت ہے۔ میر نے کہا تھا کہ

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

اگر اٹھا لائے تھے تو راستے میں نہ گراتے اور اٹھانے کا حق ادا کرتے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

اصل میں امانت سے مراد خلافت ہی ہے اور بعض لوگوں نے اس سے قرآنِ مجید مراد لیا ہے۔ یہ بھی درست ہے کیونکہ درحقیقت خلافت کا اصل دستور قرآنِ مجید ہی ہے۔

وعد و وعید

اس سورۃ کا اختتام وعدہ وعید پر ہے کہ جو لوگ ہمارے اس بارِ امانت کو اٹھانے کے بعد امانتداری کا حق ادا کر رہے ہیں' ان کے لئے بخشش اور جن لوگوں نے ہماری آیات سے منہ موڑ لیا' ہم نے انہیں قصے کہانیاں بنا دیا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

.com

سورہ سبا (۳۴)

نام

قومِ سبا کے ذکر کی مناسبت سے یہ علامتی نام ٹھہرا۔

زمانۂ نزول

سن 6 نبوی کے لگ بھگ زمانے میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

مضامین

کُفارِ مکہ تمسخر، استہزاء اور لغو باتوں کی شکل میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر طنز و اعتراض کرتے تھے۔ ان کے ازالے کے ساتھ کُفار کو ان کی ہٹ دھرمی اور تعصب پر تنبیہہ کی گئی کہ تم اس قسم کی لغو حرکات سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی قومِ سبا سے مختلف نہ ہوگا جو دولت و حشمت کی علامت سمجھے جاتے تھے مگر آج فقط ان کی داستان ہی نشانِ عبرت ہے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام کا ذکر بھی اس سورۃ کا حصہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر پر نعمتوں میں اضافے کی نوید ہے اور اس کے بعد غور و تدبر کی دعوت ہے تاکہ مخاطبین جس انجام کو چاہیں، پورے یقین کے ساتھ منتخب کرلیں۔

اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں ایمان، عملِ صالح اور حق کی عظمت کا ذکر ہے نیز تکبر، تکذیب اور باطل اعمال کی بے ثباتی کا تذکرہ اس سورۃ کا طرۂ امتیاز ہے۔

fat.com

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ کا آغاز حمد و ثنا اور اللہ تعالیٰ کی بے مثال ملکیت کے ذکر کے ساتھ ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کا ذکر ہے۔ اس کے بعد اہلِ مکّہ کے ایک قول کا ذکر ہے کہ جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ قیامت ضرور واقع ہوگی تو ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو دوبارہ کیونکر زندہ ہوں گے۔

کُفّار کا آخرت پر تعجب

کفار کے اس تعجب کا اظہار ان الفاظ میں ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ
كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○
اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ

"اور کافر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں ایسا آدمی بتائیں جو ہمیں خبر دیتا ہے کہ جب تم مر کر بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ گے تو نئے سرے سے پیدا ہو گے۔ یا تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے جنون ہے۔"

(سبا:7-8)

شاید کُفّارِ مکّہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و وسعت کو حقیقتاً نہ جانتے ہوں مگر یہ ہرگز ممکن نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر کا روزمرہ مشاہدہ کرتے تھے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و صداقت پر بھی ان کا لازوال اعتماد تھا مگر ان کو تعجب اس لئے ہوا کہ وہ اس دنیا کے علاوہ کسی اور زندگی کے قائل ہی نہ تھے جبکہ ہر آسمانی دین اپنی تعلیمات کا آغاز اسی نکتے سے کرتا ہے کہ "موت کے بعد محاسبہ لازم ہے" اور آج ہماری حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے کیونکہ آخرت کے ذکر سے ہمیں طبعی طور پر ذرا کدورت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں اس بات کو خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا۔ اس کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام پر انعامات کا ذکر ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ

"اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری عطا کی تھی۔" (سبا:10)

اللہ ربُّ العزت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو درج ذیل خصوصیات کے ساتھ فضیلت عطا کی تھی۔

1- ان کے ساتھ پہاڑ، چرند، پرند تسبیح میں شریک ہوتے تھے۔

2- لوہا آپ کے ہاتھ میں موم کی مانند نرم ہو جاتا تھا جس سے داؤد علیہ السلام زرہ بنایا کرتے تھے کیونکہ ہر دور میں آلات حرب اور دفاعی آلات کی تیاری ایک خاص ضرورت رہی ہے۔ اس دور کے فنونِ حرب کی مناسبت سے زرہ ایک اہم ترین دفاعی سامان تھا۔

اس مقام پر ایک وضاحت ضروری ہے کہ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ داؤد علیہ السلام اس فن کے موجد ہیں کہ لوہے سے زرہ کیسے بنائی جاتی ہے۔ کڑیاں جوڑنے اور اس میں ڈیزائن کا ایک اچھوتا انداز انہوں نے ہی دیا تھا۔ جبکہ قرآنِ مجید کے الفاظ سے یہ بات جھلک رہی ہے کہ "لوہا آپ کے ہاتھ میں موم کی مانند نرم ہو جاتا تھا" اور پھر اس سے جس طرح آپ چاہتے کام لیتے۔ اگر آپ کا ایک فن کا موجد ہونا ہی اس مقام پر بطور نعمت مذکور ہے تو پھر لازماً ہمیں ان تمام ایجاد کرنے والوں کو مقامِ نبوت کا حامل اور صاحبِ معجزہ ماننا چاہئے جنہوں نے مختلف چیزوں کو ایجاد کیا حالانکہ یہاں صاحبِ ایجاد ہونے کا ذکر نہیں بلکہ "صاحبِ اعجاز" ہونے کا ذکر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر

اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے والد گرامی سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرح بے شمار معجزات سے نوازا تھا، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف۔ آپ اس دور کے اعتبار سے مہینے بھر کی مسافت چند گھنٹوں میں طے کر لیتے کیونکہ ہوا آپ کے تخت اڑا لے جاتی۔

ب۔ یمن کے علاقے میں تانبے کا چشمہ آپ کے لئے بہایا گیا جس سے آپؑ کے خُدّام جنّات مختلف قسم کے برتن تیار کرتے۔

انبیاء پر کی گئی ان نعمتوں کے ذکر کے بعد جو بات ارشاد فرمائی، وہ ہمارے لئے قابلِ غور ہے:

وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ○

"اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا، اس کو ہم جہنم کی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔"

(سبا:12)

گویا یہ انعامات اور معجزات اللہ تعالیٰ کی قدرت و حاکمیت پہچاننے کے لئے ہیں اور اگر بایں ہمہ اس کی عبادت و قدرت سے انکار کیا گیا تو پھر نسبت ناطہ کام نہ دے سکے گا اور اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرما دیں گے۔ اسی لئے بعد میں یہ حکم دیا گیا:

fat.com

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ

"اے داؤد کی اولاد میرا شکر ادا کرو۔" (سبا:13)

اہلِ سبا اور اہلِ مکہ میں مشابہت

اس کے بعد اہلِ مکہ کی فہمائش کے لئے سورۃ کے اصل مضمون کو یوں بیان فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝

"اہلِ سبا کے لئے ان کی رہائش کی جگہ میں ایک نشانی تھی۔ دو باغ تھے۔ ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف۔ (تاکہ) تم کھاؤ اپنے رب کا رزق اور اس کا شکر ادا کرو۔ یہاں رہنے کو صاف ستھرا اور پاکیزہ شہر اور وہاں قیامت میں اللہ بخشنے والا۔ انہوں نے منہ پھیر لیا۔ پس ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیئے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں۔ یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کی سزا دی۔ اور ہم ناشکرے ہی کو سزا دیا کرتے ہیں۔" (سبا:16-17)

اس آیت میں اہلِ مکہ سے ایک مناسبت بھی بتائی گئی کہ جیسے شہرِ مکہ میں امن و سکون اور کھانے کو ہر طرح کے میوے بافراط ہیں' ایسی ہی حالت اہلِ سبا کی بھی تھی۔ ان کے کُفر اور ناقدری کے سبب ان کے پاس کچھ نہ بچا اور یہی حال تمہارا ہو گا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے چند سال بعد ہی یہ لوگ بدترین قحط کا شکار ہوئے۔

اس مقام پر ہم اگر اپنے احوال کا تجزیہ نہ کریں تو یہ بھی ظلم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانانِ عالم کو عموماً اور مسلمانانِ پاکستان کو خصوصاً ہمہ قسم نعمتوں سے نوازا مگر ہم مسلسل ناقدری کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ کبھی کبھار تو ان حالات میں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم اسی کفرانِ نعمت کے وبال کا شکار نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے' آمین۔

اللہ تعالیٰ مددگاروں سے بے نیاز ہے

اس کے بعد توحید سے متعلق حقائق ارشاد ہوئے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ○

"کہہ دیجئے! جن کو تم اللہ کے علاوہ اپنا معبود خیال کرتے ہو' ان کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی ان میں ان کی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔"

(سبا:22)

شفاعت

میدانِ حشر میں کفّار کے لئے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا اور انہیں سخت سزا ملے گی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ

"اور اللہ کے ہاں کسی کے لئے سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لئے جس کے بارے میں وہ اجازت دے۔" (سبا:23)

نبوّتِ محمدی ---- عظیم آفاقی نعمت

عقیدہ آخرت کی وضاحت کے بعد اہل زمین پر کئے گئے سب سے بڑے انعام کا ذکر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

"اے نبی! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

(سبا:28)

جیسے قرآنِ مجید کا یہ اعزاز ہے کہ یہ کتاب پوری انسانیت کے لئے آئی ہے ایسے ہی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء آئے' وہ کسی خاص علاقے' خاص قوم اور ایک مقررہ وقت کے لئے تھے۔

ہے شاہبازِ لامکانی شانِ او
رحمۃ للعالمینی شانِ او

آخرت میں گمراہ لیڈروں اور ان کے پیروکاروں کی ایک دوسرے پر الزام تراشی

اہلِ مکہ کی ہٹ دھرمی ملاحظہ کیجئے کہ نعمت کی قدردانی کی بجائے الٹا یہ سوال کیا کہ عذاب کب آئے گا؟ اس

Marfat.

سلسلے میں میدانِ حشر میں کفار کی حالت کی منظر کشی ان آیات میں کی گئی:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ○

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ○

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○

وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○

"اور جو کافر ہیں' وہ کہتے ہیں کہ ہم نہ تو اس قرآن کو مانتے ہیں اور نہ ان کتابوں کو جو اس سے پہلے کی ہیں۔ کاش! ان ظالموں کو تم اس وقت دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ردّو کد کر رہے ہوں گے۔ جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے۔ بڑے لوگ کمزور لوگوں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ تمہارے پاس آچکی تھی' کب روکا تھا؟ بلکہ تم ہی گناہ گار تھے اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ تمہاری رات دن کی چالوں نے ہمیں روکا تھا جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں۔ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو دل میں پشیمان ہوں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے۔ پس جو عمل وہ کرتے تھے' ان ہی کا ان کو بدلہ ملے گا اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو' ہم اس کے قائل نہیں اور یہ بھی کہا کہ ہم بہت سامال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔" (سبا: 31-35)

.com

غلط فہمی کا ازالہ

ان آیات میں حشر کی منظر کشی کے ساتھ کُفار کے ایک باطل خیال کا ذکر ہے کہ ہماری اولاد اور ہمارے مال کی کثرت ہمیں عذاب سے بچانے کا باعث بن جائے گی۔ اس غلط فہمی کا ازالہ یوں فرمایا:

وَ مَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ○

"اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں۔ ہاں! ہمارا مقرب وہ ہے جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا۔ ایسے ہی لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب دگنا بدلہ ملے گا اور وہ دلجمعی کے ساتھ بالاخانوں میں بیٹھے ہوں گے۔" (سبا:37)

کُفار کے تین مشہور اعتراضات:

آخرت کے مدارِ نجات کو بیان کرنے کے بعد مشرکوں کے احوال کا ذکر ہے اور دنیا میں ان کی گمراہی کے سبب کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

"اور جب ان کو ہماری روشن آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص چاہتا ہے کہ تمہارے باپ دادا جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے' ان سے تم کو روک دے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قرآن محض جھوٹ ہے جو اس نے اپنی طرف سے بنایا ہے اور ان کافروں کے پاس جب حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔" (سبا:43)

مذکورہ آیت میں کُفار کے تین اعتراضات یا اقوال ہیں جو وہ قرآنِ مجید اور خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بارے میں کرتے تھے۔

الف۔ یہ ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے طور طریقے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اس بارے میں اس سے قبل متعدد مقامات پر ذکر ہو چکا کہ وہ گمراہی کو جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔

ب۔ یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا من گھڑت ہے حالانکہ ان کو متعدد بار اس کی نظیر لانے کو کہا گیا اور وہ اس

ے عاجز رہے۔

ج۔ یہ کُھلم کھلا جادو ہے۔

مرضِ بے یقینی

کُفار کے ان اعتراضات کے بعد غور و تدبر کی دعوت ہے اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان ہے کہ میں اس تبلیغ دین پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ اور اس کے بعد سورۃ کا اختتام کفر کے نکتہ آغاز کی وضاحت پر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ○

"بے شک وہ الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔" (سبا:54)

انسانی زندگی میں سب سے زیادہ خطرناک کیفیت بے یقینی کی ہے۔ ایسی صورت میں انسان نہ کسی مفید بات پہ اتنا یقین رکھتا ہے کہ اس پر عمل کر کے اس سے فائدہ اٹھا سکے اور نہ ہی کسی نقصان دہ بات کے نقصان پہ اتنا یقین رکھتا ہے کہ عملاً اس سے بچ کر اس کے نقصان سے بچ سکے۔ ہر وقت شک اور گومگو کی کیفیت اسے کہیں کا بھی نہیں چھوڑتی۔

سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی

Marf

سورہ فاطر (۳۵)

نام

فاطر وجودِ باری تعالیٰ عزّ اسمہ کا اسم صفت ہے اور اس سورت کی پہلی آیت میں استعمال ہوا ہے۔

زمانہ نزول

مکّی زندگی کے آخری دور یا دور متوسط کے آخری حصّے میں اس سورۃ کا نزول ہوا۔ اس دور میں کُفّار کی مخالفت شدّت پکڑ چکی تھی۔

مضامین

یہ ساری سورت بشارت، تسلّی اور نصیحت پر مشتمل ہے۔ اس میں اہلِ ایمان کے لئے بشارت، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی و حوصلہ افزائی اور کُفّار کے لئے نصیحت ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اور تم اپنے تئیں اس کو ناکام بنانے پر تلے ہوئے ہو، اس دعوت کو قبول کرلینے میں خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ تمہاری مکاری و چال بازی خود تمہارے ہی لئے نقصان دہ ہے۔ زمین و آسمان کا خالق اور مالک تو احکمُ الحاکمین ہے جس کا کوئی شریک اور ہمسر نہیں۔ اللہ ربُّ العزت نے انسان کو ایک بوند پانی سے پیدا کیا اور آفاق و کائنات کی چیزیں بھی جو روز مٹتی اور بنتی ہیں، ان تمام کا موجد و خالق بھی وہی سب کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی قیامت کے روز سب کو زندہ اٹھائے گا۔ موت کے بعد تم کیوں نہیں زندہ کئے جاسکتے؟

یہ سب باتیں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری بھلائی کے لئے تمہیں بتاتے ہیں۔ اس میں ان کا کوئی ذرہ برابر بھی دنیوی مفاد نہیں۔

ایمان، ہدایت، صلوٰۃ و زکوٰۃ اور تزکیۂ نفس کی عظمت اور تکذیب و ضلالت اور کفر سے بچنے کی تلقین اس سورۃ میں خصوصاً بیان ہوئے ہیں۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ کا آغاز حمد و ثنا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ذکر سے ہے۔ فرشتوں کی تخلیق کا ذکر بھی پہلی آیت میں ہے۔

فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو، تین تین اور چار چار پَر ہیں وہ اپنی مخلوقات میں جو چاہتا ہے، اضافہ کرتا ہے۔"

(فاطر:1)

فرشتوں کے مخلوق ہونے کا خصوصی ذکر اس وجہ سے ہے کہ اہلِ مکّہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کی بابت فرمایا کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ دنیا میں ہر شخص کے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے کیونکہ یہ دنیا دارُالامتحان اور آخرت کی کھیتی ہے اور پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حوصلہ دلانے کے لئے کُفّار کی عادت کا ذکر فرمایا:

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○

"اور اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی انبیاء کو جھٹلایا گیا اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے، اس لئے دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور فریبی شیطان تمہیں فریب نہ دے۔" (فاطر:4-5)

شیطان کا ازل سے یہی کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو راہِ حق سے بہکاتا رہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کے مکرو فریب سے آگاہ کرنے کے لئے انبیاء و رُسل کو مبعوث کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بڑائی کا ذکر کر کے مخلوقِ الٰہی کو راہِ ہدایت دکھاتے ہیں۔

قدرتِ الٰہی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صفت کی نشانیوں کا ذکر ہے مثلاً:

1- ہواؤں کے ذریعے سے بادلوں کو بنجر علاقوں تک پہنچا کر ان کو سیراب کرنا اور اس مردہ زمین میں روئیدگی اور حیات پیدا کرنا۔ یہ سلسلہ حیات بعد الموت کے لئے بھی ایک دلیل ہے۔

2- اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی اور پھر اسے نطفے سے پیدا کیا۔

3- اللہ تعالیٰ دو متضاد ذائقوں کے پانی کو ایک ہی دھارے میں الگ الگ ٹھہرائے رکھتا ہے۔

4- اس نے پانی میں کشتیوں کو ٹھہرا کر انسان کو نقل و حمل کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔

5- رات اور دن کا اختلاف پیدا کیا۔

6- وہ سورج، چاند اور ستاروں کو اپنے مدار میں قائم رکھ کر کائنات کے نظام کو مربوط کئے ہوئے ہے۔

عزّت کی تلاش

ایسے قادرِ مطلق رب کو چھوڑ کر یہ سادہ لوح انسان عزّت کی تلاش میں در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ قاعدہ ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ

"جو شخص عزّت کا طلب گار ہے تو عزّت ساری اللہ ہی کے لئے ہے۔ اسی کی طرف پاکیزہ کلمات اور نیک اعمال بلند ہو کر پہنچتے ہیں۔" (فاطر:10)

معبودانِ باطل کی عاجزی و درماندگی

اسکے بعد کفارِ مکہ کو ان کے معبودوں کی حقیقت واضح الفاظ میں سمجھانے کے لئے فرمایا:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝

fat.com

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

"اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سُنیں گے اور اگر سُن بھی لیں تو تمہاری بات قبول نہ کر سکیں گے اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور اللہ خبیر کی طرح تم کو کوئی خبر نہ دے گا۔ لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز اور قابلِ تعریف ہے۔" (فاطر:14-15)

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"اگر دُعا مانگو بتوں سے جن کو تم شریک کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو وہ نہیں سنتے تمہارے پکارنے کو کیونکہ وہ بے جان ہیں اور اگر تمہارا پکارنا سن بھی لیں تو تمہارا مدعا پورا نہ کر سکیں گے۔ اس لئے کہ انہیں قدرت نہیں فائدہ پہنچانے کی اور نقصان دور کرنے کی۔"

جب یہ حقیقت واضح ہو گئی تو فرمایا کہ سارے ہی انسان حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اسی لئے اسی کے آگے سربسجود ہو کر اس کو پکارنا چاہیے۔

کُفّار کو ہمیشہ شیطان کی جانب سے ایک فریب دیا جاتا ہے کہ روزِ آخرت اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے معبود ہماری سفارش کریں گے اور ہماری غلطیوں کا بوجھ اپنے سر لے لیں گے۔ جیسا کہ عیسائی عقیدہ رکھتے ہیں اور دورِ حاضر کے بعض نام نہاد مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اس کے رد میں اللہ ربُّ العزت نے فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ

"اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور کوئی بوجھ کے نیچے دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔" (فاطر:18)

ایک جائزہ-ایک تقابل

اس کے بعد ایک تقابلی جائزہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

"اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ اور نہ زندہ اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں، نہیں سنا سکتے۔" (فاطر:19-22)

اس مقام پر مومن کو آنکھ والا' نور' سایہ' زندہ اور کافر کو اندھا' تاریکی' دھوپ اور مردہ قرار دیا اور پھر فرمایا کہ مردے نہیں سنتے۔ اس ضمن میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ حدیثِ مبارکہ میں زیارتِ قبور کا طریقہ بیان کیا گیا۔ قبرستان میں داخلہ کے وقت یوں کہا جائے:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَہْلَ الْقُبُوْرِ"

تو اگر مُردے نہیں سنتے تو پھر کہنے کا فائدہ تو اس کا جواب شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ

"حدیث میں ہے کہ مردوں سے سلام علیک کرو' وہ سُنتے ہیں اور بہت جگہ مردے کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ روح سُنتی ہے اور قبر میں پڑا ہوا دھڑ نہیں سن سکتا۔"

اہلِ علم کی عظمت

ان حقائق کے بعد اہلِ کفر کا ایک عالمگیر طریقہ بتایا کہ وہ ہر نبی کو اس کے سامنے جھٹلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ایک عرصے تک مہلت کے بعد گرفت میں لے لیتے ہیں مگر اس مہلت کے دوران میں انہیں تدبر و تفکر کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ اس لئے اِن مکہ والوں کے لئے توحید کے مسئلے پر دلائل کو واشگاف انداز میں بیان کیا اور فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ○
اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ ○
لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ وَ یَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ؕ اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ○
وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ○
ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ ۚ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْھُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ ○
جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ ○
وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرُ ○
الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَۃِ مِنْ فَضْلِہٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْھَا نَصَبٌ وَّ لَا

يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ○

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ○

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ○

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے۔ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے' اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں' یقیناً وہ ایک ایسی تجارت کی توقع رکھتے ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہو گا۔ اس تجارت میں انہوں نے اپنا سب کچھ اس لئے کھپایا ہے تاکہ اللہ ان کے اجر ان کو پورے کے پورے دے اور فضل سے ان کو مزید عطا فرمائے۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور قدردان ہے۔ اے نبی! جو کتاب ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجی ہے' وہی حق ہے' تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آئی تھیں۔ بے شک اللہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔ ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنا دیا جنہیں ہم نے اس وراثت کے لئے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی درمیان درمیان بیچ کی راہ ہے اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔ ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے۔ وہاں انہیں سونے کے کنگنوں سے آراستہ کیا جائے گا۔ وہاں ان کا لباس ریشمی ہو گا اور وہ کہیں گے کہ شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا اور قدر فرمانے والا ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھہرا دیا۔ لہٰذا اب ہمیں کوئی مشقت پیش نہیں آتی ہے اور جنہوں نے کفر کیا ہے' ان کے لئے جہنّم کی آگ ہے وہاں ان کا قصہ پاک کر دیا جائے گا اور ان کے عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی۔ اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو کفر کرنے والا ہے جو وہاں چیخ چیخ کر کہیں گے کہ اے میرے رب! ہمیں یہاں سے نکال دے تاکہ ہم نیک عمل کریں' ان اعمال سے مختلف جو پہلے کرتے تھے۔ انہیں جواب دیا جائے گا: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس سے تم سبق لینا چاہتے تو لے سکتے تھے اور تمہارے پاس ایسا شخص بھیجا جو ڈرانے والا تھا۔ اب مزا چکھو۔ ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔" (فاطر:28-37)

آخرت میں اہلِ ایمان کے تین گروہ

1۔ علماء۔
2۔ صالحین۔
3۔ ملے جلے اعمال والے۔

یہاں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے تو علماء کا ذکر ہے کہ اللہ سے ڈرنے اور خشیت کا جو حق ہے وہ صرف اہلِ علم ادا کر سکتے ہیں۔

اور پھر آگے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خسارے میں نہیں لے کر جائے گا۔ اس کے بعد اللہ کی کتاب کی تعریف فرمائی۔

نیز یہ کہ ایک گروہ ہے جسے ہم نے اس اللہ کی کتاب کا وارث بنایا۔ یہ مسلمان لوگ ہیں۔ جنہیں اس کتاب کا وارث بنایا گیا۔ ان میں تین گروہ ہیں: ایک وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں ایمان ہے وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ جو دین کا جذبہ رکھتے ہیں لیکن عملی زندگی میں ان سے بہت کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کچھ ایسے ہیں کہ بس برابر برابر میں گزارا کر رہے ہیں۔ اور تیسرے وہ ہیں جو نیکیوں میں بہت آگے ہیں۔ ان تینوں گروہوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے اور قرآنِ کریم کی وہی سب سے بہتر تفسیر ہے۔ امام احمدؒ نے ابو الدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں' وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہو جائیں گے اور جو بیچ کی راہ چل رہے ہیں وہ درمیان درمیان والے ہیں' ان کا محاسبہ ہو گا مگر ہلکا سا حساب۔ تیسرا وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے' وہ محشر کے پورے طویل عرصے میں روک رکھے جائیں گے پھر ان کو اللہ اپنی رحمت میں لے لے گا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ۝

"شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔" (فاطر:34)

غم اس بات کا ہو گا کہ پتا نہیں اب کیا ہو گا۔ گناہوں کی وجہ سے جہنم میں نہ جانا پڑ جائے۔ تو فرمایا:

اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ
لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝

"ہمارا پروردگار بہت معاف کرنے والا ہے اور بہت قدر فرمانے والا ہے۔ وہ پروردگار جس نے ہمیں اپنے

fat.com

فضل سے ابدی قیام کی جگہ پہ ٹھہرا دیا۔ یہاں اب کوئی تکلیف نہیں، کوئی مشقت نہیں، کوئی تھکان نہیں"

(فاطر:35)

اس کے برعکس آگے پھر ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو کتابُ اللہ کے وارث نہیں ہیں۔ انہوں نے اللہ کی کتاب کو قبول نہیں کیا، اس پر ایمان نہیں لائے، عمل نہیں کیا۔ ان کے لئے جہنم کی آگ ہے اور اس میں نہ ان کے لئے موت ہے کہ عذاب میں کمی آئے اور نہ عذاب میں کوئی کمی ہو گی۔ یہ بار بار یہی کہیں گے کہ اے اللہ! ہمیں دنیا میں واپس جانے کے لئے ایک موقع اور دے دے۔ ہم بالکل بدل کر آئیں گے، نیک اعمال کریں گے۔ تو ایک ہی جواب انہیں ملے گا کہ تمہیں ہم نے بہت لمبی عمر دے دی تھی۔ ساٹھ ستر سال کا عرصہ کوئی تھوڑا عرصہ نہیں ہوتا۔ ساٹھ ستر سال کے عرصے میں ایک نہیں، کئی لوگ تمہیں سمجھانے، ڈرانے، دھمکانے کے لئے آئے۔ تم نے کسی کی بھی نہیں مانی، کسی کی بھی نہیں سنی۔ تم عذاب کا مزہ چکھو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب کے وارثین میں سے بنائے اور یہ کتاب آخرت میں ہمارے لئے شفاعت کا ذریعہ بنے اور اللہ تعالیٰ ہمیں نیک لوگوں میں شامل فرمائے اور ہم اگر ایسے لوگ ہیں جو درمیان میں ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارا حساب نرم فرمائے اور اگر ہمارے گناہ ہماری نیکیوں سے زیادہ ہیں تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ہمیں اپنی رحمت خاص میں جگہ دے دے۔ ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرمائے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم سے وہ معاملہ نہ فرمائے جس کے ہم ایسے روسیاہ مستحق ہیں۔

Marf

[illegible] قرآنِ کریم

کی سورتوں کا تعارف و تلخیص [illegible]

انوار القرآن

جلد اوّل

مصنفہ

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ

سابق اسسٹنٹ پروفیسر ثقافت اسلامیہ و صدر شعبہ [illegible]

سابق وائس چانسلر اسلامک یونیورسٹی [illegible]

ڈاکٹر مرتضیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

15-A1 ماڈل ٹاؤن [illegible] لاہور

مکتبہ جاگیر بکڈپو

اردو بازار لاہور

Marfa